خواتین کے لیے صاف ستھرا تفریحی ادب

ماہنامہ
آنچل
کراچی

DECEMBER 2016

ابتدائیہ

دانش کدہ

ہمارا آنچل

سلسلہ وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

آرٹیکل

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی، دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی 74400

سرورق: فاطمہ آفندی ...... آرائش: روز بیوٹی پارلر ...... عکاسی: موسیٰ رضا

خط وکتابت کا پتہ: ''آنچل'' پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 'فون: 021-35620771/2

فیکس: 021-35620773 یکے از مطبوعات نئے اُفق پبلی کیشنز۔ ای میل info@aanchal.com.pk

نبی مہربان ﷺ

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو اسے نرم مزاج بنا دیتے ہیں۔
(المعجم الکبیر للطبرانی: 2274 حسن لغیرہ)

سرگوشیاں

مدیرہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

دسمبر ۲۰۱۶ء کا آنچل حاضرِ مطالعہ ہے۔

امید ہے کہ اللہ سبحان وتعالیٰ کے فضل وکرم سے آپ تمام بہنیں بخیر ہوں گی۔ وطن عزیز کا موسم کروٹ بدل رہا ہے گرمیاں رخصت ہوچکی ہیں موسم سرما شروع ہورہا ہے۔ ایسے ہی ملک کا سیاسی موسم بھی تبدیل ہونے کے لیے پَر تول رہا ہے۔ گرما گرمی کم یا ختم ہونے کے بجائے بتدریج بڑھتی جارہی ہے ادھر امریکہ میں غیر متوقع طور پر ہونے والے انتخابات میں جو نتیجہ سامنے آیا ہے کچھ تجزیہ کاروں کا خیال ہے کہ نئے صدر کے آنے سے پاکستان کو کئی طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے کیونکہ ہمارے حاکموں کا حاکم ہمارا خیر خواہ نہیں ہے ایسے تمام تجزیہ کاروں اور خود ساختہ دانشوروں سے میری گزارش ہے کہ وہ اپنے رب کی ناشکری ہرگز مت کریں اور اپنے تجزیوں پر اللہ سے معافی مانگیں کیونکہ حاکم الحاکمین تو صرف اللہ سبحان وتعالیٰ کی ذاتِ عالی شان ہے۔ ہمارا رب تمام حکمرانوں پر حکومت کرتا ہے اگر امریکہ یا کسی بھی بڑی قوت کو ہم پر مسلط کیا ہے تو وہ بھی اسی حاکم الحاکمین نے کیا ہے۔ امریکہ تو خود اس انتخاب سے مصیبت وپریشانی میں پھنس گیا ہے جب ہماری حفاظت ونگہداشت کرنے والا وہ ہے جس کا کوئی مقابل نہیں وہی سب قوت والوں کی قوت ہے چلیں جناب یہ تو تھیں حالات حاضرہ کی باتیں۔

اب آئیں اپنے آنچل کی طرف! یہ شمارہ 2016ء کا آخری شمارہ ہے اس کے بعد آنے والا شمارہ نئے سال کے حوالے سے ہوگا۔ اس سال 2017 میں آپ کا آنچل اپنی عمر کے 39 سال مکمل کرکے چالیسویں سال میں قدم رکھ لے گا' ان شاء اللہ۔ یقیناً یہ طویل سفر آپ بہنوں کی محبتوں اور تعاون کا مظہر ہے۔ ادارہ آنچل اپنی تمام قاری بہنوں اور ساتھ ہی مصنفین کا تہہ دل سے شکر گزار ہے اور امید کامل ہے کہ آئندہ بھی بہنیں ہماری حوصلہ افزائی یونہی کرتی رہیں گی' ان شاء اللہ آنچل تو آپ کا اپنا آنچل ہے اسے سجانے سنوارنے میں آپ کی شرکت آپ کی آرا' تعریف وتنقید وتجاویز لازم وملزوم ہیں۔ آپ کی شرکت کے سبب ہی ہم یہ طویل سفر طے کرپائے ہیں اور آئندہ بھی قدم بڑھتے ہی رہیں گے' ان شاء اللہ۔

اس ماہ کے ستارے

نگہت سیما' عنبرین اختر' اُم ایمان قاضی' راشدہ علی' سلمٰی غزل' حمیرا قریشی' شبینہ گل' حرا قریشی' چندہ چوہدری' نوشین اقبال نوشی' کائنات غزل اور انعم خان۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔
دعا گو
قیصر آرا

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ٥

انتقال پر ملال:۔ بڑے دکھ کے ساتھ بہنوں کو اطلاع دی جارہی ہے کہ آنچل کے مستقل کالم نگار "ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا"، حکم ربی سے انتقال کرگئے ہیں۔ آنچل کا ادارہ مرحوم کے اہل خانہ کے دکھ میں برابر کا شریک ہے اللہ سبحان وتعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے (آمین)۔ قارئین سے بھی دعائے مغفرت کی التماس ہے۔

حمد

مرے افکار کو سوغاتِ توانائی دے

مرے معبود! مری فکر کو رعنائی دے

تُو نے مہکایا ہے پھولوں کو گلستانوں کے

مرے شعروں کو بھی دنیا کی پذیرائی دے

مرے افکار کے دریا میں اٹھا برقی رو

مرے اشعار کو گہرائی دے گیرائی دے

مرے مولا! مرے اشعار ہیں اولاد مری

مری اولاد کو دانائی دے بینائی دے

زہر کج فہمی سے نیلے ہوئے جاتے ہیں بدن

مرے آقا ہمیں تریاقِ شناسائی دے

مبتلا سارا جہاں کرب کے سرطان میں ہے

مرے مالک! مجھے اعجاز مسیحائی دے

ظفر محمد خان ظفر

نعت

کرم کے بادل برس رہے ہیں دلوں کی کھیتی ہری بھری ہے

یہ کون آیا ہے کہ ذکر جس کا نگر نگر ہے گلی گلی ہے

یہ کون بن کے قرار آیا یہ کون جانِ بہار آیا

گلوں کے چہرے ہیں نکھرے نکھرے کلی کلی میں شگفتگی ہے

دیے دلوں کے جلائے رکھنا نبیؐ کی محفل سجائے رکھنا

جو راحتِ دل سکون جاں ہے وہ ذکر ذکر محمدی ہے

نبیؐ کو اپنا خدا نہ مانو خدا سے لیکن جدا نہ جانو

ہے اہلِ ایماں کا یہ عقیدہ خدا خدا ہے نبیؐ نبیؐ ہے

نہ مانگو دنیا کے تم خزینے چلو نیازی چلیں مدینے

کہ بادشاہی سے بڑھ کے پیارے نبیؐ کے در کی گداگری ہے

عبدالستار نیازی

editor_aa@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

حجاب

مدیرہ

یاسمین نشاط...... لاہور

ڈیئر یاسمین! سدا سہاگن رہو آپ کی تمام تحریریں ہمارے پاس محفوظ ہیں کسی بھی خدشے کو ذہن میں مت لائیں جلد لگانے کی کوشش کریں گے۔ حجاب کی سال گرہ پر آپ کو بھی ڈھیروں مبارک باد۔ آپ کے والدین کی رحلت کے متعلق پڑھ کر افسوس ہوا ان کی برسی کے موقع پر بے شک آپ کے دکھ درد کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا' نہ ہی جذبات و احساسات کو لفظوں کے پیراہن میں ڈھالا جاسکتا ہے۔ والدین کے بغیر زندگی گزارنا بے آب و گیاہ صحرا کی آبلہ پائی کے مترادف ہے۔ ہم آپ کے دکھ میں برابر کے شریک ہیں اگر ان چند الفاظ سے آپ کی تشفی ہوجائے تو ہمارے لیے خوشی کی بات ہے۔ قارئین سے بھی دعائے مغفرت کے ملتمس ہیں' امید ہے آئندہ بھی آپ کا قلمی تعاون ہمدم رہے گا۔ بے شک چھوٹے بچوں کے ساتھ وقت نکالنا دشوار ہوتا ہے لیکن محبت اور توجہ کے متقاضی کچھ لوگ یہاں بھی ہیں بس اتنا خیال رکھیے گا' نگہت عبداللہ تک آپ کا سلام ان سطور کے ذریعے پہنچ جائے گا۔

فاخرہ گل ...... اٹلی

ڈیئر گل! سدا سہاگن رہو یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی آپ کی چوتھی اور سو لفظی کہانی کی پہلی کتاب شائع ہوکر مارکیٹ میں دستیاب ہے اور آپ کو یہ بھی اعزاز حاصل ہوا کہ آپ پہلی خاتون لکھاری ہیں جن کی سو لفظی کہانیاں کتابی صورت میں شائع ہوئیں۔ اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ آپ کو ہمیشہ کامیاب و کامران رکھے ہر میدان و امتحان میں آمین۔

حمیرا نگاہ...... ملکوال

پیاری حمیرا! سدا سہاگن رہو آپ کی ارسال کردہ پانچ اقساط موصول ہوگئی ہیں جلد لگانے کی کوشش کریں گے۔

شب و روز مصروفیت کے عالم میں کہاں اور کیسے گزر رہے ہیں کچھ خبر نہیں۔ وہ جو شاعر کہہ گئے ہیں بالکل وہی بات ہے
"ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی کچھ ہماری خبر نہیں آتی"
آج ہم سب کا حال اسی شعر کے مصداق ہے مصروفیت کا یہ عالم ہے کہ خود سے ملاقات کا بھی وقت نہیں مل پاتا اپنے لیے بھی چند پل نکالنا دشوار لگتا ہے بہرحال ان مصروف گھڑیوں میں سے چند پل ہمارے نام کیے بے حد اچھا لگا۔ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کی بچیوں کو زندگی کے ہر میدان میں کامیابی سے ہمکنار کرے اور ان کے والدین کا سایہ سدا سایہ فگن رکھے' آمین۔

حمیرا نوشین...... منڈی بہائو الدین

پیاری حمیرا! شاد و آباد رہو یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ ہماری حوصلہ افزائی نے آپ کو مصروف کردیا ہے اور دیکھا جائے تو اسی مصروفیت نے معروف بھی کردیا ہے۔ آج آپ کا نام بہت سے رسائل کی زینت بن رہا ہے' بہرحال اس بات سے تو ہمیں انکار نہیں کہ اسکول' گھر' بچے اور اپنے ذاتی مشاغل کو یکساں وقت دینا اور سب پر توجہ رکھنا ایک مشکل امر ہے آپ اس قدر مصروف گھڑیوں میں بھی نصف ملاقات کے بہانے ڈھونڈ لیتی ہیں بے حد مشکور ہیں' آپ کی تحریر ہمارے پاس محفوظ ہے جلد شائع کرنے کی کوشش کریں گے آپ دیگر موضوعات پر بھی طبع آزمائی جاری رکھیں۔

فوزیہ سلطانہ...... تونسہ شریف

عزیزی فوزیہ! شاد و آباد رہو آپ کی دوسری تحریر کچھ خاص تاثر قائم کرنے میں ناکام رہی' اس لیے معذرت۔ ہم سے پوچھیے ایک تفریحی سلسلہ ہے تاکہ ٹینشن اور آلام و مصائب سے وقتی طور پر نجات حاصل کرکے سب کو ہنسنے اور مسکرانے پر مجبور کیا جاسکے اسی لیے تفریح طبع کا بھرپور خیال رکھا جاتا ہے۔ آنچل کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

مدیحہ نورین مہک...... گجرات

عزیزی مدیحہ! جیتی رہو' سولہ دسمبر کے حوالے سے آپ نے اپنے جذبوں کا اظہار نہایت عمدگی سے کیا ہے بے شک آج ایک سال کا عرصہ ہی گزرا ہے مگر جن ماؤں کی گود اجڑی تھی ان کے لیے جدائی کے یہ پل صدیوں پر محیط ہیں۔ اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ ہمارے وطن کو شر پسند عناصر

سے محفوظ رکھے اور ہم سب کو اپنی امان میں رکھے آمین۔

ثناء کنول...... لودھراں

ڈیئر ثناء! شاد رہو' آپ کے مفصل خط سے اندازہ ہوا کہ آپ اپنی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا چاہتی ہیں اور آنچل ایسی ہی نوآموز رائٹرز کو یہ پلیٹ فارم مہیا کرتا ہے جس کے ذریعے سے وہ اپنی خوابیدہ صلاحیتوں کا اظہار کرکے اپنا ایک منفرد مقام اور پہچان بنا سکتی ہیں۔ آنچل کے دروازے آپ پر بھی کھلے ہیں' آپ اپنی تحریر ارسال کردیں اگر معیاری ہوئی تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ وسیع مطالعہ اور دیگر رائٹرز کی تحاریر کے بغور مطالعہ کے بعد آپ بہتر لکھ کر اپنا خواب پورا کرسکتی ہیں۔

قرۃ العین سکندر...... لاہور

ڈیئر عینی! سدا سہاگن رہو' یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے آپ کو ایک بار پھر اپنی رحمت سے نوازا۔ اب تو آپ کی مصروفیات مزید بڑھ گئی ہوں گی اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کے بچوں کو صحت وتندرستی سے بھرپور زندگی عطا فرمائے اور آپ کے گھر کی رونق یونہی قائم ودائم رہے' آمین۔

صائمہ مشتاق...... سرگودھا

ڈیئر صائمہ! سدا سہاگن رہو' آپ کی ارسال کردہ رقم موصول ہوگئی ہے اور سالانہ خریدار بھی آپ بن چکی ہیں۔ نومبر سے آنچل آپ کو جاری کردیا گیا ہے اب ہر ماہ گھر بیٹھے ہی آنچل کا مطالعہ کرپائیں گی۔ آپ کی علمی لگن اور حصول تعلیم کے شوق کے متعلق جان کر اچھا لگا۔ ہمیں آپ کی مخلصانہ دعاؤں سے بڑھ کر کوئی تحفہ ہمارے لیے انمول نہیں بہرحال آپ کی اس قدر چاہت وخلوص کے مقروض ومشکور ہیں۔

منیبہ نواز...... صبور شریف

عزیزی منیبہ! جگ جگ جیو' دو ماہ کی غیر حاضری کے بعد بزم آنچل میں ایک بار پھر آپ کی شرکت بہت اچھی لگی۔ بے شک آج کل ہر کوئی شب وروز کے مسائل میں اس قدر مصروف ہے کہ فرصت کا وجود عنقا ہوگیا ہے اور ہر کوئی یہی شکوہ کرتا نظر آتا ہے ''دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن'' آپ نے اپنی مصروف گھڑیوں میں سے چند پل نکال کر ہمارے نام کیے بے حد خوشی ہوئی۔ بے شک گھریلو معروفیات اور روزگار کے مسائل میں الجھ کر وقت نکالنا مشکل ہوتا ہے لیکن امید ہے آئندہ بھی شریک محفل رہیں گی۔

فوزیہ تحریم...... منڈی فیض آباد

ڈیئر فوزیہ! سدا شاد رہو' آپ کے خط سے آپ کے مخلصانہ اور والہانہ جذبات کا بخوبی اندازہ ہوگیا ہے اور یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ ہمارے چند الفاظ نے آپ کے لیے دلی مسرت کا سامان فراہم کیا آپ اپنی دیگر نگارشات اور تعارف ارسال کردیں جلد شائع کرنے کی کوشش کریں گے' آنچل کی پسندیدگی کا شکریہ۔

رانی کوثر...... ہری پور ہزارہ

ڈیئر رانی! سدا سہاگن رہو' امید ہے جب تک یہ سطور آپ کی نظروں سے گزریں گی آپ پیا دیس سدھار چکی ہوں گی اور ان کے دل کی رانی بھی بن گئی ہوں گی۔ ہماری جانب سے شادی کی ڈھیروں مبارک باد۔ بے شک یہ مرحلہ جہاں والدین کے لیے خوشیوں کا باعث ہوتا ہے وہیں اولاد کی جدائی کا خیال بے حد تکلیف دہ اور کٹھن امر بھی ہوتا ہے۔ ایسے میں باپ کی دائمی جدائی کا صدمہ ان گھڑیوں میں ایک مشکل گھڑی ہے اور ہر بیٹی کو اس لمحے میں اپنے مشفق باپ کی دعاؤں اور محبت کی ضرورت ہوتی ہے' بہرحال آپ کے والد جنت کے باسی ہیں اور آج بھی آپ کے سنگ ان کی ڈھیروں دعائیں ہوں گی اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کو آنے والی زندگی میں ڈھیروں خوشیاں عطا فرمائے اور آپ کے والد کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے' آمین۔

آسیہ شاہین...... چوآسیدن شاہ

ڈیئر آسیہ! سدا خوش رہو' آپ کا لکھا شعر بے حد پسند آیا' آپ کا تعارف ہمارے پاس محفوظ ہے لیکن اس سلسلے میں ہر ماہ کثیر تعداد میں بہنوں کے تعارف موصول ہوتے ہیں اسی بناء پر تاخیر ہوجاتی ہے بہرحال مایوس مت ہوں' جلد شائع کرنے کی کوشش کریں گے۔ آنچل کو پسند کرنے' سراہنے' اپنی آراء وتجاویز سے آگاہ کرنے کا بے حد شکریہ۔ امید ہے آئندہ بھی آپ کا تعاون ہمارے سنگ رہے گا۔

فاطمہ مشہد...... فیصل آباد

ڈیئر فاطمہ! جیتی رہو' بزم آنچل میں پہلی بار شرکت پر

خوش آمدید۔ بے شک آپ کا کہنا بجا ہے کہ بہت سے نو آموز شاعر اپنی کاوش نیرنگ خیال میں ارسال کر کے اپنی شاعری میں بہتری اور نکھار لائے ہیں۔ آپ کے لیے ہماری رہنمائی حاضر ہے بس تھوڑا انتظار کرنا ہوگا کیونکہ اس سلسلے کے لیے ہر ماہ کثیر تعداد میں بہنوں کی شاعری موصول ہوتی ہے اگر معیاری ہوئی تو اصلاح کے عمل سے گزرنے کے بعد ضرور شائع ہوجائے گی۔

مسز ربیعہ اساور بٹ...... فیصل آباد

عزیزی ربیعہ! سدا سہاگن رہو' طویل عرصے کے بعد آپ سے نصف ملاقات بہت خوشگوار رہی یقیناً ماں کی دائمی جدائی انسان کی ذات میں ایک ایسا خلاء پیدا کر دیتی ہے جسے کسی اور کی محبت وشفقت ہرگز پورا نہیں کر پاتی اور بیٹیاں تو ویسی بھی ماں کے زیادہ قریب ہوتی ہیں۔ اپنا تمام وقت ماں کے آنچل تلے گزارتی ہیں بہرحال آپ اپنا غم بھول کر زندگی کی طرف لوٹ رہی ہیں' خوش آئند ہے۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو زندگی کی ڈھیروں خوشیاں عطا فرمائے اور والدہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے' آمین' آنچل کی پسندیدگی کے لیے مشکور ہیں۔

شازیہ ہاشم عرف تمثال ہاشمی ...... کھڈیاں قصور

عزیزی شازیہ! شاد و آباد رہو' مصروفیت کے بہتے سمندر سے فراغت کے ساحل پر قدم جما کر آپ نے ہمیں یاد رکھا بے حد خوشی ہوئی۔ پیاری بہنا ہر ماہ کثیر تعداد میں پیغامات موصول ہوتے ہیں ہم چاہ کر بھی آپ کے تمام خطوط صفحات کی کمیابی کی بناء پر شائع نہیں کر پاتے۔ اسی لیے آئندہ ماہ کے لیے محفوظ کر لیتے ہیں۔ آپ ہماری مجبوری سمجھنے کی کوشش کریں یا پھر کوئی تجویز آپ ہی بتائیں کہ ہم بتلائیں کیا۔ امید ہے خفگی کے چھائے بادل مٹ جائیں گے' آپ کا پیغام جلد شائع کرنے کی کوشش کریں گے۔

ثوبیہ ملک...... کراچی

ڈیئر ثوبیہ! سدا سکھی رہو' آپ کی بے ساختہ خوشی کا اظہار ہمیں بھی خوشی کے احساسات سے دوچار کر گیا۔ اعزازی پرچہ ہر رائٹر کو بھیجا جاتا ہے۔ بہرحال آپ پہلے سے لے چکی تھیں چلیں کوئی بات نہیں۔ اس خوشی میں آپ اپنے دستخط بھی بھول گئیں یہ اہم بات ہے بہرحال اس کامیابی پر ڈھیروں مبارک باد۔ ''انچھرنا بھی ضروری تھا'' آپ کی اس تحریر کے لیے معذرت خواہ ہیں۔

سائرہ محمد...... ٹوبہ ٹیک سنگھ

پیاری سائرہ! سدا آباد رہو' زندگی میں آنے والی ایک اور سالگرہ کی ڈھیروں مبارک باد قبول کریں اور ایسی بہت سی خوشیاں اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کے مقدر میں لکھ دیں۔ آنچل کے لیے نگارشات ارسال کر دیں ہر سلسلے میں شرکت کے لیے کاغذ پر اپنا اور شہر کا نام ضرور لکھنا اگر معیاری ہوئی تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی' بزم آنچل میں خوش آمدید۔

حنا کامران...... ملتان

عزیزی حنا! مانند حنا مہکتی رہو' آپ کی ارسال کردہ تین تحریریں بعنوان ''شمع فروزاں' خزاں سے بہار تک'' اور ''نشاط کار'' موصول ہوئیں۔ اول الذکر دو تحریریں کچھ خاص تاثر قائم کرنے میں ناکام ٹھہریں۔ وجہ موضوع کا چناؤ بہت کمزور تھا' کہانی پر گرفت بالکل بھی نظر نہیں آئی البتہ ایک خوشی کی خبر یہ ہے کہ مؤخر الذکر تحریر موضوع کی انفرادیت کی بدولت قابل قبول ٹھہری۔ آپ مزید محنت کے ساتھ لکھیں ہمیشہ یہ بات پیش نظر رکھیں کہ مختصر مگر مؤثر لکھیں تاکہ آپ کی بات دوسروں کے دلوں میں اپنی جگہ بنا سکے۔

کوثر خالد...... جڑانوالہ

پیاری کوثر! جگ جگ جیو' آپ کا شگفتہ انداز بہت پسند آیا۔ در جواب آں اور آئینہ ساتھ لکھ بیٹھی اب کیا ہوگا؟ جناب کچھ نہیں ہوگا دونوں شامل محفل ہیں۔ آپ کی کتاب ''حوض کوثر'' ہمیں موصول نہیں ہوئی ورنہ ضرور اپنی رائے سے آگاہ کرتے بہرحال سب کو پسند آرہی ہے تو ضرور قابل تعریف وقابل تحسین ہوگی اور جس عظیم الشان ذات کی مدح سرائی بیان کی گئی ہے وہ تو ہیں ہی قابل تعریف اور جس کی تعریف وشان خود اللہ سبحان و تعالیٰ اور اس کے فرشتے بیان کرتے ہوں اس کے متعلق ہم جیسے گناہ گار بندے کیا کہنے کے قابل ہیں۔ حمد و نعت پر مبنی آپ کی یہ کتاب آپ کے لیے توشۂ آخرت ثابت ہوگی۔ خدمت خلق سے بھرپور آپ کا جذبہ بہت پسند آیا' بے شک اگر آپ حق پر ہیں تو اللہ کی مدد ہی کافی ہے۔

عنزہ یونس...... حافظ آباد

عزیزی عزوہ! ہنستی مسکراتی رہو، آپ کے مفصل خط سے آپ کے جذبہ حب الوطنی کا بخوبی ادراک ہوا۔ آپ کا کہنا بجا ہے کہ آج جب سرحد پر حالات کشیدہ ہیں اس حالت میں بھی ہم اپنے اندرونی اختلافات میں الجھے ہوئے ہیں۔ ملکی مفادات سے بڑھ کر اپنے مفادات عزیز ہیں۔ ہماری اس بے حسی و خود غرضی نے ہی آج ہم مسلمان قوم کو تہی داماں کر دیا ہے کہ ہم اغیار کے محتاج ہو کر رہ گئے ہیں وہ قوم جو اللہ سبحان وتعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات پر عمل پیرا ہو کر دنیا پر قابض وحکمران تھی آج ذلت وپستی کی اتاہ گہرائیوں میں ڈوبی ہے خدا نہ کرے کہ اس انتشار سے فائدہ اٹھا کر 1971ء کی قیامت خیزی کا پھر سے سامنا کرنا پڑے۔ بہرحال اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وطن عزیز کو اپنی امان میں رکھے، آپ کا ارسال کردہ "آغوش مادر" حجاب نومبر کے شمارے میں شائع ہو چکا ہے۔

فاطمہ ماریہ...... فیصل آباد

ڈیئر فاطمہ! سدا سہاگن رہو، یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ آپ والدہ کے عہدے پر فائز ہوگئی ہیں۔ بے شک ماں کی ممتا کے احساسات اور محبت بھرے جذبوں سے آشنا ہونا ایک خوشگوار تجربہ ہے۔ مصروفیات مزید بڑھ گئی ہوں گی، اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کے بیٹے کو صحت وتندرستی سے بھرپور زندگی عطا فرمائے اور آپ کے گھر کی رونق یونہی قائم ودائم رہے، آمین۔

مونا شاہ قریشی...... ملتان

ڈیئر مونا! جگ جگ جیو، آپ کا نیا نام جو آپ نے خود ہی اپنے لیے تجویز کیا ہے انتظار شاہ بہت پسند آیا اور ہے بھی کافی منفرد ویسے بھی آج کل ہر کوئی نئے نام کے چکر میں الجھا ہوا ہے ایک آپ بھی سہی۔ آپ کا شکوہ، جواب شکوہ کے ساتھ حاضر ہے، آپ کی جرأت گفتار کا انداز اس قدر بھایا کہ ہم نے ہر لغزش ولرزش کو پس پشت ڈال دیا۔ بہرحال آپ کا کہنا بجا ہے انتظار کی گھڑیاں طویل ہوتی ہیں لیکن اس جانگسل مرحلے سے گزر کر ہی سب اپنی منزل تک پہنچتے ہیں۔ آپ کا شکوہ جو کچھ یوں تھا

متوقع آنچل کی لسٹ میں شامل میرا نام کر دیجیے
گر ہو سکے یہ نوازش مجھے مصنفہ کا شرف دان کر دیجیے

تو پیاری گڑیا! مصنفہ کا شرف تو ہم دان کر چکے آپ کی تحریروں کو قبولیت کا درجہ بخش کر، اب تو صرف منظر عام پر آپ کا نام لانا ہے تو جلد آ جائے گا اب دیکھیے آنچل کے صفحات پر نام تو آ گیا ہے ناں تو جلد ہی کہانی کے ساتھ بھی آ جائے گا۔ پیوستہ رہ آنچل سے امید بہار رکھ، یہ بہار آپ کے دامن میں بھی پھول کھلا دے گی بس تھوڑا سا انتظار۔

اقراء لیاقت...... حافظ آباد

پیاری اقراء! سدا سکھی رہو، ہم بالکل خیریت سے ہیں آپ نے بالخصوص ہمیں یاد رکھا اچھا لگا یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ آپ اپنی ٹیچر سمعیہ ضیاء کا اس قدر احترام کرتی ہیں بے شک باادب ہی بانصیب ہوا کرتے ہیں اور بے ادب بے نصیب ہی ٹھہرتے ہیں۔ یہ استاد ہی ہوتا ہے جو علم و ادب کے افق پر لے جاتا ہے اور آپ کو ترقی کی منازل سے روشناس کرواتا ہے۔ بے شک حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ جس نے مجھے ایک لفظ بھی سکھایا اس نے مجھے اپنا غلام بنا لیا تو ذرا تو سوچیے جو ہمارے استاد کے عہدے پر فائز ہے وہ ہمیں کس طرح لگن اور محنت سے ہر بات سکھاتا ہے، آپ کی ٹیچر مس سمعیہ کو سالگرہ کی ڈھیروں مبارک باد۔ اللہ سبحان وتعالیٰ ان کے علم میں مزید برکت عطا فرمائے تاکہ علم کی یہ شمع فروزاں رہے، آمین۔

حافظہ شہر بانو...... فیصل آباد

گڑیا شہر بانو! سدا خوش وخرم رہو، آپ کی تحریر "ادھوری خواہش" موصول ہوئی، پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت موجود ہے لیکن موضوع کمزور ہونے کی بناء پر تحریر اپنی جگہ نہیں بنا پائی۔ مایوس ودل برداشتہ ہونے کے بجائے کسی دوسرے موضوع کا انتخاب کرتے ہوئے قلم اٹھائیں۔

کرن نعمان...... کراچی

ڈیئر کرن! صبح کی پہلی کرن بن کر اجالا بکھرتی رہو، آپ کی تحریر شاہدہ اور رضیہ خالہ موصول ہوئی۔ بہتر موضوع پر آپ کی گرفت بھی خوب رہی، اس کامیابی پر ہماری جانب سے مبارک باد۔ امید ہے آئندہ بھی آپ ایسے ہی موضوعات کا انتخاب کرتے محفل میں شامل رہیں گی۔

زینب ملک ندیم...... گوجرانوالہ

پیاری زینب! شاد رہو، آپ کی دو تحریر موصول ہوئیں

"میں ادھورا چاند، تم میری دعا" پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت موجود ہے اس بناء پر آپ کی دونوں تحریریں کامیابی کی سند حاصل کر گئیں۔ اسی طرح منفرد موضوع کو اپنے مزاج کا حصہ بناتے ہوئے قلم کو تھامے رکھیں، اس کامیابی پر ہماری جانب سے مبارک باد۔

صالحہ عزیز صدیقی...... کراچی

ڈیئر صالحہ! سدا مسکراؤ، آپ کی جانب سے ارسال کردہ تحریر "دو پیاسے نین" پڑھ ڈالی۔ موضوع کا چناؤ بہتر ہے لیکن آپ کے انداز میں پختگی کا عنصر مفقود ہے۔ آپ بچوں کے لیے کہانیاں لکھ چکی ہیں اسی لیے اس تحریر میں انداز بچوں جیسا اور بالکل سادہ لگ رہا ہے، آئندہ اس چیز کا بطور خاص خیال رکھیں بچوں کے لیے یہ انداز تو بالکل ٹھیک ہے لیکن دیگر پرچوں میں یہ چیز اچھا تاثر پیدا نہیں کرتی امید ہے آئندہ ان باتوں کا خیال رکھیں گی، آپ کی تحریر کانٹ چھانٹ کے بعد شائع کردی جائے گی۔

رشک حنا...... ملکوال

ڈیئر حنا! سدا مسکراتی رہو، آپ کی ارسال کردہ تحریر "یہ رات آخری ہوگی" بے شک حقیقت پر مبنی اور سچائی کی عکاس تحریر ہے لیکن آپ کا انداز کمزور ہے۔ ایک حادثے کی صورت آپ نے واقعہ کو قلم بند کیا ہے اس پر ہمیں اس ماں کے دکھ کا اندازہ بخوبی ہوگیا ہے جس کا جوان بیٹا اور بہو اسے تنہا چھوڑ کر ابدی سفر پر روانہ ہوجائیں۔ اللہ سبحان وتعالیٰ اس ماں کو صبر وتحمل عطا فرمائے اور مرحومین کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔ تحریر کے لیے معذرت خواہ ہیں۔

ناقابل اشاعت:۔

بلاعنوان، سجدہ، اعتبار نہ کریو، اضطراب، جو وہ چاہیے، بلا عنوان، ایسا بھی ہونا ہے، خوشیاں، غم اور یہ بندھن، خاک اور خون اور دوسرا منظر، دل آباد ویران، شہری بابو، ادھوری خواہش، بددعا، وچھوڑا، کیا ملے گا، جنت کا دروازہ، تضاد، سلسلہ، نقص، جوڑ کے تو کوہ گراں تھے ہم، حیات جرم نہ ہو، تمر د، وہ لمحہ جو مہربان ٹھہرا، تم صرف میرے ہو، ابر رحمت، ملن کا موسم، پچھتاوا، مسافت، محافظ، بلاعنوان، تیرے سنگ، یہ رات آخری ہوگی، محبت لاحاصل، ملن کا موسم، اندرون مشرق، دادی، شہزاد، دل بے رحم، خوشبوؤں کا سفر، حکمت و عظمت، بڑے نادان تھے ہم بھی، اماں جی، ذرا سی غلط فہمی، خزاں ہے بہار تک، شمع فروزاں، رہنما، بلاعنوان، زیست کی کٹھنائیاں، سبق، بازی گر، احسان، ریحان، عبرت، دل بے رحم، تضاد، وسعتِ قدرت۔

قابل اشاعت:۔

وہ اک خطا، خواہش ادھوری، دہری زندگی، زندگی دھوپ، تم گمنا سایہ، اک تیرا اور نہیں، دل موم کا کھلونا، دسمبر بیت جائے، محبت کی آنکھیں، تیری خواہشوں کے لیے، نور معرفت، صراط مستقیم، اماں جی، دل گمراہ، شاہدہ اور رضیہ خالہ، مڈل کلاس، کٹھ پتلی، رانی بیٹی راج کرے، کدھر جائیں ہم، دو پیاسے نین، چاند کے اس پار چلو، اک تیرا انتظار ہے، میں ادھورا چاند، ادھورا، محافظ، بلاعنوان، مسافت۔

❤

مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ ہاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔

☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔

☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے ناقابلِ اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کردیا ہے۔

☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔

☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا خوشخط تحریر کریں۔

☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے ارسال کیجئے۔ 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ۔ کراچی۔

السلام علیکم

مشتاق احمد قریشی

قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ایک سو انتیس (۱۲۹) بار آیا ہے اور اکثر مقام پر آپ کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کا ذکر بھی آیا ہے۔

آیت مبارکہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت ہارون علیہ السلام پر بھی رب کائنات نے سلام بھیجا ہے۔ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی تھے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تین سال بڑے تھے۔ اور اللہ کے پیغمبر اور فرعون کے دربار میں وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وکالت کیا کرتے تھے۔ جب حضرت موسیٰ کوہ طور پر تشریف لے گئے تو آپ کو بنی اسرائیل کا نگراں مقرر کر گئے تھے جب واپس آئے اور دیکھا کہ سامری اپنے بنائے ہوئے بچھڑے کی عبادت کرارہا ہے تو آپ اپنے بھائی ہارون سے ناراض ہو گئے اور بنی اسرائیل کو خوب ملامت کی جب بنی اسرائیل نے ارض مقدس میں داخل ہونے سے منع کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے انہیں آگاہ کردیا۔ چالیس برس اسی صحرائے تیہہ میں بسر کریں گے اور دونوں پیغمبر بھی وہیں ان کے ساتھ رہیں گے ایک دن حکم الٰہی سے حضرت ہارون علیہ السلام اپنے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ صحرائے تیہہ میں ''ہوز'' نامی پہاڑ پر چڑھے چند روز وہاں عبادت کی وہیں حضرت ہارون علیہ السلام کا انتقال ہو گیا تو حضرت موسیٰ نے وہیں پہاڑ پر ان کی تجہیز و تکفین کردی اور پہاڑ سے واپس آ کر اپنی قوم بنی اسرائیل کو ان کی موت کی خبر سنائی اس پر تمام اسرائیلی لوگوں نے تیس دن تک ان کا ماتم کیا۔

جب حضرت موسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا تھا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اے میرے پروردگار میرے بھائی ہارون کو میرا مددگار بنادے جو دعوت دین میں میرا قوت بازو اور شریک ہو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ دنیا میں کسی بھائی نے اپنے بھائی کے لئے اس سے بہتر سفارش نہیں کی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے لئے کی۔ (ابن کثیر)

ترجمہ: کہ الیاس پر سلام ہو۔ (الصفت۔ ۱۳۰)

تفسیر: آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے پیغمبر حضرت الیاس علیہ السلام پر سلام بھیج رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نیک اور صالح بندوں اور اپنے پیغمبروں پر سلام فرماتا ہے ایسے ہی اس آیت مبارکہ میں حضرت الیاس علیہ السلام پر سلام بھیج رہا ہے۔ حضرت الیاس علیہ السلام بقول طبریؒ بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے تھے۔ قرآن حکیم میں ان کا ذکر دو جگہ آیا ہے جن میں ان کی نبوت کا ذکر ہے قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ ان کی نبوت کی تصدیق فرمارہا ہے۔ ''بے شک الیاس ہمارے رسولوں میں سے ہے۔'' سورۃ الانعام میں حضرت الیاس علیہ السلام کو حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں بتایا گیا ہے۔ عبرانی زبان اور بائبل میں حضرت الیاس علیہ السلام کے لئے ایلیاہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ان کا تعلق تشب نام کے گھرانے سے تھا۔ آپ جلعاد کے مقام پر سکونت پذیر تھے۔ آپ نے پوری زندگی دولت وثروت اور جاہ وجلال سے بے نیاز رہ کر گزاری۔ آپ کے زمانے میں اسرائیلی بادشاہ اخیاب ملک پر حکمران تھا جس نے اپنی مشرک بیوی کے کہنے پر ایک بت بعل تعمیر کیا تھا جس کی وہ اور اس کی رعایا پوجا کیا کرتی تھی۔ اسی

زمانے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا تو انہوں نے جلعاد کے حکمراں آخیاب کو کہا تو اور تیری رعایا بعل کی پوجا کرتے ہو اگر تم باز نہ آئے اور ایک اللہ کی طرف نہ لوٹے تو اس جرم کی پاداش میں اب بنی اسرائیل کے ملک میں بارش کا ایک قطرہ بھی نہیں برسے گا چنانچہ ساڑھے تین سال تک شدید قحط رہا تو آخیاب نے حضرت الیاس علیہ السلام جنہیں ایلیاہ کہہ کر پکارا جاتا تھا کو بلوایا جب انہوں نے تمام لوگوں کے سامنے ثابت کردیا کہ ان کا دیوتا بعل جھوٹا ہے انہوں نے اس شرط پر دعا کرنے کی حامی بھری کہ اگر سارے جہانوں کا پروردگار بارش برسا دیتا ہے تو وہ سب ایمان لے آئیں گے جب آخیاب بادشاہ اس بات پر آمادہ ہوگیا تو انہوں نے بارگاہ الٰہی میں بارش اور قحط کے خاتمے کے لئے دعا کی تو فوراً ہی دعا قبول ہوگئی اور نا صرف بارش برسنا شروع ہوگئی بلکہ سبزہ اور ترکاریاں بھی نمودار ہوگئیں اور قحط جاتا رہا اس پر بادشاہ آخیاب تو ایمان لے آیا لیکن اس کی مشرک بیوی چراغ پا ہوکر حضرت الیاس علیہ السلام کی دشمن ہوگئی، تب وہ وہاں سے نکل کر کوہ سینا پر چلے گئے۔ چند برس بعد انہوں نے واپس آ کر اسرائیلی قوم اور آخیاب کو ہدایت کی جو اپنی بیوی کے کہنے پر دوبارہ کافر ہوگیا تھا، وہ نہ مانا تو پھر آپ نے اس کے حق میں بددعا کی جس سے اس کا پورا گھرانہ ختم ہوگیا اس کے بعد اللہ نے اپنے نبی حضرت الیاس علیہ السلام کو بھی دنیا سے اٹھالیا۔

ترجمہ: پیغمبروں پر سلام۔ (الصفت۔۱۸۱)

تفسیر: آیتِ مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے پیغمبروں پر سلام فرمارہا ہے چوں کہ پیغمبر اللہ تعالیٰ کے منتخب، پاکیزہ، معصوم شخصیت کے حامل ہوتے ہیں اور احکام الٰہی کو اہل دنیا تک پہنچاتے ہیں جس میں انہیں بڑی ایذا رسانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بڑے دکھ اور تکالیف سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ وہ پیغامِ حق کو پھیلانے میں اپنی زندگی صرف کردیتے ہیں اور ہر حال اور ہر حالت میں اللہ کی شکر گزاری اور اطاعت کرتے رہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا میں مشغول رہتے ہیں۔

شریعت اسلامی میں رسول اس ہستی کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے منتخب کرے اور اس پر وحی آتی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض پیغمبروں پر اپنے احکام اور کتب اور نئی شریعت بھی عطا فرمائی ہے وہی افراد نبی، رسول کہلاتے ہیں۔

جب کسی فرد کو اللہ تعالیٰ منتخب کرلیتا ہے تو وہ نیکی اور خیر میں اللہ کا نائب ہوتا ہے۔ وہ شخص ہر قسم کے شر سے بالاتر ہوجاتا ہے گو کہ وہ عام انسانوں کی ہی طرح رہتا بستا ہے۔ مگر عمل وارادے میں ہر قسم کی بدی سے پاک ہوتا ہے وہ ہر حال میں پیغام توحید اور راست بازی کا درس دیتا ہے قوم کی نافرمانی اور کفر کے باوجود وہ ثابت قدم رہتا ہے۔
اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک نبوت کا سلسلہ جاری رکھا اور نبوت کی تکمیل کے ساتھ ساتھ دینِ اسلام کی تکمیل بھی نبی آخر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی۔

نبیوں کے بھیجنے کی وجہ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن عظیم کی آیات میں فرماتا ہے۔ سورہ ال عمران میں نبیوں کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کے لوگوں میں سے آدم علیہ السلام کو اور نوح علیہ السلام کو، ابراہیم علیہ السلام کے خاندان اور عمران کے خاندان کو منتخب فرمالیا۔ (العمران۔۳۳)

تفسیر: آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے آل عمران کے علاوہ مزید تین خاندانوں کا ذکر فرمادیا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے وقت میں جہانوں پر فضیلت عطا فرمائی ان میں پہلے حضرت آدم علیہ السلام ہیں، جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی اور انہیں مسجود ملائک بنایا اور اسماء کا علم عطا

کیا‘ پہلے جنت میں رکھا پھر انہیں زمین پر بھیج دیا۔ اللہ کا یہ عمل تمام تر حکمتوں سے لبریز ہے دوسرے حضرت نوح علیہ السلام ہیں انہیں اس وقت رسول بنا کر بھیجا گیا جب لوگ اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو معبود بنا چکے تھے انہوں نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ دین حق کی لیکن چند افراد کے سوا کوئی ایمان نہیں لایا تو آپ کی بددعا سے اہل ایمان کے سوا دوسرے تمام لوگ غرق آب ہو گئے۔ آل ابراہیم کو یہ فضیلت عطا کی گئی کہ ان میں انبیاء سلاطین کا سلسلہ قائم کیا اور بیشتر پیغمبر آپ ہی کی نسل سے ہوئے حتیٰ کہ کائنات کی سب سے افضل شخصیت اور نبی آخر الزماں سید الثقلین نبی الحرمین امام القبلتین سیدنا مولانا حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کی نسل سے ہوئے۔

انبیا علیہم السلام کے خاندان میں دو عمران ہوئے ہیں ایک حضرت موسیٰ و ہارون علیہ السلام کے والد دوسرے حضرت مریم علیہا السلام کے والد۔ اس آیت مبارکہ میں مفسرین کے نزدیک یہی دوسرے عمران مراد ہیں کیونکہ اس خاندان کو بلند ترین درجہ حضرت مریم علیہا السلام اور اُن کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے حاصل ہوا۔ (تفسیر قرطبی وابن کثیر) آل عمران کی حرمت کو سمجھنے کے لیے العمران کی آیت ۳ تا ۲۷ کو بھی دیکھنا ہوگا تب ہی آل عمران کی اہمیت واضح ہوگی۔

مسلمانوں کے لئے تمام پیغمبروں پر ایمان لانا ضروری ہے ان کی صحیح تعداد تو اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے تاہم عام مشہور ہے کہ کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر وقتاً فوقتاً دنیا میں تشریف لائے ان میں سے بعض کا ذکر قرآن مجید میں تفصیل کے ساتھ اور بعض کا صرف نام یا مختصر ذکر آیا ہے۔ (اسلامی انسائیکلوپیڈیا)

ترجمہ: اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے ان کے گروہ کے گروہ جنت کی طرف روانہ کئے جائیں گے اور دروازے کھول دیئے جائیں گے اور وہاں کے نگہبان ان سے کہیں گے تم پر سلام ہو تم خوش حال رہو تم اس میں ہمیشہ کے لئے چلے جاؤ۔ (الزمر۔ ۷۳)

تفسیر: آیت مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ اہل ایمان واہل تقویٰ کے بارے میں فرما رہا ہے کہ انہیں روز حساب گروہوں کی شکل میں جنت کی طرف لے جایا جائے گا ان میں سب سے پہلے مقربین‘ پھر ابرار اس طرح درجہ بہ درجہ ہر گروہ ہم مرتبہ لوگوں پر مشتمل ہوگا۔ انبیاء علیہ السلام انبیاء کرام کے ساتھ ہوں گے صدیقین وشہدا اپنے ہم مرتبہ ہم جنسوں کے ساتھ علماء اپنے اقران کے ساتھ یعنی ہر صنف کے لوگ اپنی صنف یا مثل کے ساتھ ہوں گے۔ (ابن کثیر)

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں ان میں سے ایک ریحان ہے جس سے صرف روزے دار داخل ہوں گے (صحیح بخاری) ہر دروازے کی چوڑائی چالیس سال کی مسافت کے برابر ہوگی۔ اس کے باوجود یہ بھرے ہوئے ہوں گے۔ (صحیح مسلم شریف) جنت میں سب سے پہلے داخل ہونے والے گروہ کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک دار ہوں گے اور دوسرے گروہ کے چہرے آسمان پر چمکنے والے ستاروں سے روشن تر ستارے کی مانند چمکتے ہوں گے۔ جنت میں وہ بول و براز اور تھوک بلغم سے پاک ہوں گے ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی‘ ان کے پسینے کی خوش بو کستوری ہوگی ان کی انگیٹھیوں میں خوش بودار لکڑی ہوگی‘ ان کی بیویاں حور عین ہوں گی‘ ان کے قد حضرت آدم علیہ السلام کی طرح ساٹھ ہاتھ بلند ہوں گے (صحیح بخاری) بخاری ہی کی ایک اور روایت میں ہے کہ ہر مومن کو دو دو بیویاں ملیں گی‘ ان کے حسن و جمال کا یہ عالم ہوگا کہ ان کی پنڈلی کا گودا گوشت کے پیچھے سے نظر آئے گا۔ (بخاری) بعض نے کہا کہ یہ دو بیویاں حوروں کے علاوہ دنیا کی عورتوں میں سے ہوں گی۔

ہر جنتی کی کم از کم حور سمیت دو بیویاں ہوں گی۔ (فتح الباری)

اہل ایمان اور متقی لوگوں کا یہ ایک بہترین استقبال ہوگا یہ پاکیزہ لوگوں کا پاکیزہ استقبال ہوگا جنت تو ہے ہی پاکیزہ لوگوں کا ٹھکانا پاک لوگ ہی وہاں داخل ہوسکتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کس طرح کھول کھول کر ہر بات ہر ترغیب کو قرآن حکیم میں بیان فرمارہا ہے جس جس طرح وہ اپنی آیات سے نافرمان لوگوں کو ڈراتا اور سمجھاتا ہے ایسے ہی مالک کائنات اپنے اطاعت گزار فرماں بردار بندوں کو دائمی اجر وثواب کی ترغیبات بھی دیتا ہے تاکہ وہ پوری طرح سوچ سمجھ کر پورے اخلاص اور دیانت کے ساتھ احکام الٰہی اور اتباع رسول کریم پر عمل پیرا ہوں اور کسی بھی طرح شیطان کے بہکاوے میں نہ آئیں۔

جنت جس کا ذکر قرآن کریم میں جگہ جگہ بار بار اہل ایمان کے لئے انعام اور نعمت الٰہی کے طور پر آیا ہے اور جس سے محرومی کا ذکر عذاب الٰہی اور سزائے الٰہی کے طور پر بھی کیا گیا ہے اس کی تفصیل مختصراً یہاں بیان کرنے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ اہل ایمان کو جس جنت کی بشارت دی جارہی ہے جو پاکیزہ نیک وصالح متقی افراد کا دائمی ٹھکانا ہوگی وہ کیسی اور کیا ہے۔

جنت کے لغوی معنی ایسے باغ کے ہیں جو درختوں سے خوب گھرا ہوا ہو اور نیک وصالح انسانوں کے لئے دائمی زندگی گزارنے کی جگہ، دنیا میں جنت ہر اس باغ کو بھی کہا جاتا ہے جس کی زمین درختوں سے اس قدر ڈھکی ہو کہ نظر نہ آئے۔ بعض علماء کے نزدیک ان گنجان درختوں کے جھنڈ کو بھی جنت کہا جاتا ہے جو زمین کو چھپائے ہوئے ہوں، جنت کو بہشت بھی کہا گیا ہے اس کی نعمتیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مخفی رکھی ہیں جیسا کہ قرآن حکیم میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرمارہا ہے۔

ترجمہ: کوئی نفس نہیں جانتا جو کچھ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک، ان کے لئے پوشیدہ کررکھی ہے، وہ جو کچھ کرتے تھے یہ اس کا بدلہ ہے۔ (السجدہ۔۱۷)

اس آیت کی تفسیر کے سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث قدسی ارشاد فرمائی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''میں نے اپنے بندوں کے لئے وہ وہ چیزیں تیار کررکھی ہیں، جس کو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، کسی کان نے نہیں سنا، نہ کسی انسان کے وہم وگمان میں ان کا گزر ہوا۔ (صحیح بخاری تفسیر۔ سورۃ السجدہ) اس سے یہ بات بھی پتہ چلی کہ اللہ کی رحمت کا مستحق بننے کے لئے اعمال صالحہ کا اہتمام بہت ضروری ہے۔

(جاری ہے)

ہمارا آنچل

ملیحہ احمد

فوزیہ سلطانہ

السلام علیکم! ڈیئر آنچل اسٹاف، آنچل رائٹرز اور آنچل قارئین کیسے ہیں آپ سب؟ نام تو اوپر پڑھ ہی چکے ہوں گے (ہے ناں) 19 ستمبر کو اس ستمگر دنیا میں آئی ہوں۔ ہم نو بہن بھائی ہیں، میں سیکنڈ لاسٹ ہوں، اپنے بھانجے بھانجیوں سے بہت پیار ہے (خاص طور پر محمد اور زیرک سے) پٹھان فیملی سے تعلق ہے اور کچھ ہونا ہو غصہ پٹھانوں والا ہی ہے (یعنی میٹر گھوم جاتا ہے)۔ حساس بہت ہوں، چھوٹی چھوٹی باتیں بھی ٹھاہ کرکے لگتی ہیں، کوئی جان بوجھ کر اگنور کرے تو میری طرف سے بھی سات سلام۔ انا پرست بہت زیادہ ہوں، کسی سے ناراضگی ہو تو اپنی انا کو کچلنے کے لیے بات کرلیتی ہوں (لیکن ایسا کبھی کبھار ہوتا ہے)۔ برداشت کی بہت کمی ہے (اور اپنی اسی عادت سے مجھے نفرت ہے) موسموں میں سردیاں، بہار اور خزاں تینوں پسند ہیں سوائے گرمیوں کے (اللہ معاف کرے) ویسے تو بات بے بات ہنسی آتی ہے مگر مجال ہے جو لطیفوں پر آجائے۔ سفر بہت اچھا لگتا ہے اور اگر سفر ہو بھی کشمیر کے پہاڑی علاقوں کا تو پھر کیا ہی بات ہے۔ برف باری بہت اچھی لگتی ہے، کمپیوٹر پر گیمز کھیلنا بہت پسند ہے۔ مولانا طارق جمیل اور ثاقب رضا مصطفیٰ موسٹ فیورٹ ہیں۔ کلرز میں گرین، پنک اور گرے کلر پسند ہے۔ اسٹارز پر بالکل یقین نہیں رکھتی اور پڑھنا گناہ سمجھتی ہوں (اور ہے بھی)۔ میری دیرینہ خواہش ہے کہ بیت اللہ کو اندر سے دیکھوں (اللہ میری اس خواہش کو پورا کرئے آمین)۔ بزرگ بہت اچھے لگتے ہیں، ان سے باتیں کرنا اچھا لگتا ہے۔ غریب لوگوں پر بہت ترس آتا ہے، بچوں اور بوڑھوں کو محنت مزدوری کرتے دیکھوں تو دل دکھ سے بھر جاتا ہے، کسی کے سامنے رونا بالکل اچھا نہیں لگتا (سوائے رب کے) بادلوں سے ڈھکے سبز پہاڑ، دھند اور بارشیں بہت پسند ہیں۔ بھائی کے ساتھ دوڑ لگانا اچھا لگتا ہے (ہارنا بہت برا لگتا ہے)۔ اچھا اخلاق متاثر کرتا ہے، شاعروں میں شاعر مشرق ڈاکٹر علامہ اقبال موسٹ فیورٹ ہیں، آئس کریم بہت پسند ہیں۔ شہروں میں مری، اسلام آباد اور مظفر آباد فیورٹ ہیں، کھانے میں نوڈلز پسند ہیں، لباس میں فراک، پاجامہ اور دوپٹہ پسند ہے۔ جیولری میں ٹاپس اور ڈبل رنگز پہننا پسند ہے، مائیں مجھے پسند ہیں (اپنی بھی اور دوسروں کی بھی) مذاق میں اگر جھوٹ بولوں تو بے اختیار ہنسی نکل جاتی ہے (اور اگر سیریس سچوئشن میں جھوٹ بولوں تو چہرے پر صاف صاف لکھا ہوتا ہے کہ یہ جھوٹ بول رہی ہے)۔ لڑائی جھگڑا بالکل بھی پسند نہیں، امن پسند ہوں، دوسروں کو مہندی لگانا اچھا لگتا ہے (اپنے ہاتھوں پر لگوانا پسند نہیں ہے)۔ بریسلیٹ اور کڑے پسند ہیں (چوڑیاں پسند نہیں)۔ مٹی کی خوشبو بہت ہی پسند ہے، رائٹرز میں سمیرا احمد، ایمل رضا، نمرہ احمد اور سائرہ رضا موسٹ فیورٹ ہیں۔ نئے لکھاریوں میں بنت سحر، نائلہ طارق اور مصباح نوشین پسند ہیں، ہماری بلی جس کا نام "ہریرہ" ہے بہت کیوٹ لگتی ہے (لیکن صرف دور سے) آنچل فرینڈز بھی اچھے ہیں۔ کوثر خالد کا صاف اور کھرا انداز پسند ہے، طیبہ نذیر، ارم کمال بھی اچھی لگتی ہیں۔ قرآن پاک کو تفسیر کے ساتھ پڑھنا چاہتی ہوں، اسلام کی باتیں اٹریکٹ کرتی ہیں (اللہ مجھے اپنے دین پر پورا پورا چلنے کی توفیق عطا فرمائے) آمین ثم آمین۔ اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو نفس مطمئنہ میں شامل فرمائے آمین۔

شاہدہ کنول

آنچل اسٹاف اور آنچل پڑھنے والوں کو میرا چاہت و خلوص بھرا اسلام۔ ٹھنڈی میٹھی گدگدانے والی سخت سردی

کی یخ بستہ پانچ جنوری کو ہم کیسے فراموش کر سکتے ہیں' میں اس ٹھٹھرتی ہوئی رات کو اس دنیا میں تشریف لائی۔ شاہدہ کنول میرا نام ہے جھنگ کی تحصیل اٹھارہ ہزاری کے ایک نواحی گاؤں موضع کھرل سیرا سے میرا تعلق ہے۔ ہم چار بہن بھائی ہیں' میرا نمبر دوسرا ہے' ایک بھائی بڑے نزاکت علی ہیں جو کہ ایک کیوٹ سی بیٹی پنکی کے باپ ہیں اور دو چھوٹے لیاقت اور بہار حسین ہیں جو کہ موسم بہار میں پیدا ہوا۔ میں ڈبل ایم اے کر چکی ہوں' مزید ان شاء اللہ ایم فل کرنے کا ارادہ ہے' اس کے ساتھ پڑھاتی بھی ہوں' سلائی کڑھائی بھی کر لیتی ہوں۔ گھر کے کاموں میں بہت سست ہوں جس کی وجہ سے امی کی ڈانٹ بھی سننی پڑتی ہے جو کہ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے باہر۔ کیا کروں ہضم نہیں ہوتی ہے' غصہ بہت جلد آ جاتا ہے لیکن جلد ہی دور بھی ہو جاتا ہے۔ سچ بولتی ہوں' سادہ مزاج ہوں اور تنہائی پسند ہوں لیکن بور ہرگز نہیں ہوں۔ ہمارا خاندان بہت بڑا ہے' میری اپنی سب کزنوں سے بہت بنتی ہے۔ آنچل مسلسل سات سال سے پڑھ رہی ہوں' میرے کزن عمران کو آنچل پڑھنے کا بہت شوق ہے' اسی کو دیکھ کر مجھے بھی آنچل پڑھنے کا شوق پیدا ہوا جو کہ اب جنون بن گیا ہے۔ ثناء' سیمرا' ارم' عشرت رضوانہ' کشور اور عمران ہم سب کزنوں کی آنچل پہلے پڑھنے پر بہت لڑائی ہوتی ہے لیکن جیت میری ہوتی ہے۔ فیورٹ ہستی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' بہترین لیڈر قائداعظم میں پیارے قائد کے نام ایک شعر

شہر کی ان بے چراغ گلیوں میں
زندگی تجھ کو ڈھونڈتی ہے ابھی

بہترین دوست تو بہت ہیں لیکن میرے بڑے بھائی نزاکت علی ہیں جن سے میں اپنی ہر بات شیئر کر لیتی ہوں آج کل وہ گھر سے دور ہیں آئی مس یو اینڈ رخسانہ حنیف آئی مس یو۔ اچھا جی بھابی ثناء مجھے بڑا تنگ کر رہی ہے کہ میرا نام بھی لکھو۔ لباس میں شلوار قمیص' کھانے میں ہر سبزی کھا لیتی ہوں۔ پینے میں ایپل جوس' گیلی مٹی کی خوشبو کھیلوں میں کرکٹ بہت شوق سے دیکھتی ہوں۔ فیورٹ کرکٹر مصباح الحق اور شاہد آفریدی۔ پھولوں میں موتیا' رنگوں میں سفید اور سبز بہت پسند ہیں۔ شعراء میں ناصر کاظمی' احمد فراز' علامہ اقبال اور وصی شاہ کی شاعری بہت پسند ہے' مجھے خود شاعری کرنے کا بھی بہت شوق ہے اس لیے تو ایم اے اردو کیا ہے۔ میری فیورٹ رائٹرز قرۃ العین حیدر' نازیہ کنول نازی' نادیہ فاطمہ رضوی' ام ایمان قاضی' رفعت سراج اور نزہت جبین ضیاء ہیں' مطالعہ میں بہت کرتی ہوں' ہر قسم کی کتابیں مثلاً اسلامی تاریخی' شاعری' جنرل نالج اور کہانیاں وغیرہ بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ پھولوں میں موتیا' رنگوں میں سفید اور سبز بہت پسند ہیں۔ بغیر کچھ پڑھے مجھے نیند آ جائے ممکن ہی نہیں۔ آخر میں اپنے سب قارئین اور دوستوں کو ایک پیغام اپنے اس موسٹ فیورٹ شعر کے ذریعے دوں گی۔

دوستی کرکے کسی کو دھوکا مت دینا
دوستوں کو آنسوؤں کا تحفہ مت دینا
کوئی روئے تمہیں یاد کرکے
زندگی میں ایسا موقع کسی کو مت دینا

اللہ حافظ۔

حرا رمضان

تجسس میں رہو گے مجھے لے کر دوستو
چلو اپنی ذات آج عیاں کیے دیتی ہوں

29 نومبر کی خوشگوار اور سہانی صبح اس کائنات کی خوب صورتی میں مزید اضافہ کرنے کے لیے مابدولت تشریف لائی (اوہو) ابو نے میرا نام حرام رکھا (نام تو سنا ہوگا) پانچ بہنیں اور ایک بھائی ہے' سب پڑھ رہے ہیں۔ امی اسکول ٹیچر ہیں اور ابو پاکستان ائر فورس (ریٹائرڈ)۔ اکیڈمی چلاتے ہیں' اسٹار قوس ہے' جس کی تمام خوبیاں خامیاں مجھ میں موجود ہیں۔ میرے شوق میری عادتیں دنیا سے جدا ہیں' ففٹی ففٹی لڑکوں والے کام اور کچھ کچھ لڑکیوں والے۔ موٹر سائیکل چلانے کا بہت جنون ہے' جب پہلی بار چلائی اُف جو بھی سامنے آتا گیا بس بالکل فلمی سین تھا۔

ڈگری کالج میں سال چہارم کی ہونہار طالبہ ہوں' پسندیدہ کتاب ریاضی اور انگلش ہیں۔ پسندیدہ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور دینی کتاب قرآن مجید ہے۔ چوبیس گھنٹوں میں مجھے رات بہت پسند ہے کیونکہ تنہائی کے لمحات میسر آتے ہیں (تنہائی پسند ہوں نا) مگر اتنی بھی نہیں لوگوں کے ساتھ گھل مل جاتی ہوں' رات کے وقت کھلے آسمان پہ ستاروں کو دیکھنا بہت پسند ہے۔ موسموں میں سردیاں اور بارش (اُف اللہ) بارش چاہے گرمی کی ہو یا سردی کی مجھے بھیگنا بہت پسند ہے۔ کھانے میں بریانی' چکن بروسٹ' چکن کڑاہی اور تکے بہت پسند ہیں۔ مشروبات میں کوک اور ڈیو پسند ہے۔ پرفیوم سیکرٹ اور بلو لیڈی' لباس میں لہنگا' ساڑھی اور لانگ شرٹ پسند ہیں۔ فراک بھی شوق سے پہن لیتی ہوں' بھائی کے کپڑے بھی کبھی کبھی پہن لیتی ہوں' میں نے کبھی چوڑیاں نہیں پہنیں' بریسلیٹ کا شوق ہے اور کلائی کی گھڑیاں تو میری کمزوری ہیں جتنی زیادہ ہوں میرے لیے اتنی ہی کم ہیں۔ مہندی لگانے میں ایکسپرٹ ہوں (لگوانی ہو تو آج ہی بکنگ کروائیے)۔ رنگوں میں لائٹ کلر بہت پسند ہیں' پھلوں میں آم' سبزیوں میں کریلے بھرے ہوئے پسند ہیں۔ کرکٹ بہت پسند ہے سارے میچ دیکھتی ہوں' ابو اور بھائی عثمان کے ساتھ گھر میں کرکٹ بھی کھیلتی ہوں اور بیڈمنٹن بھی کھیلتی ہوں۔ کرکٹر محمد عامر میرا پسندیدہ ہے' کوکنگ' پینٹنگ بہت اچھی کرتی ہوں۔ رشتوں میں دوستی کا رشتہ عظیم سے بھی عظیم تر ہے' دوست زندگی ہوتے ہیں میری دوستوں میں ہادیہ' عائشہ' ثمینہ (جو دونوں پتا نہیں کہاں غائب ہیں) انٹرمیڈیٹ تک ساتھ تھیں اب بیسٹ فرینڈز میں حنا' ربیعہ' صفوانہ' مہک' فرازیہ' اقراء' سحر' ردا' حنا' ثناء' ہما' فروا' جیا' مہدوش' نورین اور عائشہ وغیرہ ہیں۔ گانے شوق سے سنتی ہوں' شاعری سے بے حد لگاؤ ہے خود بھی تھوڑی بہت شاعری کر لیتی ہوں۔ شاعروں میں احمد فراز' انشاجی' احمد ندیم قاسمی' پروین شاکر' ناصر کاظمی' ڈاکٹر محمد علامہ اقبال' سحر انصاری' محسن نقوی اور وصی شاہ پسند ہیں۔ مخلص لوگ بہت پسند ہیں' منافقت اور منافقت پرست لوگوں سے بے حد نفرت ہے' مجھ میں اور کوئی خوبی ہے یا نہیں مگر یہ خوبی بہت پسند ہے کہ میں منافق نہیں ہوں میرا دل شیشے جیسا ہے جیسی بات دل میں ہے ویسی زبان پر۔ کالج میں گزارا ایک ایک پل میرے لیے بہت قیمتی اور یادگار ہے۔ ہم لڑکیوں کو چھیڑتے ہیں بالکل لڑکوں کی طرح (ہے نا حیرت انگیز) ہمیں دیکھ کر لڑکیاں کنفیوز ہو جاتی ہیں کیونکہ کالج میں سب سے سینئر ہیں تو ہمارا رعب چلتا ہے۔ محبتیں بانٹئے' محبتیں پائیے کسی کو اس کے چہرے سے نہیں اس کی سیرت اور کردار کو جانچیے' فی امان اللہ۔ (سالگرہ مبارک ہو)

مہرین رانی مرزا

فقط دیکھ کر ہی تم پڑھ نہ پاؤ گے داستانِ رانی
مجھ کو جاننا ہے تو ان آنکھوں میں اتر کر دیکھو

السلام علیکم! ڈیئر آنچل اسٹاف کیسے ہیں آپ سب' امید کرتی ہوں آپ سب لکھنے' پڑھنے والے اللہ کے فضل سے بخیر و عافیت ہوں گے اور اس عظیم ہستی کی دی ہوئی نعمتوں کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹ رہے ہوں گے۔ زندگی کی اونچ نیچ سے لڑ رہے ہوں گے' جی ہاں یہی دستورِ زندگی ہے چوٹ کھاؤ' کچھ پل مایوس رہو پھر ہلکی سی امید کی کرن نظر آ جائے اور پھر سے لڑنے' کچھ کھونے' کچھ پانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اچھا جی غصہ مت کریں' چلیے تو بتا دیتی ہوں مابدولت کا نام مہرین رانی مرزا ہے۔ مہرین رانی میرا نام ذاتی جبکہ رانی مرزا نک نیم ہے۔ ابھی ابھی الیف ایس سی کے پیپرز سے فارغ ہوئے ہیں جناب اور اب فارغ ہیں' اپنے شوق پورے کر رہے ہیں۔ شاعری کرنا' لکھنا اپنے الفاظ کو قلم بند کرنا جیسے ابھی اپنی ذات پر اوپر ایک شعر لکھا ہے خیر جی کچھ اور باتیں بھی ہو جائیں۔ گھر میں میرے بہت پیارے' لونگ' کیئرنگ ممی ڈیڈی ہیں جنہیں میں جان سے بڑھ کر چاہتی ہیں اس کے علاوہ بہت سویٹ اور نمونے شرارتی سے چھ بہن بھائی ہیں اور ایک میں خود۔ دونوں آپی کی شادی ہو گئی باقی ہم تین بہنیں

اور دو بھائی ہوتے ہیں۔ گھر اور گھر کی رونق ممی ڈیڈی کا سر کھپانے والے اور انہیں خوش رکھنے والے میرا چھوٹا پیارا سا راج دلارا بھائی مجھے بہت عزیز ہے اس کی شرارتیں اُف پورا گاؤں اس کی چھوٹی چھوٹی معصوم شرارتوں کا فین ہے۔ اللہ میری فیملی کو خوش رکھے میری ممی ڈیڈی بھائیوں کو لمبی عمر عطا کرے آمین۔ میری بڑی آپی بہت اچھی ہیں بہت زیادہ اور چھوٹی آپی تو اف شرارتوں میں گولڈ میڈلسٹ ہیں۔ ایک بہت سویٹ بیٹی اور بیٹا بھی ہے ان کے پاس جبکہ بڑی آپی کے پاس نہیں اللہ انہیں بھی اولاد نرینہ عطا کرے آمین۔ بات ہوجائے پسند ناپسند کی تو مجھے گھڑیاں اور پرفیومز بہت پسند ہیں جبکہ ہر وہ چیز جو کہ اللہ نے ہمیں دی کھانے پینے کی پسند ہے اور ناپسند میک اپ بھاری کام والے کپڑے وغیرہ وغیرہ اور چغلی جھوٹ بے ایمانی دھوکہ سب غلط کام ناپسند ہے۔ رنگوں میں موسٹ فیورٹ بلیک اور پنک ہیں اور باقی بھی ہر رنگ اپنی جگہ اہمیت رکھتا ہے سب رنگ ہی اچھے ہیں۔ خوبیوں میں بہت رحم دل ہوں بہت ہی سوفٹ نیچر اور باقی اپنے دوستوں سے پوچھتی اگر کوئی اچھا دوست ہوتا تو خیر خامیاں بہت ہوں گی بڑی خامی بہت جلد بھروسہ کرلیتی ہوں ہر ایک پر اور منہ کی کھاتی ہوں جہاں دوستوں کی بات آتی ہے تو دل ایک دم اداس ہوجاتا ہے کیونکہ آج تک کوئی اچھا دوست ملا ہی نہیں اور رشتہ دار تو اللہ بچائے بہت کچھ سکھادیا انہوں نے اس ذات نے جہاں اتنی اچھی فیملی دی وہاں بہت ظالم اور برا زمانہ دیا جس نے بہت ذلیل کیا اور دکھ دیئے مگر خدا کا بہت شکر ہے وہ ہمیں خوش رکھے اور میری فیملی کو۔ زمانے کی تو یہ ہی ریت چلی آئی ہے چھوڑیئے جی اب کسی کا بھروسہ رہا نہیں نہ ہی بھروسہ کرنے کا من کرتا ہے۔ صرف اور صرف ایک بہت ہی اچھا دوست ملا مگر وہ اب ساتھ نہیں ویسے لڑکیاں بہت بے وفا ہوتی ہیں راز کی بات ہے اور میری آزمائی بات ہے دھوکہ لڑکیاں دیتی ہیں میں اپنی دوستوں کی بات کررہی ہوں سب کی نہیں۔ چلئے جی چھوڑیئے تو میں آگے چلوں آنکھیں مت دکھائیں پلیز بس تھوڑا اور..... مجھے بارش کا موسم بہت اثر انداز ہوتا ہے بہت دل اداس ہوتا ہے اور کبھی بہت خوش ہوتی ہوں۔ مجھے قدرتی چیزوں سے عشق ہے بہت حقیقت پسند ہوں۔ میرے خواب بہت ہیں مگر خوابوں میں جینا اچھا نہیں لگتا ورنہ یہ خواب پورے نہ ہوں تو بستر کے کانٹے بن جاتے ہیں اور انسان کو لہولہان کردیتے ہیں سو حقیقت سے نظریں نہیں چرانی چاہیں۔ جی کچھ اور بات کرتی ہوں۔ مجھے دھنک پھول تتلیاں پہاڑ پتے پرندے باغ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کی بنائی ہے اس کی نعمت ہے اسے دیکھنا اسے چھونا محسوس کرنا اس پر لکھنا اسے اپنے رنگوں میں بھرنا بہت اچھا لگتا ہے۔ مجھے قدرت سے عشق ہے بلا کا عشق خیر میں بہت کچھ کرتی ہوں شاعری پینٹنگ اور ہر وہ کام جو مجھ سے نہیں ہوتا ناممکن ہوتا ہے اسے ممکن بنانا۔ جی مجھے اب ایک اچھی رائٹر بننا ہے ناول نگار مجھے لکھنا بہت اچھا لگتا ہے لکھنا میرا جنون ہے۔ آپ لوگوں کی دعاؤں سے اپنی محنت اور اللہ تعالیٰ کے کرم سے ان شاء اللہ میں مستقبل کی اچھی ناول نگار ہوں گی آمین۔ میری فیورٹ ہستی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں مگر مجھ ناچیز کے الفاظ ان کی عظمت ان کی شان میں کچھ لکھنے کے قابل نہیں اور وہ ہستی ہے ہی اتنی عظیم کہ لفظوں میں کہاں بیان کے قابل ہیں اور میں ان کے عاشق کا رتبہ کہاں رکھتی ہوں بس ایک ناچیز سی ادنیٰ سی غلام ہوں ان کی۔ او کے جی میرا تعارف طوالت اختیار کرتا جارہا ہے اچھا برا کہا سنا درگزر کیجیے گا اسی کے ساتھ اجازت تمام لکھنے پڑھنے والوں کو سلام اللہ حافظ پاکستان زندہ باد۔

😊

چراغ خانہ

رفعت سراج

قسط نمبر 12

مجھے لگتا ہے باقی اک اک شے ہے بے گانی
بس اک تنہائی ذاتی ہے میرے ویران کمرے میں
بھلے کتنی ہی خاموشی ہو لیکن غم کی سرگوشی
ہمیشہ گونج جاتی ہے میرے ویران کمرے میں

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

سعدیہ کی انتہا پسند طبیعت سب کچھ کر گزرنے کے لیے بے تاب ہوتی ہے، عالی جاہ کی بہتان بازی سو فیصد سچ معلوم ہوتی ہے، سعدیہ سب بھول بھال کر ایک نئے دردسر سے نبرد آزما ہوتی ہے کمال فاروقی ان کی جذباتیت کی وجہ سے اپنا گھر عارضی طور پر ہی چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ جس بات کے پیچھے سعدیہ خلع یا طلاق پر اصرار کر رہی ہوتی ہے وہ سب ہوا ہو چکا تھا۔ دانیال بہت پریشانی اور جذباتی کیفیت میں پیاری سے سوال کرتا ہے دوسری طرف پیاری کے انداز میں عجلت ہوتی ہے اور وہ مشہود سے بات کرنے کا کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیتی ہے دوسری طرف دانیال کے لیے اس کا جواب قابل قبول نہیں ہوتا ہے۔ عالی جاہ کے پاس سعدیہ کا فون آتا ہے تب عالی جاہ دانیال کی دوسری شادی کا مشورہ دیتا ہے۔ سعدیہ عالی کو اپنی خراب طبیعت کے باعث گھر آنے کا کہتی ہے جس پر وہ مصروفیت کا بہانہ کر کے سلسلہ منقطع کر دیتا ہے۔ دوسری طرف دانیال مشہود کے گھر آتا ہے، جہاں وہ دانیال پر الزامات کی بوچھاڑ کر دیتا ہے اس کی نظر میں دانیال نے دوستی صرف پیاری کے لیے کی تھی وہ اس کے گھر بھی پیاری کی وجہ سے آتا تھا دانیال اس سے آرام سے بیٹھ کر بات کرنے کو کہتا ہے لیکن مشہود انکاری ہو کر پیاری کو ساتھ لے جانے کا کہتا ہے پیاری بھائی کی محبت میں دانیال کو مایوس لوٹا دیتی ہے۔ دانیال کو پیاری کے رویے سے تکلیف پہنچتی ہے وہ پیاری سے ملے بغیر ہی گھر چلا آتا ہے۔ دوسری طرف پیاری کمرے میں بند ہو کر غیر ارادی طور پر دانیال کا انتظار کرتی ہے وہ دانیال کو صورتحال سمجھانا چاہتی ہے۔ مشہود کسی بھی طرح دانیال کی وفاداری کو قبول نہیں کرتا اس کی نظر میں دانیال صرف پیاری کے لیے آتا تھا اور پیاری کو حاصل کرنا ہی اس کا مقصد تھا اس لیے پیاری اور دانیال نے مشہود کو مردہ سمجھ کر نکاح کر لیا تھا اور اس سازش میں کمال فاروقی نے بھی اہم کردار نبھایا ہوتا ہے جبکہ دوسری طرف مشہود کا ذہن اس لڑکی کے بارے میں بھی سوچتا ہے جس نے اسے قید خانے میں آزاد کرنے کی کوشش کی ہوتی ہے۔ مانو آپا عالی جاہ کو بد دعا دینے پر سمجھاتی ہیں لیکن وہ پیاری کو ان کی نظر میں گرانا چاہتا ہے۔ جس پر مانو آپا اس کی شرافت کی گواہی دیتی ہیں تب عالی جاہ وقت پر سب سامنے آنے کا کہہ کر انہیں ہک دک چھوڑ کر اٹھ جاتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❀......❀......❀

مانو آپا کو تو یوں بھی سب انسان فرشتے نظر آتے تھے شک، شبہ، کھوج، تجسس، ٹوہ لینے کی عادت یہ سب کچھ ان کے مزاج میں نہیں تھا۔ سویرے نور کے تڑکے اٹھ کر شہد کی مکھی کی طرح خاموشی سے اپنے کاموں میں لگ جاتی تھیں، ہک دک پتھر کا مجسمہ بنی کھڑی تھیں۔
"توبہ توبہ یہ دن بھی دیکھنا تھے...... استغفر اللہ معاذ

اللہ...... اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم' لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔" ذرا حواس بحال ہوئے تو دائیں بائیں آگے پیچھے شیطان کے ہیولوں پر پڑھ پڑھ کر دفع دور کرنے لگیں۔

بار بار پیاری کی پیاری سی صورت آنکھوں کے سامنے گھومنے لگی۔ دل کسی صورت ماننے کے لیے تیار نہیں تھا کہ پیاری کے کردار میں کوئی چھوٹی یا بڑی کمزوری ہوسکتی ہے۔

"دل تو چاہ رہا ہے گن کر سو جوتے لگاؤں' کوڑے تو لگا نہیں سکتی۔ یا اللہ...... ہدایت تیری طرف سے ہے' اپنی اولاد کے لیے تجھ سے ہدایت مانگتی ہوں یاارحم الراحمین۔" بیٹے کی بہتان طرازی پر وہ شدت غم سے مغلوب ہوکر رونے لگیں۔

حلیم الطبع' سلیم الفطرت' مرنجانِ مرنج' فرض شناس عورت کی کوکھ سے جنم لینے والی اولاد...... یہ شاید ان کے ایمان واستقامت کی آزمائش ہی تھی۔ شوہر نامدار روشن خیال ضرور تھے مگر رسم وروایات واخلاقیات کا دامن آخری دم تک تھامے رہے۔

خوش لباس وضع دار تھے' سوٹ پہن کر پان نہیں کھاتے تھے' بالی شوز سے نچلے درجے پر کبھی سمجھوتہ نہیں کیا۔ جمعہ کی نماز خالص خس کا عطر لگا کر پڑھنے جاتے تھے نہ مولوی تھے نہ مولانا مگر اخلاقیات کی وجہ سے بلند قامت نظر آتے تھے۔

"آخر کس پر چلا گیا؟ کس گناہ کی سزا ہے جو یادداشت میں نہیں۔" آنکھوں سے آنسو گر کر دامن میں جذب ہورہے تھے۔ بس نہیں چلتا تھا کہ عالی جاہ کو کان سے پکڑ کر آیت کریمہ اور استغفار کا ورد کروائیں۔ اولاد آخر اولاد ہوتی ہے' آخرت کی بربادی کے تصور ہی سے لرزاں تھیں۔ عالی جاہ شیطانی قوتوں کے بل بوتے پر اپنی سی کہہ کر جاچکا تھا مگر مانو آپا کی یقین کی دیوار میں دراڑ ڈالنے میں ناکام رہا تھا۔

❀❀......❀❀

سعدیہ تڑپ تڑپ کر کمال فاروقی کا انتظار کررہی تھیں کہ وہ گھر میں داخل ہوں اور وہ انہیں بتائیں کہ کل کی لڑکی انہیں سسر ہی نہیں "ماموں" بھی بنا گئی ہے۔ وہ اتنی جذباتی اور احمق نہیں تھیں کہ دانیال کے سامنے ایک سانس میں وہ سب کچھ اگل دیتیں جو عالی جاہ ان کی زنبیل میں ڈال کر گیا تھا۔ ان کا بنیادی مقصد تو صرف اتنا تھا کہ وہ "گھس بیٹھیا قسم کی لڑکی دانیال کی زندگی سے نکل جائے۔"

دانیال کے سامنے کچی بات کرنا یعنی ثبوت کے بغیر یا ہلکی بات کرنا ایک طرح سے ایسا ہی تھا گویا کوئی جیتی ہوئی جنگ ہار دے۔

وہ تو ادھوری بات پر ہی ہتھے سے اکھڑ سکتا تھا' ابھی تو اس کی آنکھوں پر عشق کی پٹی بندھی ہوئی تھی اور عاشق کے نزدیک معشوق ہمیشہ بے عیب ہوتا ہے اسی لیے یہ کہاوت زبان زد عام ہوگئی کہ محبت اندھی ہوتی ہے اور اب تو وہ ویسے بھی ہمیشہ کے لیے گھر چھوڑ دینے کی دھمکی دے چکا تھا اچانک ایک عجیب سی گدگدی ہونے لگی تھی۔

"پتا نہیں عالی جاہ نے اپنی ماں کو بھی یہ سب کچھ بتایا کہ نہیں۔ مزہ تو تب ہے مانو آپا کو بھی یہ کہانی پتا چلے پھر تو ان کی شکل دیکھنے والی ہوگی۔"

ان کا دل کسی سے باتیں کرنے کے لیے بے چین تھا جس کے سامنے وہ دل کی بھڑاس نکال سکیں یا پھپھولے پھوڑ سکیں۔ اضطراری کیفیت میں کبھی ٹہلنے لگتی تو کبھی بیٹھ جاتی تھیں۔ جب کسی پل قرار نہ آیا تو اپنا سیل فون اٹھا کر عالی جاہ کا نمبر ڈائل کیا' رنگ پاس ہوتی رہی مگر کال ریسیو نہ ہوئی۔ روک ومزاحمت آتش شوق اور بھڑکا دیتی ہے۔

انہوں نے عالی جاہ کا نمبر آٹو ریڈائل پر لگا دیا کہ اب کسی بھی لمحے اسے کال پک کرنا ہی پڑے گی۔ انہیں اس بات سے غرض نہیں تھی کہ عالی جاہ ان سے بات کرنے کے موڈ میں ہے یا نہیں۔

ان کی نظر میں ان کی ذات اور ان کی آرزوئیں سب سے زیادہ اہم تھیں ان کو جو چاہیے وہ ہونا چاہیے بس' کس

طرح...... یہ ان کا مسئلہ نہیں تھا۔ ان کی نظریں اپنے آئی فون کی اسکرین پر جمی تھیں، کئی بار ریڈائل ہونے کے بعد بالآخر عالی جاہ کو کال ریسیو کرنا ہی پڑی کہ انہوں نے اس کا نمبر ہی انگیج کر کے رکھ دیا تھا۔

”جی مامی...... السلام علیکم! سوری مامی میں اس وقت بہت بزی ہوں۔ میں آپ کو بعد میں کال کرتا ہوں۔“

”ایک منٹ...... ایک منٹ عالی جاہ، میری بات سنو......“ وہ بے تاب ہو کر جلدی سے اسے لائن کاٹنے سے روکنے لگیں۔

”مامی...... مجھے پتا ہے آپ اس کرپٹ لڑکی کی وجہ سے بہت ڈپریسڈ ہیں، میری تو جیب سے گیا ہے۔ میں آپ سے زیادہ ڈپریسڈ ہوں، دانیال میرا بھائی ہے اس کی قسمت پر رونا آتا ہے، کہاں پھنس گیا بے چارہ...... اللہ حافظ۔“ عالی جاہ نے یہ کہنے کے بعد سعدیہ کی بات سننے کے بجائے رابطہ منقطع کر دیا، سعدیہ کے اندر جو ابال اٹھ رہے تھے یوں لگتا تھا کہ بس کچھ وقت جاتا ہے وہ گیس سلنڈر کی طرح ایک دھماکے سے پھٹ جائیں گی۔

”زرینہ......“ معاً اس نے زہرہ شق کیا اور نوکرانی کو آواز دی۔ زرینہ اتنی بلند بانگ صدا سن کر دوڑی چلی آئی باوجود اس کے کہ اس کی ٹانگیں لرز رہی تھیں۔

”ج...... جی...... بیگم صاحبہ!“ وہ ہکلا کر بولی۔

”تیرا دیدہ کام میں نہیں لگتا، بس بہت ہو گیا، اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔“ وہ پھر چلائیں۔

”جی......!“ زرینہ کی آنکھیں خوف و حیرت سے پھیلنے لگیں۔ وہ تو بہت سکون سے کچن میں برتن دھو رہی تھی اور نان اسٹک برتنوں کے شیشے کے ڈھکن چمکا کر بہت احتیاط سے رکھ رہی تھی۔ اپنے دھلے ہوئے چمکتے برتنوں کو بہت پیار سے خوش ہو کر دیکھ رہی تھی۔

”نہ کوئی نقصان کیا، نہ برتنوں کا شور ہوا...... پھر بیگم صاحبہ ایک دم سے کیوں چلانے لگیں۔“ اس کی سمجھ میں خاک نہیں آیا، بس ٹکر ٹکر شکل دیکھنے لگی۔

”میں نے حرام خوروں کو پالنے کا ٹھیکہ نہیں لیا، جتنا خیال کرو اتنا ہی سر پر چڑھتے ہیں۔ پچھلے ہفتے چھت پر سے کپڑے نہیں اتارے، اتوار کو چھٹی کر کے بیٹھ گئی اپنے باپ کو کہہ دیتی کہ کپڑے چھت پر سے اتار کر لائے۔ اسٹور سے کمبل نکال کر دھوپ میں ڈالنے کو کہا تھا، وہ ابھی تک وہیں پڑے تیری جان کو رو رہے ہیں۔ اتنا قیمتی سوپ باؤل توڑ دیا، سارا سیٹ خراب ہو گیا، ساری تیری تنخواہ کاٹوں تب بھی نقصان پورا نہیں ہوگا۔ ڈسٹ بن گیٹ سے باہر رکھ کر آ گئی، کوئی اٹھا کر لے گیا...... پورے بارہ سو کا لے کر آئی تھی۔ نکل یہاں سے...... چار برتن دھو کر میرا ہزاروں کا نقصان کر دیا، دفعان ہو جا، آئندہ اپنی منحوس شکل نہ دکھانا۔“ سعدیہ ہذیانی انداز میں چلا رہی تھیں، زرینہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔

جن نقصانات کا یا کوتاہیوں کا ذکر سعدیہ کر رہی تھیں وہ تو گزری ہوئی بات تھی۔ قصۂ پارینہ بن چکی تھیں، ہاتھ کے ہاتھ جھاڑ پڑ چکی تھی اب یہ نئے سرے سے چارج شیٹ کیوں تیار ہوئی، غریب زرینہ کی سمجھ سے سب کچھ بالاتر تھا۔

”ایک پائی نہیں دوں گی کوئی حساب نہیں ہوگا۔ میرا جو نقصان ہوا ہے اس حساب سے تو تجھے تین مہینے بغیر تنخواہ کے کام کرنا چاہیے۔ میری قسمت میں یہ منحوس شکلیں ہی رہ گئی ہیں، تم سب مل کر مجھے پاگل کر دو گے۔“ سعدیہ چلا کر بولیں، آنکھوں سے لگتا تھا کہ پاگل پن کے امکانات نہیں ہیں، سچ مچ پاگل ہو چکی ہیں۔

”بیگم صاحبہ...... معاف کر دیں، آپ کے لیے پانی لاؤں؟“ زرینہ درحقیقت ان کی وحشت دیکھ کر ڈر گئی تھی۔ ڈانٹ ڈپٹ کی تو وہ عادی تھی مگر جو حالت اس وقت دیکھ رہی تھی وہ اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ سعدیہ چلا چلا کر بے دم ہو گئی تھیں، گرنے کے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئیں اور گہری گہری سانسیں لینے لگیں۔ زرینہ بجائے تلملانے کے مارے ہمدردی کے ایک گلاس ٹھنڈا یخ پانی لے آئی اور ڈرتے ڈرتے پیش کیا۔

اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب سعدیہ نے اس کے

ماہنامہ

حجاب کراچی

دسمبر 2016 کے شمارے کی ایک جھلک

میرے خواب زندہ ہیں — نادیہ فاطمہ رضوی کا سلسلے وار ناول

دل کے دریچے — صدف آصف کا سلسلے وار ناول

نادیہ احمد، حیا بخاری کے مکمل ناول

سیدہ ضوباریہ ساحر، نزہت جبین ضیاء، ام مریم کے منفرد ناولٹ

اس کے علاوہ

فرحین جعفری، تمثیلہ زاہد، فرحین اظفر، نظیر فاطمہ، حمیرا علی، فصیحہ آصف، عائشہ ناز علی، سعدیہ عزیز آفریدی، افشاں شاہد، راشدہ علی کی خوب صورت تحریریں

قارئین کے ذوق کے عین مطابق مستقل سلسلوں میں پڑھیے

طب نبویؐ، بزم سخن، کچن کارنر، آرائش حسن، عالم میں انتخاب
شوخیٔ تحریر، حسن خیال، ہومیو کارنر، شوبز کی دنیا، ٹوٹکے

پرچہ نہ ملنے کی صورت میں رجوع کریں/ (021-35620771/2)

ہاتھ سے گلاس لے کر منہ سے لگالیا اور انتہائی یخ پانی ایک سانس میں پی گئیں اور بہت پُرسکون انداز میں گلاس زرینہ کو تھما دیا۔

"بے...... بیگم صاحبہ...... اور پانی لاؤں؟" سعدیہ نے جواب دینے کے بجائے انکار میں سر ہلا دیا' زرینہ چپ چاپ پلٹ گئی۔ غبار نکل گیا تھا' ٹھنڈا پانی پی لیا تھا۔ اب بہت پُرسکون تھیں۔

"زرینہ......" اب انہوں نے عام سے معمول کے انداز میں زرینہ کو آواز دی۔ زرینہ پہلے سے زیادہ برق رفتاری سے ان کے پاس آئی تھی اور ڈرتے ڈرتے ان کی طرف دیکھا تھا۔

"تیل کی بوتل لے کر آ' میرے سر میں تیل ڈال...... مجھے چکر آ رہے ہیں۔" وہ آہستہ اور نڈھال سی آواز میں کہہ رہی تھیں۔ زرینہ کی جان میں جان آئی' دوڑتی ہوئی واش روم میں گئی اور دو منٹ بعد خالی ہاتھ واپس آ گئی۔

"وہ بیگم صاحبہ باتھ روم میں تو تیل کی بوتل نہیں ہے۔" وہ سہمے ہوئے انداز میں کہہ رہی تھی۔

"پوڈر روم میں دیکھ' وہاں رکھی ہوگی۔" وہ کمزور سی آواز میں گویا ہوئیں' زرینہ پھرتی سے پوڈر روم کی طرف گئی اور جیسے جن کی طرح پلک جھپکتے میں کوکونٹ آئل کی بوتل لے کر حاضر ہوگئی۔

سعدیہ نے کیچر سے بالوں کو آزاد کیا اور صوفے کی بیک سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ زرینہ نے بھی خوب سارا آئل انڈیل کر چھپ چھپ کرنا شروع کردیا۔

❁......❁......❁

دانیال وقت گزاری کی نیت سے کمال فاروقی کی لائبریری سے کچھ شاعری کے مجموعے اٹھالایا تھا۔ شاعری کا ذوق تو تھا مگر شاعرانہ نزاکتیں اکثر سر سے گزر جاتی تھیں۔ منیر نیازی کا مجموعہ کلام ہاتھ میں لیے وہ بس ورق گردانی کی حد تک ہی مصروف تھا۔ اس لیے کہ ذہن اِدھر اُدھر لگانے کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی تھی' خدشہ تھا کہ وہ مایوسی کی انتہا پر بے عمل ہو کر نہ رہ جائے اس کی نظر ایک نظم پر پڑی نظم کے عنوان نے اس کی توجہ کھینچ لی۔ "گزر گاہ پر تماشا" نظم کا عنوان تھا۔

کھلی سڑک ویران پڑی تھی
بہت عجیب تھی شام
اونچا قد اور چال نرالی
نظر پڑی خونی آشام
سارے بدن پہ مچا ہوا تھا
رنگوں کا کہرام
لال ہونٹ یوں دہک رہے تھے
جیسے لہو کا جام
ایسا حسن تھا اس لڑکی میں
ٹھٹک گئے سب لوگ
کیسے خوش خوش چلے تھے گھر کو
لگ گیا کیسا روگ

اس نے نظم ایک بار نہیں کئی بار پڑھی۔ لوگوں کو لگنے والے روگ پر بہت گہرائی میں جا کر غور کیا' شاعر کے درد میں اترا۔ روگی لوگوں کی آگے کی زندگی تک کو سوچ لیا' بستر چھوڑتے ہوئے اچانک اس پر انکشاف ہوا۔

وہ ایک دائمی روگ میں مبتلا ہو چکا ہے' دانیال بند مجموعہ کلام کو یوں تک رہا تھا گویا گتھی سلجھانے والے کسی پروفیسر کا شکریہ ادا کر رہا ہو۔

پیاری کی اپنے کمرے میں سر جھکائے بیٹھی تھی' کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ زندگی اسے کس موڑ پر لے آئی ہے اور اس موڑ سے اسے کس طرف جانا ہے۔

کیا اسی طرح اس سناٹے سے بھرے گھر میں دن رات گزریں گے۔ کیا اسی طرح بھائی اس کی محبت پر شک کرتے ہوئے کڑھ کڑھ کر زندگی گزارے گا' وہ کیونکر اسے یقین دلائے کہ اس کی زندگی میں اس خون کے رشتے کی محبت کے سوا کسی رشتے نے جڑ نہیں پکڑی۔

یہ رشتہ جو محبت کے نام سے استوار ہوا تھا اس رشتے میں اتنا دم نہیں تھا کہ وہ خون کے رشتے پر غالب آ سکتا آخر اسے کیا کرنا ہوگا۔ کون ہے جو اس گھپ اندھیرے

میں روشنی کی کرن بن کر چمکے اور کسی طرح اس کے بھائی کو یقین دلادے کہ اس کا بھائی ہی اس کی ساری جمع پونجی ہے ساری خوشیوں کا محور اور مرکز ہے وہ بھائی جس کے لیے اس نے راتوں کو سجدے میں گر کر دعائیں مانگیں؛ اس کی جان کی سلامتی کی اس کی خوشیوں کی اور آج اس کی بدگمانی کی وجہ سے جیسے جیتے جی مرگئی تھی۔

اسے تو کھل کر سانس لیتے ہوئے بھی خوف آرہا تھا جیسے کوئی اس کی سانسیں گن رہا ہے اور اس پر کسی بھی وقت یہ الزام آسکتا ہے کہ وہ سانس کیوں لے رہی ہے۔ اسے بھائی کی خفگی کا احساس کیوں نہیں ہے، بھائی ناراض ہے تو وہ ایک طرف بیٹھ کر کسی خوشی کا انتظار تو نہیں کررہی۔

مشہود کی بدگمانی کی وجہ سے دل پر اتنا بوجھ تھا کہ آنکھوں سے آنسو خود بخود گرنے لگتے تھے۔ گھر میں پھیلا ہوا سناٹا سارے ماحول میں ایک وحشت سی اتار رہا تھا۔

اسے اپنے آنسوؤں پر اختیار نہ رہا، پہلے تو خاموشی سے دامن پر گرتے رہے پھر...... سسکیوں کے ساتھ بارش کی طرح برسنے لگے۔ وہ ایک بے خبری کی کیفیت میں تھی اسے اپنے اردگرد کا کوئی ہوش نہ تھا۔ غم کی چادر اوڑھے ہوئے بس اپنے نصیب کا ماتم کررہی تھی کہ اچانک دھڑ کی آواز سے دروازہ کھلا، پیاری ہڑبڑا کر اپنی جگہ سے اٹھ بیٹھی۔ آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کو صاف کرنے کی مہلت بھی نہ ملی، ڈبڈبائی آنکھوں سے دروازے کی طرف دیکھا تو مشہود وا کرکے ساتھ کھڑا نظر آیا۔

اس نے اپنے بازوؤں کا زور وا کر پر ڈالا ہوا تھا اور بڑی ملامت بھری نظروں سے پیاری کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پیاری کی ڈبڈبائی نظروں سے نظر ملتے ہی بڑے زہریلے انداز میں مسکرایا۔

''اچھا تو رو رہی ہو، پتا ہے مجھے کتنی مجبوری میں تم میرے ساتھ رہ رہی ہو، صرف اور صرف اس وجہ سے کہ آخر تمہیں اس جھوٹی محبت کو بھی ثابت کرنا ہے جو آج تک جتاتی رہی ہو، تم تو شاید میرے مرنے کا انتظار کررہی تھیں۔ تم نے تو اپنی خوشیوں کے پورے بندوبست کرلیے تھے تمہاری زندگی میں تو کوئی کمی نہیں تھی میں نے آکر تمہاری ساری خوشیاں کرکری کردیں لیکن تمہاری اس جھوٹی اور ظاہری محبت کا احسان میں زیادہ دن برداشت نہیں کرسکوں گا۔ تمہیں پہلے بھی کہا تھا اب پھر کہہ رہا ہوں مجھ پر ترس کھا کر میرا ساتھ نبھانے کی ضرورت نہیں۔ میں جنگلوں ویرانوں بیابانوں سے زندہ سلامت واپس آگیا ہوں۔ زندگی دینا اللہ کا کام ہے جس نے مجھے آج تک زندہ رکھا ہے وہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھے گا جب تک وہ چاہے گا کہ میں زندہ رہوں۔ دیکھو میں پھر کہہ رہا ہوں تم کسی قید خانے میں قید نہیں ہو اور نا ہی میں نے تمہیں زنجیروں میں باندھا ہے جس وقت تم جانا چاہو مجھے بتائے بغیر بھی جاسکتی ہو۔''

پیاری نے جلدی جلدی اپنی ہتھیلیوں سے آنکھیں پونچھیں اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی مشہود کے پاس پہنچ گئی۔ وہ چاہ رہی تھی کہ اس کے آنسو نہ بہیں وہ سنبھل کر مشہود سے ایک بار پھر بات کرلے لیکن آنسوؤں پر کس کا اختیار ہے پھر ٹپ ٹپ آنکھوں سے گرنے لگے، بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''بھائی آپ میری محبت پر یقین نہیں کرتے، نہ کریں آپ جو مجھے کہنا چاہتے ہیں سب کہہ دیں۔ میں آپ کی کسی بات کا برا نہیں مانوں گی لیکن مجھے آپ یہاں سے جانے کو نا بولیں یہ گھر جتنا آپ کا ہے اتنا ہی میرا بھی ہے۔'' یہ کہہ کر وہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کررونے لگی۔

مشہود پر اس کے رونے کا مطلق اثر نہ ہوا، اس کے ہونٹوں پر پھر زہریلی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

''مجھے پتا ہے تمہیں اتنا رونا کیوں آرہا ہے، تم سوچ رہی ہو کہ میں سمجھ رہا ہوں کہ تم میری ناراضگی کی وجہ سے رو رہی ہو۔ نہیں، تم تو کسی اور وجہ سے رو رہی ہو، سارے منصوبوں کا بیڑا غرق کردیا میں نے لیکن میں تمہیں یقین دلا رہا ہوں تا کہ تم جو کرو گی میں اس پر اعتراض نہیں کروں گا۔ بخدا کسی کو نہیں بتاؤں گا کہ میری بہن مجھے مرا ہوا سمجھ

کے خوشیاں منا رہی تھی۔“ یہ کہہ کر مشہود اپنی واکر کو گھما کر اپنے کمرے کی طرف مڑ گیا۔

واکر کی ٹھک ٹھک کی آواز پیاری کے کانوں میں یوں لگ رہی تھی جیسے نیزوں کی انیاں کانوں میں گھس رہی ہوں۔ شدید دکھ کی کیفیت اور نڈھال اعصاب اس پر طویل خاموشی کا تجربہ معمولی سی آواز کو بھی جیسے اذیت بنا دیتے تھے۔

❀......❀......❀
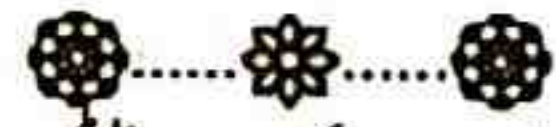
”آؤ آؤ دانیال...... ابھی میں بیٹھی ہوئی تمہارے بارے میں ہی سوچ رہی تھی۔“ مانو آپا عالی جاہ کے کرتے پر کشیدہ کاری کررہی تھیں۔ دانیال کو دیکھ کر ایک دم خوشی سے اٹھ کھڑی ہوئیں‘ دانیال نے آہستہ آواز میں سلام کیا۔

”السلام علیکم پھوپو!“

”وعلیکم السلام بیٹا۔“ مانو آپا نے آگے بڑھ کر دانیال کے سر پر بہت شفقت سے ہاتھ پھیرا۔ ساتھ ہی اس کی طرف بہت غور سے دیکھنے لگیں‘ جیسے انہیں کوئی خاص بات محسوس ہوئی ہو۔

”کیا بات ہے دانیال...... طبیعت تو ٹھیک ہے بیٹا؟“ وہ اسی طرح غور سے دیکھ رہی تھیں۔

”جی جی پھوپو...... میں بالکل ٹھیک ہوں‘ آپ کو کیوں لگا کہ میں ٹھیک نہیں ہوں۔“

”بس ویسے ہی تمہارا چہرہ کچھ اترا اترا سا لگا۔“ یہ سنتے ہی دانیال نے خود کو ایک دم سنبھال لیا اور اسے احساس ہوا کہ اس کی پھوپو واقعی اسے بہت اچھی طرح جانتی اور سمجھتی ہیں اور اس کے چہرے سے ہی اس کے دل کی کیفیت کا پتا لگا لیتی ہیں۔ وہ خود کو ہشاش بشاش ثابت کرنے کے لیے زبردستی مسکراتے ہوئے بیٹھ گیا اور مانو پھوپو کی طرف دیکھنے لگا۔

”بس ویسے ہی پھوپو‘ کبھی کبھی تھکن زیادہ ہو جاتی ہے نا نیند پوری نہیں ہوتی اور بس اسی وجہ سے شاید آپ کو لگا ہوگا۔“ دانیال کسی چھوٹے بچے کی طرح وضاحت پر وضاحت دینے لگا کیونکہ کہتے ہیں کہ ایک جھوٹ چھپانے کے لیے سو جھوٹ بولنا پڑتے ہیں۔

”ہاں...... ہاں بیٹا مجھے پتا ہے تمہاری مصروفیات بہت ہیں اور خیر سے اب شادی شدہ ہوگئے ہو ایک سے دو ہوگئے ہیں اس کے لیے بھی ٹائم نکالنا پڑتا ہے۔ چلو خیر تم مجھے یہ بتاؤ اکیلے کیوں آئے ہو پیاری کو لے کر کیوں نہیں آئے‘ میں تو سوچ رہی تھی کہ کسی دن میں تمہیں کھانے پر بلاتی ہوں مگر یہاں عالی جاہ کا کچھ پتا ہی نہیں چلتا۔ اتوار کو بھی نکل جاتا ہے حالانکہ میں نے سوچا تھا اس اتوار کو میں تم دونوں کو بلالوں گی۔ اب اچھا نہیں لگتا نا کہ گھر میں دعوت ہو اور گھر والے نا بیٹھے ہوں۔ اب ہمارے ہاں لے دے کے ہے کون ایک عالی جاہ......“

”دیکھئے پھوپو...... ایسی کوئی بات نہیں ہے اور تکلفات کی تو بالکل ضرورت نہیں ہے۔ اپنا گھر ہے کھانا تو کسی بھی وقت آ کے کھا سکتے ہیں بلکہ آ کر کہہ سکتے ہیں کہ پھوپو ہم نے کھانا کھانا ہے‘ ہمیں جلدی سے کھانا دیں۔“

”یہ تو تمہارا اپنی پھوپو کے ساتھ پیار ہے بیٹا‘ لیکن میرے بھی تو کچھ ارمان ہیں‘ مجھے پتا ہے کہ اس وقت سعدیہ کی وجہ سے کچھ مشکل تو ہے لیکن بیٹا اللہ پر بھروسہ رکھو مشکلیں تو وہی آسان کرتا ہے۔ اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا اب شادی تو ہوگئی ہے نا ایک دن خود ہی خیال آ جائے گا کہ بیٹے کی شادی ہوگئی ہے۔ بہو گھر میں آ گئی ہے اب زیادہ دن منہ موڑ کر چلا نہیں جا سکتا۔“

”جی جی پھوپو...... ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا اور آپ بتائیے کیا کررہی ہیں۔“

”ارے میں نے کیا کرنا ہے۔ یہ دیکھو دو مہینے ہوگئے کرتا لے کر بیٹھی تھی کہ چلو تھوڑا سا رہ گیا ہے‘ آج پورا کرلوں۔“

”مگر میں آ گیا‘ کرتا پھر رہ گیا۔“ دانیال نے اپنی طرف سے شوخی کا مظاہرہ کرکے پورا زور لگایا کہ پھوپو کو یقین آ جائے کہ ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

"ارے نہیں بیٹا...... تم آگئے بہت اچھی بات ہے اکیلی بیٹھی تھی تو لے کر بیٹھ گئی۔ کچھ نا کچھ تو کرنا ہوتا ہے اللہ کا شکر ہے رات کو نیند پوری کر لیتی ہوں دن میں سونے کی تمنا نہیں ہوتی کوئی نا کوئی کام نکال کر بیٹھ جاتی ہوں اچھا یہ بتاؤ پیاری ٹھیک ہے نا خوش ہے؟" دانیال نے چونک کر نانو پھوپو کی طرف دیکھا پھر زبردستی مسکرانے کی کوشش کی' آیا تو وہ اس لیے تھا کہ ماں جیسی پھوپو کے پاس بیٹھ کر وہ اپنا دل کھول دے گا کیونکہ اس دل کو ایک پل چین نہیں' بے قراری کہیں ٹک کر بیٹھنے نہیں دے رہی اور کچھ سجھائی نہیں رہا کہ آگے کیا ہوگا اور وہ تمام معاملے کو کیسے سنبھالے گا۔ کون سا راستہ نکلے گا جس راستے پر چل کر اسے پیاری اسی طرح ہنستی مسکراتی ہوئی مل جائے گی۔

"پھوپو...... پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے بس میں تو ویسے ہی آ گیا تھا' سوچا کے بہت دن ہو گئے پھوپو کی خیر خبر لے لوں کیا کر رہی ہیں' طبیعت کیسی ہے اب۔ فون کر کے پوچھتا تو آپ کہتیں دور بیٹھ کر خیریت پوچھ لی' پھوپو کو آ کر سلام نہیں کیا۔" دانیال نے اپنی طرف سے لاڈ پیار ظاہر کرنے کی پوری کوشش کی۔

"نہیں نہیں بیٹا...... پھوپو کو بالکل بھی اس بات کی تمنا نہیں کہ بچے اپنا کام چھوڑ کر پھوپو کو سلام کرنے پہنچ جائیں۔ پتا ہے بیٹا' مرد کو سو کام ہوتے ہیں اب ہر وقت گھر میں تو نہیں بیٹھنا ہوتا نا جب گھر سے باہر نکلتا ہے تو اپنے کاموں میں الجھ جاتا ہے۔"

"جی...... جی......" دانیال نے فوراً ہاں میں ہاں ملائی پھر مسکراتے ہوئے بڑے لطیف انداز میں گویا ہوا۔

"پھوپو...... بلال بھائی تو امریکہ جا چکے ہیں اب تو آپ کا ایک ہی بچہ رہ گیا ہے۔"

"ارے کہنے میں تو آتا ہے نا اللہ خیر خیریت رکھے بلال کو اپنی جگہ پر سکھ چین کے ساتھ بٹھائے رکھے اور بچے تو نہیں نا اب پیاری بھی تو میری ہی بیٹی ہے۔ خیر چھوڑو ٹھنڈا پیو گے یا چائے لاؤں......" پھوپو کو ایک دم خیال آیا کہ وہ اتنی دیر سے باتیں کیے جا رہی ہیں جانے وہ کہاں سے آیا ہے' کم از کم ایک گلاس ٹھنڈا پانی ہی اس کے آگے رکھ دیتیں کہتے کہتے ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"نہیں پھوپو...... پانی تو گاڑی میں ہوتا ہے کوئی مسئلہ نہیں۔ چائے میں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی پی اور ٹھنڈا پینے کا موڈ نہیں ہے بس میں تو تھوڑی سی دیر کے لیے آیا تھا پھر ان شاء اللہ چکر لگاؤں گا اب مجھے اجازت دیں۔" دانیال یہ کہہ کر اٹھنے لگا۔

"ارے...... ارے...... آئے ہوئے تمہیں دیر ہی کتنی ہوئی ہے' دیوار کو ہاتھ لگانے آئے تھے بیٹھو آرام سے اب کھانا کھا کر ہی جانا۔" نانو پھوپو ایک دم تڑپ گئیں' ان کے گھر میں کوئی آئے اور وہ ٹھنڈا' چائے پوچھے بغیر اس کی خاطر تواضع کیے بغیر رخصت کر دیں یہ تو ان کے مزاج میں ہی نہیں تھا' وہ صرف وضع داری ہی نہیں نبھاتی تھیں کچھ کر کے بھی دکھاتی تھیں۔

"پھوپو آپ کو پتا ہے نا آپ کے ساتھ تو میں بالکل بھی تکلف نہیں کرتا اور پلیز اس وقت میری بات مان لیں' یقین کریں اس وقت کسی بھی چیز کو دل نہیں چاہ رہا۔"

"اچھا تو پھر میں تمہارے لیے تھوڑا سا کچھ فروٹ لے آتی ہوں' ارے فروٹ تو بچے چلتے چلتے کھا لیتے ہیں۔" وہ کہہ کر رکی نہیں' کچن کی طرف چل پڑیں۔ دانیال ایک گہری سانس لے کر صوفے کی بیک پر ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر کے بیٹھ گیا تھا کیونکہ اسے پتا تھا کہ پھوپو اب فروٹ کھلائے بغیر کسی بھی قیمت پر جانے نہ دیں گی۔ سوچنے لگا کیا پھوپو کو بتا دوں حالانکہ دل چاہ رہا ہے کہ ان کو بتا دوں مگر پھوپو بہت پریشان ہو جائیں گی اور میں انہیں پریشان کر کے چلا جاؤں گا' کیا فائدہ...... میرا خیال ہے کہ انہیں ابھی نہیں بتانا چاہیے شاید کچھ دنوں میں مشہود کو خود ہی خیال آ جائے کہ پیاری کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔

یہ خیال آتے ہی اس کے دل کو کچھ تقویت پہنچی بلکہ اس نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ شکر ہے پھوپو کے سامنے اس

کے منہ سے کچھ نہیں نکلا کچھ نکل جاتا تو سوائے پریشانی کے اور کیا نتیجہ نکلتا۔ یہ سب ان کی قوت برداشت سے بہت زیادہ تھا۔

❁......❁......❁

بیماری کے لیے گھر میں گہرے سناٹے کے مہیب سائے تھے لیکن مشہود اس گہری تنہائی میں کہیں اور پہنچ جاتا تھا۔ آج بھی جانے کیوں وہ اسے بہت شدت سے یاد آرہی تھی اس نے اسے نئے سرے سے زندگی کا راستہ دکھایا تھا۔ آنکھیں بند کیے وہ گزری ہوئی یاد کا ایک ایک لمحہ اپنی گرفت میں لیے ہوئے تھا' کچھ بھی تو ذہن سے نہیں تھا اسے یاد آرہا تھا۔

وہ سر جھکائے بیٹھا تھا' برابر میں جھوٹے برتن پڑے ہوئے تھے ابلا ہوا لال لوبیا اور موٹی سی روٹی کا بچا ہوا ٹکڑا۔ معاً وہ اچانک دروازہ کھول کر اندر آگیا' وہ اکیلا نہیں تھا اس کے ساتھ دو اور بندے بھی تھے جن کی آنکھوں میں وہی وحشت تھی جو اس کے میزبان کی آنکھوں کی شناخت تھی۔ آنے والے دونوں جاٹوں نے اسے نظروں ہی نظروں میں یوں تولا گویا منڈی میں قربانی کا جانور پسند کرنے اور خریدنے آئے ہوں۔

آنے والے دونوں نووارد فارسی آمیز پشتو میں بات کررہے تھے جو کچھ کچھ مشہود کو سمجھ آرہی تھی' وہ اس کے دام لگارہے تھے اور ممکنہ تاوان کی رقم کو بھی ڈسکس کررہے تھے۔

مشہود کو یہ بھی پتا چلا کہ اس کا میزبان اس بات سے قطعی مایوس ہوچکا ہے کہ وہ اکیلا تاوان کی رقم حاصل نہیں کرسکتا۔ اسے کمیونیکیشن پرابلم ہے اور وہ اپنے دھوکہ باز ساتھیوں سے دوبارہ تعلق قائم کرنے کا خواہش مند نہیں ہے۔

پھر انہوں نے اس کے میزبان سے اس کی میڈیکلی فٹنس کے بارے میں بھی پوچھ پڑتال کی تھی۔ وہ اس کے میزبان سے اسی کی زبان میں بات کررہے تھے لیکن جب ایک دوسرے سے بات کرتے یا صلاح مشورہ کرتے تو مشہود کے پلے کچھ نہ کچھ پڑجاتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ تینوں خوں خاں خی کرتے باہر چلے گئے تھے۔ مشہود آنکھیں بند کیے تانے بانے بن رہا تھا جتنی دیر جاگتا تھا اتنی دیر آزادی حاصل کرنے کی ترکیبیں سوچتا تھا۔

❁......❁......❁

آٹھ پہر کے کسی ایک پہر وہ اس روشن دان سے اس کے لیے کھانے کی کوئی چیز ضرور پھینکتی تھی لیکن آج گہری رات سر پر آگئی تھی لیکن اس نے ابھی تک کوئی آہٹ نہیں سنی شاید اسے موقع نہیں ملا ہوگا شاید وہ وحشی درندہ آج گھر پر ہو۔

ظاہر ہے کسی وقت تو گھر پر ہوتا ہوگا کوئی دن تو گھر میں گزارتا ہوگا کیونکہ اس کے انداز سے تو لگتا ہے کہ یہ اس کا اپنا گھر ہے لیکن ابھی تک یہ عقدہ نہیں کھلا تھا کہ روشن دان سے جو چاند جھانکتا ہے اس کا اس وحشی درندے سے کیا رشتہ ہے۔ اچانک اسے دروازے کے قریب ہلکی سی آہٹ محسوس ہوئی' اس نے چونک کر پہلے دروازے کی طرف دیکھا پھر سوتا بن گیا۔

آہٹ نے مگر اسے چونکا کر رکھ دیا تھا' وہ سانس روکے ہوئے دروازہ کھلنے کا منتظر تھا اس کا خیال تھا کہ وہ وحشی شاید اس کے لیے رات کا کھانا لےکر آیا ہے پھر اس نے ہلکی سی کھٹ کی آواز سنی وہ سمجھ گیا کہ وہ وحشی تالا کھول رہا ہے۔

اس نے اب جی بھر کے سونے کی اداکاری شروع کردی تھی' کوشش کی کہ ہلکے ہلکے خراٹے کی آواز بھی حلق سے نکل جائے تاکہ آنے والے کو یقین ہوجائے کہ وہ گہری نیند سویا ہوا ہے۔

اگر وہ کھانا لےکر آیا ہے تو چپ چاپ رکھ کر چلا جائے نا وہ اس کی شکل دیکھنا چاہتا تھا نہ وہ چاہتا تھا کہ وہ اپنی اس زبان سے بات کرے جس کا اسے ایک لفظ سمجھ میں نہیں آتا بالآخر دروازہ کھل گیا۔ مشہود نے ہلکی سی آنکھ کھول کر بھی دیکھنے کی کوشش نہیں کی اس لیے کہ اسے پورا یقین تھا کہ اس کے سوا اندر کوئی آہی نہیں سکتا لیکن اس

وقت وہ بری طرح ہڑبڑا کر اٹھ گیا جب کسی نے اس کو بازو سے پکڑ کر جھنجھوڑا۔

مشہود نے پٹ سے آنکھیں کھول دی تھیں، وہ حیرت سے اپنی جگہ پتھر سا ہوگیا کیونکہ اس کے سامنے تو وہ کھڑی تھی جس سے آشنائی تھی چہرے کی حد تک۔ پورا چہرہ بھی اس کا کہاں دیکھا تھا البتہ اس کی آنکھوں کو بہت غور سے دیکھا تھا وہ ان آنکھوں کو پہچانتا تھا اس لیے اسے فوراً ہی یقین آگیا کہ یہ وہی چاند چہرہ ہے جو کبھی کبھی اندھیرے میں کبھی دن کے اجالے میں روشن دان سے جھانکتا ہے۔

اس نے اسی زبان میں جو وہ وحشی بولتا تھا کچھ کہا، مشہود کی سمجھ میں کچھ نہ آیا اور شاید وہ بھی سمجھ گئی تھی کہ مشہود کو اس کی بات سمجھ نہیں آئی اس لیے اس نے وحشت بھرے انداز میں آنکھیں پھیلا کر جلدی سے کمرے سے باہر بھاگنے کے لیے کہا۔ اس کی زبان سمجھ نہیں آرہی تھی لیکن اشارہ بہت واضح تھا۔

وہ اسے کمرے سے بھاگنے کے لیے کہہ رہی تھی اور ساتھ ساتھ ہاتھوں سے یہ اشارہ بھی کررہی تھی کہ دیر نہ لگائے جلدی سے بھاگ جائے۔ مشہود کی سمجھ میں یہی آیا کہ اسے اس کمرے سے بھاگ نکلنا ہے۔ اس نے لڑکی کی طرف ایک نظر دیکھنے کا تکلف بھی نہیں کیا تھا اور کھلے دروازے سے باہر دوڑتا چلا گیا، بہت آگے جا کر اس نے گھر کا داخلی دروازہ نظروں ہی نظروں میں تلاش کرنے کی کوشش کی۔

سیدھے ہاتھ پر اسے ایک بہت بڑا پھاٹک نظر آیا، اتنا بڑا پھاٹک کہ کوئی ٹرالر بھی آسانی سے اندر آسکتا تھا لیکن وہ پھاٹک جتنا چوڑا تھا اتنا ہی اونچا بھی تھا۔ مشہود نے نظروں ہی نظروں میں تولا اور سوچنے لگا وہ یہ پھاٹک کیسے عبور کرے۔

اندھیرے میں کچھ خاص نظر بھی نہیں آرہا تھا بہرحال وہ اللہ کا نام لے کر پھاٹک کی طرف بڑھا جیسے ایک دیوانگی سی طاری ہوگئی تھی۔ راستہ نظر آگیا ہے بس اب اس راستے سے باہر بھی جانا ہے، اس کے علاوہ اب ذہن میں کوئی اور سوچ نہ تھی، قریب پہنچا تو اس نے پھاٹک کی بناوٹ دیکھی۔ پھاٹک لکڑی کا تھا اور کچھ اس ڈیزائن میں بنا ہوا تھا کہ لکڑی کے ٹکڑوں کے نمک پارے نیچے سے اوپر تک بنے ہوئے تھے اور ان پر کوئی گہرا رنگ تھا جو اندھیرے میں معلوم نہیں پڑرہا تھا کہ رنگ کیا ہے۔ اس نے سوچا وہ لکڑی کے ان ٹکڑوں پر پاؤں احتیاط سے رکھ کر اوپر تک جاسکتا ہے اسے پاؤں رکھنے کی جگہ بھی نظر آئی اس نے ہاتھ کو نیچے کرکے لکڑی کا وہ ڈیزائن جو نمک پارے کی طرح کا تھا پکڑنے کی کوشش کی اور فوراً ہی اندازہ ہوگیا کہ وہ بہت آسانی سے ابھری ہوئی لکڑی کے ان ٹکڑوں کو پکڑ سکتا ہے۔

یہ خیال آتے ہی اس پر عجلت طاری ہوگئی اسے یوں لگا کہ بس قید اور آزادی کے درمیان صرف ایک منٹ کا فاصلہ ہے۔ ابھی اس نے لکڑی کے ابھرے ہوئے ٹکڑوں کو مضبوطی سے پکڑا ہی تھا کہ اسے یوں لگا کہ باہر سے دروازہ کسی گاڑی کی لائٹ سے جگمگا اٹھا ہے، روشنی بالکل سیدھی دروازے پر پڑرہی تھی جس سے اندازہ ہوا جو بھی گاڑی آئی ہے وہ اسی دروازے سے اندر آئے گی۔

اب امید بدحواسی میں تبدیل ہوگئی اس نے جان بچانے کے لیے اِدھر اُدھر دیکھا اسے سامنے ایک چھوٹی

غزل

ابھی جسم میں سانس باقی ہے
ابھی جینے کی آس باقی ہے
لوٹ آئے ہم پھر دریا سے
مگر ابھی بھی پیاس باقی ہے
ٹوٹ کر کرچی ہوا ہے دل مگر
اس کے ہاتھ کا لمس ابھی باقی ہے
پھول کب کا ٹوٹ چکا شاخ سے سروہی
مگر اس کی خوشبو کا احساس باقی ہے

سروہی خان سروہی..... آزاد کشمیر

سی کوٹھڑی کا چھوٹے سائز کا دروازہ نظر آیا جس کی موٹی سی زنجیر بھی اندھیرے کے باوجود نظر آرہی تھی وہ اس باتھ روم سے کافی فاصلے پر تھا۔

جس باتھ روم میں تھوڑی دیر کے لیے وہ خود لے کر آیا تھا ایک سرعت کے ساتھ اس نے کوٹھڑی کی طرف دوڑ لگائی تھی صرف لمبی لمبی چار زقند بھر کے اس کوٹھڑی کے دروازے تک پہنچ گیا تھا۔ دروازہ کھلنے کی پُرزور آوازیں آنا شروع ہوگئی تھیں اس نے کوٹھڑی کی زنجیر گرائی اور یہ دیکھے بغیر کے اس کوٹھڑی میں کیا ہے وہ خالی ہے یا اس میں کچھ رکھا ہوا ہے اندر گھس گیا اور دروازہ بند کر دیا۔

کوٹھڑی میں قبر کی طرح مکمل تاریکی اتری ہوئی تھی ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا اِدھر اُدھر ہاتھ مارے تو اسے محسوس ہوا کے وہاں کچھ اوپر تلے بوریاں رکھی ہوئی تھیں۔ تھوڑے سے حواس قابو میں آئے تو چاول اور گندم کی خوشبو محسوس ہوئی اس نے فوراً اندازہ لگالیا کہ یہ اس گھر کی اناج کوٹھڑی ہے جیسا کہ عموماً گاؤں دیہاتوں میں خاص طور پر بنائی جاتی ہے۔

وہ دروازے کے سامنے نہیں کھڑا ہوسکتا تھا اسے اندھیرے میں ہی چھپنے کی جگہ تلاش کرنا تھی اس لیے کہ وہ وحشی کھلا دروازہ دیکھ کر سب سے پہلے تو اسے تلاش کرتا اس کے ذہن نے بہت تیزی سے کام کرنا شروع کیا وہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس کوٹھڑی میں بھی تو آئے گا اس نے ہاتھوں سے ٹٹول کر اندازہ کیا کہ کوٹھڑی میں کتنی جگہ ہے اور کتنی جگہ پر اناج کی بوریاں یا دوسرا کباڑ پڑا ہوا ہے۔ ٹٹولنے سے اسے اندازہ ہوگیا کہ بوریوں کے پیچھے تھوڑی سی جگہ ہے جان بچانے کا جذبہ انسان کو وہ قوت دیتا ہے جس قوت کا ادراک اس کو زندگی میں کبھی بھی نہیں ہوا ہوتا۔ یہ تو جب سر پر پڑتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ کیا کچھ کرسکتا ہے۔

اسے اندازہ ہوا کہ چار پانچ بوریاں اوپر تلے رکھی ہیں اس نے بوریوں کو پوری قوت سے تھوڑا دھکیلنے کی کوشش کی وہ قوت جو قدرت شاید جان بچانے کے لیے مہیا کر رہی تھی عام حالات میں شاید اکٹھی پانچ بوریوں کو اکیلا سرکا نہیں سکتا تھا لیکن جنون خود ایک قوت ہے اور جان بچانے کا جنون سب سے بڑی قوت ہے۔ اس نے بوریوں کو پہلے ایک طرف سے دھکیلا پھر دوسری طرف سے اتنا ہی زور لگا کر دھکیل دیا پھر ہاتھ اندر کر کے یہ اندازہ کیا کہ وہ ان بوریوں کے پیچھے لیٹ سکتا ہے اس کو اندازہ ہوا لیٹ تو سکتا ہے لیٹنے کے بعد بہت مشکل ہوگی پھنس کر رہ جائے گا یہ وہ گھڑی تھی کسی جگہ پھنس کر رہ جانا منظور تھا لیکن دوبارہ اس وحشی کے ہاتھ لگنے کا تصور بہت ہولناک تھا۔

چھوٹی سی کوٹھڑی کا دروازہ بھی دو پٹ کا تھا مناسب قد کا آدمی بھی سیدھا اندر نہیں آسکتا تھا شہر کے گھروں میں عموماً اس سے بڑی کھڑکیاں ہوتی ہیں۔ کوٹھڑی میں کوئی روزن یا چھوٹی سی کھڑکی تک نہیں تھی ظاہر ہے یہ اس اولڈ ہاؤس کی پینٹری تھی چوہوں کے ڈر سے تو چھوٹے سے چھوٹے سوراخ کو بھی بند کر دیا جاتا ہے۔ باہر سے کوئی آہٹ کی آواز نہیں آرہی تھی یا آ نہیں پا رہی تھی۔ اس کے کپڑے پسینے میں اس طرح بھیگ چکے تھے گویا وہ بارش میں سرپٹ دوڑتا یہاں تک پہنچا ہو جب دم گھٹنے کی کیفیت خطرناک ہوگئی تو وہ آخری پونجی لگانے والے جواری کی طرح بے خوف ہوگیا اور ایسی کی تیسی والا انداز ہوگیا تڑپ کر گھسیٹ کر گویا سرنگ سے باہر آیا۔

مگر عین اسی وقت اسے لگا کہ کوئی کوٹھڑی کے دروازے کے باہر ہے اور اس نے دو کلو وزن کی زنجیر کو بھی چھوا ہے۔ وہ اتنی پھرتی سے دوبارہ سرنگ میں داخل ہوا گویا ٹریننگ مکمل ہونے کے بعد پاسنگ آؤٹ بھی ہوگئی ہو۔ دروازے کے دونوں پٹ کھلے ایک ٹارچ کی روشنی باریک لکیر کی صورت آنے والے سے پہلے اندر آئی فوراً ہی دروازہ بند ہوگیا۔

دروازہ صرف بند ہی نہیں ہوا باقاعدہ زنجیر بھی چڑھا دی گئی اب سچ مچ وہ زندہ حالت میں ایک قبر میں دفن ہوچکا تھا۔

ماحول میں کال بیل کی گھنٹی چیخ پڑی، مشہود نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا پھر اس نے پیاری کو گیٹ کی طرف جاتے دیکھا۔

"کون آسکتا ہے۔" اس نے تجسس یا شک کے ہاتھوں مجبور ہوکر کھڑکی سے جھانکا۔ ادھ کھلے پٹ سے اس نے کیبل کا بل وصول کرنے والے کو پہچان لیا اور سکون کا سانس لے کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

❀......❀......❀

دانیال مانو پھوپو کے پاس سے اٹھ کر سیدھا اپنے آفس چلا آیا تھا لیکن اپنے کمرے میں داخل ہوکر اسے لگا کہ اس کا ذہن تو بالکل خالی ہے پھر بھی وہ اپنے طور پر پوری جدوجہد کرنے لگا کہ جب آفس آ ہی گیا ہے تو کچھ کام دیکھ لے۔

لیپ ٹاپ آن کر کے اس نے کچھ میلز وغیرہ چیک کیں لیکن فوراً ہی اسے اندازہ ہوگیا کہ اس کا ذہن کام کی طرف بالکل بھی متوجہ نہیں اور اس نے جتنی میلز بھی پڑھی تھیں سب کے مضمون آپس میں گڈمڈ ہو رہے تھے بہرحال اسے یہ اندازہ ہوگیا کہ وہ کتنی بھی کوشش کرے اس کا ذہن کام کی طرف نہیں جارہا۔

نڈھال انداز میں اس نے دوبارہ لیپ ٹاپ بند کردیا اور کرسی دھکیل کر دوبارہ کھڑا ہوگیا۔ چند لمحے ٹہلتا رہا خود کو جانچتا رہا اپنے لیے کوئی معیار تسلی کا سکون کا ڈھونڈنے کی کوشش کرنے لگا لیکن کچھ ہاتھ نا آیا اس کا ذہن بالکل خالی تھا۔ کسی گنبد کی طرح اس میں صرف ایک صدائے باز گشت تھی اور وہ صدا جیسے اس کو یقین دلا رہی تھی کہ کوئی بہت بڑا نقصان ہوچکا ہے۔

اس یقین کے بعد کہ وہ کام نہیں کرپائے گا، زیادہ دیر آفس میں رک نہیں سکا۔ آفس سے نکل کر گھر کی طرف چلا راستے بھر اسے یوں ہی محسوس ہوتا رہا جیسے اب زندگی کا کوئی مقصد نہیں رہا اس پر شدید ترین ڈپریشن کا حملہ ہو رہا تھا یوں لگتا تھا کہ دنیا میں اس کے لیے کچھ نہیں رہا

کرنے کے لیے کچھ نہیں بچا اس کی زندگی بالکل بے معنی اور بے مقصد ہو چکی ہے۔

وہ بہت محتاط انداز میں اپنے ذہن کو جھٹک جھٹک کر بہر طور ڈرائیو کرتا رہا لیکن کئی مرتبہ رسک کے مقام پر ایمرجنسی بریک لگانا پڑی۔ دائیں بائیں گاڑیوں میں بیٹھے ہوئے لوگوں نے بڑی خفگی سے دیکھا تھا جیسے وہ اس کو جتا رہے ہوں کہ اگر وہ ڈرائیو کرنا سیکھ رہا ہے تو اس نے اپنی گاڑی کی بیک پر ایل کا نشان کیوں نہیں لگایا۔

تین چار بار ایمرجنسی بریک لگانے کے بعد بہرحال وہ اتنا تو محتاط ہو گیا کہ اس نے بہت ذمہ داری سے ڈرائیو کی بالآخر گھر پہنچ ہی گیا۔ گھر پہنچتے ہی اسے بہت حیرت کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ سعدیہ کوریڈر میں یوں ٹہل رہی تھیں جیسے کسی کا بے چینی سے انتظار کر رہی ہوں۔ اس نے اپنے معمول کے مطابق ایک سلام ماں کو کیا اور سلام کرتے ہی آگے بڑھ گیا وہ اس جگہ ایک پل نہیں رکنا چاہتا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ ماں جو اس کی شادی کی سب سے بڑی مخالف ہے وہ شاید جو بھی بات کرے گی وہ اس کے ڈپریشن میں مزید اضافہ ہی کرے گی۔ وہ اپنے کمرے کی طرف مڑا ہی تھا کہ پشت سے سعدیہ کی آواز آئی۔

"تم تو چلتے ہی چلے جا رہے ہو ایک منٹ رک کر میری بات تو سنو۔" دانیال کو رکنا پڑا اس نے پلٹ کر ماں کی طرف دیکھا۔

"جی ممی۔"

"بیٹا میں کتنی دیر سے تمہارا انتظار کر رہی تھی اور تم ایک سیکنڈ کے لیے نہیں رکے۔ مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔"

"ممی میں اس وقت بہت تھکا ہوا ہوں۔" اس نے فوراً کہا۔

"لیکن بیٹا...... بات بہت ضروری ہے۔" وہ حیرت انگیز طور پر نہایت نرمی اور شفیق انداز میں ہمکلام تھیں جو دانیال کی سمجھ سے تو بہرحال بالاتر تھا۔

"ممی میں تھوڑا ریسٹ کر لوں پھر بیٹھ کر بات کرتے ہیں لیکن مجھے ایک بات سمجھ نہیں آئی آپ میرا انتظار کیوں کر رہی تھیں آپ کو تو پتا ہے میں اس وقت آفس میں ہوتا ہوں۔"

"ہاں...... شاید میں بھول گئی تھی بس یونہی خیال آیا کہ جیسے تم گھر آنے والے ہو۔ میں نے وقت نہیں دیکھا تھا بس یہ کہ میں بہت شدت سے تمہارا انتظار کر رہی تھی اور میں جیسے سب کچھ بھول بیٹھی تھی۔"

اب دانیال چونکا آخر اس کا اتنی شدت سے انتظار کیوں ہو رہا تھا اس نے ایک لمحے کے لیے سوچا پھر ماں کی طرف دیکھا۔

"ٹھیک ہے ممی...... آیئے آپ جو بات کرنا چاہتی ہیں کر لیجیے۔" یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا سعدیہ اس کے پیچھے پیچھے کمرے میں چلی آئیں۔

دانیال نے یہ سوچ کر بات سننے کا ارادہ کر لیا تھا کہ اس نے اس وقت بات نا سنی تو اس کا اپنا ذہن ماں کی بات کی طرف لگا رہے گا۔ جتنی دیر وہ کمرے میں بند رہے گا سعدیہ بے چینی سے اس کا انتظار کرتی رہیں گی اس نے سوچا جہاں اتنے کام کر لیے جاتے ہیں وہاں ایک اور سہی...... کم از کم ذہن تو ایک طرف ہو جائے گا آخر پتا تو چلے سعدیہ اس کے بعد کیا کرنا چاہتی ہیں۔

وہ کمرے میں آ کر بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گیا سعدیہ سامنے بیٹھنے کی بجائے اس کے برابر میں آ کر بیٹھ گئیں اور بہت نرمی اور شفقت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولیں۔

"دانیال دیکھو بیٹا میں ماں ہوں اور ماں کا غصہ وقتی ہوتا ہے کوئی ماں اپنے بچوں کی دشمن نہیں ہوتی۔" دانیال کی طبیعت الجھنے لگی یہ جملے تو وہ ڈراموں فلموں اور گھر بھی کئی مرتبہ سن چکا تھا۔ اس کے ذہن پر عجلت سوار تھی وہ جلدی سے جاننا چاہتا تھا کہ آخر سعدیہ اس سے کہنا کیا چاہتی ہے یوں ایک دم سے ان کا انداز کیوں بدل گیا ہے حالانکہ اس سے پہلے بھی وہ اس سے بہت آرام سے بات

کر چکی تھیں لیکن اس وقت جوان کا انداز تھا وہ پہلے انداز سے بالکل مختلف تھا۔

"دیکھو بیٹا..... اب جو ہونا تھا ہو گیا اب دنیا کو تو پتا چل گیا نا کے تمہاری شادی ہو گئی ہے تو بس اب کیا ہو سکتا ہے میں کوشش کروں گی کہ تمہاری خوشی میں خوش رہوں' پیاری کو اب اس گھر میں ہونا چاہیے۔" یہ ایک بہت بڑا دھماکہ تھا' دانیال نے ایک دم چونک کر ماں کی طرف دیکھا۔

"ہاں بیٹا...... دیکھونا جب سب کو پتا چل گیا ہے کہ تمہاری شادی ہو گئی ہے تو کتنی عجیب بات ہے کہ پیاری یہاں رہنے کی بجائے اپنے میکے میں رہے۔ لوگ طرح طرح کے سوال کریں گے اور پھر مجھے یہ بالکل بھی اچھا نہیں لگے گا کہ تم گھر داماد کہلاؤ۔" سعدیہ بول رہی تھیں اور دانیال ہکا بکا ان کی شکل دیکھ رہا تھا اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ خیالات سعدیہ کے ہیں جو وہ اس سے کہہ رہی ہیں لیکن اب حالات بدل چکے تھے اور حالات کی تبدیلی کی خبر ابھی اسی تک محدود تھی۔ اس نے جیسے ایک ٹھنڈی سانس بھری تھی۔

ماں راضی ہو گئی تھی پیاری کو لانے کے لیے تیار تھی لیکن موسم تو بدل چکے تھے' بہار کا موسم تو جا چکا تھا۔ اب سعدیہ کی مہربانیاں خزاؤں کو بہاروں میں تو نہیں بدل سکتی تھیں لیکن ابھی وہ یہ بات ماں کے ساتھ نہیں کر سکتا تھا' فی الحال تو اسے ٹال مٹول سے ہی کام لینا تھا۔

بعض دکھ ایسے ہوتے ہیں جو دیواروں سے کہتے ہوئے بھی حیا آتی ہے وہ دکھ ایسی بے رحم سچائیوں کے ہوتے ہیں۔ وہ سچائیاں جو مخالف سمتوں سے آتی ہیں اور سارے خواب چکنا چور ہو جاتے ہیں۔ وہ بے رحم سچائیاں جو انسانوں کو خوابوں کی دنیا سے نکال کر ہوش و حواس میں لا کھڑا کرتی ہیں۔

"ممی...... فی الحال آپ یہ ٹاپک رہنے دیں۔" دانیال کے جواب نے سعدیہ کو حیران کر کے رکھ دیا۔

"یہ کیا بات ہوئی؟" وہ ہکا بکا ہو کر اس کی شکل تکنے لگیں' ان کے خیال میں تو اس وقت دانیال کو خوشی سے رقص کرنا چاہیے تھا۔ وہ اس کی شادی قبول کر رہی تھیں' بہو کو اس گھر میں آنے بسنے کی اجازت دے رہی تھیں۔

"کہیں ایسا تو نہیں دانیال کو ان پر شک ہو؟" ان کا ماتھا ٹھنکا۔

دل میں چور اور بدنیتی چھپی ہو تو انسان شک کا مریض خود بخود ہو جاتا ہے۔ منفی خیالات اسے وجدانی خیالات محسوس ہوتے ہیں اپنے وہم کو دل کی آواز سمجھنے لگتا ہے۔ ایک عام انسان کی زیادہ سے زیادہ حقیقت کی قوت

سمیرا بنت یوسف

السلام علیکم۔ قارئین کیسے ہیں آپ امید ہے کہ سب خیریت سے ہوں گے۔ ہاں تو جناب اب ہم اپنا تعارف کراتے ہیں۔ مابدولت کا نام سمیرا بنت یوسف ہے۔ ہم گیارہ بہن بھائی ہیں۔ 7 بھائی ہیں جن میں چھ کی شادی ہو چکی ہے تین بہنیں ہیں ان میں سے دو کی بھی شادی ہو چکی۔ کنوارے تین بہن بھائی باقی میں' مجھ سے چار سال بڑی بہن ثمرہ اور میرے بھائی آصف' میرے چھ بھتیجے اور تین بھتیجیاں ہیں اور دو بھانجے ہیں۔ کہانی لکھنے کا بے حد شوق ہے اس لیے دن رات محنت کر رہی ہوں۔ اب آتے ہیں پسند ناپسند کے بارے میں مجھے میٹھا بالکل بھی پسند نہیں ہے' بھی کبھی تھوڑا بہت کھا لیتی ہوں چٹ چٹی چیزوں اور مصالحہ دار چیزوں کی حد سے زیادہ شوقین ہوں۔ میری پسندیدہ شخصیت حضرت محمد ﷺ ہیں۔ میری تاریخ پیدائش 19 مئی ہے۔ اسٹار اگو ہے۔ اپنی دوستوں میں فنی مشہور ہوں۔ بچپنا کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے میری سب سے اچھی دوست ربیعہ فاطمہ ہے خوبیاں اور خامیاں بہت ہیں خامی یہ ہے جو دل میں ہوتا ہے فوراً بول دیتی ہوں خوبی تو میں نہیں جانتی یہ ہمارے ساتھی ہی بتا سکتے ہیں مجھے اپنی تعریف کرنا پسند نہیں ہے۔ اچھا اب اجازت دیجئے۔ دل سے دعا ہے کہ اللہ پاک سب کو ہدایت عطا فرمائیں۔ آمین

جب منفی راستے پر چلتی ہے تو اسی قوت کا شک دماغ میں آکٹوپس بن کر پنجے گاڑتا ہے۔ وہ اب گہری نظروں سے دانیال کے تاثرات کا جائزہ لے رہی تھیں۔

''جب میں ماں ہوکر اولاد کے سامنے جھک گئی ہوں تو تم بھی پچھلی باتیں بھلا دو انہوں نے ہارماننا تو سیکھا ہی نہیں تھا۔'' انا پر لگنے والی زبردست چوٹ نے ہی تو انہیں بہروپ بھرنے پر مجبور کیا تھا۔

''میں نے کہا ناں...... ممی...... لیو اِٹ' ابھی اس ٹاپک پر بات ہی نہ کریں۔'' دانیال نے جیسے عاجز آ کر کہا۔

''کیوں چھوڑوں' دنیا کے سامنے تم نے شادی کی ہے اسے تمہارے ساتھ نظر آنا چاہیے۔''

''آجائے گی۔''

''اس کا بھائی بیڈ ریسٹ پر ہے۔'' وہ اس کی دیکھ بھال کر رہی ہے بلا آخر دانیال کو بامعنی جواب دینا پڑا۔

''بھائی......؟'' وہ ہونق سی ہوکر دانیال کی شکل دیکھنے لگیں۔

''تو تم نے تاوان دے کر چھڑالیا اسے' کتنے پر راضی ہوئے؟ فیکٹری کا مالک ہے' کروڑ سے کم کیا لیا ہوگا۔'' اب سعدیہ کے دل میں دوسری طرح سے پکڑ دھکڑ ہونے لگی تھی۔

''ایک کروڑ...... اللہ توبہ' کیا آسمان کے کسی سوراخ سے گرتے ہیں۔'' ایک خیال آرہا تھا دوسرا جارہا تھا' وجود پسینے میں بھیگ گیا۔

''ظاہر ہے تمہارے پاپا نے ہی دیئے ہوں گے۔ کروڑ کی ہمدردی تو وہی کریں گے جو بڑا ازور دکھا کر اس کی بہن کو بہو بنا کرلائے ہیں۔'' دولت کی محبت میں اداکاری بھول گئیں' یاد ہی نہ رہا کہ کچھ دیر پہلے وہ ایک اچھی سی ماں کا رول ادا کر رہی تھیں۔

''وہ تاوان دیئے بغیر خیریت کے ساتھ آگیا ہے' شکر الحمدللہ......'' یہ کہہ کر دانیال اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا۔ سعدیہ کی جان میں جان آئی۔

''یااللہ...... تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ شہود گھر آگیا۔''

''میں تو اصل میں یہ کہہ رہی تھی کروڑ کے بجائے دو کروڑ بھی دینا پڑتے تو ہم دیتے۔ اب ان سے رشتے داری ہے ہمارا فرض بنتا ہے۔'' سعدیہ نے ایک دم پینترا بدل کر کہا تو دانیال نے سچ مچ بہت حیرت سے سعدیہ کی طرف دیکھا تھا۔

''اب تو اس سے ملنے لازمی جاؤں گی۔ میرا فرض بنتا ہے' بچہ موت کے منہ سے نکل کر گھر آیا ہے۔'' انہیں اب لاڈ دلار بھی پرفوم کرنا تھا' دل پھول کی طرح کھل رہا تھا۔

''شکر...... ہمارے پیسے بچ گئے۔''

''آج کل تو کروڑوں کی ہمدردی سگے رشتے نہیں کرتے' ہمارے پاس کیا فالتو پڑا ہے۔'' وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھیں۔ دانیال نے ایک نظر ان پر دوڑائی' چند ثانیے کچھ سوچا۔

''ممی...... آپ اکیلی نہیں جائیں گی۔ میں آپ کو ساتھ لے کر چلوں گا۔'' دانیال کو بہر طور سمجھ داری سے موجودہ چویشن کو سنبھالنا تھا' بڑی نرم خوئی سے گویا ہوا۔

''ہاں تو پھر آج کسی وقت کا پروگرام بنالو' آج میرا بھی باہر کوئی خاصی پروگرام نہیں ہے۔'' اب وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

کمال کے آنے سے پہلے پہلے دانیال کو ماں کے ساتھ نظر آنا چاہیے۔

''بڑے گئے تھے بارات لے کر' بتاتی ہوں اچھی طرح......'' سعدیہ کو کسی پرانے زخم میں شاید آنچ محسوس ہوئی تھی۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ شمارے میں)

ابو کی پرنسز

نگہت سیما

خاموش فضا تھی کہیں سایہ بھی نہ تھا
اس شہر میں ہم سا کوئی تنہا بھی نہیں تھا
کس جرم میں چھینی گئی مجھ سے مری ہنسی
میں نے کسی کا دل دکھایا بھی نہیں تھا

وہ اچانک ہی کسی گلی کے موڑ سے نکلی تھی۔ اس کا لباس میلا اور گندا تھا اس کا دوپٹا آدھا کندھے پر اور آدھا زمین پر گھسیٹ رہا تھا۔ اس کے بال یوں بے رنگ اور الجھے ہوئے تھے جیسے مہینوں سے انہیں دھویا نہ گیا ہو نہ کنگھی کی گئی ہو۔ اس کی گھنی پلکیں گرد سے اٹی تھیں ایک پاؤں میں ہوائی چپل تھی اور دوسرا پاؤں ننگا تھا۔ وہ ہولے ہولے چل رہی تھی کبھی کبھی رک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگتی۔ اس کی آنکھوں میں وحشت تھی اور ایک ابنارمل سی چمک۔ چلتے چلتے وہ پاؤں زمین پر اس طرح مارتی جیسے کسی چیز کو جھٹک رہی ہو اس کے رخساروں پر بھی میل کی لکیریں تھیں۔ وہ فٹ پاتھ پر چل رہی تھی ایک دم وہ چلتے چلتے رک گئی۔ ایک شاندار گاڑی اس کے پاس سے گزر کر اس کے پیچھے ایک مال کے پارکنگ میں کھڑی ہوگئی تھی۔ اس نے اپنا رخ پارکنگ کی طرف کرلیا تھا اب اس کی پیٹھ سڑک کی طرف تھی اور وہ مال کے پارکنگ کی طرف دیکھ رہی تھی اس کی آنکھوں میں ایک خالی پن تھا گاڑی سے ایک وجیہہ شخص نکلا تھا۔ وہ جہاں کھڑی تھی وہاں سے اس کا آدھا چہرہ نظر آرہا تھا اور وہ کھڑکی میں جھک کا ڈرائیور سے کچھ کہہ رہا تھا۔

پچھلا دروازہ کھول کر ایک بچہ باہر نکلا تھا چھ سات سال کا بہت پیارا سا بچہ تھا۔ بچے کو دیکھ کر یک دم ہی اس کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ وہ اسے دیکھتی ہوئی فٹ پاتھ پر بیٹھ گئی۔ وہ بے حد شاندار مرد بچے کی انگلی پکڑے اندر چلا گیا تھا اور وہ وہاں ہی بیٹھی اس گاڑی کو گھور رہی تھی جس سے ابھی ابھی نکل کر وہ مرد اندر گیا تھا۔ اس کی گدلی آنکھوں میں یک دم پانی بھر گیا تھا۔ پاس سے گزرتے ہوئے ایک شخص نے جھک کر ایک سکہ اس کے قریب فٹ پاتھ پر پھینکا اور آگے بڑھ گیا۔ اب وہ خالی خالی نظروں سے سکے کو دیکھ رہی تھی۔ وہ شاید کوئی بھکارن تھی۔

❀......❀......❀......❀

''عاشی...... عاشی......'' حیدر علی کی آواز پر عائشہ صافی سے ہاتھ پونچھتی ہوئی کچن سے باہر نکلیں اور حیدر علی کی طرف دیکھا جو لاؤنج میں کھڑے تھے ان کی آنکھوں میں ایک حیرت بھری مسرت کی چمک تھی اور لبوں پر مسکراہٹ۔

''کیا ہوا حیدر کیوں بلا رہے تھے؟''

''عاشی دیکھو ذرا جیا کو کیا ہوا ہے؟''

''کیا ہوا اسے؟'' عاشی نے مڑ کر جیا کی طرف دیکھا جو سر اٹھائے ایک ایک قدم اٹھاتی حیدر علی کی طرف آرہی تھی۔

''دیکھو عاشی اپنی جیا کیسے چل رہی ہے۔ جیسے کوئی پرنسز ہوتی ہے سر اٹھائے وقار سے کسی شہزادی کی طرح۔''

عائشہ کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے پھر دو سالہ جیا کی طرف دیکھا۔

''سب بچے ایسے ہی ہوتے ہیں حیدر۔ ہماری جیا دوسرے بچوں سے مختلف نہیں۔ ردا اور ندا بھی ایسی ہی تھیں دراصل آپ نے ان دونوں کا بچپن نہیں دیکھا۔ کب انہوں نے پہلا لفظ بولا۔ کب پہلا قدم اٹھایا کب چلیں

کب پورا جملہ بولا اس لیے آپ کو جیا کی ہر بات حیران کرتی ہے۔" اور یہ آج کی بات نہیں تھی جب سے وہ پاکستان آئے تھے انہیں رجاء کی ہر بات پر یوں ہی حیرت ہوتی تھی اور وہ یوں ہی خوش ہوتے تھے جب پہلی بار اس نے انہیں بابا کہا تھا تو اس کی حلاوت ان کے اندر تک اتر گئی تھی وہ بار بار اپنی طرف اشارہ کرکے پوچھتے۔

"میں کون ہوں؟"

"بابا۔" وہ کہتی تو وہ اندر تک سرشار ہو جاتے۔ جب پہلی بار اس نے ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر ان کے رخسار کو چوما تھا تو اس کے بوسے کا گیلا گیلا لمس وہ کتنے ہی دن محسوس کرتے رہے تھے گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے انہوں نے دونوں ہاتھ پھیلائے۔ رجا اس طرح ہولے ہولے چلتی ہوئی ان کے دونوں بازوؤں میں سما گئی تھی۔

"ابو کی پرنسز۔" انہوں نے اسے دونوں بازوؤں میں لیتے ہوئے اس کے رخسار پر بوسہ دیا اور مڑ کر عائشہ کی طرف دیکھا۔

"ہاں شاید تم ٹھیک کہتی ہو لیکن جیا تو میری شہزادی ہے میری پرنسز۔" عائشہ مدہم مسکراہٹ لبوں پر سجائے واپس کچن میں چلی گئی تھیں اور وہ رجاء کو گود میں اٹھائے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے تھے۔

شادی کے دو سال بعد وہ ملک سے باہر چلے گئے تھے۔ ردا ان کے جانے کے بعد پیدا ہوئی تھی۔ جب وہ واپس آئے تو ردا پانچ سال کی تھی۔ صرف ایک ماہ رہ کر وہ واپس چلے گئے تھے۔ اپنی شادی کے فوراً بعد زیرا آپا کی شادی پر قرض چڑھ گیا تھا اور پھر والد کی بیماری نے کمر توڑ دی تھی۔ قرض اترنے کے بجائے چڑھتا گیا ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا تھا کہ وہ ملک سے باہر چلے جائیں۔ یہاں کی محدود تنخواہ میں تو قرض اترنا مشکل تھا۔ سو وہ عاشی کا زیور بیچ کر کسی نہ کسی طرح امریکہ پہنچ گئے تھے۔ پانچ سالوں میں قرض تو اتر گیا تھا لیکن ابا کا علاج جاری تھا۔ مہنگی دوائیاں مہنگا علاج اور پھر وہ اپنے بچوں کے لیے بھی ایک محفوظ مستقبل چاہتے تھے۔ ابھی صرف ایک بچی تھی کل کو مزید بچے بھی ہو جاتے۔ سو وہ عاشی کے اصرار کے باوجود اس کے آنسو نظر انداز کرکے چلے گئے تھے۔ ردا کے بعد ندا کی آمد پر بھی وہ نہیں تھے۔ پانچ سال اور گزر گئے تھے۔ وہ آئے تو ردا دس سال کی اور ندا چار ساڑھے چار سال کی تھی۔ اب کی بار عائشہ بہت روئی تھی۔

"حیدر میں تنہا ذمہ داریاں سنبھالتے سنبھالتے تھک گئی ہوں۔ قرض اتر گیا ہے۔ دوسری بھی سب سہولتیں ہیں بچیاں اچھے اسکولوں میں ہیں۔ ہم روکھی سوکھی کھا کر بھی گزارا کر سکتے ہیں لیکن ہمیں اب آپ کی بہت ضرورت ہے۔" وہ عاشی کی تکلیف کو سمجھتے تھے یہ بھی جانتے تھے کہ وہ فضول خرچ نہیں اور ان کی بھیجی ہوئی رقم کو بہت احتیاط سے خرچ کرتی ہے اس نے بچت بھی کر رکھی ہے لیکن وہ نہیں چاہتے تھے کہ جس طرح ابا کو آپا کی شادی کے لیے ان کی سسرال کی ڈیمانڈ پوری کرنے کے لیے قرض لینا پڑا تھا انہیں بھی قرض لینا پڑے اور پھر ان کی تو ایک نہیں دو بیٹیاں تھیں۔

"میں نہیں چاہتا عاشی کہ ہمیں اپنی بچیوں کی شادی کے وقت کوئی مشکل پیش آئے۔ میں ان کے لیے کچھ کرنا چاہتا ہوں اب کے میں آیا تو پھر تمہیں اکیلا چھوڑ کر واپس نہیں جاؤں گا بس آخری بار۔" وہ عاشی کو تسلی دے کر چلے گئے تھے۔ لیکن ابا کی وفات کے بعد عاشی بالکل اکیلی تھی۔ گھر میں اب کوئی مرد نہیں رہا تھا جب بھی فون پر بات ہوتی عاشی رو پڑتی۔

"حیدر بچیاں بڑی ہو رہی ہیں اور گھر میں کسی مرد کا ہونا بہت ضروری ہے۔ ابا بیمار تھے چارپائی پر پڑے رہتے تھے لیکن ان کی موجودگی سے بڑا آسرا تھا۔" اور یہ بات وہ بھی سمجھتے تھے اور انہیں اب واپس وطن آنا ہی تھا۔ وہ باپ کے جنازے کو کندھا تو نہیں دے سکے تھے لیکن انہیں یہ اطمینان تھا کہ انہوں نے ان کے علاج میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ بڑے سے بڑا ڈاکٹر مہنگے سے مہنگا اسپتال اور پاکستان میں رہ کر یہ ممکن نہ تھا اور اب ابا نہیں رہے تھے عاشی اور بچیاں اکیلی تھیں سو وہ سب کچھ سمیٹ کر پاکستان

آ گئے تھے۔ تب رجاء صرف دو ماہ کی تھی ان کے سامنے جیسے کسی حیرت کدے کا دروازہ کھل گیا تھا۔ اور جیسے ہر روز سینکڑوں حسرتیں ان کی منتظر ہوتیں۔ وہ ننھی گڑیا ہر لمحہ انہیں حیران کرتی۔ اس کی قلقاریاں اس کا رونا اس کا ہاتھ پاؤں مارنا سب ان کے لیے حیران کن تھا وہ بار بار عائشہ کو آواز دے کر اس کی طرف متوجہ کرتے۔ گندمی رنگ اور خوب صورت آنکھوں والی رجاء ان کی پرنسز تھی۔ اپنے ابو کی پرنسز۔ یہ نہیں تھا کہ انہیں ردا اور ندا سے پیار نہیں تھا وہ بھی ان کی جان تھیں لیکن رجاء تو رجاء تھی۔ وہ اپنے ابو کی پرنسز تھی۔

❁......❁......❁......❁

دو تین گاڑیاں آگے پیچھے آ کر کھڑی ہوگئی تھیں اور ان سے فیشن ایبل خواتین نکل کر اپنے پرس جھلاتی اندر مال کی طرف جا رہی تھیں۔ ٹخنوں تک لمبی فراک نما سلیولیس شرٹس پہنے یہ خواتین اسے اچھی نہیں لگی تھیں۔ ان کے آنے سے اس کا ارتکاز ٹوٹ گیا تھا اور وہ سیاہ ہنڈا سٹی بھی جس سے وہ شاندار مرد اتر کر اندر گیا تھا ان کی گاڑیاں کھڑی ہونے کی وجہ سے اب اسے نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس نے اچک اچک کر اس سیاہ گاڑی کو دیکھنے کی کوشش کی لیکن وہ اسے نظر نہیں آئی۔ چار انچ اونچی ہیل پہنے دو لڑکیاں ٹک ٹک کرتی ہوئی اس کے پاس سے گزریں اس نے ان کی اونچی ہیل والے جوتوں کی طرف دیکھا اور پھر اپنے ننگے پاؤں کی طرف...... جس کی ایڑیوں کی پھٹی بوائیوں سے خون رس رہا تھا اور پھر اس سیاہ گاڑی کو دیکھنے کی کوشش کی اور جب وہ نظر نہیں آئی تو گھبرا کر کھڑی ہوگئی اور فٹ پاتھ سے اتر کر تیز تیز چلتی ہوئی پارکنگ کی طرف جانے لگی۔ فٹ پاتھ سے اترتے ہوئے اس کے دوسرے پاؤں کی چپل بھی وہیں رہ گئی تھی لیکن اس نے مڑ کر چپل کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ وہ متجسس نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی پھر اسے وہ سیاہ گاڑی نظر آ گئی تو وہ تیر کی طرح اس کی طرف بڑھی اور گاڑی پر اس طرح ہاتھ رکھ کر کھڑی ہوگئی جیسے وہ اس کی حفاظت کر رہی ہو اور اب اسے نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دے گی۔ گن ہاتھوں میں لیے پارکنگ کا چکر لگاتے ہوئے گارڈ نے اسے گاڑی کے پاس کھڑے دیکھا تو تیر کی طرح اس کی طرف لپکا۔

"ہے...... یہاں کیوں کھڑی ہو۔ ہٹو یہاں سے۔"

اس نے نظریں اٹھائیں۔

ان وحشت بھری آنکھوں میں کیا تھا حسرت بے بسی کرب اذیت یا پتا نہیں کیا کہ گارڈ کے لہجے کی درشتی نرمی میں بدل گئی۔

"بی بی یہاں مت کھڑی ہو۔ صاحب لوگ ناراض ہوں گے۔" اس نے نظریں جھکالیں اور گاڑی سے ہٹ کر کھڑی ہوگئی اس طرح کہ گاڑی نظروں کے سامنے رہے۔ گارڈ وہاں سے ہٹ کر کہیں اور چلا گیا تھا وہ کچھ دیر وہیں کھڑی رہی۔ پھر ہولے ہولے گاڑیوں کے پاس سے گزرتی ہوئی سیڑھیوں کے پاس کھڑی ہو کر سامنے دیکھنے لگی گلاس ڈور کھل بند ہو رہے تھے۔

باوردی ملازم ڈور کھولتے اور خواتین اپنے بچوں اور شوہروں کے ساتھ بڑے بڑے شاپنگ بیگ اٹھائے اپنی گاڑیوں کی طرف جا رہی تھیں۔ کسی کسی خاتون کا سامان ملازم اٹھا کر گاڑی تک پہنچاتا۔ ادب سے گاڑی کا دروازہ کھولتا۔ خاتون پرس سے کچھ نوٹ نکال کر اسے تھماتیں تو وہ ادب سے سلام کر کے واپس چلا جاتا۔ وہ چند لمحے دلچسپی سے دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں کی وحشت یکایک جانے کہاں چلی گئی تھیں اب وہاں صرف ملال و دکھ تھا اور کچھ کھو جانے کا احساس۔ پھر اس نے گاڑی سے نظریں ہٹائیں اور سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔ ایک دو تین اور چار سیڑھیاں چڑھ کر اب وہ سامنے شیشے کے دروازوں اور ان کے پیچھے کھڑے گارڈوں کو دیکھ رہی تھی۔ بالکل سامنے والا گلاس ڈور کھلا ایک خاتون اور ایک بچی شاپنگ بیگ اٹھائے باہر نکلیں۔ بچی نے خاتون سے کچھ کہتے ہوئے اس کی طرف اشارہ کیا۔ خاتون نے اس کی طرف دیکھا اور پھر شانے پر لٹکے بیگ سے چھوٹا سا کلچ نکالا اور دس کا ایک نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا وہ ایک دم پیچھے ہٹی اور ننگی

میں سر ہلانے لگی۔
”نخرے تو دیکھو۔“ خاتون نے بچی سے کہا۔
”دس روپے کم لگ رہے ہیں اسے۔“ بچی نے جس کی عمر دس گیارہ سال تھی نوٹ اس کے ہاتھ سے لے کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا جسے اس نے سامنے پھیلائے شاید وہ اپنے ہاتھ کی لکیریں دیکھ رہی تھی وہ ایک دم پیچھے ہٹی اور ہاتھ نیچے کرلیے۔ نوٹ نیچے گر گیا تھا خاتون اور بچی جاچکی تھیں کچھ دیر وہ یونہی گرے ہوئے نوٹ کو دیکھتی رہی اور اس کی آنکھوں کے رنگ بدلتے رہے کبھی ان میں ایک وحشیانہ سی چمک پیدا ہوجاتی کبھی ملال کے گہرے رنگ جھلکنے لگتے تھے یک دم ہی اس نے کسی خیال سے چونک کر سر اٹھایا اور مڑ کر گاڑی کی طرف دیکھا۔ وہ سیاہ گاڑی اپنی جگہ موجود تھی اس کے سوکھے ہوئے پپڑی زدہ ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ ابھری اور آنکھوں میں موجود ملال کے رنگوں پر اطمینان کا رنگ غالب آ گیا۔ وہ وہاں سے آگے بڑھی اب وہ ایک گلاس ڈور کے سامنے کھڑی تھی۔ پھر اس کی آنکھوں میں الجھن نظر آئی وہ الجھن سے سب دروازوں کو دیکھنے لگی ایک لائن میں چار پانچ گلاس ڈور تھے کھاڈی ماریہ بی بریزہ، وردہ، جنید جمشید وہ ایک دروازے کی طرف بڑھتی پھر پیچھے ہٹ جاتی۔ پھر ایک قدم دوسرے دروازے کی طرف اٹھاتی اور پھر پیچھے ہٹ کر الجھن سے سب دروازوں کو دیکھنے لگتی اس کی آنکھوں کی الجھن اور پیشانی کی لکیروں میں اضافہ ہوگیا تھا وہ باری باری ان دروازوں کو کیوں دیکھتی تھی اسے خبر نہیں تھی بس وہ ان دروازوں کو دیکھے جاتی تھی۔ شاید لاشعور میں کہیں اس شاندار مرد اور بچے کو دیکھنے کی خواہش تھی پارکنگ میں گن لیے ٹہلتا گارڈ اسے نظر میں لیے ہوئے تھا جب کچھ دیر دیکھنے کے بعد وہ پھر ایک دروازے کی طرف بڑھی تو اس کا صبر جواب دے گیا۔
”ہے نیچے اترو یہ بھیک مانگنے کی جگہ نہیں۔“ سیڑھیاں چڑھ کر وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا جہاں وہ نوٹ اسی طرح زمین پر پڑا تھا اور گارڈ کی طرف دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔
”یہاں کیا کررہی ہو پھر چلو ہٹو یہاں سے۔“ گارڈ نے گھور کر کہا۔
وہ یہاں کیا کررہی تھی اس کے شعور میں نہیں تھا لیکن وہ یہاں کھڑی تھی کیوں اس کے لاشعور میں یہ خیال تھا کہ گارڈ وہیں کھڑا اسے گھور رہا تھا اور وہ گارڈ کی طرف خوف زدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پیچھے ہٹ رہی تھی۔
”رکو پیچھے سیڑھیاں ہیں۔“ گارڈ نے بلند آواز میں کہا لیکن اس کی خوف زدہ نظریں گارڈ پر جمی تھیں وہ سر کے بل پیچھے گری تھی گارڈ تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ ایک دو گاڑیوں کے ڈرائیور بھی اس کے گرد اکھٹے ہوگئے تھے لیکن وہ فوراً ہی اٹھ کر بیٹھ گئی تھی اور متوحش نظروں سے اپنے گرد اکھٹے ہونے والوں کو دیکھ رہی تھی۔ اسے اپنی چوٹ کا احساس نہیں تھا گھبرا کر اس نے اپنا دوپٹا جو نیچے گر گیا تھا اٹھا کر سر پر ڈالا اس طرح کے دوپٹے کا گھونگٹ سا بن گیا تھا جس نے اس کے چہرے کو چھپالیا تھا۔ جنید جمشید کا دروازہ کھلا اور وہ شاندار مرد ایک ہاتھ میں شاپنگ بیگ اور دوسرے ہاتھ میں بچے کا ہاتھ تھامے باہر نکلا اور سیڑھیاں اتر کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے وردہ کے سامنے سیڑھیوں کے پاس کھڑے لوگوں پر ایک سرسری سی نظر ڈالی تھی ایک لمحہ کے لیے اس کے قدم جیسے ٹھہر سے گئے تھے۔
”کوئی پاگل عورت تھی صاحب سیڑھیوں سے گر گئی تھی۔“ پارکنگ کی طرف آتے ایک ڈرائیور نے اسے بتایا تو وہ سر ہلا کر گاڑی کی طرف بڑھا۔ لیکن اس کے قدم جیسے اٹھنے سے انکاری تھے۔ آنکھوں کا حزن بڑھ گیا تھا وہ سر جھٹک کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ سارے ڈرائیور آہستہ آہستہ اپنی گاڑیوں کی طرف واپس آ گئے تھے اب صرف گارڈ تھا جو ہمدردی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ یک دم کھڑی ہوئی اور پارکنگ کی اس خالی جگہ کو دیکھا جہاں کچھ دیر پہلے وہ کالی گاڑی کھڑی تھی پھر متوحش نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی لیکن اس وقت پارکنگ میں موجود گاڑیوں میں کوئی کالی

گاڑی نہ تھی وہ کچھ دیر وہاں ہی کھڑی رہی وہ کالی گاڑی کس کی تھی وہ نہیں جانتی تھی۔

وہ شاندار مرد جس کی آنکھوں میں بلا کا حزن تھا اور وہ خوشنما آنکھوں والا بچہ کون تھا وہ نہیں جانتی تھی لیکن پھر بھی وہ پارکنگ کی خالی جگہ کو یوں تکتی تھی جیسے اس کی کوئی قیمتی متاع لٹ گئی ہو۔ وہاں کھڑے کھڑے ہی اس کی آنکھوں میں چمک سی لہرائی وحشیانہ سی چمک دیوانگی کا اظہار کرتی چمک۔ وہ مڑ کر سڑک کی طرف دیکھنے لگی۔ سڑک پر ایک کالی گاڑی نظر آئی تو وہ سرپٹ سڑک کی طرف بھاگی۔ گارڈ نے تاسف سے اسے دیکھا۔

''شاید پاگل ہے بے چاری پگلی۔'' اور وہ پگلی تھی۔

❁......❁......❁......❁

اس بھید بھری صبح میں بلا کی اداسی اور خاموشی تھی۔ یا نرسنگ ہاسٹل سے نکل کر تیز تیز چلتی ہوئی اپنے گروپ میں شامل ہوتی قلتہ کو لگی تھی۔ روڈ پر چلتی نرسوں کے ٹولے نے فلیٹ نمبر ۸ کے لان کی طرف دیکھا۔ لیکن خلاف معمول آج لان خالی تھا جب کہ ہر روز یہاں سے گزرتے ہوئے وہ لان چیئر پر بیٹھے شفیق چہرے اور مہربان مسکراہٹ والے شخص کو اخبار پڑھتے دیکھتی تھی اور نیچی سی باڑھ کے پاس سے گزرتے ہوئے وہ چلبلی نرس قلتہ اپنے گروپ سے ذرا سا الگ ہو کر باڑھ پر سے جھانکتے ہوئے اونچی آواز میں سلام کرتی تھی۔

''السلام علیکم انکل۔'' کی آواز پر وہ اخبار سے نظریں اٹھاتے لبوں پر مدہم سی مسکراہٹ نمودار ہوتی اور آنکھوں میں جیسے شفقت ومحبت کے دریا رواں ہوجاتے اور وہ اتنی ہی بلند آواز میں وعلیکم السلام کہتے ہوئے دعا دیتے۔

''جیتی رہو بچیو۔ خوش رہو اللہ نصیب اچھا کرے۔''

اور پھر اخبار کی طرف متوجہ ہوجاتے اور اکثر انہوں نے ایک پرکشش سی لڑکی کو چھوٹا سا بچہ اٹھائے فلیٹ کے دروازے سے باہر نکل کر لان کی طرف آتے دیکھا تھا اور کبھی کبھی اگر وہ کچھ لیٹ ہوجاتیں تو وہ دلکش لڑکی کرسی کے پاس نیچے گھاس پر بیٹھی ہوتی اور وہ چھوٹا سا بچہ لان میں بھاگ رہا ہوتا یا اپنا بڑا سا ٹیڈی بیر اٹھائے اس سے کھیل رہا ہوتا۔ لیکن آج لان خالی تھا۔ قلتہ کے دل پر اداسی کا غبار سا پھیل گیا۔ پتا نہیں کیوں دل جیسے جیتی رہو کی شفقت بھری آواز پر مچل اٹھتا تھا اور سارا دن یہ شفیق آواز اس کی سماعتوں میں رس گھولتی رہتی تھی۔ دعاؤں کی بھوکی قلتہ نے پنجوں کے بل اچک کر دیکھا۔ لان خالی تھا فلیٹ کا دروازہ بند تھا اس نے ساتھ والے فلیٹ کے لان پر نظر ڈالی۔ آج وہ بھی خالی تھا۔ عموماً اس وقت ایک ادھیڑ عمر عورت وہاں بیٹھی کبھی چائے پیتی کبھی اخبار پڑھتی نظر آتی تھی سردیوں میں اکثر سوئیٹر بنتی نظر آتی تھی۔ کبھی کبھار وہ چھوٹی سی کین کی باسکٹ میں موتیے کے پھول لیے گجرے بناتی نظر آتی تھی جس کی سوتی پیاری پیاری ساڑھیوں پر وہ تبصرہ کرتی۔ وہ ہنستی کھلکھلاتی ہوئی چلی جاتی تھیں۔ نرسوں کا گروہ آگے نکل گیا تھا۔ قلتہ ابھی تک وہاں ہی پنجوں کے بل کھڑی ہو کر اچک اچک کر لان اور فلیٹ کی لان کی طرف کھلنے والی کھڑکی کو دیکھ رہی تھی۔ موڑ مڑنے سے پہلے اس کی ساتھی نرسوں نے مڑ کر اسے دیکھا اور اشارے سے بلایا تو وہ مایوس ہو کر تیز تیز چلتی ہوئی ان سے جا ملی۔ لیکن موڑ مڑنے سے پہلے اس نے ایک بار پھر مڑ کر دیکھا تھا۔ ایگرو فلیٹس کے لان خالی تھے اور دور تک سناٹا تھا اور یہ بھید بھری صبح اپنے اندر نہ جانے کتنے بھید چھپائے ہوئے طلوع ہو رہی تھی اور ایگرو فلیٹس کے فلیٹ نمبر 8 میں وہ کارپٹ پر ایسے بیٹھی تھی جیسے کوئی مسافر سب کچھ لٹا کر اسٹیشن پر خالی ہاتھ بیٹھا ہو۔

اس نے سر گھٹنوں پر رکھا ہوا تھا اس کے ریشمی سلکی بال اس کی پشت پر اور اس کے دائیں بائیں بکھرے ہوئے کارپٹ کو چھو رہے تھے اس کی پلکیں مسلسل رونے سے جڑ سی گئی تھیں اور آنکھیں خون رنگ ہو رہی تھیں لحہ لحہ بعد وہ سر اٹھا کر ادھر اُدھر خالی نظروں سے دیکھتی تھی اس کی آنکھوں میں اتنی ویرانی اتنا کرب تھا جیسے وہ کسی گہرے دکھ سے نبرد آزما ہو۔ لیکن یہ صرف دکھ نہیں تھا اس پر مایوسی گہری مایوسی کا رنگ غالب تھا وہ وقفے وقفے سے بیڈ سائیڈ

ٹیبل پر پڑی ایک تصویر کو دیکھتی...... اس تصویر میں وہ اکیلی نہیں تھی ایک وجیہہ مسکراتا ہوا شخص اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا اور یہ زارون عباس تھا۔

اس وقت اس کی آنکھوں میں وہی کرب مایوسی اور حسرت تھی جو لطیفہ حدانیہ کی آنکھوں میں اپنے محبوب احمی کی قبر کی طرف دیکھتے ہوئے جھلکتی تھی وہ ایسی ہی نظروں سے زارون عباس کی طرف دیکھتی تھی جیسے اس نے ابھی ابھی اسے دفنایا ہو اور اب اس کی قبر کے پاس ساری پونجی لٹائے بیٹھی ہو۔ اس نے بیڈ پر لیٹے لیٹے کروٹ بدل کر اسے دیکھا اور پھر بیڈ سے اترنے لگا۔ وہ اب بیڈ سے اتر سکتا تھا حالانکہ وہ اسے بیڈ سے اترتے دیکھ کر خوف زدہ ہوکر اس کی طرف لپکتی تھی اور اسے گود میں اٹھا لیتی تھی لیکن اب وہ اسے نہیں دیکھ رہی تھی اس نے بیڈ سے اتر کر فاتحانہ نظروں سے اس کی پشت کی طرف دیکھا اور پھر ڈولتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا تھا۔ کھلے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی چاکلیٹ رنگ آنکھوں میں بلا کی چمک تھی۔ شریری چمک یہ اس کا بیڈ روم تھا اور اس کا دروازہ لاؤنج میں کھلتا تھا۔ لاؤنج میں قدم رکھنے کے بعد اس نے پھر مڑ کر اسے دیکھا تھا وہ اس طرح گھٹنوں پر سر رکھے بیٹھی تھی اور اس کے گھنے بالوں نے اس کی پشت کو ڈھانپ رکھا تھا۔ سروس اسپتال کی بیک پر بنے یہ ایگرو فلیٹس خاصے کشادہ تھے۔ دو فلیٹ گراؤنڈ فلور پر دو فرسٹ فلور اور دو سیکنڈ فلور پر تھے۔ گراؤنڈ فلور کے اس فلیٹ میں دو بیڈ روم اٹیچ باتھ روم کے ساتھ خاصے کشادہ تھے لاؤنج اور ڈرائنگ روم بھی خاصا بڑا تھا۔ وہ کچھ دیر لاؤنج میں رک کر مین ڈور کی طرف بڑھنے لگا۔ جو ٹی وی لاؤنج کے اختتام پر چھوٹی سی لابی میں کھلتا تھا ایک جگہ کارپٹ کی شکن سے الجھ کر وہ لڑکھڑایا۔

لیکن پھر دونوں بازو فضا میں پھیلا کر اس نے خود کو سنبھالا اور اپنے سنبھل جانے پر جیسے وہ خود ہی محظوظ ہوکر مسکرایا اور اس کی خوب صورت آنکھوں میں جگنو سے چمکنے لگے۔ اب وہ زیادہ اعتماد سے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا

دروازے کے پاس پہنچ کر اس نے ایک بار پھر پیچھے مڑ کر دیکھا اور پھر دروازے پر دونوں ہاتھ رکھ کر اسے دھکیلا اور کچھ دیر دھکیلتا رہا۔ جب اس طرح دھکیلنے سے دروازہ نہ کھلا تو اس کی آنکھوں کی چمک ماند پڑنے لگی اس نے ہاتھ دروازے سے ہٹالیے اب وہ واپس مڑ رہا تھا اس نے لاؤنج کے وسط میں رک کر بیڈ روم کے کھلے دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ اس طرح گھٹنوں پر سر رکھے بیٹھی تھی۔ وہ ہولے ہولے چلتا ہوا دروازے تک آیا۔

"ماما...... ماما......" لیکن اس کی ہلکی سی آواز پر تڑپ اٹھنے والی نے سر نہیں اٹھایا تھا اب اس نے رخ بدلا اور سامنے والے بیڈ روم کی طرف دیکھنے لگا تھا اس بیڈ روم کا دروازہ بھی کھلا تھا اس کے لبوں پر یک دم مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

"ماما...... بابا پاس چلیں۔" اس نے ذرا سا رخ موڑ کر پیچھے دیکھا تھا۔ ماما نے اس کی طرف توجہ نہیں دی تو وہ پھر مڑ کر دوسرے بیڈ روم کے کھلے دروازے کی طرف دیکھنے لگا اور لحہ بھر بعد وہ دوسرے بیڈ روم کی طرف بڑھنے لگا۔ اور اس نے یک دم ہی سر اٹھا کر پیچھے دیکھا وہ بابا کے بیڈ روم کی طرف جارہا تھا اسے جیسے بہت دور سے اس کی آواز آئی تھی کیا اس نے اسے بلایا تھا۔ وہ اسے بابا کے بیڈ روم کی طرف جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی پتا نہیں کب وہ بیڈ سے اترا تھا۔ شاید اس نے اسے بلایا ہو اور اب اس سے مایوس ہو کر بابا کی طرف اس کی شکایت کرنے جارہا ہو آج کی صبح پچھلی طلوع ہونے والی ساری صبحوں سے کتنی مختلف تھی اس فلیٹ کی ہر صبح زندگی سے کتنی بھرپور ہوتی تھی لیکن آج کی صبح۔ اس نے چاروں اور دیکھا۔ ہر طرف موت کی سی ویرانی چھائی ہوئی تھی جیسے آس پاس کہیں عزرائیل کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ سنائی دیتی ہو اور کافور کی خوشبو بکھری محسوس ہوتی ہو اور کانوں میں بین کرنے کی آوازیں آتی تھیں۔ ہاں موت ہی تو ہوئی تھی محبت اور وفا کی موت۔ اعتبار اور یقین کی موت۔

رات بارہ بجے سے وہ یونہی بیٹھی تھی اور محبت اس کے اندر بال کھولے بین کرتی تھی اپنی مرگ پر اور کیا محبت بھی مرجاتی ہے۔

ایک بار اس نے بابا سے پوچھا تھا اور بابا نے کہا تھا۔

"نہیں محبت کبھی نہیں مرتی اگر وہ محبت ہے تو۔"

"لیکن کبھی کبھی محبتیں مر بھی تو جاتی ہیں بابا جیسے......"

اور وہ چپ کرگئی تھی اور اس کی چپ نے بابا کے چہرے پر زردیاں بکھیر دی تھیں۔ وہ جو اس نے نہیں کہا تھا انہوں نے جان لیا تھا ان دنوں زارون عباس کی بے اعتنائی کی وجہ سے وہ ٹوٹ رہی تھی اور بابا زارون عباس کی خاموشی سے گھبرا کر ہارون عباس کو فون کرتے تھے اور ہارون انہیں تسلی دیتا۔

"بس وہ ذرا لاپروا ہے بابا ورنہ وہ اپنی جیاء سے بہت محبت کرتا ہے۔"

"لیکن شاید وہ محبت نہیں تھی جو زارون عباس نے اس سے کی تھی۔" اس نے پھر اپنی اور زارون کی تصویر کی طرف دیکھا اس تصویر کو دیکھ کر ہمیشہ ہی اسے تحفظ کا احساس ہوتا تھا یہ تصویر ہارون عباس نے امریکہ جانے سے پہلے بنائی تھی اس نے پھر مڑ کر دیکھا لاؤنج خالی تھا وہ بابا کے بیڈ روم میں جاچکا تھا۔ کل کی صبح کتنی روشن اور رنگ بھری تھی ایک بھرپور صبح۔ خوشی کی تتلیاں اس کے اندر رقص کرتی تھیں اور زارون عباس کا تصور اسے گدگداتا تھا اور آنکھیں جگ جگ کرنے لگتی تھیں اس نے نماز پڑھ کر چائے دم کی تھی گیراج سے اخبار اٹھا کر بابا کو دیا تھا اور فیڈر تیار کرکے اپنے بیڈ روم میں آئی تھی وہ آنکھیں کھولے لیٹا تھا اس نے اسے گدگدایا تھا اس کی پیشانی چومی تھی اور اسے فیڈر پکڑا کر واپس کچن میں آکر چائے بنا کر لاؤنج میں اخبار پڑھتے بابا کو دی تھی اور خود واپس اپنے بیڈ روم میں آکر وارڈ روب سے اس کے کپڑے نکالے تھے۔ ہمیشہ کی طرح اس نے فیڈر خالی کرکے شرارت سے اسے بیڈ پر پھینکا۔ اس نے اسے گھورا پھر وہی حرکت۔ جواب میں وہ کھل کھل کر کے ہنسنے لگا اس نے اسے اٹھا کر اس کے کپڑے تبدیل کیے اور لاؤنج میں آگئی۔ بابا اپنی چائے ختم کرکے لان میں جاچکے

تھے وہ صرف اس کی تنہائی کے خیال سے اس کے پاس رہ رہے تھے ورنہ بند فلیٹ میں ان کا دل گھبراتا تھا۔ سو صبح و شام وہ باہر لان میں جا کر بیٹھ جاتے تھے جب زارون عباس اسے فلیٹ میں چھوڑ کر امریکہ چلا گیا تھا تب سے بابا اس کے پاس ہی موجود رہتے تھے۔ حالانکہ پھوپو بابا اماں سب نے ہی اسے کہا تھا کہ وہ بھلا اس کے بغیر فلیٹ میں اکیلی کیسے رہے گی بہتر ہے کہ جب تک اس کے پیپرز نہیں بنتے اور وہ اسے امریکہ نہیں بلواتا وہ اپنے اماں ابا کے گھر میں ہی رہے لیکن زارون نے منع کر دیا تھا اور وہ زارون کی مرضی کے بغیر وہاں جا کر اسے ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"تم میری بیوی ہو اور تمہیں شادی کے بعد اپنے شوہر کے گھر رہنا چاہیے نہ کہ اپنے میکے۔" اور وہ اس سے بحث نہیں کر سکی تھی اور وہ اس سے بحث کر ہی نہیں سکتی تھی زارون چلا گیا تھا اور بابا اس کے پاس آ گئے تھے اماں کے پاس ندا اور اس کا شوہر تھا کبھی کبھار وہ دن میں اس کی طرف چکر لگاتی تھیں لیکن ان کا دل بھی بند فلیٹ میں گھبراتا تھا اور شام کو وہ واپس اپنے گھر چلی جاتی تھیں عون زارون کے جانے کے چھ ماہ بعد پیدا ہوا تھا۔ تب اماں بمشکل ایک ماہ اس کے پاس رہی تھیں۔ لیکن جب ندا اور اس کا شوہر کینیڈا چلے گئے تو تب اماں اس کے پاس آ گئی تھیں لیکن دو ماہ بعد اچانک ہارٹ اٹیک ہوا جو اتنا شدید تھا کہ وہ جانبر نہ ہو سکیں۔ تب بابا نے سمن آباد والے اس کشادہ گھر کا گراؤنڈ فلور کرائے پر دے دیا تھا۔

جب کہ فرسٹ فلور میں جس میں پہلے ندا اور اس کا شوہر رہتے تھے اپنا سامان منتقل کر لیا تھا لیکن وہ ہمیشہ کہتے زارون آ جائے یا تمہیں بلا لے تو میں اپنے گھر چلا جاؤں گا لیکن زارون عباس تو جیسے اسے وہاں جا کر بھول ہی گیا تھا۔ ہفتوں بعد کبھی ایک فون آ جاتا اور مختصر سی بات کر کے بند ہو جاتا۔ نہ آنے کا ذکر نہ بلانے کی بات۔ بابا اس کے لیے پریشان ہو جاتے تھے لیکن اسے زارون کی محبتوں پر یقین تھا بس کبھی کبھی وہ ڈپریس ہو جاتی تھی تو محبتوں سے اس کا یقین اٹھنے لگتا تھا۔ لیکن اب تو پچھلے چند ہفتوں سے زارون باقاعدگی سے فون کرنے لگا تھا۔ عون عباس سے باتیں کرتا۔ دو تین بار اسکائپ پر بھی اس سے بات کی تھی وہ بہت خوش ہوتا اور دن میں کتنی ہی بار "میرے پاپا...... میلے پاپا......" دہراتا تھا۔ وہ عون کو اٹھا کر لان میں آ گئی اور گھاس پر بیٹھ گئی تھی۔ عون اس کی گود سے نکل کر لان میں اپنی بال سے کھیلنے لگا تھا جب بابا نے اخبار سے نظر ہٹا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"رات دیر سے ہارون کا فون آیا تھا وہ کہہ رہا تھا کہ وہ اور زارون دو ہفتوں تک آ رہے ہیں۔"

"کیا زارون بھی بابا...... کیا ہارون بھائی نے کہا زارون بھی اور پھوپو بھی۔" اسے اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا لیکن اس کی آنکھیں زارون کی آمد کا سن کر جگمگا اٹھی اور لو دینے لگی تھیں۔ بابا نے مسکرا کر اسے دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"ہاں زارون بھی اور تمہاری پھوپو بھی۔"

اور یہ صبح اسے تمام صبحوں سے زیادہ روشن اور چمکیلی لگی تھی اس نے ساتھ والے فلیٹ کے لان میں بیٹھی مسز بیگ کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلایا تھا۔ دونوں لان آمنے سامنے تھے درمیان میں چھوٹا سا پیج تھا سامنے ان کے فلیٹ کا دروازہ تھا جب کہ دائیں طرف مسز بیگ کے فلیٹ کا دروازہ تھا مسز بیگ اس فلیٹ میں اپنے ایک بیٹے اور بہو کے ساتھ رہتی تھیں۔ جبکہ ایک غیر شادی شدہ بیٹا چند ماہ پہلے ہی امریکہ سے آیا تھا اوپر والے فلیٹوں میں ایک میں ان کا ڈاکٹر بیٹا اور بہو رہتے تھے جب کہ ان کی ایک بیٹی لندن میں اور دوسری فرانس میں تھیں۔ وہ کبھی مسز بیگ کے فلیٹ میں نہیں گئی تھی اور نہ ہی کبھی وہ اس کے فلیٹ میں آئی تھیں۔ یہ ساری معلومات کام کرنے والی ماسی کے ذریعے اسے ملی تھیں۔ مسز بیگ سے اکثر اس کی ملاقات آتے جاتے اس پیج میں ہوتی تھی وہ عون کا گال تھپتھپاتیں مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوتا۔ ایک دوسرے کی خیریت پوچھی جاتی اور وہ اپنے اپنے لان میں چلی جاتیں۔

کبھی اگر وہ پہلے سے ہی اپنے لان میں موجود ہوتیں تو اسے دیکھ کر ہاتھ ضرور ہلاتیں۔ سفید اور سرمئی بالوں والی مسز بیگ ڈھاکہ اور کلکتہ سے منگوائی ہوئی سوتی ساڑھیاں پہنتی تھیں گلے میں بھی سفید موتیوں کی مالا یا بھی گولڈ کی نفیس سی چین ہوتی تھی۔ سردیوں میں وہ دھوپ میں بیٹھ کر اپنے نواسے نواسیوں اور پوتے کے لیے سوئیٹر بنتیں جب کہ ہاتھ سے بنے سوئیٹر کا رواج نہیں رہا تھا لیکن وہ پوری سردیاں خوب صورت رنگوں کے سوئیٹر بنتیں اور گرمیوں میں موتیے کے پھولوں سے گجرے بناتی تھیں۔

بہت نفیس سی مسز بیگ کا سلسلہ نسب بہادر شاہ ظفر سے ملتا تھا۔ کل کی اس روشن صبح میں بھی وہ اپنے سامنے باسکٹ میں موتیے کے پھول رکھے گجرا بنا رہی تھیں اور اس کا جی چاہا تھا کہ وہ ان سے کہے وہ آج اسے بھی پھولوں کا ایک گجرا بنا دیں۔ اس روز جب ندا کی مہندی پر اس نے اپنے جوڑے کے گرد موتیے کا ہار لپیٹا تھا تو وہ بالکل اس کے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا تھا تھوڑا سا جھک کر اس نے خوشبو سونگھی تھی۔

''واؤ یہ خوشبو تو مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔ موتیے کی خوشبو۔'' اور اس کے جھک کر سیدھا ہونے کے لمحے تک اس کے دل پر قیامتیں گزر گئی تھیں اس کے بالکل قریب کھڑا زارون عباس اور اس کے کلون کی خوشبو کاش لمحے یہاں ہی ساکت ہو جاتے اور وہ ساری زندگی یوں ہی کھڑی رہتی۔

''تمہارے بال بہت خوب صورت ہیں۔'' وہ ستائشی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ''اور تمہاری آنکھیں قیامت برپا کرتی ہیں۔''

''ہارون کہہ رہا تھا وہ سیٹیں بک کروا کے اطلاع دے گا۔'' بابا نے کہا تو وہ چونک کر عون عباس کو دیکھنے لگی تھی جو اس کی گود میں آ کر بیٹھ گیا تھا۔ اس کی خوب صورت چاکلیٹ رنگ آنکھیں اور ان پر پلکوں کی جھالریں بالکل زارون عباس کی طرح تھیں۔ زارون کی یاد سے مغلوب ہو کر اس نے عون عباس کی آنکھوں کو چوما تھا۔ جب بھی وہ عون کی آنکھیں چومتی تو بابا کن اکھیوں سے اسے دیکھتے اور ان کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ بکھر جاتی جیسے وہ جانتے ہوں کہ وہ عون عباس کی لمبی پلکوں والی آنکھوں کو بے تحاشا کیوں چومتی ہے اور وہ جھینپ کر ادھر اُدھر دیکھنے لگتی تھی آج بھی بابا اسے مسکرا کر دیکھ رہے تھے۔ وہ نظریں چرا کر باہر دیکھنے لگی تھی۔ جہاں سے ہنستی مسکراتی نرسیں اور لڑکیاں گزر رہی تھیں۔

سامنے سروس اسپتال کی بیک تھی اور ساتھ ہی نرسز ہاسٹل تھا۔ جب بھی نرسوں کا گروپ صبح کے وقت فلیٹوں کے سامنے والی چوڑی سڑک سے گزرتا تو ایک سانولی سلونی سی دبلی پتلی لڑکی باڑ پر جھک کر بابا کو سلام کرتی تھی تو وہ بہت خوش دلی سے سلام کا جواب دیتے ہوئے اسے دعا دیتے تھے۔

لیکن آج وہ لان میں نہیں تھے اور وہ لڑکی قانتہ مڑ مڑ کر پیچھے دیکھتی ہوئی چلی گئی تھی اور اندر عون عباس بند دروازے سے مڑ کر اور اسے اس طرح بیٹھا دیکھ کر بابا کے بیڈ روم میں چلا گیا تھا اور اب ان کے بیڈ کے پاس کھڑا انہیں دیکھ رہا تھا۔ ان کا ایک بازو بیڈ سے نیچے لٹک رہا تھا اور دوسرا سینے پر رکھا تھا۔ اس نے ان کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

''بابا...... بابا جی اٹھو......'' لیکن اسے بے حد چاہنے والے بابا نے آنکھیں نہیں کھولی تھیں اور نہ ہی ''میری جان' میرا شہزادہ'' کہہ کر اسے اپنے بازوؤں میں لیا تھا۔ اس نے بازو سے ہاتھ اٹھا کر ان کے رخسار پر رکھا۔

''بابا...... بابا......!''

بازو کی طرح ان کا چہرہ بھی سرد تھا۔ اس نے یک دم ہاتھ پیچھے کر لیا۔ وہ ابھی دو سال کا بھی نہیں ہوا تھا۔ میت کی ٹھنڈک سے نا آشنا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں خوف نمودار ہوا تھا۔ وہ بیڈ روم سے نیچے آ گیا تھا اور لاؤنج میں ماں کی طرف رخ کر کے کھڑا ہو گیا اور بغیر کسی تکلیف اور وجہ کے منہ پھاڑ کر رونے لگا۔ اس کی خوب صورت آنکھوں میں ڈر اور خوف تھا۔ ایک جھٹکے سے اس نے گھٹنوں سے سر اٹھا کر خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا

پھر پاس پڑے فیڈر کو اور پھر کارپٹ کے پھولوں کو دیکھنے لگی تھی۔ وہ رو رہا تھا۔ وہ جانتی تھی لیکن اس نے اٹھ کر اسے گود میں لینا تھا اور چپ کروانا تھا اسے اس کا احساس نہیں تھا اسے متوجہ نہ پا کر وہ یونہی روتا ہوا اس کے قریب آیا تھا۔

"ماما..... ماما۔" وہ جیسے اس کی گود میں گھسنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنی جڑی جڑی پلکیں اٹھائیں۔ شاید اسے بھوک لگی ہے۔ اسے دودھ چاہیے ہوگا۔ جبکہ اس کی ماں پر کیا قیامت گزر گئی ہے لیکن اسے بھوک نہیں لگی تھی۔ وہ مڑ کر بابا کے بیڈروم کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"ماما بابا پاس چلو...... بابا سو....." اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر رخسار کے نیچے رکھ کر سونے کا اشارہ کیا۔ اس نے اسے گود میں لیا لیکن وہ مچل کر اس کی گود سے نکل گیا اور رونے لگا۔

"بابا پاس....." اس نے چونک کر اپنے بکھرے بال سمیٹ کر پیچھے کیے اور جوڑا بنایا۔ عون عباس نے اس کے ستے ہوئے چہرے کو دیکھا اور اسے ادراک ہوا کہ اس کی ماں رو رہی ہے۔ وہ رونا بھول کر اپنے ننھے منے ہاتھ اس کے رخساروں پر پھیرنے لگا۔ اس نے اس کے ہاتھ پکڑ کر اپنے ہونٹوں سے لگائے۔

بابا رات سے ایک بار بھی اس کے کمرے میں نہیں آئے تھے۔ وہ رات بارہ بجے سے یہاں اپنے بیڈروم میں کارپٹ پر بیٹھی رو رہی تھی۔ رات بارہ بجے وہ عون کو سلا کر بابا کو دودھ گرم کر کے دینے گئی تھی تو فون کی بیل ہو رہی تھی۔ بابا کو گلاس پکڑا کر اس نے فون کا ریسیور اٹھایا تھا۔ دوسری طرف زارون تھا۔

"زریون آپ.....؟" اس کی آنکھیں لو دینے لگی تھیں اور لہجے میں کھلکھلاہٹ اتر آئی تھی۔

"کیسے ہیں.....؟ کتنے عرصے بعد فون کیا ہے آپ نے۔ آپ کو پتا ہے نا کتنا انتظار رہتا ہے بابا کو مجھے اور اب تو عون کو بھی۔ میرا موبائل خراب ہے نا تو وہ اسکرین پر ہاتھ مار کر پاپا پاپا کرتا رہتا ہے۔ بابا لے کر گئے تھے لیکن ٹھیک نہیں ہوا اور ہاں ہارون بھائی کا فون آیا تھا کہ آپ لوگ ایک دو ہفتوں تک آ رہے ہیں تو کب کی سیٹس ملی ہیں۔"

بابا نے دودھ کا گھونٹ بھر کر گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا تھا اور مسکرا کر اسے دیکھ رہے تھے۔

"رجاء حیدر......" زارون عباس کے لہجے میں بلا کی تلخی تھی۔

"اپنی تقریر ختم کرو میں تمہارے ساتھ مزید زندگی نہیں گزار سکتا۔ میں نے تمہارے ساتھ شادی کر کے اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی ہے۔ میرا اور تمہارا کوئی جوڑ نہیں تھا رجاء حیدر تنگ آ گیا ہوں میں ہر وقت کی باز پرس سے۔ کبھی مما کبھی ہارون ہر وقت عدالت لگائے رکھتے ہیں..... میں تمہیں طلاق....."

"نہیں....." وہ زور سے چیخی تھی۔

"اللہ کے لیے میں ایسا مت کریں..... مت کریں۔"

اور بابا نے اس کے ہاتھ سے ریسیور لے لیا تھا۔ ان کے مسکراتے لب بھینچ گئے تھے۔ وہ پتا نہیں زارون سے کیا کہہ رہے تھے اور وہ تقریباً بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ پوری رات گزر گئی تھی اور اسے اب احساس ہوا تھا کہ بابا اس کے پاس نہیں آئے تھے۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ بابا اس کے پاس نہ آئیں اپنی لاڈلی اپنی شہزادی کے پاس اس کے آنسو نہ پونچھیں اسے تسلی نہ دیں۔

اسے یک دم کسی انہونی کا احساس ہوا تھا۔ پورے فلیٹ میں موت کا سا سناٹا تھا کافور کی غیر محسوس سی خوشبو تھی۔ وہ عون عباس کو گود میں اٹھائے تیزی سے بابا کے کمرے میں آئی تھی ان کا دروازہ اسی طرح چوپٹ کھلا تھا جس طرح رات وہ چھوڑ کر آئی تھی۔ وہ بیڈ پر سیدھے لیٹے ہوئے تھے۔ بایاں ہاتھ دل پر رکھا ہوا تھا اور دایاں بیڈ سے نیچے لٹکا ہوا تھا اور چہرے پر جیسے کسی نے ہلدی مل دی تھی۔

"بابا.....!" بے اختیار جھک کر اس نے ان کا بازو اٹھا کر بیڈ پر رکھنا چاہا۔ موت کی خنکی اس کے اندر اترنے لگی۔

"نہیں بابا آپ میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔ مجھے اس طرح سے چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔"

"بابا..... بابا۔" وہ چلا رہی تھی اور باہر اپنے لان میں

موتیے کے پھول چنتی مسز بیگ کے کانوں میں رونے اور چیخنے کی مدھم آوازیں آئی تھیں انہوں نے ساتھ والے لان میں پڑی خالی کرسی کو دیکھا اور ہاتھ میں پکڑی باسکٹ ٹیبل پر رکھی اور تیزی سے اس کے لان میں آئی تھی۔ بابا کے بیڈ روم کی کھڑکی لان کی طرف کھلتی تھی۔ اب اس کے رونے کی صاف آواز آرہی تھی۔ انہوں نے زور زور سے شیشے پر ہاتھ مارے تھے۔

"کیا ہوا...... بیٹی دروازہ کھولو۔" بڑی دیر بعد اس کے ذہن میں دستک کی اور ان کی آواز آئی تھی۔ وہ کھڑکی تک آئی اور شیشہ ہٹایا۔ باہر لان میں مسز بیگ کھڑی تھیں۔

"دروازہ کھولو بیٹی کیا ہوا؟" اور وہ ایک روبوٹ کی طرح چلتی ہوئی دروازے تک آئی تھی۔ مسز بیگ کو دیکھتے ہی وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگی تھی۔

"میرے بابا...... مسز بیگ میرے بابا کو کچھ ہوگیا ہے۔" مسز بیگ تیزی سے اس کے ساتھ بیڈ روم میں آئی تھیں اور کمرے میں داخل ہوتے ہی انہیں کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا تھا۔ وہ تیزی سے پلٹی اور دروازہ کھول کر اپنے بیٹے کو آوازیں دینے لگی تھیں۔ کچھ ہی دیر بعد ان کا چھوٹا بیٹا اور اوپر سے بڑا ڈاکٹر بیٹا آ گیا تھا۔ اس نے ایک نظر میں ہی اندازہ تو کرلیا تھا پھر بھی رسمی طور پر ان کی نبض چیک کی اور پھر مسز بیگ کی طرف دیکھا۔

"یہ اب نہیں رہے ماما۔" وہ دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔

اس کے سلکی بالوں کا جوڑا کھل گیا تھا۔ خوب صورت آنکھوں میں وحشت تھی۔ اس کا دوپٹا اس کے بائیں کندھے پر لٹک رہا تھا اور آنسو خاموشی سے رخساروں پر پھسل رہے تھے۔ مسز بیگ کی نظریں اپنے چھوٹے بیٹے اعظم پر پڑی تھیں۔ جس کی نظریں اس کے دلکش سراپے میں الجھی ہوئی تھیں۔

مسز بیگ نے ایک تنبیہی نظر اس پر ڈالی اس نے اپنی اب تک کی زندگی کا بیشتر حصہ امریکہ میں گزارا تھا۔ بہت بچپن میں انہوں نے اپنے اس بیٹے کو اپنی بہن کو دے دیا تھا جو اپنے اکلوتے بیٹے کی کم عمری میں ہی موت کے بعد بہت اپ سیٹ رہنے لگی تھیں۔ جب انہوں نے مسز بیگ سے اعظم کو مانگا تو وہ انکار نہ کرسکیں۔ کچھ عرصے پہلے مسز بیگ کی بہن اور بہنوئی کا یکے بعد دیگرے انتقال ہوگیا تھا لیکن اعظم نے وہاں ہی رہنے کو ترجیح دی تھی البتہ سال دو سال بعد چکر لگاتا تھا۔ اس نے ابھی تک شادی نہیں کی تھی۔ مسز بیگ کو اس کی بے باکی پسند نہ آئی تھی۔

"اعظم تم گھر جاؤ اور اپنی بھابیوں کو بھیج دو۔" پھر وہ اس کی طرف بڑھی تھیں۔ اسے گلے لگایا تھا۔ وہ بلک بلک کر رونے لگی تھی۔

"بیٹا تمہارے کوئی عزیز رشتہ دار ہیں تو ان کا بتاؤ تاکہ انہیں خبر کردیں۔" اس کی دو شادی شدہ بہنوں میں سے ایک کینیڈا میں تھی اور ایک کراچی میں۔ اس کا شوہر زارون عباس ہارون عباس اور اس کی اکلوتی پھوپو امریکہ میں تھیں۔

"اماں جان ان سے فون نمبر لے لیں ان کے رشتے داروں کو انفارم کردیتا ہوں۔" مسز بیگ کا ڈاکٹر بیٹا سر جھکائے دروازے کے پاس کھڑا تھا۔ اس نے بیڈ سائیڈ ٹیبل سے بابا کی ڈائری نکال کر مسز بیگ کو دی تھی۔

"اس میں ردا کے نام سے میری بہن کا نمبر ہے وہ کراچی میں ہے۔ آپ انہیں اطلاع کردیں۔ وہ باقی سب کو اطلاع دے دیں گی۔" مسز بیگ ڈائری کے صفحات پلٹنے لگیں تو اس کی نظر عون عباس پر پڑی تھی جو بیڈ کے ساتھ کونے میں سہما سا کھڑا تھا۔ وہ عون عباس تھا اس کا اور زارون عباس کا بیٹا جسے زریون عباس نے ابھی تک نہیں دیکھا تھا اور...... اس نے یک دم اسے اپنے دونوں بازوؤں میں بھرلیا۔

"عون...... ہمارے بابا ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔ ہم کیسے جیئں گے ان کے بغیر؟" اسے بازوؤں میں بھینچے وہ ایک بار پھر بلند آواز میں رو رہی تھی۔ مسز بیگ اسے تاسف سے دیکھ رہی تھی۔ وہ رجاء عباس تھی۔ زارون عباس کی چاہت اس کی طلب رجاء عباس! زارون عباس

کی محبت تھی۔

❁......❁......❁......❁

وہ اس بڑے مال کے پارکنگ میں کھڑی متجس نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ پھر یکایک اس کی نظر گارڈ پر پڑی تو وہ خوف زدہ ہوکر تیزی سے پیچھے ہٹ گئی اور فٹ پاتھ پر آ کر کھڑی ہوگئی اور آتی جاتی گاڑیوں کو دیکھنے لگی۔ پچھلے کئی دنوں سے وہ اسی مال کے آس پاس نظر آ رہی تھی۔ کبھی فٹ پاتھ پر بیٹھی نظر آتی اور کسی کالی گاڑی کو دیکھ کر یک دم اٹھ کر اس کے پیچھے بھاگنے لگتی تھی۔ آج اس کے سر پر دوپٹے کے نام پر ایک دھجی تھی۔ پاؤں ننگے تھے اور اپنے جسم کے گرد اس نے آٹے کا ایک خالی تھیلا لپیٹ رکھا تھا جس میں سے جھڑنے والے آٹے کے ذرات اس کے ہاتھوں اور کپڑوں میں لگے تھے۔ چہرے پر بالوں پر بھی ذرات نظر آ رہے تھے شاید اس نے اسے کسی کوڑے کے ڈھیر سے اٹھایا تھا گویا اسے بے خودی میں بھی اس کے لاشعور میں کہیں جسم کو ڈھانپنے کا خیال تھا۔ وہ گارڈ سے خوف زدہ ہوکر فٹ پاتھ پر کھڑی گاڑیوں کو دیکھ رہی تھی۔ جب کالے رنگ کی کوئی گاڑی نظر آتی وہ تیزی سے اس کی طرف لپکتی لیکن گاڑی پلک جھپکتے ہی نظروں سے اوجھل ہوجاتی تو وہ مایوس ہوکر واپس فٹ پاتھ پر آ کر کھڑی ہوجاتی۔

ایک بار کسی گاڑی کے پیچھے بھاگتے ہوئے وہ تھیلا کہیں گر گیا تو اس نے سر پر رکھی دھجی اپنے سینے پر پھیلا لی تھی۔ پھر بھی کسی نہ کسی کی غلیظ نظریں لحہ بھر کے لیے اس کے سراپے میں الجھ جاتی تھیں تو وہ اپنے آپ میں سمٹ جاتی۔ ایک شکل سے ہی لوفر نظر آنے والا لڑکا اس کے پاس آ کر رکا اور کچھ کہا لیکن اس نے سنا نہیں اس کا پورا دھیان اشارے پر رکنے والی گاڑی کی طرف تھا لیکن لڑکے کے پیچھے آنے والے بزرگ نے یقیناً سن لیا تھا انہوں نے لاحول پڑھتے ہوئے اسے لعن طعن کی تو اس نے ایک غصیلی نظر بزرگ پر ڈالی اور سڑک کی طرف تکتی اپنے دھیان میں مگن اس کے بازو پر ہاتھ رکھا تو وہ یک دم اسے دھکا دے کر اس کالی گاڑی کی طرف بھاگی اور اب روڈ پر کھڑی گاڑیوں کی لائن کو دیکھ رہی تھی جس میں ایک نہیں تین چار کالی گاڑیاں تھیں۔ کبھی وہ ایک کی طرف قدم اٹھاتی کبھی دوسری کی طرف یک دم اشارہ کھلا۔ رکی ہوئی گاڑیوں میں حرکت ہوئی تو وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی۔ گاڑیاں اس کے آس پاس سے گزر رہی تھیں اور وہ خوف زدہ سی کبوتر کی طرح آنکھیں بند کیے کھڑی تھی پاس سے گزرتی ایک گاڑی سے کسی نے سر باہر نکال کر اس کی طرف دیکھا۔

''ہے..... پاگل ہو ہٹو یہاں سے مرنا ہے.....'' اس نے آنکھیں کھول کر گاڑی والے مرد کی طرف دیکھا اس کی آنکھوں میں الجھن نظر آئی۔ پھر یہ الجھن خوف میں بدل گئی۔ گاڑی والے مرد کی نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں اور وہ اسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے اسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ دونوں کی نظریں ملیں تو وہ ڈر کر پیچھے مڑی اور بھاگنے لگی۔

''کوئی پاگل ہے شاید.....'' فرنٹ سیٹ پر بیٹھی خاتون نے تبصرہ کیا۔

''پاگل..... نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''یہ تو.....'' وہ اسے پہچان چکا تھا۔

ساتھ بیٹھی خاتون اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''کون ہے یہ؟''

''شاید کوئی بھکارن۔'' اس نے سر جھٹک کر پاس بیٹھی خاتون کو جواب دیا لیکن اس کے لبوں پر بڑی پراسرار سی مسکراہٹ تھی۔ وہ اعظم بیگ تھا جس نے زندگی میں جب بھی جو بھی چاہا حاصل کرلیا اور وہ ایک مجبور اور بے بس لڑکی اس سے بچ کر بھاگ گئی تھی۔ لیکن وہ بھی اعظم بیگ تھا۔ اور آج تک ایسا نہیں ہوا تھا کہ کسی لڑکی پر اس کا دل آیا ہو اور اس لڑکی کو وہ اپنی خواب گاہ تک نہ لا سکا ہو۔

اس کی آنکھوں میں ایک چمک نمودار ہوئی ایسی چمک جو شکار کو اپنی دسترس میں دیکھ کر شکاری کی آنکھوں میں پیدا ہوتی ہے۔ اسے یاد آیا کہ دو دن پہلے بھی یہاں سے

گزرتے ہوئے اس نے اسے یہاں کھڑے ہوئے دیکھا تھا۔ اس نے کن اکھیوں سے اپنے ساتھ بیٹھی خاتون کو دیکھا۔

"سوری اماں میں رات ماموں کی طرف نہیں ٹھہر سکوں گا آپ کو چھوڑ کر واپس آجاؤں گا۔" انہوں نے حیرت سے اسے دیکھا جس کے پل پل بدلتے مزاج کو وہ آج تک نہ سمجھ پائی تھیں۔ یہ اعظم بیگ تھا ان کا بیٹا۔

❀......❀......❀......❀

"یہ کون ہے ماموں؟" ہارون عباس نے عائشہ مامی کے ساتھ کھڑی ریڈ فراک والی گڑیا سی بچی کو دیکھا۔

"یہ......"

حیدر علی نے جو ابھی زہرہ آپا اور ہارون عباس کو ایئر پورٹ سے لے کر گھر آئے تھے۔ اور اپنی آپا کے اس طرح اجڑ کر اچانک آنے پر افسردہ تھے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور ان کی آنکھیں لو دینے لگیں۔ بے اختیار ہاتھ بڑھا کر انہوں نے اسے اپنے قریب کیا۔

"ارے یہ میری پرنسز ہے۔"

"پرنسز......" دس سالہ ہارون عباس نے جو بہت پُر شوق نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا دہرایا۔

"لیکن اس کا کراؤن کہاں ہے؟"

"کراؤن تو کوئن پہنتی ہے۔"

وہ بھی رجاء حیدر تھی بلا کی حاضر جواب حالانکہ ابھی وہ صرف پانچ سال کی تھی۔ حیدر کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"لیکن پرنسز بھی تو کراؤن پہنتی ہے۔ بس اس کا کراؤن ذرا چھوٹا ہوتا ہے۔"

"کیوں ماموں؟" ہارون عباس کی بے حد خوب صورت سیاہ آنکھوں میں بلا کی شرارت تھی۔

"تو......" رجاء حیدر نے بہت نخوت سے اسے دیکھا تھا۔

"میں وہ اسٹوری والی پرنسز نہیں ہوں۔ میں تو اپنے ابو کی پرنسز ہوں۔"

"ہاں یہ میری پرنسز ہے۔" حیدر نے جھک کر اس کی پیشانی چومی اور ایک بازو ہارون کے گرد حمائل کر کے اسے خود سے قریب کرتے ہوئے رجاء حیدر سے اس کا تعارف کروایا۔

"یہ ہارون عباس ہے...... آپ کا بھائی اور اب یہاں رہے گا آپ کے پاس۔" اور رجاء حیدر کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔ وہ بہت اشتیاق سے ہارون عباس کو دیکھ رہی تھی۔ رجاء حیدر اور ہارون عباس سے نظریں ہٹا کر حیدر علی نے عائشہ کی طرف دیکھا جو زہرا کے ساتھ صوفے پر بیٹھ چکی تھی اور زہرا ہولے ہولے کچھ کہہ رہی تھی۔ ان کی آنکھوں میں نمی تھی اور حیدر ایئر پورٹ سے گھر آنے تک دکھ کے جس حصار میں گھرے ہوئے تھے ایک بار پھر اسی فضا میں گھر گئے زہرا نے ایئر پورٹ پر ہی مختصراً انہیں بتایا تھا کہ سعدون عباس نے اسے طلاق دے دی ہے۔

"آپا آپ زارون کو کیوں نہیں لائیں۔ وہ آپ کے بغیر کیسے رہ سکے گا؟" ہر بات سے انجان عائشہ نے پوچھا تو ہارون عباس کی آنکھوں میں نمی پھیل گئی۔ نیویارک سے یہاں تک کے سفر میں کتنی ہی بار اس نے زارون عباس کو یاد کرتے ہوئے ماما سے چھپ کر آنسو بہائے تھے۔ کبھی رخ موڑ کر کبھی واش روم میں جا کر اور کبھی آنکھیں بند کر کے سونے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے چہرے کو اپنی کیپ سے چھپا کر زارون عباس جو اس سے پانچ سال چھوٹا تھا اور جس کی آمد کا اس نے بہت شدت سے انتظار کیا تھا۔

"دعا کرو میری جان اللہ تمہارے لیے ایک پیاری سی بہن بھیج دے۔" جب ماما نے اس سے کہا تھا تو اس نے فوراً ہی نفی میں سر ہلایا تھا۔

"بہن نہیں ماما مجھے تو بھائی چاہیے۔" اسے اپنے ساتھ کھیلنے کے لیے ساتھی چاہیے تھا وہ اپنے اپارٹمنٹ میں سارا دن اکیلا ہی کھلونوں سے کھیلتا تھا اسکول سے آ کر ماما اسے پارک میں بھی کھیلنے نہیں جانے دیتی تھیں۔

"لیکن میرا جی چاہتا ہے اللہ مجھے ایک بیٹی دے۔ پیا

ہے ہارون عباس بیٹیاں ماؤں کی سہیلیاں ہوتی ہیں اور مائیں اپنے دکھ سکھ بیٹیوں سے ہی تو کہتی ہیں۔"

"کیا میں آپ کی سہیلی نہیں بن سکتا؟" اور ماما نے اسے ایک دم ہی گود میں لے لیا تھا۔

"کیوں نہیں تم تو میرے بہت ہی پیارے بیٹے ہو۔ میری سہیلی ہو۔" لیکن اس نے ان کی آنکھوں میں چمکتے آنسو دیکھ لیے تھے۔ جسے انہوں نے چھپانے کی کوشش کی تھی کہ اللہ میاں اس کی ماما کے لیے ایک بیٹی بھیج دے۔ لیکن اس کی دعا قبول نہیں ہوئی تھی اللہ میاں نے زارون کو بھیج دیا تھا۔ وہ بہت خوش تھا اور ہر روز زہرا سے پوچھتا تھا کہ وہ کب بڑا ہوگا اور کب اس سے کھیلے گا لیکن وہ ماما کے لیے بھی اداس تھا اور ہر روز سونے سے پہلے دعا کرتا تھا کہ اللہ میاں جلدی سے اسے ایک بہن دے دے جو ماما کی سہیلی ہو اور ماما اس سے اپنے دکھ سکھ کہیں۔ کیونکہ ماما اس سے اپنے دل کی بات نہیں کہتی تھیں۔ اس نے بے شمار بار انہیں چھپ کر آنسو بہاتے دیکھا تھا لیکن وہ اس کے پوچھنے پر بھی کچھ نہیں بتاتی تھیں پھر بھی اسے لگتا تھا کہ ماما اور پاپا کے درمیان کچھ جھگڑا ہے۔

اگرچہ وہ ساتھ والے اپارٹمنٹ میں رہنے والی بنت کور اور اس کے ہسبینڈ کی طرح اونچی آواز میں لڑتے نہیں تھے۔ ایک دوسرے پر چلاتے نہیں تھے۔ نہ ہی پاپا بوبی کے پاپا کی طرح غصے میں برتن اٹھا اٹھا کر پھینکتے تھے لیکن کہیں کچھ تو غلط تھا جو ماما کی آنکھیں ہر لحہ بھیگی رہتی تھیں اور پاپا سپاٹ چہرے کے ساتھ سرد مہر نظروں سے انہیں دیکھتے تھے۔ اور یہ تو صرف دو ہفتے پہلے ماما نے اسے بتایا تھا۔ شاید انہوں نے بیٹی سے مایوس ہو کر اسے ہی اپنی سہیلی بنالیا تھا۔

"تمہارے پاپا ہمیں ساتھ نہیں رکھنا چاہتے ہانی۔ وہ چاہتے ہیں ہم پاکستان واپس چلے جائیں۔ وہ دوسری شادی کرنا چاہتے ہیں۔" ماما اس کا ہاتھ تھامے رو رہی تھیں۔

"وہ زارون کو ہم سے چھین لیں گے ہانی۔"

"زارون کو؟" وہ ششدر سا ہوگیا تھا۔ ان کے آنسوؤں میں شدت آگئی تھی۔

"وہ بے شک ہمیں پاکستان بھیج دیں۔ شادی کرلیں لیکن زارون کو ہم سے نہ لیں۔" اور دس سالہ ہارون عباس اس لمحے یک دم ہی جیسے بڑا ہوگیا تھا۔ اور اس نے بہت محبت سے ان کے آنسو پونچھیں تھے۔ ماما نے اسے اپنی سہیلی مان لیا تھا اور اب اس نے ہی ان کے دکھ سکھ بانٹنے تھے۔

"ماما ہم زارون کو کسی کو نہیں دیں گے۔" اس نے انہیں یقین دلایا تھا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ جب سعدون عباس کوئی ارادہ کرلے تو اسے اس کے ارادے سے کوئی بھی باز نہیں رکھ سکتا۔ ایک ہفتہ پہلے وہ اس کا اور ماما کا ٹکٹ لے آئے تھے اور اسی رات ہی انہوں نے طلاق کے پیپرز ان کے حوالے کیے تھے۔

"میں تمہیں طلاق نہیں دینا چاہتا تھا لیکن فارینہ طلاق کے بعد ہی مجھ سے شادی کرے گی اس لیے میں نے تمہیں طلاق دے دی ہے۔ اپنی اور ہارون کی پیکنگ کرلینا۔ اتوار کو چار بجے تمہاری فلائیٹ ہے۔ میں تمہیں ایئرپورٹ ڈراپ کردوں گا۔"

"اور زارون پاپا...... اس کا ٹکٹ کہاں ہے؟" وہ زہرا کے ساتھ جڑ کر کھڑا تھا۔

"زارون تمہارے ساتھ نہیں جائے گا۔" سعدون عباس کے لہجے میں سختی تھی۔ "وہ میرا بیٹا ہے میرے پاس رہے گا۔" سوئے ہوئے زارون عباس کو سعدون عباس نے محبت سے دیکھا تھا۔ انہیں ہارون عباس سے زیادہ لگاؤ نہیں تھا۔ کیونکہ وہ اپنی ماں پر گیا تھا۔ سانولی سلونی سحر انگیز آنکھیں...... اور زہرا انہیں پہلے دن سے ہی اچھی نہیں لگی تھی وہ سمجھتے تھے کہ زہرا کا اور ان کا کوئی جوڑ نہیں اور ان کے والدین نے ان کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اپنی ماں کی شباہت کا حامل ہارون ان کی وہ توجہ حاصل نہ کرسکا جس کا وہ حق دار تھا جب کہ زارون سارے کا سارا سعدون عباس پر گیا تھا۔ ویسی ہی سرخ وسپید رنگت، چاکلیٹی رنگ کی بے

حد خوشنما آنکھیں ویسے ہی سنہری جھلک دیتے براؤن بال۔ اس نے اپنی پیدائش کے ایک ہفتے بعد ہی ان کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی تھی۔

"آپ دوسری شادی کررہے ہیں ناپاپا۔ اور اسٹیپ مدر تو سنڈریلا کی مدر کی طرح ہوتی ہے ظالم۔ وہ زارون کو مارا کرے گی۔" وہ سازش بیٹھی ماما کی وکالت کررہا تھا۔

اسے کسی بھی طرح پاپا کو قائل کرنا تھا کہ وہ زارون کو ان کے ساتھ جانے دیں۔ لیکن پاپا نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے غصے سے ماما کو دیکھا تھا۔

"یہ زہر تم نے بھرا ہے اس کے ذہن میں۔"

"پاپا پلیز...... زارون کو ہمارے ساتھ جانے دیں۔ وہ ماما کے بغیر کیسے رہے گا۔ وہ بہت چھوٹا ہے وہ روئے گا پاپا۔" اس نے پھر منت کی تھی لیکن پاپا نے اس کی بات نہیں مانی اور نہ ہی ماما کا رونا اور تڑپنا ان کا دل نرم کرسکا تھا۔

"میں زارون کے بغیر نہیں جاؤں گی سعدون۔" وہ تڑپی تھی...... منت سماجت کی تھی لیکن وہ بھی سعدون عباس تھا اس نے زہرا کی منت سماجت اور آنسوؤں کی پروا نہیں کی تھی۔ فون کے تار کاٹ دیئے تھے تاکہ وہ پولیس کو فون نہ کرسکے اور خود صبح سے شام تک لاؤنج میں بیٹھا رہتا۔ ماما کچھ نہیں کرسکی تھیں اور پاپا نے زارون کو ان سے لے لیا تھا۔

اتوار کی صبح زارون سورہا تھا پاپا انہیں ایئر پورٹ چھوڑ گئے تھے اور پانچ سالہ زارون وہاں ہی نیویارک میں رہ گیا تھا۔ ماما کو اور اسے جاگنے کے بعد نہ پاکر وہ کتنا رویا ہوگا۔

"ارے بیٹا آپ ابھی تک کھڑے ہو۔" حیدر علی کی نظر اچانک ہی اس پر پڑی تھی۔ اس نے چونک کر حیدر علی اور پھر ماما کی طرف دیکھا تھا وہ اپنے ابو کی پرنسز اس کی ماما کی گود میں بیٹھی اپنے منے منے ہاتھوں سے ان کے آنسو پونچھ رہی تھی۔ اور اسے ماما کی پانچ سال پرانی کہی گئی بات پر یقین آگیا تھا کہ بیٹیاں ماؤں کی سہیلیاں ہوتی ہیں۔ اور یہی وہ لمحہ تھا جب اس نے رجاء حیدر کو اپنے دل کے اندر بہت اونچے سنگھاسن پر بٹھا دیا تھا۔

"آپ آپ فکر نہ کریں میں بات کروں گا سعدون عباس سے زارون کے لیے۔ وہ ایسے کیسے اسے چھین سکتا ہے میں اس کے والدین سے بھی بات کرتا ہوں۔" حیدر انہیں تسلی دے رہے تھے اور وہ کچھ مطمئن ہوکر ان کے پاس ہی صوفے پر بیٹھ گیا اور حیدر علی نے اپنا ایک بازو اس کے گرد حمائل کرکے اسے اپنے ساتھ لگایا اور کہا۔

"آپ ہارون کی فکر نہ کریں۔ یہ آج سے میرا بیٹا ہے میرا شہزادہ۔ میں بخوشی اس کی تمام ذمہ داریاں اٹھاؤں گا۔"

گو وہ سعدون عباس کو زارون کے لیے قائل نہیں کرسکے تھے۔ انہوں نے کتنے ہی فون کیے واسطے دیئے۔ ان کے والد سے بات کی لیکن بے فائدہ۔ الٹا سعدون نے ہارون کو چھین لینے کی دھمکی دی تو وہ خاموش ہوگئے لیکن ہارون کو انہوں نے ایک بیٹے کی طرح ہی چاہا۔ اور ہارون عباس نے ان کے بیٹے کی کمی پوری کردی تھی۔ ہارون عباس ان کا بیٹا تھا ان کا شہزادہ۔

❀......❀......❀......❀

وہ کارپٹ پر بیٹھی تھی اور اس نے اپنا سر گھٹنوں پر رکھا ہوا تھا اور بازو گھٹنوں کے گرد حمائل کیے ہوئے تھے کبھی کبھی وہ سر اٹھا کر بیڈ پر سوئے ہوئے عون عباس کو بھی دیکھ لیتی تھی۔ بابا کے پاس ان کے بیڈ پر سونا اسے بہت اچھا لگتا تھا۔ وہ ضد کرکے ان کے پاس لیٹ جاتا تھا۔ وہ اسے اپنے کمرے میں لے جانا چاہتی تو وہ ان سے لپٹ جاتا تھا۔

"بابا کو تنگ نہیں کرو عون۔" وہ اسے گھورتی۔ "چلو...... اپنے روم میں۔" وہ ان کی بغل میں منہ چھپالیتا۔ بابا مسکرا کر اسے دیکھتے۔

"رہنے دو میرے پاس ہی سوجائے گا۔"

"آپ کو تنگ کرے گا بابا۔"

"میں نہیں تنگ ہوتا۔" بابا اسے اپنے ساتھ لپٹا لیتے۔

"یہ تو میرا شہزادہ ہے میرا راجا بیٹا۔" اور آج وہ بابا کے بیڈ پر سونے کے لیے تیار ہی نہیں تھا بس اس کی گود میں گھسا جارہا تھا اور وہ اسے اپنے کمرے میں خوف محسوس

ہو رہا تھا۔ سو شام گہری ہوتے ہی وہ بابا کے کمرے میں آ گئی تھی۔ لاؤنج، کچن، گیراج سب کی لائٹیں جل رہی تھیں پھر بھی اسے ڈر لگ رہا تھا بابا کے بعد آج پہلی رات تھی جب وہ یہاں اس گھر میں اکیلی تھی۔ آج صبح ہی ردا واپس کراچی چلی گئی تھی۔ بابا کو اس دنیا سے رخصت ہوئے صرف چند دن ہوئے تھے جو دن جیسے صدیاں۔

"آپی پلیز مجھے اس طرح اکیلا چھوڑ کر مت جائیں۔"

وہ رو پڑی تھی۔ ردا نے بے بسی سے اسے دیکھا تھا۔

"خالد بہت خفا ہو رہے ہیں اتنے دن بھی میں ضد کر کے رہی ہوں۔ وہ تو جنازے کے بعد مجھے بھی ساتھ ہی لے جانا چاہتے تھے تمہیں نہیں پتا وہ اپنے بچوں کے لیے کتنے ٹچی ہیں۔ ان کے پیپرز ہو رہے ہیں نا۔ رات بھی خفا ہو رہے تھے کہ مجھے بچوں کی پروا نہیں ہے اور یہ کہ وہ آفس سے روز روز چھٹی نہیں کر سکتے۔ چند دن کی بات ہے ہارون بھائی زاورن اور پھوپو آ جائیں گے۔"

"انہیں آنا ہوتا تو اب تک آ چکے ہوتے آپی۔" اس کے آنسو تھمتے ہی نہ تھے۔ اس نے ردا کو نہیں بتایا تھا کہ اس رات زارون نے اس سے کیا بات کی تھی۔ اور پھر بابا سے اس نے جو کچھ بھی کہا تھا وہ دل میں ہی لیے چلے گئے تھے اور اس نے بابا سے کیا کہا ہوگا وہ صرف اندازہ کر سکتی تھی۔

"میری جان...... میری گڑیا میری مجبوریوں کو سمجھو۔ خالد بہت گرم مزاج ہے۔ ذرا سی بات پر آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ اور اپنا گھر بچانے کے لیے بہت سی قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ جب اپنے تین جوان ہوتے ہوئے بچوں کی طرف دیکھتی ہوں تو خالد کی غلط بات پر بھی سر جھکا دیتی ہوں۔" ردا رو رہی تھی۔

"اور اس کا گھر...... پتا نہیں وہ ٹوٹ چکا تھا یا......" بابا کچھ بتائے بنا ہی چلے گئے تھے۔ اور اس نے ردا کی خاطر اپنے آنسو پونچھ لیے تھے اور دل کو مضبوط بنانے کی کوشش کی تھی۔

"ٹھیک ہے آپی آپ چلی جائیں۔"

"میری بات پھوپو سے ہوئی ہے۔ دراصل زارون کہیں گیا ہوا ہے اور ان کا اس سے رابطہ نہیں ہو پا رہا اور پھوپو زارون کو ساتھ لے کر ہی آنا چاہتی ہیں ورنہ انہیں تمہارا بہت خیال ہے۔"

"زارون......" اس کے اندر تلخی سی گھلتی چلی گئی تھی۔ "وہ تو اس کے ساتھ زندگی نہیں گزارنا چاہتا تھا وہ تو......" اس کی آنکھوں میں پھر نمی پھیل گئی تھی۔

"میں تمہیں اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتی رجاء ورنہ پھوپو وغیرہ کے آنے تک میں تمہیں ساتھ ہی لے جاتی تمہیں اکیلا نہ چھوڑتی۔" ردا کی آنکھوں میں پھر سے بے بسی جھلکنے لگی تھی۔

"وہاں کراچی میں صرف دو کمروں کا فلیٹ ہے جس میں ہم رہتے ہیں۔ خالد چار سال پہلے اپنے بھائی، بھابی اور والد سے جھگڑ کر الگ ہو گئے تھے اور پھر یہ فلیٹ لے لیا۔ وہاں تم محفوظ نہیں رہو گی رجاء۔" ردا کی نظریں جھک گئی تھیں۔

"میں نے کرائے داروں کو فون کر دیا ہے کہ وہ ہمارا گھر خالی کر دیں تمہارے لیے وہ گھر بہت محفوظ ہے وہاں آس پاس سب جاننے والے محبت کرنے والے لوگ ہیں۔ اگر پھوپو کو آنے میں دیر ہو جائے تو تم وہاں چلی جانا۔ پتا نہیں مجھے پھوپو پریشان سی لگی۔ میں زارون کی طرف سے کچھ مطمئن نہیں ہوں رجاء...... پھر بھی تم زیادہ سے زیادہ ہفتہ بھر انتظار کرو پھر سمن آباد چلی جانا۔ ماسی زیناں سے میں نے بات کر لی ہے وہ رات کو تمہارے پاس آ جایا کریں گی۔ میں بھی بچوں کے پیپرز کے فوراً بعد چکر لگاؤں گی۔"

عون سوتے میں کچھ بڑبڑایا تو اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ گہری نیند میں تھا۔ اس نے اٹھ کر ذرا سا پردہ سرکایا۔ باہر ابھی ملگجا سا اندھیرا تھا۔ اس نے پوری رات وہاں ہی بیٹھے بیٹھے گزار دی تھی اور بابا اس وقت اٹھ جاتے تھے۔ وہ کیا کرے...... اللہ وہ کیا کرے کہاں جائے اس کی خشک آنکھوں میں آنسو اتر آئے تھے وہ کھڑکی کے پاس سے ہٹ آئی تھی اور اب بابا کے بیڈ پر بیٹھی ان کے تکیے پر ہولے ہولے ہاتھ پھیرتی ہوئی رو رہی تھی۔ اس

نے بچے کو اٹھا کر چہرے سے لگایا۔ بابا کی خوشبو آ رہی تھی۔

"بابا...... میرے بابا...... میرے ابو۔" وہ تڑپ رہی تھی رو رہی تھی۔ خشک آنکھوں میں پھر سے پانی کے سوتے پھوٹ پڑے تھے۔ جانے کتنی دیر تک وہ یونہی بچے میں منہ چھپائے روتی رہی۔ عون عباس کسمسایا تو اس نے اسے تھپکا اور کھڑکی کی طرف دیکھا جس کے شیشوں سے روشنی اندر آ رہی تھی۔ باہر سورج نکل آیا تھا اور روڈ پر ہنستی مسکراتی چہلیں کرتی نرسیں گزر رہی تھیں اور سب سے آخر میں سر جھکائے آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی قانتہ نورین تھی۔ وہ فلیٹ نمبر آٹھ کے لان کے باہر رک گئی تھی اور باڑ سے جھانک رہی تھی۔

لان ویران پڑا تھا لمحہ بھر وہ یونہی دیکھتی رہی۔ پھر سر اٹھایا تو ساتھ والے لان پر نظر پڑی۔ خوب صورت ساڑھیاں باندھنے والی وہ باوقار خاتون ٹہل رہی تھی۔ اس نے مڑ کر اپنی ساتھی نرسوں کو دیکھا وہ مڑ چکی تھیں۔ لمحہ بھر سوچنے کے بعد وہ دوسرے فلیٹ کے لان کے باہر آئی اور باڑ پر سے جھانکا۔

"ایکس کیوز می میم!" مسز بیگ نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

"یہ......" اس نے دوسرے لان کی طرف اشارہ کیا۔ "ادھر جو انکل اس وقت بیٹھے ہوتے تھے کیا وہ یہاں سے چلے گئے ہیں؟"

"ان کی تو چند دن پہلے ڈیتھ ہوگئی ہے۔" مسز بیگ نے بغور اسے دیکھا۔

"اوہ......!" اس کے اندر کن من ہونے لگی تھی۔

"وہ بچہ اور اس کی ماں...... کیا وہ یہاں ہی ہیں؟"

"ہاں۔" مسز بیگ کی نظروں میں الجھن تھی۔ "ان کی بیٹی اور نواسا ابھی تو یہاں ہی ہیں۔ شاید وہ جلد ہی یہاں سے چلے جائیں لیکن آپ......" اور قانتہ نے ان کی آنکھوں میں لکھی الجھن پڑھتے ہوئے خود ہی اپنے متعلق بتادیا کہ اس کا تو صرف دعا اور سلام کا رشتہ تھا۔ مسز بیگ سر ہلا کر پھر سے چہل قدمی کرنے لگی تھیں۔ وہ بھاری قدموں سے فلیٹ کے مین گیٹ تک آئی اور پھر بیل پر ہاتھ رکھا۔ کچھ دیر بعد جب وہ مایوس ہو کر جانے لگی تو دروازہ کھل گیا۔ اندر موجود لڑکی نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں اور کپڑے شکن آلود تھے پلکیں بھیگی بھیگی سی تھیں۔ قانتہ نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"میں انکل کا افسوس کرنے آئی ہوں۔" اس نے ایک طرف ہو کر اسے راستہ دیا وہ ہولے ہولے چلتی ہوئی لاؤنج میں آئی اور صوفے پر بیٹھ گئی۔

"میں قانتہ ہوں...... اور نرسنگ ہاسٹل میں رہتی ہوں۔ ہر روز صبح یہاں سے گزرتے ہوئے میں انکل کو دیکھتی تھی۔ جب پہلی بار میں نے انہیں سلام کیا اور انہوں نے مجھے دعائیں دی تھی۔ مجھے اپنے ماں باپ کے متعلق کچھ علم نہیں شاید میں بہت چھوٹی تھی جب وہ اس دنیا سے گزر گئے تھے۔ پھر کسی عزیز نے مجھے یتیم خانے میں داخل کروادیا تھا۔" آنسو قانتہ کے رخساروں پر پھسل آئے تھے۔

"میں آپ کے دکھ اور کرب کو محسوس کرسکتی ہوں۔ وہ آپ کے تو والد تھے میرے تو کوئی بھی نہیں تھے پھر بھی مجھے لگ رہا ہے جیسے میں بھی بے سائبان سی ہوگئی ہوں جیسے کوئی مجھے دعا نہیں دے گا۔" اب وہ دونوں رو رہی تھیں جانے سے پہلے قانتہ نے اسے گلے لگایا اور اپنے کمرے کا نمبر بتایا تھا۔

"یہاں پیچھے ہی ہمارا ہاسٹل ہے اگر کبھی آپ کو کوئی مسئلہ ہو تو پلیز مجھے ضرور بتایئے گا میں اگر آپ کے کام آسکی تو مجھے خوشی ہوگی۔ آپ کا بیٹا کہاں ہے۔ میں جب باہر سے اسے دیکھتی تھی تو میرا بہت جی چاہتا تھا کہ اسے گود میں لے کر پیار کروں۔"

"وہ سو رہا ہے۔"

اس نے بتایا تو قانتہ نے پوچھا کہ کیا وہ کبھی کبھار اس سے ملنے آسکتی ہے۔ اور اس نے اثبات میں سر ہلا دیا اور وہ اللہ حافظ کہہ کر چلی گئی۔ وہ دروازے پر کھڑی اسے جاتے دیکھتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ یہ

فقط نورین تھی ایک یتیم اور بے سہارا لڑکی۔

❁......❁......❁......❁

وہ روڈ پر ذرا ہٹ کر اس بڑے مال کی طرف رخ کیے کھڑی تھی۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ اپنا ایک پاؤں اٹھا کر دوسرے پر رگڑتی تھی اور جب جب اس کی نظریں مال کی طرف اٹھتی تھی ان میں چمک سی پیدا ہوتی اور خشک پڑتے زرد ہونٹوں پر مسکراہٹ سی نمودار ہو کر معدوم ہو جاتی تھی۔ رات ہو رہی تھی ہر طرف تیز روشنیاں جل رہی تھیں۔ مال کے اندر باہر اور آس پاس کی مارکیٹوں میں جلتی فینسی لائٹوں کی روشنیاں آنکھیں چندھیا دے رہی تھیں۔ امیر گھرانوں کی عورتیں دن بھر آرام کرنے کے بعد اب شاپنگ کے لیے نکلی تھیں۔ وہ خواتین کے ساتھ آنے والے مردوں اور بچوں کو بہت غور سے دیکھتی تھی۔ اس کے لاشعور میں کچھ اٹک رہا تھا وہ خود نہیں جانتی تھی کہ وہ کئی دنوں سے لگاتار یہاں کیوں آ رہی ہے۔ لیکن وہ کسی نہ کسی طرح نظر بچا کر باہر نکل آتی تھی۔ اور شام کو واپسی پر خاموشی سے نگران عورت کی ڈانٹ سن لیتی تھی۔ لیکن آج بہت دیر ہو گئی تھی اور آج تو کوئی اسے اندر بھی نہیں گھسنے دے گا۔ اس کے شعور میں تھا پھر بھی وہ وہاں پارکنگ کی طرف دیکھ رہی تھی گارڈ اسے وہاں کھڑے دیکھ کر اس کے قریب آیا۔

"ہے...... ہٹو یہاں سے روز یہاں کیوں آ جاتی ہو؟"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ اس کے پاس اس کیوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اس کی آنکھوں میں بے بسی تھی لیکن گارڈ اس کی آنکھوں کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا اس کی نظریں اس کا جسم ٹٹول رہی تھیں۔ شام کو جب وہ ڈر کر بھاگی تھی تو کپڑے کی وہ دھجی بھی کہیں گر گئی تھی اس نے گارڈ کی نظریں محسوس کر کے دونوں ہاتھوں سے خود کو چھپایا تھا۔ اور دو قدم پیچھے ہٹی۔

"ڈرو نہیں بیٹھ جاؤ ایک طرف۔" گارڈ کے لہجے میں اب کے نرمی سی تھی اور اس نے بڑی میٹھی نظروں سے اسے دیکھا۔

"لیکن دیکھو کسی گاڑی کے قریب مت جانا یہ بڑے لوگ برا مناتے ہیں۔ ابھی کچھ دیر بعد مال بند ہو جائے گا اور......" گارڈ نے واپس مڑتے ہوئے سوچا وہ اس کی سوچ سے بے خبر تھی لیکن گارڈ کے مڑتے ہی وہ تیزی سے وہاں سے ہٹ گئی تھی اور اب تیز تیز فٹ پاتھ پر چل رہی تھی۔ اس کا ذہن الجھا ہوا تھا اور اسے ڈر لگ رہا تھا۔

آج شام بھی وہ کسی سے ڈر کر بھاگی تھی تو مارکیٹوں کے پیچھے ایک رہائشی علاقے میں ایک گھر کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی تھی۔ حتی کے اندھیرا ہو گیا تھا۔ ایک بلی کسی دیوار سے کودی تو وہ ڈر کر کھڑی ہو گئی تھی اور جدھر سے آئی تھی اسی طرف واپس چل پڑی تھی اور جب اسے مال کی روشنیاں نظر آئیں تو اس کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں لیکن مال کا وہ گارڈ...... اس کی نظریں۔ اس نے جھرجھری سی لی۔ لمحہ بھر کو رک کر ادھر ادھر دیکھا۔ اسے کہاں جانا تھا اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی اسے بھوک بھی لگ رہی تھی اور نیند بھی آ رہی تھی وہ سر جھکائے فٹ پاتھ کی طرف دیکھتے ہوئے ہولے ہولے چل رہی تھی جب ایک گاڑی کے بریک چرچرائے کوئی گاڑی فٹ پاتھ کے قریب رکی تھی اور اس سے اترتے مرد کو دیکھ کر اس نے یک دم دوڑ لگا دی۔ بھاگتے بھاگتے وہ مڑ کر دیکھتی تھی اور پھر بھاگنے لگتی تھی وہ بہت اطمینان سے لمبے لمبے قدم اٹھاتا اس کے پیچھے آ رہا تھا۔ آس پاس سے گزرتے لوگوں اور مارکیٹوں کے باہر چکر لگاتے گارڈ نے سرسری نظروں سے اس پگلی کو بھاگتے ہوئے دیکھا جو پچھلے ایک ماہ سے یہاں اکثر گاڑیوں کے پیچھے بھاگتی نظر آتی تھی۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ ایک خوف زدہ ہرنی تھی اور اس کا تعاقب کرتا وہ ایک بھیڑیا تھا۔

❁......❁......❁......❁

ہارون عباس کے لیے وہ ننھی سی گڑیا صرف رجاء حیدر نہیں تھی اپنے ابو کی پرنسز وہ اس کے لیے سب کچھ تھی۔ وہ اس کی وہ دعا تھی جو ماما سے کرنے کو کہتی تھی جسے ماما کی سہیلی بننا تھا اور ان کے دکھ درد بانٹنے تھے وہ اس کی دوست تھی جس سے وہ زارون کی باتیں کرتا تھا اور وہ ہاتھوں کے پیالے میں تھوڑی ٹکائے بہت غور سے اس کی باتیں سنتی

تھی۔ وہ اس کے لیے زارون کا نعم البدل تھی بلکہ وہ اس کے لیے زارون ہی تھی اور وہ اس کا ایسے خیال رکھتا تھا جیسے اپنے سے پانچ سال چھوٹے زارون کا رکھتا تھا۔ زارون اور رجاء حیدر ہم عمر ہی تھے۔ ماما کہتی تھی وہ بڑا ہے اور اسے ہی زارون کا خیال رکھنا ہے جب زارون نہیں تھا تو وہ اس کا خیال رکھ رہا تھا۔

جب حیدر ان کے اسکول کے پاس انہیں اتارتے تو وہ خود ہی اس کا بیگ اٹھا لیتا اور وہ شہزادیوں کی سی شان سے سر اٹھائے آگے آگے چلتی رہتی۔ اس کی کلاس میں اس کا بیگ رکھنے کے بعد اپنی کلاس میں جاتا۔ بریک میں اسے اپنے پاس بٹھا کر لنچ کرواتا بالکل ایسے ہی جیسے نیویارک میں اپنے اسکول میں زارون کو کرواتا تھا۔ کینٹین سے اسے چیزیں لے کر دیتا اپنی پاکٹ منی سے بھی اسے چاکلیٹ اور آئس کریم لے کر دیتا۔ وہ جب تھک جاتی تو اس کا ہوم ورک بھی کر دیتا تھا۔ وہ تھی بھی تو بہت نازک مزاج ذرا سا لکھنے سے اس کے ہاتھ تھک جاتے تھے۔ وہ ذرا سا بیمار پڑتی تو اس کی جان پر بن آتی تھی اور وہ اس کی پٹی سے لگ کر بیٹھ جاتا تھا۔ وہ اس کی آنکھ میں ایک آنسو تک نہیں دیکھ سکتا تھا اور ذرا سی خلاف مرضی بات پر اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتی تھیں۔ وہ کسی ملکہ کی طرح اس پر حکم چلاتی تھی اور وہ کسی غلام کی طرح اس کا حکم بجا لاتا تھا۔ عائشہ ہمیشہ ٹوکتیں۔

''ایک اس کے ابو کم ہیں کیا اس کے ناز اٹھانے کے لیے جو تم بھی اسے سر پر چڑھا رہے ہو۔'' اور وہ مسکرا دیتا وہ اس کے لیے صرف رجاء حیدر تو نہیں تھی وہ اس کے لیے زارون عباس بھی تو تھی جسے یاد کر کے وہ اب بھی رو پڑتا تھا۔

وہ اپنی آدھی سے زیادہ پاکٹ منی اس پر خرچ کر دیتا۔ ایک بار عید پر وہ حیدر کے ساتھ شاپنگ کرنے گیا تو اس کے لیے کراؤن کی شکل کا بالوں میں لگانے والا ایک کیچر لے لیا۔ جس میں چھوٹے چھوٹے سفید نگینے لگے ہوئے تھے اور ان سے ست رنگی روشنیاں نکلتی تھیں۔ تب وہ پندرہ سال کا اور رجاء دس سال کی تھی اور جب وہ اسے اپنے بالوں میں سجاتی تو کوئین لگتی تھی اور وہ کوئین ہی تو تھی صرف ہارون عباس ہی نہیں رجاء حیدر بھی اس کی دیوانی تھی۔ ہمہ وقت اس کے گرد چکر لگاتی رہتی۔ ندا اور ردا سے زیادہ وہ ہارون کے ساتھ وقت گزارتی تھی۔ جو ہارون کو پسند تھا اسے بھی پسند تھا۔ وہ ہر بات میں ہارون کی نقل کرتی تھی۔

ہارون انجینئر بن رہا تھا اسے بھی انجینئر بننا تھا۔ ہارون کے ساتھ کرکٹ کے بجائے فٹ بال کے سارے میچز دیکھتی۔ ہارون حیدر کو بابا کہتا تھا۔ وہ بھی ابو کی جگہ انہیں بابا کہنے لگی تھی۔ اور حیدر کی جان دونوں میں اٹکی ہوئی تھی۔ عائشہ کبھی کبھی پریشان ہو جاتیں۔

''اگر کبھی ہارون اپنے باپ کے پاس چلا گیا تو آپ اور رجاء......'' اور حیدر انہیں بات مکمل ہی نہ کرنے دیتے۔

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...... ہارون میرا بیٹا ہے۔''

اور عائشہ خاموش ہو جاتیں کہ شاید وقت کے ساتھ خود ہی سب ٹھیک ہو جائے لیکن گزرتے وقت نے اس کی شدت کو کم نہیں کیا تھا بلکہ بڑھایا ہی تھی۔

رجاء ایف ایس سی میں پہنچ گئی تھی اور ہارون نے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد جاب کر لی تھی لیکن وہ اب بھی رجاء کے منہ سے نکلنے والی ہر بات کو پورا کرنا فرض سمجھتا تھا۔ چاہے وہ کتنا ہی تھکا ہوا آفس سے آتا اور رجاء کوئی فرمائش کرتی تو الٹے قدموں واپس مڑ جاتا۔

ردا کی شادی ہو گئی تھی اور وہ شادی کے بعد کراچی چلی گئی تھی گھر میں ندا اکیلی ہو گئی تھی۔ لیکن پھر بھی وہ ندا کے مقابلے میں ہارون کے زیادہ قریب تھی اور اپنی ہر بات ہارون سے ہی شیئر کرتی تھی حالانکہ عائشہ چاہتی تھی کہ وہ ندا کے ساتھ زیادہ وقت گزارے۔ لیکن وہ رجاء حیدر تھی اپنے ابو کی پرنسز اپنی مرضی کی مالک۔

''آپا آپ ہارون کو سمجھائیں اس کے اتنے زیادہ ناز نہ اٹھایا کرے۔ یہ فرمائشیں پوری نہ کرے۔ آخر کو اسے پرائے گھر بھی جانا ہے وہاں اس کی خدانخواستہ فرمائشیں پوری نہ ہوئیں کوئی ناز اٹھانے والا نہ ہوا

تو......" عائشہ ماں تھی رجاء کے لیے پریشان ہوئیں تو ایک روز زہرا سے کہہ بیٹھیں۔

"ارے پرائے گھر کیوں جائے گی رجا کو میں اپنے ہانی کی دلہن بناؤں گی اور میرا ہانی ساری عمر اس کی فرمائشیں پوری کرے گا اور اس کے نخرے اٹھائے گا۔" انہیں خود بھی تو رجاء بہت پیاری تھی۔

عائشہ چپ کرگئی تھیں اور زہرا نے اسی رات ہارون عباس سے پوچھ لیا تھا۔

"اگر تمہیں ساری زندگی رجا کی فرمائشیں پوری کرنی پڑیں تو اس کے ناز اٹھانا پڑیں تو کرلو گے؟"

"کیوں نہیں ماما......وہ تو ہماری شہزادی ہے حکم دینا اور ناز کرنا تو اسے ہی بجتا ہے۔"

"تو......" زہرا کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"میں آج ہی حیدر بھائی سے بات کرکے اسے تمہارے لیے مانگ لیتی ہوں پھر ساری زندگی اٹھاتے رہنا اس کے ناز۔" اور زہرا کی بات کا مطلب سمجھتے ہی اس کے اندر جلترنگ سے بج اٹھے تھے۔ اب سے پہلے تو اس نے رجاء کے لیے اس طرح کبھی نہیں سوچا تھا یعنی ایسا بھی ہوسکتا ہے اور رجاء کے ساتھ کے تصور نے اس کے اندر چراغاں کردیا تھا اور کیوں نہ ہوتا وہ تو اس کے دل کی ملکہ تھی۔ رجاء حیدر ہارون عباس کی کوئین تھی۔

❀......❀......❀......❀

وہ کارپٹ پر بیٹھی عون عباس کو بے بسی سے دیکھ رہی تھی جو پاس ہی صوفے پر ہونٹ لٹکائے بیٹھا تھا اور ناراضگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے کپڑے تبدیل کرنا چاہ رہی تھی اور وہ مچل کر اس کے ہاتھوں سے نکل گیا تھا۔ ان دنوں وہ بے حد ضدی اور چڑچڑا ہوگیا تھا وہ پہلے تو ایسا نہیں تھا لیکن اب ہوگیا تھا۔ وہ اتنا چھوٹا تھا کہ اپنی کیفیات کا اظہار نہیں کرسکتا تھا لیکن وہ یقیناً بابا کو مس کررہا تھا۔

"عون میری جان آؤ دیکھو نا آپ کی شرٹ کتنی گندی ہوگئی ہے چھی۔" لیکن اس نے غصے سے پاس پڑا اپنا ٹیڈی بیر نیچے پھینک دیا۔ اب وہ کشن اٹھا رہا تھا کہ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا بازو پکڑا تو وہ چیخ چیخ کر رونے لگا وہ بابا کو پکار رہا تھا۔

وہ اس کا بازو چھوڑ کر ایک بار پھر بے بسی سے اسے دیکھنے لگی۔ اس کی خوب صورت آنکھوں میں ناراضگی اور غصہ تھا۔ اور پلکوں کی جھالروں میں موتی پروئے ہوئے تھے۔ زارون کو بھی جب غصہ آتا تھا تو وہ یونہی ہاتھ میں پکڑی چیز اٹھا کر پھینک دیتا تھا اور اس کی آنکھوں سے بھی ایسے ہی غصہ جھلکتا تھا۔

"زارون۔" اس نے سسکی لی۔ "تم نے اچھا نہیں کیا ہمارے ساتھ۔" اس نے گھٹنوں پر سر رکھ لیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ رو رہی تھی۔

زارون، زہرا پھوپو کا بیٹا تھا۔ ہارون سے پانچ سال چھوٹا اور جسے سعدون عباس نے زہرا پھوپو سے چھین لیا تھا۔ تب پانچ سال کا تھا وہ اور ہارون نے اتنی بار اس کا ذکر کیا تھا اور اس کی ایک ایک حرکت کو اتنی بار دہرایا تھا کہ بن دیکھے ہی رجاء حیدر جانتی تھی کہ وہ کیسا ہے۔

"وہ ہنستا ہے تو اس کے دائیں رخسار میں بہت گہرا ڈمپل پڑتا ہے یوں جیسے پانی میں بھنور بنتا ہے۔ اس کی پلکیں بہت لمبی ہیں اور آنکھوں کا رنگ چاکلیٹ جیسا ہے اور اس کی رنگت سرخ وسپید ہے بالکل اپنے پاپا کی طرح ہے۔" وہ ہارون عباس کو بہت پیارا تھا وہ اسے یاد کرکے اداس ہوتا تو وہ فوراً دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیتی۔

"یا اللہ ہمارے زاورن کو ہمارے پاس بھیج دے۔"

زارون عباس ہارون عباس کا تھا تو جس طرح ہارون کی ہر چیز اس کی تھی یہ حق اسے ہارون نے ہی دیا تھا اس طرح زارون بھی اس کا تھا وہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتی تو ہارون بھی دل ہی دل میں اس کے الفاظ دہراتا جاتا تھا۔ پھر اللہ نے اس کی دعا قبول کرلی اور زارون عباس کو اللہ نے ان کے پاس بھیج دیا تھا۔

زارون عباس کو سعدون عباس نے چودہ سال بعد زہرا کے پاس بھیج دیا تھا۔ جب اس نے حیدر کے ساتھ لاؤنج

میں قدم رکھا تھا وہ مبہوت سی اسے دیکھنے لگی تھی۔ حیدر کو سعدون عباس نے اس کے آنے کے متعلق اطلاع دی تھی اور حیدر جو ایک پرائیویٹ کمپنی میں جاب کرتے تھے وہاں سے ہی کسی کو بتائے بغیر اسے لینے چلے گئے تھے۔ شاید انہیں سعدون عباس پر اعتبار نہیں تھا۔

وہ مبہوت سی اسے دیکھ رہی تھی وہ یقیناً زاورن تھا اور ہارون عباس جو آج آفس نہیں گیا تھا اس وقت لاؤنج میں بیٹھا رجاء کی پریکٹیکل کی کاپی پر ڈائیگرام بنا رہا تھا۔ اسے پہچاننے میں صرف چند لمحے لگے تھے حالانکہ اب وہ پانچ سالہ زاورن نہیں تھا۔ انیس سال کا تھا لیکن وہ سعدون عباس کی کاپی تھا۔

”زاورن......!“ ہارون کے لبوں سے بے اختیار نکلا اور اس نے تیزی سے اٹھ کر اسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا تھا۔

”میرا بھائی...... میرا یار...... جیا ہمارا زاورن آ گیا...... اللہ نے تمہاری دعائیں سن لیں...... ماما...... ماما دیکھیں کون آیا ہے؟“ وہ اسے بازوؤں میں لیے خوشی سے بے قابو ہو رہا تھا۔

”زاورن میرے بھائی میں نے تمہیں بہت یاد کیا بہت رد دیا۔“ اب وہ اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لیے کہہ رہا تھا لیکن زاورن کے انداز میں وہ گرم جوشی نہیں تھی اس کی چاکلیٹ رنگ آنکھوں میں غصہ اور ناراضگی ہلکورے لے رہی تھی۔ تھوڑی دیر میں سب ہی لاؤنج میں اکھٹے ہو گئے تھے۔ زہرا کے آنسو تھمتے ہی نہ تھے لیکن زاورن ان سے بھی تکلف سے ملا تھا اتنے عرصے بعد ماں سے ملنے کی کوئی گرم جوشی اس کے رویے میں نظر نہیں آئی تھی۔ وہ سب اس کے اس طرح اچانک آنے پر بے حد خوش تھے لیکن وہ خوش نظر نہیں آتا تھا بے حد سنجیدہ اور خفا سا لگتا تھا۔

وہ اے لیول کر کے آیا تھا بہت کم کسی سے بات کرتا تھا اس نے کسی کو نہیں بتایا تھا کہ اچانک سعدون عباس نے اسے کیسے آنے کی اجازت دے دی۔

زہرا فکر مند تھیں کہ کہیں زاورن کو بھیج کر ہارون کو تو بلوانا نہیں چاہتا اور اگر ہارون بات سے پلٹ گیا اور اس نے اسے وہاں ہی روک لیا تو لیکن ایسا نہیں تھا اسے ہارون سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ایک روز اس نے خود ہی حیدر کو فون کر کے بتا دیا کہ زاورن کو اس نے ہمیشہ کے لیے بھیج دیا ہے۔

”اب وہ وہاں ہی رہے گا اپنی ماں کے پاس۔ دراصل زاورن کی اپنی اسٹیپ مدر کے ساتھ نہیں بنتی۔ اتنے عرصہ تک میں نے کوشش کی کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو قبول کر لیں لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔“

”اور یہ آپ کو اب پتا چلا چودہ سالوں بعد۔ چودہ سال سے میری بہن اپنے بچے کے لیے تڑپ رہی تھی۔“ حیدر کے لبوں سے بے اختیار نکلا تھا۔ لیکن سعدون نے ان کی بات نظر انداز کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی تھی۔

”زاورن کی وجہ سے میرے گھر کا ماحول خراب ہو رہا ہے۔ میں روز روز کی چیخ چیخ سے تنگ آ چکا ہوں میرے بچے زاورن اور اپنی اسٹیپ مدر کے ہر روز کی لڑائی جھگڑوں سے ڈسٹرب ہو رہے ہیں میں اس کے تعلیمی اخراجات کے لیے ایک معقول رقم اسے بھجوا دوں گا۔“ حیدر نے اس کی بات پر کوئی بھی تبصرہ کیے بغیر فون بند کر دیا تھا۔ اس خبر نے سب کو ہی خوش کر دیا تھا لیکن زاورن خوش نہیں تھا اسے زہرا سے بہت گلے تھے۔

”آپ مجھے وہاں چھوڑ آئی تھیں کیونکہ آپ کو مجھ سے محبت نہیں تھی۔“

”نہیں ایسا نہیں تھا میری جان تمہارے بابا نے تمہیں مجھ سے چھین لیا تھا میں نے ان کی بہت منتیں کی تھیں کہ وہ تمہیں مجھے دے دیں۔“

”پاپا نے ہارون کو کیوں نہیں چھینا؟“ وہ زہرا کی بات پر یقین نہیں کرتا تھا۔

”اس لیے کہ وہ تم سے زیادہ محبت کرتے تھے۔“ زہرا اسے مطمئن کرنے کی پوری کوشش کرتی تھیں۔

”نہیں آپ نے ہارون کو چنا تھا حالانکہ مجھے آپ کی زیادہ ضرورت تھی۔“ وہ مطمئن ہی نہیں ہوتا تھا اس کے اندر

بہت غصہ اور ناراضگی تھی۔ سب اس کا بہت خیال رکھتے تھے ندا اور عائشہ بھی اس کی دلداری کرتیں لیکن پھر بھی چھوٹی سی بات پر اسے غصہ آ جاتا اور اس کی چاکلیٹ رنگ آنکھیں خون رنگ ہو جاتیں۔

رجاء نے اسے اینگری ینگ مین کا نام دیا تھا۔ اس روز وہ اپنا آخری پریکٹیکل دے کر آئی تھی اور لاؤنج میں ہارون عباس کے ساتھ بیٹھی ٹی وی پر فٹ بال کا میچ دیکھ رہی تھی اور زارون انہیں لاؤنج میں بیٹھے دیکھ کر تیوری چڑھائے واپس مڑ گیا تھا۔

"آپ کا بھائی اینگری ینگ مین لگتا ہے۔"

"وہ صرف میرا بھائی نہیں ہے جیا وہ ہمارا ہے۔ ہمارا زارون تم ہی کہتی تھیں۔" ہارون نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی۔ اور اس کے اندر دور تک روشنیاں سی جل اٹھیں۔ جب سے زہرا نے اس سے بات کی تھی اس کی طرف دیکھتے ہوئے یوں ہی اندر چراغاں ہو جاتا۔

"تو کیے ہمارا زارون ہم سب سے اتنا خفا کیوں رہتا ہے۔" وہ ہنسی تھی۔ اور ہارون عباس نے اس کی ہنسی کے سحر سے بمشکل خود کو نکالتے ہوئے کہا تھا۔

"اس نے بہت مشکل وقت گزارا ہے جیا چھوٹی ماما اسے پسند نہیں کرتی تھیں روز اول ہی انہوں نے پاپا سے کہہ دیا تھا کہ وہ زارون کی ذمہ داری نہیں سنبھال سکتیں لیکن انہوں نے صرف ماما کو تکلیف دینے کے لیے ان کی ضد میں اسے رکھ لیا تھا اور نو سال کی عمر تک صبح آفس جاتے ہوئے وہ اسے ایک ڈے کیئر سینٹر میں چھوڑ جاتے تھے اور جب وہ دس سال کا ہوا تو اسے ایک بورڈنگ اسکول میں داخل کرا دیا اور جب کبھی ویک اینڈ پر وہ گھر آ جاتا تو چھوٹی ماما ذرا سی بات پر اسے سزا دیتیں باتھ روم میں بند کر دیتیں اور اسے کھانا نہیں دیتی تھیں اور کہتی تھیں کہ تمہاری ماں تمہیں جان بوجھ کر چھوڑ گئی ہے اس لیے وہ مجھ سے اور ماما سے ناراض ہے کہ ہم نے اسے چھوڑ دیا۔ جب اسے ہماری بات پر یقین آ جائے گا تو اس کی ساری ناراضی دور ہو جائے گی جیا پلیز تم زارون کا خیال رکھا کرو۔"

اور رجاء حیدر اس کا بہت خیال رکھتی کیونکہ ہارون چاہتا تھا ایسا...... جب اس کا رزلٹ آیا تو حیدر نے زارون کو جو اپنا اے لیول کر کے آیا تھا اسی کے کالج میں داخل کروا دیا۔ اب دونوں گورنمنٹ کالج سے بی ایس سی کر رہے تھے۔

حیدر صبح آفس جاتے ہوئے انہیں ڈراپ کر جاتے اور واپسی پر ہارون انہیں پک کر لیتا یا پھر گاڑی بھیج دیتا۔ اسے آفس کی طرف سے گاڑی اور ڈرائیور کی سہولت ملی ہوئی تھی اور رجاء حیدر کو پتا ہی نہیں چلا تھا کہ زارون کا خیال رکھتے رکھتے کب محبت نے اس کے دل میں قدغن لگائی اور کب زارون عباس کے لیے اس کے دل نے نئے انداز سے دھڑکنا شروع کیا۔

وہ تو دو سال تک یہی سمجھتی رہی کہ وہ زارون عباس کا خیال رکھ رہی ہے کہ اس نے ماں سے اور بھائی سے بچھڑ کر بہت مشکل وقت گزارا ہے اور یہ تو ندا کی مہندی والی شام تھی جب زارون عباس نے اس کے سلکی بالوں کو ہاتھوں میں لیتے ہوئے اس کے کان میں فسوں پھونکا تھا۔

"تم بہت پیاری ہو جیا اور مجھے لگتا ہے جیسے میں تمہاری محبت میں گرفتار ہو گیا ہوں۔ بالوں کو موتیے کے پھولوں سے سجائے تم اس وقت دنیا کی سب سے خوب صورت لڑکی لگ رہی ہو۔"

اور رجاء حیدر نے اس وقت خود کو دنیا کی سب سے خوش قسمت لڑکی سمجھا تھا کہ وہ زارون عباس کی محبت تھی اور اس روز اس نے زارون عباس کی نظروں کو ہر جگہ اپنا تعاقب کرتے پایا تھا لیکن زہرا ہارون اور رجاء کو دیکھ کر کچھ اور ہی سوچ رہی تھیں اور اپنی سوچ کا اظہار انہوں نے ہارون سے بھی کر دیا تھا۔

"ہانی میں سوچ رہی ہوں ندا کی شادی کے ساتھ تمہاری اور رجاء کی منگنی کا بھی چھوٹا سا فنکشن رکھ دیا جائے تا کہ سب کو پتا چل جائے۔ پتا ہے آج مہندی کے فنکشن میں دو تین خواتین نے اس کے متعلق پوچھا۔ وہ لگ ہی اتنی پیاری رہی تھی کہ بیٹوں کی ماؤں کی نظریں اس پر ٹھہر جاتی تھیں۔"

’’اور آپ نے بھی بیٹے کی ماں بن کر اسے دیکھا۔‘‘ ہارون کا چہرہ چمک اٹھا تھا۔

’’ہاں۔‘‘ وہ زارون کے بیڈ پر بیٹھ گئی تھیں جو بظاہر اپنے فون کے ساتھ مصروف تھا لیکن اس کے چہرے کے عضلات تن گئے تھے۔

’’بلکہ میں سوچ رہی ہوں کہ فی الحال منگنی کا باضابطہ طور پر اعلان کردیں اور پھر دو تین ماہ بعد اس کے گریجویشن کے بعد شادی ہوجائے۔ ماشاء اللہ تم اچھی جاب پر ہو اپنی تعلیم مکمل کرچکے ہو تو شادی بھی ہوجانی چاہیے۔‘‘ اور اپنے دلی جذبات پر قابو پاتے ہوئے ہارون عباس مدھم سا مسکرایا تھا۔

’’لیکن ماما...... ابھی وہ پڑھ رہی ہے اور پھر اسے ماسٹر کرنے کا شوق ہے۔‘‘

’’تو کیا تم اسے پڑھنے سے منع کردو گے۔ پڑھتی رہے گی۔‘‘

’’وہ ڈسٹرب ہوجائے گی ماما۔‘‘ ہارون عباس کو اپنی خوشی سے زیادہ اس کا احساس تھا۔

’’تمہارے ساتھ ڈسٹرب نہیں ہوگی ہارون۔‘‘ زہرا ہنسی تھیں۔

’’اس کے حصے کی آدھی پڑھائی تو تم کرو گے نا۔‘‘ اور ہارون کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔

’’ٹھیک ہے ماما جیسے آپ کی مرضی۔‘‘ اور اپنے بیڈ پر بیٹھے زارون نے ہاتھ میں پکڑا فون بیڈ پر پٹخا تھا۔ غیر ارادی طور پر اس نے اپنی مٹھیاں بھینچ لی تھیں اور اس کی خوب صورت آنکھوں سے ناراضی کے رنگ جھلکنے لگے تھے۔

’’کیا ہوا زارون؟‘‘ ہارون نے پوچھا تھا۔

’’کچھ نہیں سگنل نہیں آرہے۔‘‘ وہ فون اٹھا کر لاؤنج میں چلا گیا اور زہرا بھی ہارون کی پیشانی چوم کر باہر نکل گئیں۔ یہ ہارون اور زارون کا کمرہ تھا۔ زارون جب سے آیا تھا ہارون کے کمرے میں ہی حیدر نے ایک اور سنگل بیڈ ڈلوا دیا تھا۔

زہرا لاؤنج میں بیٹھے زارون کے پاس آکر رکی تھیں اور ہر شب کی طرح اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر اس کی پیشانی چومی تھی اس نے بیزاری سے ان کے ہاتھ ہٹا دیئے۔

’’کیا ہوا زارون تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟‘‘ انہوں نے پریشان ہوکر اس کی طرف دیکھا اور بہت عرصہ بعد آج پھر انہیں اس کی آنکھوں میں خفگی اور ناراضگی نظر آئی تھی کہیں سعدون نے اسے واپس تو نہیں بلالیا۔ وہ گھبرائیں۔ جانتی تھی کبھی کبھار سعدون سے اس کی بات ہوتی ہے۔

’’زارون میری جان کیا بات ہے؟‘‘ وہ اس کے پاس ہی بیٹھ گئیں۔

’’ماما پلیز میرے لیے پریشان مت ہوا کریں۔ ہارون کی فکر کریں۔‘‘ اس کے لہجے میں بیزاری تھی۔

’’کیسی باتیں کررہے ہو زارون کیا مجھے تمہاری فکر نہیں ہوسکتی‘ کیا میں صرف ہارون کی ماں ہوں۔‘‘

’’ہاں‘ آپ صرف ہارون کی ماں ہیں مجھے تو وہاں ہی چھوڑ آئی تھیں۔‘‘ اس نے پھر سے گلہ کیا۔

’’ایسا مت کہو زارون تم دونوں ہی میرے دل کے ٹکڑے ہو ہارون میرے پاس تھا تم دور تھے تو میں تمہارے لیے زیادہ تڑپی ہوں۔‘‘

’’کہنے سے کیا ہوتا ہے ماما اگر آپ مجھے بھی ہارون کی طرح چاہتی ہیں تو ماموں سے میرے لیے رجا کی بات کریں۔‘‘

’’کیا کہہ رہے ہو زارون؟‘‘ زہرا کو لگا جیسے اس نے غلط سنا ہو۔

’’ماما میں کہہ رہا ہوں کہ مجھے جیا سے شادی کرنی ہے۔‘‘

’’لیکن یہ کیسے ہوسکتا ہے زارون میں نے دو سال پہلے عائشہ اور حیدر سے رجاء اور ہارون کی بات کی تھی۔ بس باضابطہ منگنی نہیں کی تھی کہ رجاء ابھی چھوٹی تھی اور حیدر کا خیال تھا کہ خوامخواہ بچوں کو ڈسٹرب نہ کیا جائے بس شادی سے کچھ ماہ پہلے اناؤنس کردیں گے۔‘‘ زہرا نے تفصیل

سجاد سے بتایا۔
"مجھے پہلے ہی علم تھا کہ آپ میری بات نہیں مانیں گی حالانکہ صرف بات ہی تو ہوتی ہے نا کون سا نکاح ہوا ہے کہ......"
"لیکن ہارون اور رجاء پسند کرتے ہیں ایک دوسرے کو......"
"میں بھی محبت کرتا ہوں رجاء سے اور رجاء......"
اس کے ہونٹوں کے گوشوں میں ایک طنزیہ سی مسکراہٹ ٹھہر سی گئی۔
"وہ بھی مجھ سے محبت کرتی ہے اور آپ کی محبت اب کیا فیصلہ کرتی ہے دیکھتا ہوں۔" اپنی بات کہہ کر وہ رکا نہیں تھا اور زہرا بیگم ساکت سی صوفے پر بیٹھی رہ گئی تھیں۔ کیا زارون ان کی ماں کا امتحان لے رہا تھا۔ اور یہ کس امتحان میں ڈال دیا تھا اس نے اور پھر یہ کیا کہہ رہا ہے کہ رجاء اس سے محبت کرتی ہے بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ رجاء اور ہارون تو بچپن سے ہی ساتھ تھے ہارون دس سال کا ہی تو تھا جب وہ یہاں آئی تھیں اور رجاء پانچ سال کی تھی۔ وہ پوری رات سو نہیں سکی تھیں اور پوری رات جاگنے کے باوجود وہ یہ فیصلہ نہیں کر پائی تھیں کہ وہ ہارون اور حیدر سے زارون کے متعلق بات کریں یا نہ کریں۔ اسی کشمکش میں ندا کی شادی بھی گزر گئی۔ وہ اپنی پریشانی میں تھیں اور ہارون بے حد مصروف ایک بیٹے کی طرح حیدر کے بہت سے کام اس نے اپنے ذمے لے رکھے تھے کبھی کیٹرنگ والوں کی طرف جا رہا ہے اور کبھی ہال کی ڈیکوریشن کروا رہا ہے انہیں احساس تک نہ ہوا کہ ندا کی شادی کے ہر فنکشن میں زارون رجاء کے ساتھ ساتھ ہی رہا۔ والہانہ نظروں سے اسے تکتا۔ جذبات میں ہلچل مچا دینے والی سرگوشیاں کرتا۔ اپنی محبتوں کا اعتراف کرتا۔ اور رجاء حیدر ایک لڑکی ہی تو تھی اس کی خوب صورت شخصیت اور خوب صورت باتوں کے سحر میں ڈوبتی چلی گئی ہارون اس کا بہت خیال رکھتا تھا بہت محبت کرتا تھا لیکن اس نے کبھی رجاء کے سامنے اپنے جذبوں کا اس طرح اظہار نہیں کیا تھا حالانکہ زہرا نے حیدر سے بات بھی کر لی تھی تب بھی اس نے اپنی کسی بات اور عمل سے کچھ ظاہر نہیں ہونے دیا تھا۔ لیکن یہ زارون عباس ہارون سے بالکل مختلف اس نے صرف تین دنوں میں رجاء حیدر کو اپنا دیوانہ بنا لیا تھا۔ ندا کی شادی ہوگئی تھی وہ دونوں فارغ تھے اور اپنے بی ایس سی کے رزلٹ کا انتظار کر رہے تھے زارون اپنا زیادہ وقت رجاء کے ساتھ گزارتا۔ کبھی دونوں بیٹھے کیرم کھیل رہے ہوتے۔ کبھی لاؤنج میں بیٹھ کر ٹی وی دیکھتے۔ غیر محسوس طور پر رجاء کی پسند ناپسند بدل گئی تھی۔ اب وہ فٹ بال کے بجائے کرکٹ میچ دیکھتی تھی کیونکہ زارون کو پسند تھا۔ وہ کھانے جو پہلے اسے پھیکے لگتے تھے اب اسے پسند تھے کیونکہ زارون کو پسند تھے اور اس ساری صورت حال سے بے خبر ہارون ان دنوں اپنا گھر بنانے کی تگ و دو میں تھا وہ رجاء کو شادی کے بعد اپنے گھر لے کر جانا چاہتا تھا بھلے بعد میں جہاں وہ رہنا چاہے رہ لے سوا اپنی جاب کے علاوہ وہ ایک پرائیویٹ کنسٹرکشن کمپنی کے لیے بھی کام کر رہا تھا اور اس نے فیصل ٹاؤن میں ایک پانچ مرلے کا گھر دیکھ لیا تھا اور اسے پسند بھی آیا تھا اور وہ اسے خرید سکتا تھا۔ اس روز گھر دیکھ کر وہ کچھ جلدی گھر آ گیا تھا وہ دونوں ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے انگلینڈ اور سری لنکا کے درمیان ہونے والا کرکٹ میچ دیکھ رہے تھے وہ حیران ہوا۔
"حیرت ہے جیا یہ تمہیں کرکٹ سے کیسے دلچسپی ہوگئی۔"
"بس اچھا لگتا ہے اب دیکھنا۔"
"وقت کے ساتھ انسان کی سوچ اور پسند میں کچھ تبدیلی آ ہی جاتی ہے بھائی اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔" زارون مسکرایا تھا۔
"ہاں شاید۔" وہ کچھ الجھ سا گیا تھا۔ اس نے رجاء کی طرف دیکھا اس کے لبوں پر شرمگیں سی مسکراہٹ تھی اور وہ زارون عباس کو دیکھ رہی تھی اس نے ہارون عباس کی طرف نہیں دیکھا تھا اس نے اسے نظر انداز کیا تھا وہ الجھا الجھا سا زہرا کے کمرے میں آیا تو زہرا کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

"کیا ہوا اماں آپ کچھ پریشان ہیں؟"
انہوں نے چونک کر ہارون عباس کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں نمی سی پھیل گئی اور اتنے دنوں سے جو بات وہ خود سے بھی کہتے ہوئے ڈر رہی تھیں وہ انہوں نے ہارون سے کہہ دی۔ ہارون ساکت سا کھڑا تھا۔ انہوں نے ہارون کی طرف دیکھا اور رونے لگیں۔ ہارون نے انہیں روتے دیکھا تو چونک کر ان کی طرف بڑھا۔ اور ان کے بیڈ پر ان کے پاس بیٹھتے ہوئے اس نے ان کے گرد اپنا بازو حمائل کرتے ہوئے انہیں اپنے ساتھ لگایا تو وہ زیادہ شدت سے رونے لگیں، اور وہ ہولے ہولے انہیں تھپکتے ہوئے اپنا ضبط آزمانے لگا۔

"میں کیا کروں ہانی میرے بچے وہ مجھے اس طرح کیوں آزما رہا ہے کیا ماںتا کو بھی آزمائش کی ضرورت ہوتی ہے کیا اسے بھی کسی پیمانے میں ناپا جاسکتا ہے۔ میں اس سے بہت محبت کرتی ہوں لیکن اس کی ایک غلط بات کیسے مان سکتی ہوں میں حیدر سے تمہارے لیے بات کرچکی ہوں۔"

"اس نے بہت محروم زندگی گزاری ہے۔ آپ کی محبتوں سے محروم اور پاپا نے بھی اسے وہ شفقت اور محبت نہیں دی جو دینی چاہیے تھی اگر اس کی خواہش پوری نہ ہوئی تو وہ مزید ٹوٹ جائے گا۔"

"لیکن وہ رجاء سے محبت نہیں کرتا ہارون وہ صرف میری ماںتا کو آزمارہا ہے۔" وہ ماں تھیں اس کے اندر تک جھانک سکتی تھیں۔ "کم از کم وہ اس سے اس طرح محبت نہیں کرتا جس طرح تم کرتے ہو۔" ہارون نے اپنے دل سے اٹھتی ٹیسوں پر قابو پانے کے لیے اپنا ہونٹ کچل ڈالا۔

"وہ سمجھتا ہے کہ رجاء اس سے محبت کرتی ہے لیکن ایسا کیسے ہوسکتا ہے ہارون؟" زہرا نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تو لاؤنج کا منظر اس کی آنکھوں کے سامنے آگیا۔ رجاء بدل گئی تھی۔ بدل رہی تھی اور اسے اپنی مصروفیات میں پتا ہی نہیں چلا۔ چودہ سالوں میں پہلی بار وہ رجاء سے اس طرح غافل ہوا تھا ورنہ تو اس کی ہر بات اس کی نظر میں ہوتی۔ اس نے آج صحیح طرح سے ناشتہ نہیں کیا۔ آج اس کا موڈ خراب تھا آج اس کے بالوں کا اسٹائل پہلے سے مختلف تھا۔

"ہارون ایسا نہیں ہوسکتا نا ٹھیک کہہ رہی ہوں نا میں؟"
"ہو بھی ہوسکتا ہے۔" ہارون نے چونک کر انہیں دیکھا اور کھڑا ہوگیا۔

"آپ بابا سے بات کرکے دیکھیں تو۔" اپنی بات کہہ کر وہ رکا نہیں تھا اسے لگا تھا جیسے اس کا دل بند ہونے لگا ہو۔ زہرا خاموشی سے اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ زندگی میں زہرا کے لیے اس سے بڑا امتحان اور کوئی نہیں تھا۔ اتنے بڑے امتحان کا سامنا انہیں کبھی نہیں کرنا پڑا تھا وہ جانتی تھیں ہارون کے لیے رجاء کیا ہے لیکن وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ زارون شکلاً ہی نہیں عادتاً بھی اپنے باپ پر گیا ہے۔ ضدی خود غرض اور خودسر انہوں نے اگر اس کی بات نہ مانی تو ممکن ہے وہ انہیں چھوڑ کر چلا جائے وہ جذباتی بھی ہے کہیں کچھ کر نہ بیٹھے۔ نہیں وہ ایک بار پھر اس کی جدائی کا دکھ برداشت نہیں کرسکتیں۔ ہارون بڑا ہے سمجھ دار ہے اس کا دل بھی بڑا ہے اور ظرف بھی۔ وہ شاید اس دکھ کو سہہ لے لیکن زارون نہیں سہہ سکے گا۔ ہارون صحیح کہتا ہے کہ وہ ٹوٹ جائے گا تب بے حد دکھے دل کے ساتھ انہوں نے حیدر سے سب کچھ کہہ دیا۔ حیدر حیرانی سے انہیں دیکھتے رہ گئے۔

"یہ کیسے ہوسکتا ہے آپا؟ میں نے تو ہمیشہ ہارون اور رجاء کے متعلق سوچا ہے؟" زارون بھی ان کا بھانجا تھا انہیں پیارا تھا لیکن ہارون تو ہارون تھا ان کا بیٹا ان کا لاڈلا۔

"وہ کہتا ہے رجاء بھی ایسا ہی چاہتی ہے۔ وہ بھی زارون سے......" زہرا بیگم نے نگاہیں جھکالی تھیں اور آنسو ان کے رخساروں پر پھسل آئے تھے اور حیدر کے لیے رجاء کی مرضی اس کی آرزو اس کی خواہش تو سب سے اہم تھی۔

"ٹھیک ہے آپا فیصلہ رجاء پر چھوڑ دیتے ہیں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔" اور رجاء نے زارون کے حق میں فیصلہ دیا تھا کیونکہ زارون نے اس کے دل کو نئے انداز میں

معروف مصنف و کالم نگار مشتاق احمد قریشی کے قلم سے ایک اور شاہکار

بہم خیال

مشتاق احمد قریشی

شائع ہو گئی ہے

دھڑکنا سکھایا تھا۔ زاروں اور رجاء کی منگنی ہوگئی اور شادی دو سال بعد طے پائی تھی۔ ہارون پہلے سے زیادہ سنجیدہ ہوگیا تھا ایک حزن سا اس کی آنکھوں میں ٹھہر گیا تھا لیکن وہ اب بھی رجاء کا اتنا ہی خیال رکھتا تھا اور رجاء بھی ہر کام اسی سے کہتی تھی اور یہ بات زاروں کو اچھی نہیں لگتی تھی اس نے سال بعد ہی شادی کا شور مچا دیا تھا۔

''لیکن تم اپنی تعلیم مکمل کرلو زاروں اور رجاء بھی۔ ایک سال ہی تو رہتا ہے۔'' زہرا نے سمجھایا۔

''جیا کو پڑھائی سے دلچسپی نہیں ہے۔'' اس نے پھر رجاء کے کندھے پر رکھ کر بندوق چلائی تھی۔ ''رہا میں تو شادی کے بعد بھی اپنی ایجوکیشن کمپلیٹ کرسکتا ہوں یوں اگر وہ چاہے تو وہ بھی پڑھ سکتی ہے۔''

زہرا چاہتی تھیں کہ ہارون بڑا ہے برسر روزگار ہے اور زاروں کے ساتھ ساتھ اگر اس کی بھی شادی ہوجائے۔ عائشہ کی بھانجی انہیں پسند تھی لیکن ہارون نے منع کردیا۔

''میں نے اسکالرشپ کے لیے اپلائی کیا ہے اور دو تین ماہ تک میں ایم ایس سی کے لیے باہر چلا جاؤں گا اس لیے آپ زاروں کی شادی کردیں مجھے فی الحال نہیں کرنی۔'' یوں زاروں اور رجاء شادی کے خوب صورت بندھن میں بندھ گئے تھے زاروں نے شادی سے پہلے شادمان میں ایک فلیٹ کرائے پر لے لیا تھا اور رجاء کو وہ وہاں ہی رخصت کروا کے لے گیا تھا زہرا بھی اس کے ساتھ ہی آ گئی تھیں۔

''شادی کے بعد لڑکیاں اگر میکے میں ہی رہیں تو ان کی عزت نہیں رہتی۔ مجھے گھر داماد بن کے رہنا پسند نہیں ہے جیا'' اس نے رجاء سے کہا تھا اور حیدر اور عائشہ کو اس کی یہ بات پسند آئی تھی انہیں لگا تھا کہ وہ شادی کی ذمہ داریوں کو سمجھتا ہے۔ وہ رجاء کو خوش رکھے گا رجاء خوش تھی تو وہ سب خوش تھے۔ ہارون چھ ماہ بعد ہی امریکہ چلا گیا تھا۔ وہ وہاں پڑھائی کے ساتھ ساتھ جاب بھی کر رہا تھا زاروں نے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد جاب کرلی تھی اچھی سیلری تھی حیدر مطمئن تھے۔ عائشہ اور زہرا بھی زاروں اور رجاء کی شادی کے لیے دل سے رضامند نہیں تھیں اب مطمئن تھیں۔ کچھ عرصے بعد ہارون نے زہرا کو بھی اپنے پاس بلا لیا تھا۔ زہرا کے پاس امریکن پاسپورٹ تھا انہیں وہاں جانے کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ لیکن وہ خود ہی نہیں جانا چاہتی تھیں۔ حالانکہ ہارون تو ساتھ ہی لے جانا چاہتا تھا مگر اب اس کے بار بار کے اصرار پر مجبور ہو گئیں۔ کچھ عرصہ بعد زاورن نے بھی امریکہ جانے کا پروگرام بنالیا۔ رجاء گھبرا گئی۔

''میں ساری زندگی کرائے کے گھر میں نہیں رہ سکتا جیا اور یہاں رہ کر میں وہ سب کچھ حاصل نہیں کرسکتا۔ پاپا اور چھوٹی ماما بھی اب چاہتی ہیں کہ میں وہاں ہی سیٹل ہوجاؤں۔''

''اور میں...... میں یہاں اکیلی کیسے رہوں گی تمہارے بغیر؟'' وہ رو پڑی تھی۔

''میں جلد تمہیں بلوا لوں گا۔'' اس نے اسے تسلی دی تھی۔

''بس کچھ وقت لگے گا میں جاتے ہی تمہارے پیپرز جمع کروا دوں گا۔ لیکن تم یہاں ہی رہو گی اسی گھر میں شادی کے بعد شوہر کا ہی گھر عورت کا گھر ہوتا ہے مجھے نہیں پسند کہ میرے چلے جانے کے بعد تم میکے میں جا کر رہو۔''

اور یوں اس کی تنہائی کے خیال سے حیدر اس کے پاس آ گئے تھے۔ عون اس کے جانے کے چھ ماہ بعد پیدا ہوا تھا۔ اور عائشہ کی وفات کے بعد حیدر اپنا گھر کرائے پر دے کر اس کے پاس مستقل آ گئے تھے۔ لیکن انہیں مستقل یہاں نہیں رہنا تھا۔ وہ زاروں کو فون کر کے واپس آنے کا کہتے تو وہ انکار کردیتا۔ رجاء کو اپنے پاس بلانے کا کہتے تو وہ ٹال دیتا کہ اس نے پیپرز جمع کروا رکھے ہیں۔ تب حیدر نے اس کے رویے سے پریشان ہو کر زہرا اور ہارون سے بات کی تو ہارون نے انہیں تسلی دی تھی۔

''بابا آپ پریشان نہ ہوں وہ اگرچہ یہاں نہیں نیویارک میں رہتا ہے وہاں ہی اس کی جاب ہے لیکن تقریباً مہینے بعد وہ نیوجرسی آتا ہے۔ ابھی چند دن پہلے ہی

ماما نے اس سے بات کی تھی وہ اتنا لاپروا ہے کہ اس نے ابھی تک جیاء کے پیپرز ہی جمع نہیں کروائے۔ میں اب خود جا کر جمع کرواتا ہوں۔ وکیل سے بات کرلی ہے لیکن اس میں وقت لگے گا۔ میں ماما اور زارون دو تین ہفتوں تک آرہے ہیں۔ میں تو دس دن بعد واپس آجاؤں گا لیکن زارون اور ماما وہاں ہی رہیں گے۔" ہارون نے تفصیل سے بات کی تو حیدر کو تسلی ہوئی تھی اور وہ مطمئن ہوگئے تھے۔

"ماما...... ماما۔" اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ عون اس کے بازو پر ہاتھ رکھے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنے ننھے ننھے ہاتھ اس کے رخساروں پر پھیرنے لگا۔

"عون...... میری جان کیوں تنگ کرتے ہو اپنی ماما کو۔" اس نے عون کو اپنے دونوں بازوؤں میں بھینچ لیا۔

"اب نہیں تنگ کروں گا۔" وہ ابھی دو سال کا نہیں ہوا تھا لیکن بہت صاف بولتا تھا۔ عون نے اس کے رخساروں پر پیار کیا۔ اور پھر اس کے بازوؤں کے حلقے سے نکل کر صوفے پر پڑے اپنے کپڑے اٹھا کر لے آیا۔

"اچھے کپڑے۔"

"عون...... میری جان۔" وہ ایک بار پھر اسے اپنے بازوؤں میں لیے رو رہی تھی زارون نے اس سے محبت کی تھی پھر کیوں اسے اپنی زندگی سے نکال دیا تھا۔ کیوں اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ وہ زارون عباس کی محبت تھی لیکن نہیں وہ زارون عباس کی محبت نہیں اس کی ضد تھی۔ رجاء حیدر زارون عباس کی ضد تھی۔

❀...... ❀...... ❀...... ❀

بھاگتے بھاگتے اس کے پاؤں میں کانچ کا کوئی ٹکڑا چبھا تھا۔ ایک سسکاری سی اس کے لبوں سے نکلی اور وہ یک دم بیٹھ گئی۔ اس نے پاؤں سے کانچ کا ٹکڑا کھینچ کر نکالا تو خون بھل بھل کرکے اس کے پاؤں کے تلوے سے بہہ نکلا۔ وہ پاؤں پر ہاتھ رکھے متوحش نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی یہ بڑی مارکیٹ کی بیک سائیڈ تھی جس کے سامنے والے فٹ پاتھ سے بھاگ کر وہ گلی کی طرف مڑی تھی۔ سامنے دو تین دکانوں کے پچھلے دروازوں پر ہلکی روشنی کے بلب جل رہے تھے۔ آس پاس ادھر اُدھر کوئی نہیں تھا۔ وہ سر جھکا کر پھر پاؤں سے بہتے خون کو دیکھنے لگی تھی جب اس نے گلی میں قدم رکھا لمحہ بھر رک کر چاروں طرف دیکھا اور پھر اس کی نظروں نے اسے زمین پر بیٹھے دیکھ لیا اس نے ایک بار پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی اور یہ اس کی چھٹی حس تھی کہ یک دم اس نے سر موڑ کر پیچھے دیکھا اور پاؤں سے بہتے خون کی پروا کیے بغیر اٹھ کر بھاگ پڑی۔ وہ لبوں پر مسکراہٹ سجائے بہت اطمینان سے لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کے پیچھے آرہا تھا۔ جانتا تھا کہ اب اسے اس سے کوئی نہیں بچاسکتا۔ وہ اس کی دسترس میں تھی اس کے قریب پہنچ کر اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا بازو پکڑا اس کی چیخ نکل گئی۔

"ش......" اس نے دوسرے ہاتھ کی شہادت کی انگلی اپنے ہونٹوں پر رکھی۔ "آواز نکلی تو گلا گھونٹ دوں گا۔" اس کے چہرے پر بکھری مسکراہٹ کے برعکس اس کی آواز میں بلا کی سفاکی تھی۔ تب ہی دائیں طرف والا دروازہ کھلا اور وہ باہر نکلی۔ یہ ایک کلینک کا پچھلا دروازہ تھا اور وہ عموماً شارٹ کٹ کے لیے اسی دروازے کو استعمال کرتی تھی۔ اسی گلی سے نکل کر روڈ کراس کرکے وہ ایک پرائیویٹ ورکنگ ویمن ہاسٹل میں رہتی تھی۔ اس نے بلب کی روشنی میں اپنے سامنے کھڑے مرد کو دیکھا اور پھر اس عورت کو جس کا بازو اس نے پکڑ رکھا تھا اور اسے پہچاننے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی یہ تو وہی تھا بھیڑیا اور وہ ننگے سر کھڑی عورت۔

"نہیں۔" اس کے لبوں سے نکلا۔

"ہے...... چھوڑو اسے غلیظ انسان۔" وہاں ہی کھڑے کھڑے اس نے کہا تو اس مرد نے مڑ کر اسے استہزائیہ نظروں سے دیکھا۔

"جاؤ جاؤ بی بی اپنا کام کرو۔ اپنی راہ لو دوسروں کے معاملات میں دخل مت دو۔ میری بیوی ہے۔ پاگل پن کے دورے پڑتے ہیں اسے۔ اسی حالت میں گھر سے نکل آئی ہے۔"

"دوسروں کے معاملات۔" اس نے مرد کی طرف

دیکھا۔ کلینک کے دروازے پر لگے بلب کی روشنی سیدھی مرد کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔

"عدیل عمر شفقت ہیلپ ی۔" وہ پوری طاقت سے چلائی اور کلینک کے ادھ کھلے دروازے سے یک بعد دیگرے تین افراد نمودار ہوئے۔

"کیا ہوا میم؟" تینوں کے لبوں سے ایک ساتھ نکلا۔

"یہ......" اس نے مرد کی طرف اشارہ کیا جس نے ان تینوں کو دیکھتے ہی گھبرا کر پگلی کا بازو چھوڑ دیا تھا۔

"یہ ان کو کچھ غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہ میری کزن ہے اس کا دماغی توازن درست نہیں ہے۔"

"عدیل یہ بکواس کر رہا ہے کچھ دیر پہلے یہ اسے بیوی کہہ رہا تھا۔ یہ میری وہی آپی ہیں جن کا میں نے تم سے ذکر کیا تھا۔"

"غلیظ انسان۔" عدیل اور عمر تیر کی طرح اس کی طرف بڑھے۔ چند سال پہلے عدیل کی گیارہ سالہ ابنارمل بہن یوں ہی گلی میں اس جیسے کسی انسان کی درندگی کا شکار ہوئی تھی۔ سواسے مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ کچھ کہے بنا ہی وہ سمجھ گیا تھا وہ تیزی سے اس کے قریب آئی جو وہاں ہی ساکت کھڑی اپنے پاؤں سے بہتے خون کو دیکھ رہی تھی۔

"آپی...... آپی کہاں چلی گئی تھیں آپ کتنا ڈھونڈا میں نے آپ کو۔" وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی اس کی آنکھوں میں پہچان کے رنگ نہیں تھے لیکن ان میں اب پہلی سی وحشت اور ڈر بھی نہیں تھا۔

"آپی......" اس نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ اس کی نظر اس کے پاؤں پر گئی خون اس طرح پاؤں کے تلوے سے بہہ بہہ کر پاؤں کے اردگرد اکٹھا ہو رہا تھا۔

"اوہ...... مائی گاڈ۔ شفقت...... شفقت پلیز ویل چیئر لے آؤ۔ ان کا پاؤں زخمی ہے بہت بلیڈنگ ہو رہی ہے۔" اس نے شفقت سے کہا اور مڑ کر اسے دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں تکلیف کے آثار تھے لیکن وہ دلچسپی سے عدیل اور عمر کو اس کی پٹائی کرتے دیکھ رہی تھی۔ شفقت فوراً ہی چیئر لے آیا تھا۔ اس نے اس کے کندھوں پر دباؤ ڈال کر اسے بیٹھایا اور کلینک میں لے آئی۔ کلینک میں داخل ہوتے ہوئے اس نے مڑ کر اسے دیکھا وہ لڑکھڑاتا ہوا جا رہا تھا۔ عدیل نے ٹھیک ٹھاک اس کی دھنائی کی تھی۔

"میں نے آپ کو بہت ڈھونڈا آپی۔ جب سے لیبیا سے آئی ہوں تب سے آپ کو ڈھونڈ رہی ہوں۔" اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ نیچے زمین پر بیٹھی اس کے پاؤں کا جائزہ لے رہی تھی۔

"یہ آپ کی سگی بہن ہے سسٹر۔" شفقت نے اسپرٹ میں بھیگی ہوئی روئی اسے پکڑاتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔" وہ اس کی سگی بہن نہیں تھی لیکن اسے اس کا خیال رکھنا تھا اس کا علاج کروانا تھا اس کی دیکھ بھال کرنی تھی اور اس کے اپنوں کو ڈھونڈنا تھا وہ صرف ان دعاؤں کی ہی قرض دار نہیں تھی جو اس کے بابا اسے دیا کرتے تھے بلکہ وہ اس کی بھی قرض دار تھی۔ وہ قابتہ نورین تھی اس کی قرض دار۔

❁......❁......❁......❁

"میں اسے کہاں ڈھونڈوں کہاں تلاش کروں۔" عون عباس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے زارون عباس کا دل جیسے پگھل کر پانی ہوا۔ دنیا کی بھیڑ میں وہ جانے کہاں کھوگئی تھی۔ ساڑھے چار سال پہلے جب اس نے بمشکل زارون عباس کو پاکستان آنے کے لیے تیار کیا تھا اور ابھی وہ پاکستان آنے کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ روانے اسے حیدر کی ڈیتھ کی اطلاع دی تو وہ بلک بلک کر رو دیا تھا۔ حیدر نے اسے باپ کی کمی محسوس نہیں ہونے دی تھی۔ وہ ان کا لاڈلا تھا اور اتنے سالوں سے ان سے ملنے نہیں گیا تھا تو صرف اس لیے کہ وہ ابھی تک رجاء حیدر کا خیال دل سے نکال نہیں پایا تھا وہ اس طرح اس کے دل کے سنگھاسن پر قبضہ جمائے بیٹھی تھی اور وہ خود سے ڈرتا تھا کہ کہیں رجاء کو سامنے دیکھ کر اس کا دل بے اختیار نہ ہوجائے وہ اب اس کے پیارے بھائی زارون کی بیوی تھی۔ اور اس نے بابا کے ساتھ زیادتی کردی تھی انہوں

نے کبھی اس کی بات نہیں ٹالی تھی۔ جب وہ رجاء اور زارون کی شادی کا فیصلہ کرتے ہوئے تذبذب تھے تو یہ وہی تھا جس نے انہیں راضی کیا تھا۔

"زندگی میں ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا بابا جیسا ہم چاہتے ہیں۔ زارون اور رجاء ایک دوسرے کے ساتھ خوش رہیں گے۔" لیکن ایسا نہیں ہوسکا تھا۔ حیدر کے خدشات صحیح تھے۔ زارون امریکہ آ کر رجاء کو فراموش کر بیٹھا تھا۔ زہرا اور ہارون اسے کچھ کہتے تو وہ چڑ جاتا۔

"اگر وہ اکیلی ہے تو کیا ہوا۔ بلوا لوں گا اسے۔ باپ ہے نا اس کے پاس۔"

"اب وہ تمہاری ذمہ داری ہے زارون، حیدر کی نہیں۔" اس سنڈے وہ آیا تو زہرا نے سمجھایا تھا۔

"آپ کو بھی ذمہ داری کا پتا ہے آپ تو میری ذمہ داری سے جان چھڑا کر چلی گئی تھیں تو جو کام آپ نے نہیں کیا اس کا سبق مجھے مت دیا کریں۔" وہ تلخ ہوا تھا اور اس روز وہ بہت روئی تھیں۔ اس کا ذہن اتنا زہرآلود ہو چکا تھا کہ ان کی محبتیں ہارون کی قربانی کچھ بھی اس زہر کا تریاق نہیں بن سکا تھا۔ ہارون حیدر کو تسلیاں دیتا لیکن خود مطمئن نہیں تھا وہ زارون سے پیپرز جمع کروانے کے لیے اصرار کرتا تو وہ چڑ جاتا۔

"آپ کو کیوں بے چینی ہے۔ نہیں بلوانا مجھے اسے۔" پھر بھی اس نے کسی نہ کسی طرح خود زارون کو ساتھ لے جا کر اس کے پیپرز جمع کروائے تھے۔ اور پاکستان جانے کے لیے اسے تیار بھی کیا تھا۔

"جیاء کی تمہیں پروا نہ ہو زارون لیکن عون تو تمہارا بیٹا ہے نا۔" اور اس بار زارون خاموش ہو گیا تھا۔ وہ سب کتنے خوش تھے۔ زہرا کے ساتھ جا کر اس نے رجاء اور عون کے لیے ڈھیروں شاپنگ کی تھی۔ لیکن زارون وعدہ کر کے پھر غائب ہو گیا تھا۔ وہ اس کے منتظر تھے کہ کراچی سے ردا کا فون آ گیا۔ وہ اڑ کر پہنچنا چاہتا تھا لیکن زہرا زارون کے بغیر نہیں جانا چاہتی تھیں۔

"اگر ہم چلے گئے تو پھر شاید وہ کبھی واپس پاکستان نہ جائے میں حیدر کا منہ نہیں دیکھ سکی اب چار دن بعد چلے جائیں تو کیا۔ لیکن زارون کو ساتھ ہی لے کر جانا ہے ایک بار عون کو گود میں لے گا تو اس کی محبت اسے ضرور زنجیر کر دے گی یہ اولاد کی محبت اتنی ہی ظالم ہوتی ہے ہارون۔" لیکن یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ زنجیر تو وہ پہلے ہی کاٹ چکا ہے۔

ہارون بے بس تھا تڑپ رہا تھا۔ رجاء بالکل اکیلی تھی تنہا تھی اور وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ ردا اس کے لیے پریشان تھی بار بار پوچھتی وہ کب پاکستان جا رہا ہے۔ زارون کا فون بند تھا۔ وہ نیویارک جا کر بھی دیکھ آیا تھا اس کے فلیٹ پر تالا لگا ہوا تھا۔ لینڈ لیڈی نے بتایا تھا کہ وہ گھر چھوڑ کر شاید واشنگٹن چلا گیا ہے۔ تب اس نے فیصلہ کر لیا کہ اب انتظار فضول ہے۔

"میں سیٹیں بک کروانے جا رہا ہوں ماما۔ پندرہ دن ہو گئے ہیں بابا کو اس دنیا سے رخصت ہوئے اور ہم یہاں بلاوجہ ہی زارون کا انتظار کر رہے ہیں۔"

❀......❀......❀......❀

"بابا......" عون نے یک دم ہی آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

"میں نے کیا کہا تھا کہ آنکھیں بند کر کے سو جائیں۔" اس نے چونک کر عون عباس کی طرف دیکھا۔

"میں نے آنکھیں بند کیں لیکن نیند نہیں آئی۔" وہ معصومیت سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"کوشش کرو نیند آ جائے۔"

"لیکن مجھے اِدھر نہیں سونا۔ مجھے آج دادو کے پاس سونا ہے انہوں نے پرامس کیا تھا کہ وہ آج مجھے کہانی سنائیں گی۔"

"تو میں کہانی سناتا ہوں اپنی جان کو۔"

"آپ کو اچھی کہانی نہیں آتی۔" وہ بیڈ سے نیچے اترا۔ چند قدم چلا اور پھر مڑ کر اسے دیکھا اس کی آنکھوں میں بلا کی چمک تھی۔

"مجھے آپ کو کچھ دکھانا بھی تھا۔" اسے جیسے اچانک یاد آیا تھا اب وہ ہولے ہولے وارڈ روب کی طرف جارہا تھا۔ اس نے وارڈ روب کی دراز کھولی کچھ نکالا اور پھر اس کی طرف رخ کرتے ہوئے ہاتھ پیچھے کرلیے اور ہولے ہولے چلتا ہوا اس کے بیڈ کے قریب آیا۔

"بتائیں میرے پاس کیا ہے؟"

"پتا نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں بتاؤں کیا ہے...... یہ......" اس نے ہاتھ آگے کیے۔ وہ نم آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا اس کا میٹل کالا ہوگیا تھا لیکن اس کے نگینے اس طرح چمک رہے تھے یہ کراؤن تھا اس کی کوئین کا کراؤن۔

❀...... ❀...... ❀...... ❀

"اور تمہارا فون کیا ابھی تک ٹھیک نہیں ہوا۔"

"نہیں۔ بابا نے کہا تھا وہ کسی اور کو دکھائیں گے لیکن بابا......" وہ رونے لگی۔ ہارون سے اس کا رونا برداشت نہیں ہوا۔

"ماما سے بات کرو۔" اور وہ پھوپو سے بات کرہی رہی تھی کہ فون بند ہوگیا ریسیور کریڈل پر ڈال کر وہ واپس آئی تو عون اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"آپ کی دادو اور انکل آرہے ہیں عون۔" وہ کئی بار اسکائپ پر زہرا سے بات کرچکا تھا البتہ ہارون سے کم ہی بات ہوتی تھی اس کی۔ وہ اسکائپ آن کرکے زہرا کے حوالے فون کرکے خود منظر سے غائب ہوجاتا تھا۔

"کیا پاپا اور بابا بھی۔" عون نے خوش ہوکر پوچھا۔

"ہاں شاید پاپا بھی۔" ردا نے بتایا تو تھا کہ پھوپو زارون کو ساتھ ہی لے کر آنا چاہتی ہیں۔

"بابا بھی...... بابا بھی۔" وہ اچھلنے لگا تھا۔

"بابا نہیں آئیں گے عون۔ بابا اب کبھی نہیں آئیں گے۔" وہ اس کے پاس ہی صوفے پر بیٹھ کر رونے لگی تھی۔ عون نے اچھلنا بند کردیا تھا اور ماں کو دیکھ رہا تھا۔ تب ہی بیل ہوئی۔ وہ یک دم خوف زدہ ہوکر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ بیل پھر ہوئی تو وہ ڈرتی ڈرتی دروازے تک آئی۔ ڈور آئی سے باہر دیکھا۔ زارون ہینڈ کیری کا ہینڈل پکڑے کھڑا تھا اس نے دروازہ کھول دیا۔

"زارون......!" اسے دیکھتے ہی اس کی آنسو بہنے لگے۔

"بابا چلے گئی زارون۔" اس کے قدم اندر رکھتے ہی وہ ایک دم اس سے لپٹ کر رونے لگی۔ زارون نے ناگواری سے اسے الگ کیا اور ہینڈ کیری دھکیلتا لاؤنج کے وسط میں آیا۔ اب وہ دلچسپی سے صوفے پر بیٹھے عون عباس کو دیکھ رہا تھا اور عون عباس اسے۔ پھر وہ مسکرایا اور انگلی سے اس کی طرف اشارہ کیا۔

"پاپا......"

"پاپا کی جان۔"

یک دم ہینڈ کیری کا ہینڈل چھوڑ کر اس نے نیچے کارپٹ پر بیٹھے ہوئے بچے کے لیے اپنے بازو پھیلائے۔ عون عباس صوفے سے اتر کر اس کی بانہوں میں سما گیا۔ وہ کتنا پیارا تھا۔ کتنا کیوٹ تھا اس کا بیٹا جسے وہ پہلی بار دیکھ رہا تھا اور جسے اس نے ان دو سالوں میں ایک بار بھی دیکھنے کی خواہش نہیں کی تھی۔

رجاء اب بھی کھڑی آنسو بہا رہی تھی وہ عون عباس کو لے کر صوفے پر بیٹھ گیا اور اسے چومنے لگا۔ اس کے ہاتھوں کو اس کی پیشانی کو رخساروں کو اور یہ کتنا خوب صورت منظر تھا۔ رجاء اس منظر میں کھوی گئی آج بابا ہوتے تو زارون کو دیکھ کر کتنا خوش ہوتے اور بابا کے ساتھ ہی اسے یاد آیا کہ اس رات زارون نے کیا کہا تھا۔

"آپ نے مجھ سے وہ سب کیوں کہا تھا زارون۔" اس رات کی بات یاد آتے ہی وہ گلہ کر بیٹھی۔

"اس لیے کہ میں تمہارے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتا۔ کیا تمہیں ابھی تک پیپرز نہیں ملے حیرت ہے۔"

"کیسے پیپرز۔" اس کی آنکھوں میں غم، دکھ حیرانی سب کچھ تھا۔

"طلاق کے پیپرز۔" زارون نے نظریں چرائیں۔

"کیا تمہیں بابا نے نہیں بتایا تھا کہ میں نے تمہیں

طلاق دے دی ہے اور پیپرز بھجوا رہا ہوں۔" اس کی رنگت سپید پڑ گئی تھی اور ہونٹ لرزنے لگے تھے۔ سر غیر ارادی طور پر نفی میں ہل رہا تھا۔

"وہ اگر بابا نے نہیں بتایا تو سن لو میں نے تمہیں بقائمی ہوش وحواس میں طلاق دی تھی۔"

"تو اس رات......" اس کی آنکھیں خون رنگ ہوگئیں اور اس نے انگلی اٹھا کر اس کی طرف اشارہ کیا۔

"تم قاتل ہو میرے بابا کے قاتل......زارون عباس میرے گھر سے نکل جاؤ ابھی اور اسی وقت۔"

"میں یہاں رہنے نہیں آیا۔"

"تو پھر کیا کرنے آئے ہو؟"

"اپنے بیٹے کو لینے......" وہ عون عباس کو اٹھا کر کھڑا ہوگیا۔

"نہیں یہ میرا بیٹا ہے تمہارا کوئی حق نہیں ہے اس پر۔" وہ عون کو اس سے چھیننے لگی۔

"تم نے میرے بابا کو مارا ہے قاتل ہو تم۔ میرا بیٹا مجھے دو۔"

"پیچھے ہٹو......" زارون نے اسے ہلکا سا دھکا دیا تو وہ پیچھے صوفے سے ٹکرائی اور وہ ایک ہاتھ سے ہینڈ کیری کا ہینڈل پکڑتا اور دوسرے ہاتھ میں اسے اٹھائے تیزی سے دروازے سے باہر نکل گیا۔

"ماما......" عون رونے لگا۔ وہ پیچھے بھاگی۔

"میرا بیٹا......میرا بچہ مجھے دے دو۔ مجھ پر ظلم نہ کرو۔" وہ روتی ہوئی روڈ تک اس کے پیچھے آئی تھی لیکن اسی اثنا میں وہ ٹیکسی روک کر اس میں بیٹھ چکا تھا وہ سڑک پر اکیلی کھڑی رہ گئی تھی۔ عون کے رونے کی آواز اس کے کانوں میں آرہی تھی۔ وہ رات کے اس وقت وہاں اکیلی تھی۔ یک دم وہ خوف زدہ ہوکر روتے ہوئے مڑی۔

اس نے روم کی کھڑکی سے اسے دیکھا تھا جب وہ زاورن کو پکارتی ہوئی باہر نکل کر اس کے پیچھے بھاگی تھی اور اب وہ اسے روتے ہوئے واپس آتے دیکھ رہا تھا اس نے ہاتھ میں پکڑا سگریٹ ایش ٹرے میں پھینکا اور اپنے روم سے نکلا۔ لاؤنج خالی پڑا تھا۔ ہر طرف خاموشی تھی سب سو چکے تھے دبے قدموں وہ باہر نکلا اور چند لمحے ساتھ والے دروازے پر کھڑا رہا۔ اور پھر بیل دینے کے لیے اس نے ہاتھ اوپر کیا ہی تھا کہ اسے لگا دروازہ کھلا ہوا ہے اس میں ہلکی سی جھری تھی اس نے دروازہ ٹھیک طرح سے بند نہیں کیا تھا کہ لاک ہوجاتا۔ وہ لاؤنج کے وسط میں گھٹنوں پر سر رکھے بیٹھی تھی اس نے اس کے پیچھے جاکر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"زارون۔" اس کے لبوں سے نکلا اور اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور گھبرا کر کھڑی ہوگئی۔

"آپ؟"

"سوری میں نے آپ کو روتے ہوئے گھر آتے دیکھا تو خیریت پوچھنے چلا آیا سب خیریت ہے ناں؟"

"خیریت......خیریت کہاں ہے۔" وہ ذرا سی ہمدردی پاکر بکھر گئی تھی۔

"وہ......زارون میرا بیٹا چھین کر لے گیا ہے۔"

"کیوں؟" اس کی سوالیہ نظریں اس کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

وہ ٹوٹ رہی تھی بکھر رہی تھی۔ اور وہ اس کے سامنے کھڑا بہت ہمدردی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"زاورن نے مجھے طلاق دے دی اور میرے بیٹے کو چھین کر لے گیا ہے۔" وہ زاروقطار رو رہی تھی۔ وہ اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا سوائے اس کے کہ وہ یہاں اپنے والد کے ساتھ رہتی تھی اور اس کا شوہر کہیں باہر ہوتا تھا۔ اس کی آنکھیں یک دم چمک اٹھیں تھیں۔ یہ اس کے سامنے بیٹھی آنسو بہاتی عورت پہلے ہی دن سے اسے بھا گئی تھی اس وقت تنہا تھی اکیلی تھی اور دکھ سے ٹوٹ رہی تھی۔ ایسی عورت بہت آسان شکار ہوتی ہے۔

"پلیز بیٹھیں۔" اس نے اپنے ہاتھ اس کے کندھوں پر رکھے اور ہلکا سا دباؤ ڈال کر اسے صوفے پر بٹھایا۔

"اور مجھے بتائیں میں آپ کے لیے کیا کرسکتا ہوں۔" وہ اسی طرح زاروقطار رو رہی تھی۔ وہ مڑا اور کچن سے پانی

لے آیا۔
"پلیز یہ پانی پی لیں اور مجھے ساری بات بتائیں کہ وہ بچے کو لے کر کہاں گیا ہے۔" اس نے روتے روتے نفی میں سر ہلایا اور اس کی نظر صوفے پر فیڈر پر پڑی۔
"وہ دودھ نہیں پی رہا تھا کیونکہ اسے چپس کھانے تھے۔" وہ اور شدت سے رونے لگی۔ وہ اس کے قریب ہی صوفے پر بیٹھ گیا اور گلاس اس کے منہ سے لگایا۔ اس نے ایک گھونٹ بھر کر گلاس پرے کر دیا۔ اسے احساس نہیں تھا کہ ایک اجنبی فرد اس کے اتنے قریب بیٹھا ہے۔ اس نے اٹھ کر گلاس سینٹر ٹیبل پر رکھا اور ایک بار پھر صوفے پر اس کے قریب بیٹھ گیا۔
"آپ کے شوہر کب سے باہر ہیں؟"
"وہ عون کی پیدائش سے پہلے ہی چلے گئے تھے اور عون اب دو سال کا ہونے والا ہے۔" اس نے لبوں پر زبان پھیری۔ اسے زیر کرنا تو بہت آسان ہوگا۔
"پھر اب آپ نے کیا سوچا ہے......؟" وہ ذرا سا اس کے قریب کھسکا۔
"ہارون بھائی اور میری پھوپو کل آ رہی ہیں وہ خود ہی زارون سے بات کر لیں گے۔" ان کا خیال آنے پر اس نے ذرا سا اطمینان محسوس کیا تھا۔ اس کے ایک آنسو پر تڑپ اٹھنے والا ہارون بھلا اسے یوں تڑپتے ہوئے دیکھ سکتا تھا۔ وہ عون عباس کو لے آئے گا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ بے چین ہو گئی تھی۔
"میرے بغیر وہ کیسے رہے گا۔ وہ بہت رو رہا ہوگا۔ میرا عون۔" ایک بار پھر آنسو اسی روانی سے بہنے لگے تھے۔
"کل کس وقت؟" وہ ذرا سا اور اس کے قریب ہوا۔
"یعنی آج ہی موقع ہے۔" اس کا ہوس زدہ دل اس کی قربت کے لیے تڑپ رہا تھا۔ یک دم ہاتھ بڑھا کر اس نے اسے اپنے قریب کر لیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے آنسو پونچھے۔
"مت روئیں پلیز آپ کے رونے سے میرے دل کو کچھ ہو رہا ہے۔" ایک جھٹکے سے اس نے خود کو اس کے بازو کے حلقے سے نکالا اور خوف زدہ نظروں سے اس کی آنکھوں میں ناچتی ہوس کو دیکھا۔ اور کھڑی ہو گئی۔ وہ اطمینان سے صوفے پر بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔ بھلا یہ کمزور سی لڑکی اس سے بچ کر کہاں جا سکتی تھی۔
"آپ پلیز گھر جائیں۔"
"میں جانے کے لیے نہیں آیا سویٹی۔" اس نے بیٹھے بیٹھے ہی اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی۔
"شٹ اپ۔" اس نے اس کا ہاتھ جھٹکا۔
"آج تک کسی نے اعظم بیگ کو شٹ اپ نہیں کہا ڈارلنگ لیکن تمہارے منہ سے برا نہیں لگا۔ وہ کیا کہتے ہیں کہ کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ......"
وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی اور دروازے کے لاک کو پریس کر کے گھمایا۔ وہ یک دم اٹھا اور اس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تو دروازہ پورا کھل گیا۔
"چھوڑ دو...... چھوڑ دو مجھے ورنہ میں ابھی مسز بیگ کو آواز دیتی ہوں...... مسز بیگ۔" وہ پوری طاقت سے چلائی لیکن فوراً ہی اس نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا۔ اس کی توقع کے بالکل خلاف رجاء نے دروازے کے پاس لابی میں پڑا بھاری گل دان اٹھا کر اسے مارا جو اس کے ماتھے پر لگا۔ غیر ارادی طور پر اس کا بازو چھوڑ کر اس نے ماتھے پر ہاتھ رکھا تو وہ تیزی سے کھلے دروازے سے باہر نکلی اور بھاگنے لگی۔ ماتھے کی چوٹ بھول کر وہ اس کے پیچھے لپکا لیکن اس اثناء میں وہ فلیٹوں کا درمیانی راستہ طے کر کے روڈ پر پہنچ چکی تھی اور اب اسپتال کی دیوار کے ساتھ ساتھ بھاگ رہی تھی۔
بغیر سوچے سمجھے بھاگتے جا رہی تھی وہ روڈ کراس کر کے اس کے پیچھے جانا ہی چاہتا تھا کہ ساتھ والی گلی سے ایک ایمبولینس ہارن بجاتی ہوئی نکلی اسے رکنا پڑا۔ ایمبولینس کے پیچھے ہی ایک گاڑی بھی کسی سمت سے آ گئی تھی اور جب اس نے ان کے جانے کے بعد سامنے دیکھا تو وہ اسے نظر نہیں آئی۔ خیر کہاں جائے گی ابھی کچھ دیر بعد

واپس ہی آئے گی اور اسے کچھ دیر کا انتظار کرنا تھا وہ مڑ کر اپنے لان میں پڑی چیئر پر بیٹھ کر اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ وہ اندھا دھند اسپتال کی دیوار کے ساتھ ساتھ بھاگتی جارہی تھی۔ اس نے ایک جگہ رک کر سانس درست کیا اور سوچا کہ جیسے ہی اسپتال کا کوئی گیٹ نظر آتا ہے تو وہ اندر جاکر باہر لان میں لاؤنج میں کہیں بھی بیٹھے مریضوں کے تیمارداروں کے پاس بیٹھ جائے گی اور پھر صبح ہی گھر واپس آئے گی۔

اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا پیچھے کوئی نہیں تھا لیکن پھر بھی وہ تقریباً بھاگ رہی تھی۔ جب اچانک ہی اسے ایک چھوٹا سا گیٹ نظر آیا اور اس سے باہر آتی قانتہ نورین جو رات کے بارہ بجے اپنی ڈیوٹی دے کر ہاسٹل جارہی تھی۔

''قانتہ......'' وہ پوری طاقت سے چلائی۔

''ہیلپ می پلیز۔'' قانتہ نے مڑ کر اسے دیکھا اور لپک کر اس کے قریب آئی۔

''کیا ہوا......''

''قانتہ......'' وہ اس کے بازوؤں میں جھول گئی۔ قانتہ نے اپنی ساتھی نرس کی مدد سے اسے اندر پہنچایا لیکن وہ ہوش وحواس سے بیگانہ ہوچکی تھی۔ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا اس کا بیٹا کہاں تھا۔ اس کا شوہر اور دوسرے عزیز کہاں تھے۔ قانتہ نہیں جانتی تھی لیکن رات کے اس پہر وہ اس طرح...... کہیں کچھ غلط ضرور تھا۔ اسے پوری رات ہوش نہیں آیا تھا۔ اور قانتہ اس کے پاس ہی وارڈ میں رہی تھی۔

اگلے دن بھی اسے پوری طرح ہوش نہیں آیا تھا۔ ایک دو بار اس نے آنکھیں کھولی تھیں۔ اور عون کو پکارا تھا۔ زارون کا نام لیا تھا کہ وہ اس کا بیٹا چھین کر لے گیا ہے اور پھر ہوش وحواس سے بیگانہ ہوگئی تھی۔

''اسے کوئی شدید صدمہ پہنچا ہے۔'' ڈاکٹر حارث نے قانتہ سے کہا۔

زارون نے اسے طلاق دے دی تھی۔ یہ صدمہ کم نہیں تھا اور وہ عون کو بھی چھین کر لے گیا تھا۔ یہ دوہرا صدمہ تھا اور پھر اعظم بیگم کا گھر میں گھس آنا اور پھر وہ پہلے ہی صدمے سے دوچار تھی اس کا ذہن برداشت نہیں کرسکا تھا اور وہ مکمل طور پر ہوش میں نہیں آرہی تھی۔ وہ تیسری رات تھی جب اسے ہوش آیا تھا۔ قانتہ اپنی ڈیوٹی ختم کرکے اسی وقت اس کے پاس آئی تھی اسے دیکھتے ہی وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''میں یہاں کیسے؟''

اور پھر اسے سب کچھ یاد آگیا اور وہ رونے لگی۔ قانتہ نے اسے گلے لگالیا اور پیار کیا۔

''آپی پلیز کیا ہوا مجھے بتائیں؟''

اور تب اس نے سب کچھ بتادیا اور جب اسے پتا چلا کہ آج اس کی یہاں تیسری رات ہے تو وہ گھبرا کر کھڑی ہوگئی۔

''وہ آگئے ہوں گے میری پھوپو اور ہارون بھائی مجھے ابھی گھر جانا ہے پلیز مجھے گھر لے چلو۔'' قانتہ نے ایک بار پھر اسے گلے لگالیا تھا اور اس کے ساتھ چل پڑی تھی۔

''یہ دنیا بڑی ظالم ہے رجاء آپی۔ اکیلی عورت ہر ایک کے لیے آسان شکار ہوتی ہے۔ میں نے بھی کسی کو نہیں بتایا کہ میرا کوئی نہیں ہے۔ پھر بھی ایک شخص میرے پیچھے پڑ گیا ہے۔ یہاں انتظامیہ کے ایک شخص کے پاس آتا جاتا ہے۔ بڑا زمین دار ہے۔ مجھے دھمکیاں دیتا ہے کہ اٹھوا لے گا۔ اسی لیے میں نے اپنی ٹریننگ ختم ہوتے ہی لیبیا کے لیے جو نرسز کی بھرتی ہورہی تھی اس کے لیے انٹرویو دے دیا تھا۔ انہوں نے مجھے پاسپورٹ بنوانے کے لیے کہا ہے ایک دو روز میں مل جائے گا۔'' اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے وہ بتارہی تھی لیکن رجاء دھیان سے اس کی بات نہیں سن رہی تھی وہ تو عون، پھوپو اور ہارون عباس کے متعلق سوچ رہی تھی۔

''وہ کیا سوچتے ہوں گے میں کہاں چلی گئی۔ ہارون بھائی تو مجھے ڈھونڈ رہے ہوں گے۔ کیا خبر وہ ثمن آباد چلے گئے ہوں۔''

''قانتہ اگر پھوپو اور ہارون وہاں نہ ہوئے تو تم مجھے ابھی ثمن آباد چھوڑ آؤ گی نا؟'' قانتہ رک کر اسے دیکھنے لگی۔

”دمن آباد میں کون رہتا ہے؟“

”وہاں ہمارا گھر ہے۔ میرا ایک گھر کرائے پر دیا ہوا ہے۔ لیکن اوپر کا پورشن تو خالی ہی ہے کیا خبر پھوپو ادھر ہی چلی گئی ہوں۔“ قانتہ نے اسٹریٹ لائٹس کی روشنی میں اسے دیکھا۔ وہ بالکل زرد ہو رہی تھی اور برسوں کی مریض نظر آتی تھی۔

”ٹھیک ہے ایک وارڈ بوائے ہے ادھر مجھے اپنی بہن ہی سمجھتا ہے۔ بہت عزت کرتا ہے میری ڈیوٹی پر ہوگا اسے ساتھ لے لیں گے۔ ورنہ اکیلے اس وقت دمن آباد جانا بہت مشکل ہے۔“

اس نے کلائی موڑ کے وقت دیکھا ساڑھے گیارہ بج رہے تھے اور وہ دونوں اب اسپتال کی پچھلی دیوار کے ساتھ ساتھ چل رہی تھیں۔ بالکل سامنے ایگرو فلیٹس کی قطار نظر آرہی تھی۔ وہ بے چین ہو کر تیز تیز چلنے لگی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ اپنے فلیٹ کے سامنے کھڑی تھی۔ کتنی ہی دیر تک وہ بیل دیتی رہی لیکن دروازہ نہیں کھلا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ آخر انہوں نے میرا انتظار کیوں نہیں کیا۔ یہاں میرے گھر میں رہ کر انہیں میرا انتظار کرنا چاہیے تھا۔ ایک لمحہ کے لیے اس نے مسز بیگ کے گھر کی بیل بجانے کا سوچا۔ وہ ضرور مسز بیگ سے کچھ کہہ گئے ہوں گے۔ کوئی پیغام دے گئے ہوں گے لیکن پھر خوف زدہ ہوگئی۔ نہیں کیا خبر دروازہ ان کا بیٹا کھولے وہ درندہ صفت شخص۔

”مجھے دمن آباد جانا ہے قانتہ پلیز۔“

”او کے چلتے ہیں بس ذرا اسپتال سے منظور کو لے لیں گے۔ تمہیں چھوڑ کر میں اکیلی واپس نہیں آسکتی۔“ وہ اب دونوں واپس جارہی تھیں۔ یہ مین روڈ نہیں تھی اس لیے ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔ دن کے وقت بھی اکا دکا گاڑیاں اور رکشے، ٹیکسیاں نظر آتی تھیں۔ اور اب تو رات کے بارہ بج رہے تھے۔ روڈ ویران تھی۔

”اس وقت ہمیں رکشہ روڈ سے ہی ملے گا۔ منظور کو اجازت مل جائے آج اس کی نائیٹ ڈیوٹی ہے۔“ قانتہ ساتھ چلتے ہوئے بتارہی تھی۔ اب اچانک فلیٹوں کے درمیان والی گلی سے ایک گاڑی نکل کر تیزی سے روڈ کی طرف آئی تھی۔ دونوں نے ایک طرف ہٹ کر اسے راستہ دیا تھا۔ لیکن مہران ذرا سا آگے جا کر رک گئی تھی اور اس میں سے نکلنے والا شخص نے قانتہ کا بازو پکڑ کر کھینچا تھا۔ رجاء چونکی اور دوسرے ہی لمحے وہ قانتہ کو پکڑ کر کھینچنے لگی۔

”چھوڑو..... چھوڑو اسے۔“

”اس دوسری کو بھی اندر ڈالو۔“ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے شخص نے بلند آواز میں کہا۔

”نہیں۔“ وہ پوری طاقت سے قانتہ کو اپنی طرف کھینچ رہی تھی جب اس شخص نے اسے زور سے دھکا دیا وہ اچھل کر روڈ پر گری۔ اور اچانک روڈ پر نمودار ہونے والی گاڑی کے بمپر نے ایک بار پھر اسے اچھال کر گرایا۔ اس کا سر سڑک سے ٹکرایا۔ قانتہ بری طرح چیخ رہی تھی۔ قریبی گلی سے چوکی دار آواز لگاتا آرہا تھا۔ اس شخص نے قانتہ کا ہاتھ چھوڑ دیا تو قانتہ چیختی ہوئی رجاء کی طرف بھاگی۔ گاڑی والا کوئی شریف انسان تھا اور گاڑی سے اتر کر رجاء کے پاس بیٹھا تاسف سے اسے دیکھ رہا تھا اور پھر اس کی مدد سے وہ اسے اسپتال لائی تھی۔ رجاء کے دماغ پر بہت شدید چوٹ لگی تھی اور وہ ہوش میں نہیں تھی۔ ڈاکٹروں کے خیال کے مطابق اس کی بے ہوشی طویل بھی ہوسکتی تھی کتنی طویل اس کے متعلق انہوں نے کچھ نہیں بتایا تھا۔

قانتہ اس کا خیال رکھ رہی تھی اور اسے ہی اس کا خیال رکھنا تھا کہ وہ اس کی وجہ سے اس حال میں پہنچی تھی۔ وہ دوبارہ اس کے فلیٹ پر بھی گئی تھی لیکن وہ لاک تھا۔ اور مسز بیگ کا فلیٹ بھی لاک تھا۔ وہ جب مسز بیگ کے دروازے پر کھڑی تھی تو سیڑھیوں سے اتر کر نیچے آتی کام والی ماسی نے اسے بتایا تھا کہ۔

”مسز بیگ تو اپنی بیٹی کے پاس فرانس چلی گئی ہیں۔ ایک ماہ کے لیے اس کے بچے کی پیدائش کے بعد ہی واپس آئیں گی۔“

”اور یہ آٹھ نمبر فلیٹ والوں کے متعلق کچھ پتا ہے؟“

”نہ جی..... یہ فلیٹ تو بہت دنوں سے بند ہے۔“ اس

نے شگفتہ کو بتایا تھا اس کی عزت اور زندگی کو۔ وہ اس کے لیے کیا کرے کیسے اس کے عزیزوں کو تلاش کرے۔ اس نے آس پاس کے ایک دو فلیٹوں سے پوچھا تھا لیکن اس کا کہیں آنا جانا نہیں تھا۔ اس کے عزیزوں کے متعلق کوئی نہیں جانتا تھا بس ایک مسز بیگ تھیں جن سے کچھ پتا چل سکتا تھا اور اسے ان کی واپسی کا انتظار کرنا تھا لیکن اس سے پہلے ہی اس کا ویزا اور ٹکٹ آ گیا تھا۔

وہ ہوش میں نہیں آئی تھی اور اسے لیبیا جانا تھا دو سال کا کنٹریکٹ تھا وہ مجبور تھی اس نے سسٹر مارتھا کی منت کی تھی کہ اس کی عدم موجودگی میں وہ اس کا خیال رکھے گی۔ وہ اس کے علاج کے لیے رقم بھجواتی رہے گی۔ اس نے ڈاکٹر حارث کی بھی منت کی تھی کہ وہ اس کا خیال رکھیں۔ اس نے اپنے پاس جمع رقم کا کافی حصہ اسپتال میں اس کے علاج کے لیے جمع کروایا تھا۔ وہ چلی گئی تھی اور اس کے جانے کے صرف چھ دن بعد وہ ہوش میں آ گئی تھی لیکن دماغ پر لگنے والی چوٹ سے اس کا ذہنی توازن خراب ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر حارث نے مارتھا سے کہا کہ وہ اسے گھر لے جا سکتی ہیں لیکن مارتھا ایک چھوٹے سے کوارٹر میں اپنے چھ افراد کے خاندان کے ساتھ رہتی تھی اور وہاں کسی ساتویں کی گنجائش نہیں تھی۔ دو تین روز تک وہ وارڈ میں اِدھر اُدھر چکراتی پھری۔ پھر انتظامیہ نے اسے ایک ادارے میں بھیج دیا جہاں ایسے بیمار، معذور اور لاوارث رہتے تھے۔ وہ جو اپنے ابو کی پرنسز اور ہارون عباس کی کوئین تھی اب لاوارث تھی۔

❀ ❀ ❀ ❀

وہ لان میں چیئر پر بیٹھی تھی سامنے پلاسٹک کی ٹیبل پر چھوٹی سی کین کی خالی باسکٹ پڑی تھی اور وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی جب اس نے باڑ کے اوپر جھانکا۔

"السلام علیکم مسز بیگ کیا میں آپ سے بات کرسکتی ہوں۔" انہوں نے اجنبی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے سر ہلایا۔

غزل

ابھی جسم میں سانس باقی ہے
ابھی جینے کی آس باقی ہے
لوٹ آئے ہم پھر دریا سے
مگر ابھی بھی پیاس باقی ہے
ٹوٹ کر کرچی ہوا ہے دل مگر
اس کے ہاتھ کا لمس ابھی باقی ہے
پھول کب کا ٹوٹ چکا شاخ سے سروہی
مگر اس کی خوشبو کا احساس باقی ہے

سروہی خان سروہی...... آزاد کشمیر

اور وہ فوراً ہی باڑ کے پیچھے سے ہٹ کر ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ مسز بیگ بالکل ویسی ہی تھیں نیلے چھوٹے چھوٹے پھولوں والی سفید کلف لگی ساڑھی میں ملبوس۔ ہاں ان کے بال پہلے کے مقابلے میں کچھ زیادہ سفید ہو گئے تھے۔

"میں شگفتہ ہوں...... شگفتہ نورین۔ اڑھائی سال پہلے میں آپ کے پاس رجاء عباس کا پتا کرنے آئی تھی اور آپ نے بتایا تھا کہ رجاء عباس کے عزیز بھی اسے ڈھونڈ رہے ہیں اور انہوں نے اپنا نمبر بھی آپ کو دے رکھا ہے کہ اگر کبھی آپ کو رجاء کے متعلق کچھ بھی معلوم ہو تو آپ انہیں اطلاع کر دیں۔ کیا آپ کے پاس وہ نمبر ہے ابھی بھی؟"

اس نے تمہید میں وقت ضائع کیے بغیر اپنا مدعا بیان کیا تو وہ چونکیں۔ انہوں نے اسے پہچان لیا تھا۔ اڑھائی سال پہلے وہ رجاء کا پتا کرنے آئی تھی۔ گو اب اس کا جسم کچھ گداز ہو گیا تھا اور رنگ بھی پہلے کے مقابلے میں صاف ہو گئی تھی۔

"ہاں ہے...... اس کا کزن پندرہ بیس دنوں بعد چکر لگاتا رہتا ہے کیا تمہیں اس کے متعلق کچھ پتا چلا؟"

"کیا آپ مجھے ان کا نمبر دے سکتی ہیں۔" اس نے ان کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے بے تابی سے پوچھا۔

"کیوں نہیں...... آپ بیٹھو میں نمبر لے کر آتی ہوں

میری ڈائری میں لکھا ہے۔" مسز بیگ اپنے فلیٹ میں چلی گئیں تو اس نے ساتھ والے لان پر نظر ڈالی۔ لان کی گھاس سوکھی ہوئی تھی اور وہاں ویرانی سی تھی۔ بچوں کے ٹوٹے کھلونے اِدھر اُدھر پڑے تھے۔ لگتا تھا مکین لان کا اس طرح خیال نہیں رکھتے تھے جس طرح رجاء عباس رکھتی تھی۔

وہ دو سال بعد لیبیا سے آئی تو رجاء کا پتا کرنے آئی تھی تب مسز بیگ نے بتایا تھا کہ اس فلیٹ میں نئے لوگ آگئے ہیں۔ مارتھا نے اسے بتایا تھا کہ رجاء کو کسی ادارے میں بھیج دیا گیا تھا وہ شرمندہ تھی اور جب اس ادارے میں گئی تو پتا چلا کہ وہ ایک روز نظر بچا کر نکل گئی تھی پھر پتا نہیں چل سکا۔ تب اس نے لاہور میں موجود اس طرح کے ان سارے اداروں کے چکر لگائے تھے جن کے متعلق اسے پتا چلا تھا لیکن رجاء نہیں مل سکی تھی۔

"شکریہ مسز بیگ۔" اس نے مسز بیگ سے کاغذ کا ٹکڑا پکڑ کر اپنے بیگ میں رکھا۔

"بیٹھو چائے پیو؟"

"نہیں مسز بیگ مجھے اپنی ڈیوٹی پر جانا ہے ان شاءاللہ پھر کبھی آپ کے ساتھ چائے پیوں گی۔" وہ جانے کے لیے مڑی تب ہی دروازہ کھول کر وہ باہر آیا اور باڑ کے باہر مسز بیگ کو پکارا۔

"مما۔"

"یہ میرا بیٹا ہے کل رات اس کا ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا۔" اسے اس کی طرف دیکھتے پا کر مسز بیگ نے بتایا۔

اس کی دائیں آنکھ کے نیچے گہرا نیل پڑا تھا ناک سوجی ہوئی تھی رخساروں پر بھی نیل تھے۔

"ایکسیڈنٹ......!" اس نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹا کر مسز بیگ کی طرف دیکھا۔ "نہیں مسز بیگ کل رات کچھ لوگوں نے اس کی پٹائی کی تھی کیونکہ یہ ایک نیم پاگل عورت کو ہراساں کر رہا تھا بلکہ زبردستی اسے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔"

اس نے چونک کر اس لڑکی کی طرف دیکھا۔ کیا یہ وہی کل رات والی لڑکی تھی۔ وہ اسے پہچان نہیں پایا تھا کیونکہ وہ اس وقت یونیفارم میں نہیں تھی۔

مسز بیگ کی آنکھوں کے سامنے کل شام کا سارا منظر آ گیا تھا۔ سگنل پر کھڑی وہ پاگل عورت اور پھر اعظم کا انہیں چھوڑ کر عجلت میں واپس آنا۔ اور رات کو فون کرنا کہ وہ کسی کے ساتھ آ جائیں اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ انہوں نے تاسف سے اسے دیکھا جو قہر آلود نظروں سے قانتہ کو دیکھ رہا تھا۔

"یہی نہیں مسز بیگ رجاء عباس کو اس رات جو گھر سے بھاگنا پڑا تھا تو اس کا سبب بھی آپ کا یہی بیٹا تھا۔" اپنی بات کہہ کر قانتہ رکی نہیں تھی۔ انہوں نے اس کی طرف دیکھا۔ جوان کے چھوٹے بیٹے اور بہو کے سعودیہ جانے کے بعد ان کے پاس ہی رہ گیا تھا۔

"مجھے شرمندگی ہے کہ تم میرے بیٹے ہو۔" وہ اس کی ماں تھیں۔ اعظم بیگ کی ماں لیکن وہ اس کی ماں ہونے پر شرمندہ تھیں۔

❀......❀......❀......❀

اور پتا نہیں رجاء عباس کہاں تھی...... تھی بھی یا نہیں۔ اس رات جب وہ زارون کے پیچھے عون کو لینے بھاگی تھی تو اس اندھیری سڑک پر اس کے ساتھ کیا حادثہ ہوا تھا۔ اس کا جواب ساڑھے چار سالوں میں بھی ہارون کو نہیں مل سکا تھا۔ وہ آج بھی رجاء کا منتظر تھا۔ رجاء عباس جسے وہ ایک لمحہ کے لیے بھی بھول نہیں پایا تھا اس رات جب وہ ایگرو فلیٹس کے فلیٹ نمبر آٹھ کے سامنے کھڑا بیل دے رہا تھا تو اس کا دل جیسے دھڑک دھڑک کر سینے سے باہر آ جانے کو بے تاب ہو رہا تھا۔

تین سال پہلے وہ رجاء کو ہنستا مسکراتا چھوڑ کر گیا تھا اب وہ اس کو روتا ہوا کیسے دیکھے گا۔ کیسے اس کی خوب صورت آنکھوں میں آنسو برداشت کر پائے گا۔ لیکن بیل ہوتی رہی دروازہ نہیں کھلا تھا۔ لمحہ بہ لمحہ تشویش بڑھتی جارہی تھی۔ اسے بھلا کہاں جانا تھا وہ کہاں جا سکتی تھی اسے پتا تھا کہ ہم آنے والے ہیں اس نے ساتھ والے دروازے پر

بیل دی ایک شخص دروازے پر آیا اس نے رجاء کے متعلق لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے دروازہ بند کردیا۔

وہ شخص جانتا تھا کہ جب وہ اس کے پیچھے بھاگا تھا تو اس کے زور سے دروازہ بند کرنے سے آٹو میٹک لاک خود بخود لاک ہو گیا تھا۔ لیکن یہ بات وہ انہیں نہیں بتا سکتا تھا کہ وہ اندر نہیں ہے سو وہ اطمینان سے جا کر سو گیا تھا۔ وہ ایسا ہی تھا بے حس اور خود غرض۔ تب ہارون نے نڈھال سی زہرا کو وہاں بٹھا کر ایک اور فلیٹ کے دروازے پر دستک دی اور صورت حال بتائی تو اس گھر کے دو لڑکے ساتھ ہی چلے آئے اور ایک لڑکا گیراج کی طرف سے اندر کودا۔ رجاء کے بیڈ روم کا دروازہ گیراج کی طرف کھلتا تھا اور اتفاق سے وہ اندر سے لاک نہیں تھا۔ لڑکے نے بیڈ روم سے نکل کر لاؤنج میں آکر اندر سے مین گیٹ کھول دیا تھا ہارون رجاء کو آوازیں دیتا اندر آیا تھا۔ لیکن پورا گھر سائیں سائیں کررہا تھا۔

رجاء وہاں نہیں تھی گھر کی چابیاں ٹی وی ٹرالی پر پڑی تھیں اور مین ڈور کے نیچے سے کسی نے ایک لفافہ اندر سرکایا تھا۔ اس نے لفافہ اٹھایا وہ زارون نے بھیجا تھا اور زہرا کو صوفے پر بٹھا کر ان لڑکوں کا شکریہ ادا کیا۔

''لگتا ہے باجی کسی کام سے باہر گئی ہوں گی تو جلدی میں چابیاں اندر ہی رہ گئی ہوں گی تو شاید کسی عزیز کی طرف چلی گئی ہوں کہ صبح آکر لاک کھلوالیں گی۔'' ایک لڑکے نے خیال ظاہر کیا تو ہارون نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

''ہوسکتا ہے۔ میں اپنے عزیزوں کے گھر فون کرکے پتا کرتا ہوں۔'' ان کے جاتے ہی وہ زہرا کے گلے لگ کر رونے لگا۔

''وہ کہاں چلی گئی...... وہ کہاں جاسکتی ہے؟ اس کے ساتھ کچھ غلط ہوا ہے ماما ابھی کل ہی تو ہماری بات ہوئی تھی اس سے۔''

اس نے نیچے گرے ہوئے کرسٹل کے گل دان کو دیکھا اور صوفے پر پڑا دودھ سے بھرا فیڈر بھی اور بلک بلک کر رونے لگا۔ بہت دیر بعد وہ سنبھلا تھا اور اس نے

نظم

بارشوں کے موسم میں
تم کو یاد کرنے کی
عادتیں پرانی ہیں
اک کہیں تو سوچا ہے
عادتیں بدل ڈالیں
پھر خیال آیا کہ
عادتیں بدلنے سے
بارشیں نہیں رکتیں

کرن شہزادی...... مانسہرہ

زارون کا بھیجا ہوا خط کھولا اور ایک بار پھر زہرا سے لپٹ کر رونے لگا۔

''ماما زارون نے اسے طلاق دے دی ہے کیوں کیا اس نے ایسا......؟''

وہ رات بہت بھیانک رات تھی اس رات نہ وہ سویا تھا اور نہ زہرا...... اور اگلے کئی دن تک وہ رجاء کو ڈھونڈتا رہا۔ دیوانوں کی طرح چکراتا پھرا۔ زارون سے رابطہ کرنے کی کوشش کرتا رہا لیکن اس کا فون بند تھا۔ اس نے ردا کو فون کیا تو وہ چند دن کے لیے آگئی۔

''ردا تمہیں اسے یوں اکیلے نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔'' اس نے گلہ کیا۔

''میں کیا کرتی ہارون مجھے خالد پر اعتبار نہیں ہے میں اسے وہاں نہیں لے جاسکتی تھی اور یہاں مجھے خالد نہیں رہنے دیتا تھا۔'' وہ رو رہی تھی۔

وہ رپورٹ لکھوانا چاہتا تھا اخبار میں اشتہار دینا چاہتا تھا لیکن ردا نے سختی سے منع کردیا اور ندا نے بھی اس کی تائید کی تھی۔

''ہمارے ماں باپ نہیں ہیں...... ہمارے شوہر طعنے دے دے کر ہمارا جینا دو بھر کردیں گے۔ وہ یہ نہیں کہیں گے کہ جیا کے ساتھ کوئی حادثہ ہوا ہے وہ اپنی مرضی کے رنگ بھر لیں گے کہانی میں۔ ہمیں اپنے گھروں کو ٹوٹنے

سے بچاتا ہے ہارون خدا کے لیے ایسا کچھ مت کرنا۔"

اور وہ کچھ نہیں کرسکا تھا۔ ندا اور ردا ہی تو اس کے جان سے زیادہ عزیز بابا کی بیٹیاں تھیں اور دو دن بعد چلی گئی تھیں۔ مالک مکان نے فلیٹ خالی کروالیا تھا وہ امن آباد آگئے تھے لیکن وہ شادمان چکر لگاتا رہتا تھا۔ ایک ماہ بعد زارون سے رابطہ ہوا تو اس نے گلہ کیا۔

"تم نے حیا کو بلاقصور طلاق دے دی زارون۔ کتنا ظلم کیا تم نے۔ تمہیں عون کا بھی خیال نہیں آیا تمہارا بیٹا ہے وہ۔"

"کیوں نہیں ہے مجھے عون کا خیال۔ نہ ہوتا تو اسے ساتھ لے کر نہ آتا۔ اور میں نے نتاشہ سے شادی کرلی ہے ماما کی بھتیجی ہے ماما پاپا بہت خوش ہیں اور......" وہ خوشی خوشی بتارہا تھا۔ ہارون نے اسے ٹوک دیا۔

"عون تمہارے پاس ہے اور رجاء...... رجاء کہاں ہے؟"

"مجھے کیا معلوم؟" اور زارون نے اس کے اصرار پر اس رات کی تفصیل بتائی تو ہارون کا دل پھٹنے لگا تھا۔

"کچھ تو خیال کیا ہوتا تم نے زارون رات کے اس پہر سڑک پر......"

"ایسی بھی رات نہیں ہوئی تھی اور سڑک پار ہی تو اس نے جانا تھا کوئی جنات اٹھا کر نہیں لے گئے ہوں گے اپنی مرضی سے کہیں گئی ہوگی۔" زارون نے اس کی بات کاٹتے ہوئے فون بند کردیا تھا۔

اس کی چھٹی ختم ہوگئی تھی لیکن وہ واپس نہیں گیا تھا۔ وہ رجاء کو ڈھونڈے بغیر کیسے جاسکتا تھا وہ رجاء کے بغیر نہیں جاسکتا تھا۔ اس نے یہاں ہی جاب کرلی اور رجاء کو ڈھونڈنے لگا۔

"بابا...... بابا۔" عون نے سوتے سوتے کروٹ بدل کر اسے بلاتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے سینے پر رکھا تو ہارون عباس نے چونک کر اسے دیکھا۔ اور اسے اپنے قریب کرتے ہوئے تکیے سے قریب پڑا ہوا کراؤن اٹھالیا۔ اور کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔ وہ یہ کراؤن لگا کر کتنا خوش ہوئی تھی۔

"اب میں لگتی ہوں ناں بچ کی پرنسز۔"

"لگنے کی کیا بات ہے تم ہو ہی پرنسز۔" وہ مسکرایا تھا۔ کراؤن ہاتھ میں لیے لیے رجاء سے وابستہ کتنی ہی یادوں کے در کھل گئے تھے۔ اور آنکھیں نم ہوگئی تھیں۔ بستر جھٹک کر اس نے خود کو ان یادوں کے حصار سے باہر نکالا۔ آہستگی سے عون عباس کا ہاتھ نیچے بیڈ پر رکھا۔ اور محبت سے اسے دیکھنے لگا۔ عون عباس اس کی زندگی تھا اور اگر عون عباس نہ ہوتا تو شاید وہ جی نہیں پاتا۔

زارون چھ ماہ بعد ہی عون کو لے آیا تھا۔ وہ بے حد شرمندہ تھا۔

"میں نے رجاء کے ساتھ وہی کیا جو پاپا نے ماما کے ساتھ کیا تھا اور میں نے عون عباس کے ساتھ بھی وہی کیا جو پاپا نے میرے ساتھ کیا تھا۔ لیکن میں اسے اب آپ کے پاس لے آیا ہوں۔ آپ اسے رجاء کے حوالے کردیں۔ نتاشہ اسے پسند نہیں کرتی۔ وہ کہتی ہے کہ میں اسے اس کی ماں کے حوالے کردوں اور یہاں میں نے پاپا کی طرح نہیں کیا۔ میں اسے لے آیا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ میری طرح غیر متوازن شخصیت بنے اور اس کے ساتھ بھی وہی ہو جو میرے ساتھ ہوا تھا۔" وہ رو رہا تھا۔ زارون عباس بھی رو رہا تھا جس نے سب کو رلا دیا تھا۔ زہرا نے عون کو اپنی آغوش میں لے لیا تھا۔

"تم عون کی طرف سے بے فکر ہوجاؤ لیکن زارون تم نے رجاء کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ ہمارے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ تم نے اگر رجاء کو چھوڑنا ہی تھا تو پھر اسے اپنایا ہی کیوں تھا؟"

اور اس نے سر جھکا لیا تھا۔ اس کے پاس اس سوال کا جواب نہ تھا۔ وہ تو ہمیشہ سے نتاشہ کو پسند کرتا تھا اور اسی سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ لیکن چھوٹی ماما ایسا نہیں چاہتی تھی حالانکہ نتاشہ بھی ایسا ہی چاہتی تھی۔ وہ دونوں ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے۔ اور اب جب نتاشہ کو شادی کے صرف دو ماہ بعد طلاق ہوگئی تو ماما اور پاپا نے خود اسے نتاشہ

سے شادی کے لیے کہا تھا۔
زارون عون کو چھوڑ کر چلا گیا تھا اور وہ ہارون عباس کی جان تھا۔ ہارون نے آہستگی سے اٹھتے ہوئے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی وہ صبح آنکھ کھلتے ہی اس کے بیڈ پر آ کر سو گیا تھا۔ اگر کبھی وہ کہانی سننے کی لالچ میں زہرا کے پاس سوتا تو صبح اٹھ کر اس کے پاس آجاتا تھا۔
ہاتھ میں پکڑا کراؤن اس نے سائیڈ ٹیبل کی دراز میں رکھ دیا اور خود آفس جانے کے لیے تیار ہونے لگا۔ تیار ہو کر جب باہر آیا تو عون ابھی تک سو رہا تھا۔ آج اس کے اسکول کی چھٹی تھی۔ زہرا نے ٹیبل پر ناشتہ لگا دیا تھا اور اب اس کا انتظار کر رہی تھی۔
"اب تم نے کیا سوچا ہے ہارون؟" آملیٹ کی پلیٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔
"کس کے متعلق ماما؟"
"شادی کے متعلق۔ سارا اچھی لڑکی ہے اگر تم کہو تو بات کروں؟"
"نہیں۔" اس نے ہاتھ میں پکڑا سلائس نیچے رکھ دیا اور بے حد زخمی نظروں سے انہیں دیکھا۔
"آپ جانتی ہیں ماما پھر کیوں زخم کرید تی ہیں؟"
"بیٹا چار سال ہوگئے ہیں وہ اگر اب تک نہیں ملی تو......"
"مل جائے گی ماما۔" ہارون نے ان کی بات کاٹی۔
"اور نہ ملی تو عون ہے نا میرے پاس۔"
"لیکن ایسے زندگی نہیں گزرتی۔" زہرا نے بے حد دکھ سے اسے دیکھا۔
"میری زندگی گزر جائے گی ماما۔" اس نے چائے کا کپ ایک طرف کھسکایا۔ تب ہی اس کے موبائل کی بیل ہوئی۔ اس نے اپنے سامنے ہی ٹیبل پر رکھے اپنے فون کی طرف دیکھا کوئی اجنبی نمبر تھا۔ لمحہ بھر سوچنے کے بعد اس نے فون آن کیا۔
"میں قانتہ ہوں۔ قانتہ نورین۔" دوسری طرف اس نے سلام کے جواب کے ساتھ ہی اپنا تعارف کروایا۔
"مجھے رجاء کے متعلق بات کرنی ہے۔"
"رجاء کے متعلق......" اس کا ہر عضو سماعت بن گیا تھا اور دل سینے کے اندر دھڑک دھڑک کر باہر نکلنے کو بے تاب تھا۔
"آپ رجاء عباس کے کون ہیں اور وہ کیا لگتی ہے آپ کی؟"
دوسری طرف سے لڑکی پوچھ رہی تھی اور اس کا جی چاہا کہ وہ کہے رجاء عباس اس کی کوئین تھی اور وہ اس کا غلام تھا۔

❁......❁......❁......❁

وہ رجاء عباس تھی اور صوفے پر گردن اٹھائے بیٹھی تھی۔ زہرا نے ابھی اس کے گھنے سلکی بالوں میں تیل لگایا تھا اور گھنٹے بھر بعد باتھ لینے کو کہا تھا سو وہ صوفے پر بیٹھی خالی خالی نظروں سے سامنے دیوار کو دیکھ رہی تھی۔ کبھی کبھی اس کا ذہن یوں بھی خالی خالی ہو جاتا تھا بالکل شفاف سلیٹ کی

مرجھائی ہوئی کلیوں کے جلو میں
میری تلاش میں نکلو تو
یوں کرنا
سب سے پہلے
شہر خموشاں کا رخ کرنا اور
وہیں مٹی کے کسی اداس ٹیلے کے قریب
مرجھائی ہوئی کلیوں کے جلو میں
سوکھی ہوئی گھاس تلے
کسی کتبے کے بنا
کسی تاریک گوشے میں
چراغوں کی روشنی سے بے نیاز
اک لاوارث قبر پر دعا مانگتے جانا
کہ!
یہ تمہاری چاہت میں مرجانے والی کی آخری التجا ہے
یا آخری خواہش کہہ لو

لاریب انشال......اوکاڑہ

طرح۔ حالانکہ پچھلے دو سالوں سے ہارون نے کوئی نیرو سرجن نہیں چھوڑا تھا جس سے اس کا چیک اپ نہ کروایا ہو۔ ڈاکٹروں کا بورڈ بٹھایا۔ ملک سے باہر لے گیا۔ ڈاکٹروں کی متفقہ رائے تھی کہ چوٹ لگنے سے دماغ کے ایک حصے میں سوجن ہوگئی ہے۔ وہ مکمل ٹھیک ہو جائے گی اس کے متعلق وہ پُریقین نہ تھے۔ تاہم سب نے ہی اسے بہتری کی امید دلائی تھی۔ لیکن اسے یقین تھا کہ جب اللہ نے اسے رجاء سے ملوایا ہے وہ ایک روز اسے ٹھیک بھی کردے گا۔ اللہ نے اس کا یقین ٹوٹنے نہیں دیا تھا۔ وہ ٹھیک ہوگئی تھی اس نے زہرا، ہارون اور عون کو بھی پہچان لیا تھا۔ ندا اور روا نے ان دو سالوں میں دو چکر لگائے تھے۔ پہلی بار تو نہیں لیکن دوسری بار اس نے انہیں پہچان لیا تھا۔

ہارون اور زہرا کے یاد دلانے پر اسے پرانی باتیں یاد آجاتیں لیکن کچھ دیر بعد بھول جاتی۔ زہرا کی ان تھک محنت سے اس کے سلکی بالوں کی چمک لوٹ آئی تھی۔ رخساروں کی زردیوں میں سرخیاں گھل گئی تھیں۔ چھ ماہ پہلے سادگی سے ہارون کا اور اس کا نکاح ہوگیا تھا۔ وہ بظاہر نارمل تھی لیکن کبھی کبھی اس کا ذہن بلینک ہو جاتا تھا۔

ہارون کو یقین تھا کہ مسلسل علاج سے ایک روز یہ بھی ٹھیک ہو جائے گی۔ وہ خالی خالی نظروں سے دیوار کو دیکھ رہی تھی جب عون عباس کے ساتھ ہارون اندر داخل ہوا۔ عون عباس دوڑ کر اس کے بازوؤں میں سمٹ گیا۔ اس نے اسے بوسہ دیا۔ وہ عون عباس تھا اس کا بیٹا لیکن اس وقت اسے یاد نہیں آرہا تھا کہ وہ کون ہے۔

"بابا کراؤن۔" عون عباس مسکرایا۔

"ہاں کراؤن یہ رہا۔" ہارون نے کراؤن اس کی طرف بڑھایا جسے اس نے ہاتھ میں لے لیا۔ اس کی آنکھوں میں پہچان کے رنگ بن اور بگڑ رہے تھے۔

"یہ کیا ہے؟" وہ اسے الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔

"یہ کراؤن ہے ماما...... بابا کی پرنسز کا کراؤن۔"

"پرنسز کا کراؤن۔" اس نے زیر لب دہرایا۔

"لیکن کراؤن تو کوئین لگاتی ہے؟" لاشعور کے کسی کونے میں موجود یہ جملہ اس کے ہونٹوں سے پھسلا۔

"نہیں...... پرنسز بھی لگاتی ہے۔" ہارون کے لبوں پر بڑی جان دار مسکراہٹ تھی۔ اس نے ایک قدم بڑھا کر اس کے ہاتھ سے کراؤن لے کر اس کے بالوں میں لگا دیا۔

"اور تم صرف پرنسز نہیں ہو رجاء...... تم کوئین بھی ہو۔ میری کوئین۔"

"آ...... بیوٹی فل کوئین...... آ...... بیوٹی فل پرنسز۔" عون نے صوفے پر اچھلتے ہوئے دہرایا۔

ہارون عباس نیچے کارپٹ پر اس کے قریب بیٹھ گیا اور اس کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے دیکھنے لگا۔ رجاء کی پلکیں لرزنے لگیں اور رخساروں پر شفق اتر آئی۔

"تھینک گاڈ تم مجھے مل گئیں رجاء...... تمہارے بغیر میں زندہ نہیں تھا جیا، بس ماما اور عون کی خاطر جی رہا تھا۔ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں جیا بہت۔" رجاء نے بوجھل پلکیں اٹھائیں اور اپنے گھٹنوں پر رکھے ہارون کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔ اس کی آنکھوں میں اب خالی پن نہیں تھا۔ زندگی تھی روشنی تھی۔ عون صوفے سے چھلانگ لگا کر اب اس کے والے صوفے پر کھڑا ہو کر اس کے کھلے بالوں میں اٹکے کراؤن کو درست کر رہا تھا۔

"ماما...... ماما ہیں کوئین۔" وہ کھلکھلا کر ہنسا تو اس نے ہارون کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ اٹھا کر عون عباس کی طرف دیکھا اور اسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔

"یہ عون عباس تھا اس کا بیٹا...... اور وہ عون عباس کی ماں تھی۔ وہ ابو کی پرنسز اور ہارون عباس کی کوئین۔"

زارون عباس کی ضد تھی۔ لیکن ان سب سے بڑھ کر وہ عون عباس کی ماں تھی وہ اسے دونوں بازوؤں میں لیے بے تحاشہ چوم رہی تھی اور ہارون عباس خوشی بھری نم آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

❁

دسمبر آیا تم آئے

ثمرین اختر

ممکن نہیں کہ وہ مجھے بھلا دے گا
وہ تو ہر پل ہر دم مجھے دعا دے گا
پیار دیا ہے اس قدر اس کو ہم نے
کس طرح وہ کسی کو میری جگہ دے گا

سبز پتوں نے اوڑھے سنہری آنچل
دسمبر رُت میں پھیلتا میرا کاجل
دھواں دھواں سی دسمبر کی وہ اُداس شام
خشک پتوں سے ڈھکے در و بام
بچھی ہیں نگاہیں میری
آتشِ رخ پر باہیں تیری
انمول ملن تیرے کو ہیں ترستی
یہ برفیلی راتیں میری
وہ نشیلی باتیں تیری

وہ بھورے بالوں والی لڑکی ہولے ہولے گولڈن ڈائری میں اپنے دلی جذبات ثبت کررہی تھی۔

وہ ڈائری اس کی کل متاع حیات تھی۔ جہاں ہر ورق پر لفظ ''انتظار'' لکھا تھا۔ میں اس کے ساتھ سنگی بنچ پر بیٹھا تھا۔ ورق کی جانب نگاہ ڈالنے پر میں نے دیکھا کہ اس دلکش لڑکی کی ڈائری میں لال' گلابی اور پیلے سوکھے گلاب رکھے تھے۔ جن کو کبھی وہ اپنی ٹھنڈی ناک کے قریب کرکے ان کی خوشبو محسوس کرتی۔ کبھی ڈائری کے ورق الٹ پلٹ کرتی اور کبھی اپنی نظم جو اس نے چند لمحے پہلے سپرد قلم کی تھی۔ پڑھ کر دھیرے سے مسکرا دیتی۔ فضا میں دسمبر کی سرد شام کا دھواں پھیلتا جارہا تھا۔ ایک دم اس نے نظر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ اور کہنے لگی۔

''کاشف...... دسمبر کی ان رُتوں میں جو بچھڑ جاتے ہیں کیا وہ کبھی آن ملتے ہیں یا دسمبر کے ان اُٹے ہوئے دھند میں لپٹے دنوں کی نذر ہوجاتے ہیں۔''

اس خبطی لڑکی کی دیوانگی پر میں مسکرا دیا۔ جس نے سر پر لال پھولوں والا رومال باندھا ہوا تھا اور آنکھوں میں انتظار کی واضح کیفیت نظر آرہی تھی۔ مجھے ایک پل کو یوں لگا جیسے کوئی اس سے بچھڑ چکا ہے۔ اور وہ دیوانہ وار ان زرد اور سرمئی شاموں میں اس کا عکس تلاش کررہی ہے۔ ان بیتے دنوں کا کھوج لگا رہی ہے جو اس سے کھو چکے ہیں۔ میں کچھ سوچ کر بولا۔

''ہاں صدف...... جذبوں میں صداقت اور رعنائی ہو تو بچھڑنے والے دسمبر کی رتوں میں لوٹ ہی آتے

ہیں۔ مگر جنہوں نے نہ آنا ہو۔ وہ ہر بار دسمبر کا بہانہ بنا کر ان دھندلکوں میں کھو جاتے ہیں۔ جیسے چاند بادلوں کی اوٹ میں چھپ جاتا ہے۔" وہ سنگی بنچ پر بیٹھی رہی جب کہ میں اٹھنے ہی لگا تھا کہ صدف نے میرا ہاتھ تھام لیا اور بولی۔

"کاشی پلیز ابھی نہ جاؤ۔ میں نے تم سے بہت سی باتیں شیئر کرنی ہیں۔" رنگ برنگی تتلیوں کا جھنڈ ہمارے گرد منڈلا رہا تھا۔ اس کا یخ ہاتھ میرے جسم کو ایک عجب طراوت دے گیا۔ وہ بے دھیانی میں اپنی ڈائری پر کچھ لکھتی رہی اور میں اس کی آنکھوں کی دل فریبیوں میں کھو گیا تھا۔ اس کی کاجل آنکھیں بہت حسین تھیں۔

میں سب جاننا چاہتا تھا جو اس کے دل میں تھا۔ مجھے اس کے دکھ بانٹنے کا موقع مل رہا تھا۔ اس نے جھکا سر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ ہولے سے مسکرائی۔ اس زرد شام کی فسوں خیزی عروج پر تھی۔ وہ خشک پتوں سے کھیلتے ہوئے میری جانب متوجہ ہو کر کہنے لگی۔

"کاشف...... میں نے اس نوجوان کو پہلی بار تب دیکھا جب وہ پبلک لائبریری سے باہر نکل رہا تھا۔ اس نوجوان نے اپنی نگاہیں نیچے کی ہوئی تھیں۔ مگر وہ میری جانب ہی بڑھ رہا تھا۔ شاید اسے اس کتاب کی ضرورت آن پڑی تھی۔ جو میرے ہاتھ میں تھی۔ اس نے کتاب مانگی اور میں نے اس کو پڑھنے کے لیے دے دی...... وہ سجیلا نوجوان میری آنکھوں میں سمایا جا رہا تھا پھر ہم دونوں نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر باتیں کی تھیں۔ میں ہنستی رہی اور وہ مجھے دیکھتا رہا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ پھول کھل کر مرجھا رہے تھے اور گلاب کی مہک شام کے سائے میں مدغم ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ ہوائیں حسن عشق سے مشابہ آہنگ ایک اسرار انگیز خفیف روانی پیدا کر رہی تھی۔ جیسے فرشتہ گل شبو کے منہ کو کھولتا اور بادلوں کو رنگین کرتا ہے۔ اس سمے دسمبر کے موسم میں اس شام کو مر جانے کا مزہ تھا۔

"پتہ ہے اچھی لڑکی۔" وہ مجھے پیار سے اچھی لڑکی کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔ جب کہ میرا نام تو صدف ہے۔ میری اس سے اس بات پر بہت لڑائی ہوتی تھی۔ آخر کو وہ جیت جاتا اور میں اس کی جیت کے لیے ہار جاتی۔ وہ کہتا تھا۔"

"اگر میں تمہیں صدف کہہ کر پکاروں گا تو تم سمندر کی بے رحم موجوں کی نظر ہو جاؤ گی۔ وہ صدف جن کو لوگ اکٹھا کرتے ہیں اور پھر چاہنے والوں کے گلے میں اپنے پیار کی مالا ڈالتے ہیں۔ اس لیے میں تمہیں اچھی لڑکی ہی کہوں گا۔ کیونکہ تم صرف میری ہو اور میرے لیے ہی اس دنیا میں آئی ہو۔" محبت کا ست رنگی نور اس نوجوان کی آنکھوں سے جھلک رہا تھا۔ اس کے کندھے پر سر رکھ کر اس کی آنکھوں میں جھانک کر میں بولی تھی۔

"محبت میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ وہ کسی بچھڑنے والے کی یاد بن کر زمانے سے دور نکل کر دردر کی خاک چھانے لیکن اس خاک میں جانتے ہو اک ذرہ کون سا ہوگا؟" وہ میری جانب پیار بھری نگاہوں سے دیکھتا اور پوچھتا تھا۔

"اچھا بتاؤ تو کون سا ہوگا وہ ذرہ؟" میں ہنستے ہوئے کہتی تھی۔

وہ ذرہ ہماری لازوال محبت کا ہوگا وہ میری محبت کی شدت کو جان چکا تھا اور سمجھانے کے انداز میں بولا۔

"اچھی لڑکی...... ایسی باتوں کے اظہار سر عام تو نہیں کیے جاتے۔ یہ راز تو صرف دونوں تک رکھے جاتے ہیں۔"

دسمبر کی ٹھنڈی ہوا نے میرا آنچل اس کے چہرے پر دے مارا تھا۔ اسے یوں لگا تھا جیسے وہ خوشبو میں نہا گیا ہو۔

"جن سے محبت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ وہ تو روح تک اتر جاتے ہیں۔ پھر اس جیسا تو کوئی اور ہے ہی نہیں زمانے میں۔ دل بے چوں چرا اس کے

گن گاتا ہے۔“

کچھ دنوں بعد وہ مجھے دسمبر کی ایک شام اسی پبلک لائبریری میں نظر آیا تھا۔ وہ سنگی بنچ پر بیٹھا پھولوں کی پتیوں کو مسل رہا تھا۔ اس کے پاؤں کے نیچے سبز اور پیتالے رنگوں والی دھرتی ایک لہر لگ رہی تھی اور آسمان ایک سفید چمبر دانی معلوم ہو رہا تھا۔ پتیاں ہری گھاس پر گر رہی تھیں اور ٹھنڈی ہوا انہیں اڑائے جا رہی تھی۔ میں نے تجسس بھرے لہجے میں پوچھا تھا تو کہنے لگا تھا۔

”اچھی لڑکی...... میں ایک سال کے لیے لندن جا رہا ہوں۔ اپنی پڑھائی مکمل کرنے۔ میرا غم نہ کرنا۔ میں روز خط لکھتا رہوں گا اور تم پیار سے پڑھ کر اپنی اس ڈائری میں گلاب کے پھولوں کے سنگ رکھتی جانا۔ تو تمہیں میری یاد کے ساتھ مرجھائے پھولوں کی بو بھی ملے گی۔ جب جی بھر آئے تو رو لینا اور رات کو ان آنسوؤں سے تر چٹھی مجھے لکھنا۔ اس لیے کہ لندن کی فضائیں بھی سر شام اداس لگنے لگتی ہیں۔ پھر میرے دل کو تسلی دیتے ہوئے کہتا تھا۔ کہ جن سے محبت ہوتی ہے ان کے لیے تو جان بھی حاضر ہوتی ہے۔ محبت کے باب میں ایسی کئی باتیں ہو جاتی ہیں جن کو چاہنے والے ہی سہتے ہیں اور اصل غم تو کسی کو کھو دینے کا ہوتا ہے۔“

”ہم زندگی میں بہت بار غلطیاں کرتے ہیں۔ سوئی کا غلطی سے چبھ جانا۔ یا پھر کسی کا بے دھیانی میں دل توڑ دینا۔ لیکن ہم کسی کی محبتوں کی شدتوں کا پیمانہ نہیں ناپ سکتے جو دوسرے کے دل میں ہمارے لیے موجزن ہوتی ہیں۔“

خاکستری پتے جا بجا اڑ رہے تھے۔ وہ ماضی سے نکل کر حال میں واپس آ گئی تھی اور ایسا ہی ایک پتہ ہاتھ میں تھامے دسمبر کی رتوں کا اندازہ لگا رہی تھی۔ صدف کی بات نے مجھے اس موسم میں یہ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ جو چاہی جاتی تھی آج خود چاہنے والی بن کر اس کی راہ تک رہی ہے اور چاہنے والے ہمیشہ ہاتھوں کے کٹوروں میں تمنا کے پھول لے کر مارے مارے پھرتے ہیں۔

صدف کیا جانے کہ چاہنے کی طلب کیا شے ہے؟ اور جس کا وہ انتظار کر رہی ہے اس کا ابھی آنا ممکن نہیں۔ لیکن خواہش تھی کہ سہمی رنگی چڑیا کی طرح ایک ڈال سے پھدک کر دوسری ڈال پر بیٹھ رہی تھی آج پہلی بار وہ ایک اور ہی طرح کی لذت سے آشنا ہو رہی تھی۔ اور وہ لذت کسی چاہنے والے کا شدت سے انتظار تھا۔

”کاشی......“ صدف میرا نام اپنی زبان سے لیتی تو مجھے یوں لگتا جیسے میں ہی اس کا چاہنے والا ہوں۔ وہ پچھلے دسمبر سے لے کر آج تک جس کا انتظار کر رہی ہے وہ بلاشبہ میں ہی ہوں۔ لیکن یہ تو میرا وہم تھا۔ وہم بھی نہیں میرا جنون اور پاگل پن ہی تو ٹھہرا تھا۔ صدف کے پکارنے پر میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اس نے میری طرف دیکھا اور بولی۔

”جانتے ہو کاشی۔ اس نوجوان نے ایئرپورٹ پر آخری بار مجھے غور سے دیکھا تھا۔ یوں جیسے اب کبھی ہم دوبارہ نہیں ملیں گے۔“ اس نوجوان نے میرے گالوں کو پیار سے چھوا تھا۔

”مجھے ایک بات بتاؤ؟“ میں روہانسی ہو کر بولی۔

”اس سرد اور اداس موسم میں مجھے اکیلا تو نہیں چھوڑو گے میری محبت کی لاج رکھو گے نا؟“ اس نے پیار سے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کہنے لگا۔

”اچھی لڑکی...... میں ساری زندگی تمہاری تمنا کرتا رہوں گا۔“

”جب تم میری ساری زندگی تمنا کر سکتے ہو تو پلیز مجھے چھوڑ کر ہرگز نہ جاؤ...... میں اس سرد موسم میں تمہیں کہاں ڈھونڈوں گی۔ تمہاری یادیں اور باتیں دھند سے اٹے ہوئے دنوں کی نذر ہو جائیں گی۔ اگر ہم نے ایک دوسرے کو کھو دیا تو......“ میری اس بات

پر وہ بوکھلا سا گیا اور کہنے لگا تھا۔

''کیا تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں؟ اچھی لڑکی ایسا نہ سوچا کرو۔ میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔ آنکھوں کے سامنے نہ سہی مگر دل اور سوچ سے کبھی ہم جدا نہیں ہوں گے۔ ڈائری کھول کر اس میں میری شبیہہ تلاش کرنا۔ میں کتابِ زیست کے ہر ورق پر تمہیں نظر آؤں گا۔''

''اس آخری اور تلخ ملاقات کے بعد ہم کبھی ہاتھ نہیں ملا پائیں گے۔'' میں رو دینے کے انداز میں بولی تھی۔

اس نے ایک بار پھر میرا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ میں کچھ نہ بولی مگر محبت کے قصے آنکھوں سے ادا ہو رہے تھے۔ وہ میرے آنسو پونچھتے ہوئے چل پڑا تھا۔ اس کا جہاز اڑان بھرنے لگا تھا۔

''وہ دن اور آج کا دن ہے دسمبر کے اس قہر آلود موسم میں اس کی شبیہہ کبھی سوچوں میں اور کبھی اپنی ڈائری میں ڈھونڈتی ہوں۔''

''کاشف تم میرے اس کرب کا اندازہ تو کرو جسے میں نبھا رہی ہوں۔ وہ مجھے کہیں نظر کیوں نہیں آتا۔ جس طرح ایک ادھ کھلی کلی کی مہک اس کے وجود میں چھپی رہتی ہیں بالکل اسی طرح اس کا چہرہ بھی کہیں چھپ گیا ہے۔ جو میری راتوں کی نیند چرا لیتا تھا میری ہنسی پر صدقے جاتا تھا۔ آج یوں دیارِ غیر جا کر بس گیا ہے۔ اس کی تو اب کئی ماہ سے چٹھی بھی نہیں آ رہی جو روز چھٹی لکھنے کے دعوے کرتا تھا۔ آج اس کے وعدے بھی ہوا ہو گئے۔''

''انتظار کے اس الاؤ میں پل پل سلگنے کی بھی اپنی ایک لذت ہے۔ ایک بولتی تنہائی جس کے معنی تو شاید مل جائیں لیکن آواز کہیں گم ہو جائے گی۔''

صدف ڈائری سے سوکھے گلاب نکال کر ان کی پتیاں مسل رہی تھی اچانک ایک کانٹا اس کی نازک یخ ٹھنڈی انگلی میں پیوست ہو گیا۔

میں نے آگے بڑھ کر اس کی انگلی اپنے ہونٹوں تلے دبالی۔ اس کا درد اپنے سینے میں اتارا تو وہ مجھے پُرسکون دکھائی دینے لگی۔ جیسے زمانے بھر کی مسافت طے کر کے اس نے ابھی پڑاؤ ڈالا ہو۔

''پتہ ہے کاشی...... جب ہم دوستی کی حدوں کو چھونے لگے تھے تو ہم میں ایک ایسا رشتہ جنم لینے لگا تھا جس میں ہر تمنا قید ہو جاتی ہے۔''

''م'' کے حرف سے شروع ہونے والی شے کو وہ اپنے لیے مخصوص کر لیتا تھا۔ اور ''ت'' پر ختم ہونے والے لفظ کو میرے لیے لازم کر دیتا تھا۔ میں اس لفظ کے مطالب جاننے لگی تھی وہ میرے سر پر ایک چپت سی لگاتا اور ہنستے ہوئے لوٹ پوٹ ہو جاتا تھا۔ اس کی ہنسی میں فوارے کا رقص ہوتا تھا۔ ہنسی کو روک کر اس نے میری جانب دیکھ کر کہا تھا۔

''وہ لفظ بلاشبہ ''محبت'' ہی تو ہے۔ ان چند ماہ میں اس نے مجھے محبت کے مفہوم سے آشنا کر دیا تھا۔ خزاں رسیدہ پیڑوں پر پنچھی اپنے گن گانے میں مگن تھے اور میں محبت کے ملن کی دعائیں مانگ رہی تھی۔ دعاؤں میں اتنا اثر تو ہوتا ہے ناں۔ کاشی کے جس کو دل سے چاہا جائے وہ بے قرار موسم میں چلا آئے۔'' آنسو میری پلکوں سے بہہ نکلے۔

اس سرد موسم میں آسمان پر پائل بجاتی گھٹا اب باقی کے آدھے آکاش کی طرف بڑھ رہی تھی۔ مست رنگی دھنک کے رنگ پھیکے پڑ گئے تھے۔

دسمبر کی بارش کی بوندیں ہمارے بالوں میں جذب ہونے لگیں۔ تیز بارش شروع ہو گئی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آسمان میرے آنسوؤں سے اتنا بے قرار ہو جائے گا۔ صدف چپ سادھے سنگی بنچ پر میرے ساتھ بیٹھی رہی۔ وہ اپنے آنسو پونچھ کر روتے آسمان کو چپ کرانے لگی۔ مگر آسمان کے موٹے موٹے آنسو اسے بھگوئے جا رہے تھے۔

ڈالیوں پر ڈھیرے ڈھیرے جھولتے پتوں کی نوکوں پر لرزتے پانی کے ننھے مخملی گھاس پر

گر رہے تھے۔

"چلو اٹھو کہیں اور چلتے ہیں۔" کاشی نے میرا ہاتھ پکڑ لیا کہ کہیں میرا پاؤں نہ پھسل جائے۔

کتنا خیال تھا اسے میرا اور جس مجھیلے نوجوان کے لیے آج آسمان بھی رو رہا تھا اس کو تو میری کوئی پروا نہیں تھی۔

"نہیں...... کاشی میں اب آرام کروں گی۔ بہت تھک گئی ہوں۔" آنسوؤں سے صدف کی آواز رندھ گئی۔

تب اس لمحے مجھ پر یہ بات آشکار ہوئی کہ صدف کی آنکھیں جو آنسو بہاتی ہیں وہ سارے آنسو میرے حلق کو نمکین کرنے لگے ہیں۔ ہاں بلاشبہ یہ نمک تو بہت انمول ٹھہرا۔ اس کا تو کوئی مول نہیں۔ کوئی کیا جانے کہ یہ کسی دھرتی سے نہیں بلکہ دل کی کان سے نکلتا ہے۔ میں صدف کو چاہنے لگا تھا۔ اس کی باتیں میرے من کو بھاتی تھیں لیکن میں اسے اپنے دل کی کیفیت کیا بتاتا۔ جو کسی اور کے انتظار کا در میرے سامنے وا کیے بیٹھی تھی۔

کافی دن وہ مجھے نظر نہ آئی۔ مجھے گمان گزرا کہ اس روز کی بارش میں بھیگ جانے کی وجہ سے بخار نے نہ آلیا ہو۔ میں سبزے کی مہک اور پھولوں کی خوشبو کو مٹھیوں میں بھر بھر کر ہر طرف اچھال رہا تھا کہ ان خوشبوؤں کے سہارے ہی صدف چلی آئے۔

لیکن یہ میری آرزو ہی رہی۔ میں اپنے کام میں جت گیا بھیگا اور سرد دسمبر اپنے جوبن پر تھا۔ جس کی سرمئی شامیں مجھے بے چین کیے رکھتیں۔

پھر ایک دن مجھے صدف نظر آئی۔ وہ اسی سنگی بنچ کی جانب بڑھ رہی تھی جس پر بیٹھ کر وہ میرے سنگ اس پردیسی کا انتظار کیا کرتی تھی۔ آج اس کی چال میں ایک جوش اور خوشی کا سماں تھا۔ میں سوچنے لگا چال بھی کیا عجب شے ہے کسی تعارف کے بغیر ہی سب سے پہلے اپنا تاثر دیتی ہے۔ پرندوں کی ڈار تھکے ہوئے

پروں کو سمیٹے مغرب کے اس پار جانے کی جستجو کر رہی تھی۔ خوف کی ایک دبیز لہر میرے اعصاب کو ناتواں کرنے لگی۔

صدف کا کاسنی آنچل ہوا میں اڑا جا رہا تھا وہ شادمانی سے میری جانب بڑھ رہی تھی۔ میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا تو آج ان غزالی اور نیلی آنکھوں میں جہاں انتظار کے طویل لمحات منجمد ہوتے تھے اس پل خوشی کے دیے جھلمل کر رہے تھے۔ اس کے ہاتھوں میں وہی گولڈن ڈائری تھی۔ چارلی کی مدھر خوشبو اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔

''کاشی......'' اس نے مجھے پکارا تو میں سنگی بنچ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ سردی سے اس کے گال سرخ انگارہ ہو رہے تھے۔ یخ ٹھنڈے ہاتھوں سے اس نے ڈائری کھولی۔ مجھے اپنی ہستی ڈولتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ اس نے ایک سانس میں سب کہہ دیا۔

''وہ لندن سے آ رہا ہے۔'' صدف مجھے اس سجیلے نوجوان کی چٹھی دکھانے لگی۔ جس پر جا بجا پھول بنے ہوئے تھے۔

''یہ یہ دیکھو کاشی!'' خوشی کے مارے صدف کا سانس پھولا ہوا تھا۔

''آج اس نے چٹھی کے آخر میں میرا نام صدف لکھ کر محبت کی تکمیل کر دی ہے۔''

میں زیرلب مسکرا اٹھا۔ ایک پل کو مجھے صدف سے حسد ہونے لگا تھا۔ لیکن دوستوں سے حسد تو نہیں کیا جاتا ناں۔ وہ میری دوست تھی اور میں اس کا عزیز راز داں۔

دوستوں کے لیے تو ہر پل زبان سے دعائیں ہی نکلتی ہیں۔ میں نے آگے بڑھ کر صدف کو اپنے گلے لگا لیا۔ خوشی کے مارے اور بے دھیانی میں وہ بھی میرے گلے لگ گئی۔ میں اس کا بوسہ لینا چاہتا تھا لیکن وہ اس چٹھی کو بوسہ دے رہی تھی جو اس کے محبوب کی تھی اور میرے اندر یادوں کی ایک دلدل تھی جس میں میں دھنسا جا رہا تھا۔

وہ نجیلی لڑکی آج مجھے بہت حسین لگ رہی تھی۔ نا جانے وہ اپنے محبوب کے بارے میں کیا کچھ کہتی رہی کہ۔

''اب ہم دسمبر کی ان زرد شاموں کو مل کر خوش آمدید کہیں گے۔ وہ مجھے روٹھنے نہیں دے گا۔ جب کہ میں گلے شکووں کے انبار لگا دوں گی۔'' وہ اپنے ہاتھ کی ہتھیلی پر لکیریں تلاش کر رہی تھی۔ پھر ہولے سے بولی۔

''جانتے ہو کاشی؟ میں نے اسے دعاؤں میں مانگا تھا۔ وظیفے کیے تھے اس کے ملن کے لیے آج میری دعائیں رنگ لے آئیں۔ میری محبت کھری تھی نا؟ اور جو دعائیں دل سے کی جائیں وہ ضرور قبول ہوتی ہیں میرے اللہ نے دعاؤں میں بڑی طاقت رکھی ہے۔'' ست رنگی تتلیوں کا رقص جاری تھا۔ اور دھنک کے رنگ صدف کے مکھ پر لہرا رہے تھے۔ میرا دل چاہا دھنک کا ایک ایک رنگ نوچ لوں۔ لیکن میں ایسا نہ کر سکا۔ دل نے صدا لگائی۔

''خود کو مضبوط کرو صاحب...... آج تو کسی کے ملن کے لیے بے قرار ہے۔ جیسی وہ کل کسی سے ملنے کو تڑپ رہی تھی۔ مگر تم نے اپنی سوچوں اور تمناؤں کا بار خود اپنے کندھے پر اٹھانا ہے۔ وہ جو تیرے کندھے پر سر رکھ کر لمبی لمبی امیدیں باندھا کرتی تھی۔ آج اس کی دعاؤں میں قبولیت کا رس شامل ہو گیا ہے۔

پر تجھے تو دسمبر ہر بار یوں ہی ملے گا۔ اداس اور سرمئی شاموں سے مہکا ہوا۔ خشک پتوں سے اٹا ہوا اور انتظار سے بھرپور دسمبر۔''

تیری زلف کے سر ہونے تک

اقرا صغیر احمد

قسط نمبر 4

اپنے خلاف فیصلہ خود ہی لکھا ہے آپ نے
ہاتھ بھی مل رہے ہیں آپ، آپ بہت عجیب ہیں
دائرہ وار ہی تو ہیں عشق کے سلسلے تمام
راہ بدل رہے ہیں آپ بہت عجیب ہیں

گزشتہ قسط کا خلاصہ

زید کو جب یہ پتا چلتا ہے کہ سودہ گھر میں کچھ بچوں کو ٹیوشن پڑھاتی ہے تو وہ سخت اشتعال میں آ جاتا ہے اسے یہ بات قطعاً پسند نہیں آتی اور اس بات کو لے کر عمرانہ اور صوفیہ میں خوب جھگڑا ہو جاتا ہے عمرانہ کو یہی لگتا ہے کہ صوفیہ اور ان کی بیٹی سودہ ان کے بچوں کے حقوق میں زبردستی شامل ہوگئی ہے اور ان حالات میں باپ کی محبت بھی زید کے بجائے سودہ کے حصے میں آ رہی ہے۔ مدثر صاحب سودہ کو باہر لے کر چلے جاتے ہیں تاکہ اسے ٹینشن سے دور رکھ سکیں۔ انشراح نوین کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتی ہے اور روشن آپا کی مدد لیتی ہے ان کی زبانی اسے پتا چلتا ہے کہ نوین اماں کی سگی بیٹی تھی یہ جان کر اس کا تجسس مزید بڑھ جاتا ہے اسے اپنی زندگی رازوں سے مزین لگتی ہے اپنے ماں باپ کے متعلق بھی وہ صرف اتنا جانتی ہے کہ وہ اس کے بچپن میں ہی فوت ہوگئے تھے۔ لاریب اپنی رنگین طبیعت سے مجبور ہو کر راستے میں نظر آنے والی لڑکی سے تعلقات بڑھاتا ہے اور اپنے کچھ لمحات رنگین بنانے کی خاطر ان ماں بیٹی کو ہوٹل لے آتا ہے لیکن وہ دونوں لاریب کو دھوکا دے کر اس کا تمام قیمتی سامان لے کر فرار ہو جاتی ہیں ایسے میں لاریب نوفل کو فون کر کے تمام حالات کا بتاتا ہے نوفل اس کی حالت پر نہایت شرمندگی محسوس کرتے اسے شادی کرنے کا مشورہ دیتا ہے جسے وہ چٹکیوں میں اڑا دیتا ہے۔ نوفل یونیورسٹی میں انشراح کو دیکھ کر خفگی کا اظہار کرتا ہے جبکہ بابر پچھلے تمام واقعات کو بھول جانے کا مشورہ دیتا ہے مگر نوفل اس بات پر آمادہ نہیں ہوتا زرقا بیگم نوفل کو اپنے ماموں کی طرف جانے کا کہتی ہیں جس پر وہ رضامند نہیں ہوتا جب ہی وہ اس کی ماں کا تذکرہ کر بیٹھتی ہیں لیکن ماں کے ذکر پر نوفل کا غصہ مزید بڑھ جاتا ہے وہ اس عورت کو اپنی ماں کا درجہ دینے پر تیار نہیں ہوتا زرقا بیگم نوفل کی شادی کی خواہش مند ہوتی ہیں مگر وہ صنف مخالف سے نہایت بیزاریت کا اظہار کرتے ٹال جاتا ہے۔ انشراح اپنی دوست عاکفہ کے ہمراہ یونیورسٹی جاتی ہے وہیں چند لڑکے عاکفہ کے ساتھ بدتمیزی کرتے ہیں ایسے میں انشراح اپنی دوست کا ساتھ دیتے اس لڑکے کو تھپڑ رسید کر دیتی ہے عاکفہ اس صورت حال سے شدید خوف زدہ ہو جاتی ہے دوسری طرف وہ لڑکے بھی بدلہ لینے کے لیے ہر دم تیار نظر آتے ہیں اور انہیں یہ موقع بہت جلد مل جاتا ہے جب انشراح عاکفہ کی غیر موجودگی میں یونیورسٹی آتی ہے اور وہ لڑکے اسے زبردستی اپنی گاڑی میں ڈال کر لے جاتے ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

"نوفل..... آگے کچھ گڑبڑ لگ رہی ہے۔" سائیڈ سے آنے والی کار میں بابر اور نوفل تھے ان سے کچھ ہی فاصلے پر

کھڑی سوزوکی کار میں اُدھم سا تھا۔

"ہوں دیکھ تو میں بھی رہا ہوں کچھ گڑبڑ محسوس ہو رہی ہے۔" ڈرائیونگ کرتے ہوئے اس کی نگاہیں بھی اسی سمت تھیں۔

"دیکھتے ہیں کیا معاملہ ہے۔"

"چھوڑو یار ہم پہلے ہی بہت لیٹ ہو گئے ہیں۔"

"نہیں نا معلوم کون ہے اور کیا مسئلہ ہے ہمیں ان کی ہیلپ کرنی چاہیے۔" وہ کہتا ہوا فاسٹ ڈرائیونگ کرکے وہاں پہنچا اور وہاں پہنچ کر وہ کار سے نکلے بھی نہیں تھے کہ انہوں نے دیکھا دو لڑکے کسی لڑکی کو کڈنیپ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ لڑکی بن جل مچھلی کی مانند چلتی کار سے نکل گئی تھی جس کو وہ دوبارہ اندر کار میں ڈالنے کی کوشش میں سرگرداں تھے۔

مگر وہ کمزور سی لڑکی ان کے لیے خطرناک فائٹر ثابت ہو رہی تھی دونوں صحت مند نوجوان اس کا مقابلہ کرنے میں ناکام ہو رہے تھے ان کی کار کو رکتے دیکھ کر ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان لڑکے نے اپنے ساتھیوں کو چیخ کر واپس آنے کا کہا اور ان کے نکلتے نکلتے وہ دونوں لڑکے اس لڑکی کو دیکھتے بھاگتے ہوئے کار میں بیٹھے تھے اور لمحوں میں کار ہوا ہو گئی تھی۔

"بزدل...... ڈرپوک......" نوفل نے فل اسپیڈ سے بھاگتی کار کو دیکھتے ہوئے کہا جبکہ بابر اس لڑکی کی طرف بڑھا جو اپنے منتشر حواسوں کو نارمل کر رہی تھی۔

"آر یو او کے میم......" وہ قریب جا کر استفسار کرنے لگا تھا اور جب اس نے مڑ کر دیکھا تو اس کے ساتھ ساتھ کچھ فاصلے پر کھڑا نوفل بھی چونک گیا تھا۔

"ارے آپ...... کون لوگ تھے وہ؟ آپ کو کڈنیپ کیوں کرنا چاہ رہے تھے؟" انشراح کو دیکھ کر وہ پریشان سا استفسار کرنے لگا تھا جبکہ نوفل جہاں تھا وہیں تھم گیا تھا چند لمحے قبل جو اس لڑکی کو ان لڑکوں سے فائٹ کرتے دیکھ کر اس کی دلیری نے متاثر کیا تھا سب ختم ہو گئی۔ وہ اس کا چہرہ دیکھ کر آگے نہیں بڑھا تھا ان کے درمیان جو ایک سردمہری کی دیوار قائم تھی۔ وہ طویل ہوتی جا رہی تھی اور یہی وجہ تھی کہ اس کی دلیری و پُراعتمادی سے متاثر ہونے کے باوجود سپاٹ چہرہ لیے وہیں کھڑا رہا۔

"میں نہیں جانتی وہ لوگ کون تھے اور کیوں کڈنیپ کرنا چاہتے تھے۔" اس نے بابر کے پیچھے کھڑے نوفل کو دیکھا اس کے انداز میں وہی اکھڑپن و بے نیازی دور سے ہی نمایاں تھی۔ دیکھ کر بھی نہ دیکھنے کا انداز جان کر بھی نہ جاننے کی سردمہری مقابل کو احساس شرمندگی سے دوچار کر دیتی تھی وہ اس وقت اس حالت میں اس کا سامنا کرنے سے بھی گریزاں تھی کہ ان کی دست درازی سے بچنے کے لیے اس نے سخت محنت کی تھی اور یہی وجہ تھی کہ وہ کوئی نازیبا حرکت نہ کر سکے تھے لیکن اس دوران چوٹیں لگنے سے اس کی ناک اور ہونٹ گھائل ہونے کے باعث ہلکا ہلکا خون رسنے لگا تھا۔

"آپ تو خاصی زخمی ہو گئی ہیں چلیں پہلے آپ کو ہسپتال لے چلتے ہیں پھر ان لوگوں کا بھی پتا لگائیں گے کون تھے وہ لوگ۔" بابر کے لہجے میں ہمدردی و فکرمندی در آئی تھی۔

"نو تھینکس، مجھے آپ کی مدد کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔"

"پلیز مس انشراح...... یہ ناراضگی کا وقت نہیں ہے آپ کے زخموں سے خون رس رہا ہے۔" وہ اس کا سخت لہجہ نظرانداز کرکے گویا ہوا۔

"میں نے کہا نہ مجھے آپ کی مدد نہیں چاہیے سمجھے آپ؟" اس نے کہا اور آگے قدم بڑھا دیئے تھے اس کا انداز جنگ آمیز تھا۔

”کم آن بابر...... کسی پتھر سے سر پھوڑنے کی ضرورت نہیں ہے ابھی جو کچھ ہوا ہے وہ ایسی ہی گرلز کے ساتھ ہوتا ہے جو اوور کانفیڈنٹ اور اوور اسمارٹ ہوتی ہیں۔“ اس کے کھردرے انداز سے نوفل کو بھی ہتک کا احساس ہوا تھا وہ ناگوار لہجے میں کہتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا۔

”ہونہہ...... آپ جاسکتے ہیں۔“ بابر کو گومگو کی حالت میں کھڑا دیکھ کر اس نے کہا...... پھر تیز تیز چلتی ہوئی گیٹ کی طرف بڑھ گئی تھی۔

”تم اگر کچھ دیر کے لیے اپنی زبان بند کرلیتے تو کیا نقصان ہوجاتا تھا؟“ بابر اب نوفل سے مخاطب ہوا۔

”میں نے کیا کیا ہے؟“

”تم اس کو معاف کیوں نہیں کردیتے ہو؟“

”کچھ لوگ معاف کرنے کے قابل نہیں ہوتے۔“

”قابل اصلاح ضرور ہوتے ہیں اصلاح کردو۔“

”آئی ڈونٹ کیئر...... میں نے کبھی ایسے لوگوں سے ہمدردی محسوس نہیں کی۔“

❁......❁......❁

عمرانہ کی بڑی بہن رضوانہ حال ہی میں جدہ سے کراچی شفٹ ہوئی تھیں۔ رضوانہ کے خاوند اکرم کا جدہ میں اعلیٰ پیمانے پر لیڈیز گارمنٹس کا کاروبار تھا' دولت کی خوب ریل پیل تھی۔ وہ اولاد نرینہ سے محروم دو بیٹیوں کے والدین تھے اور ان کے بے جا لاڈ پیار نے دونوں بچیوں کو مغرور بنادیا تھا' اپنے آگے کسی کو خاطر میں لانا ان کی سرشت میں شامل نہ تھا البتہ عمرانہ کو خالہ ہونے کے باعث بے حد پسند کرتی تھیں۔ مائدہ کی بھی دونوں بہنوں سے بہت گہری دوستی تھی اور عمرانہ جوان کے جدہ میں ہونے کے سبب سے خود کو تنہا و کمزور محسوس کرتی تھیں ان کے یہاں شفٹ ہونے کے باعث خود کو طاقتور سمجھنے لگی تھیں کیونکہ والدین کے انتقال کے بعد وہ دونوں بہنیں ہی میکے نام پر ایک دوسرے کا سہارا تھیں۔ آج وہ مائدہ کے ہمراہ رضوانہ کے گھر آئی ہوئی تھیں' زید اور مدثر کے درمیان ہونے والی معمولی سی تلخ کلامی کو کئی دن گزر گئے تھے مگر وہ بھولنے والی نہیں تھیں اب بھی ان کے درمیان بیٹھ کر وہ صوفیہ اور سودہ کو برا کہنے میں مشغول تھیں کہ یہ ان کا من پسند مشغلہ بھی تھا۔

”میں نے تمہیں پہلے دن ہی کہا تھا عمرانہ...... صوفیہ جس دن بیوہ ہوکر آئی تھی کہ ان ماں بیٹی کو کسی نہ کسی طرح گھر سے نکالو اگر وہ رک گئیں تو تمہارا جینا دشوار ہوجائے گا' اب دیکھ لو وہ ہی ہوا نہ۔“ رضوانہ نے تنبیہ بھرے لہجے میں کہا۔

”کوشش میں نے بہت کی کہ وہ ماں بیٹی وہاں ٹکنے نہ پائیں مگر وہ ہی بات ہے کہ نقار خانے میں طوطی کی صدا کون سنتا ہے۔ پہلے منور بھائی اور زمرد بھابی کون سی کم ہیں' دونوں میاں بیوی ہمدردیوں و خداترسی کے بخار میں ہر دم مبتلا رہتے ہیں اور رہ گئے مدثر وہ تو ہر دم بہن و بھانجی کی محبت میں اپنی اولاد کو بھلائے رہتے ہیں' کسی نے نہیں سنی میری۔“

”ہوں' یہ بات تمہاری سچ ہے صوفیہ کی اہمیت وہاں شروع سے ہی رہی ہے۔“

”اور بیوگی کے بعد اس اہمیت کو عروج حاصل ہوگیا۔“

”ہاں' اکلوتی بیٹی و بہن تھی پھر تمہارے سسرال میں بیٹی و بہن کو کچھ ضرورت سے زیادہ ہی محبت دی جاتی ہے جو ان کے دماغ آسمانوں پر چڑھا دیتی ہے۔“

”آنٹی...... زید آپ کے ساتھ کیوں نہیں آئے؟“ عفرا جو خاصی دیر سے یہ سوال پوچھنے کے لیے بے قرار تھی ان کے خاموش ہوتے ہی استفسار کیا' وہ مسکرا کر گویا ہوئیں۔

”زید کی آج کوئی خاص میٹنگ تھی اس وجہ سے وہ نہیں آیا۔“

"جب بھی آپ یہاں آتی ہیں زید ساتھ ہی نہیں آتے کوئی وجہ ضرور ہے ایسا لگتا ہے وہ ہم سے ملنا نہیں چاہتے۔"
عفرا نے ماں کی جانب دیکھتے ہوئے اٹھلاتے ہوئے کہا۔
"عفرا ٹھیک کہہ رہی ہے ہمیں یہاں شفٹ ہوئے تین ماہ ہوچکے ہیں اور ان دنوں میں فقط دو مرتبہ ہی زید آیا ہے اور وہ کھڑے کھڑے تمہیں پک کرنے کے لیے ڈنر تک نہیں کیا اس نے ہمارے ساتھ۔" رضوانہ بیگم نے بھی فوراً بیٹی کی باتوں کی تائید کی۔
"ارے ایسی کوئی بات نہیں ہے آپی...... زید تو ہر گھڑی یہاں آنے کے لیے تیار رہتا ہے ہم سے زیادہ خوشی اس کو آپ کے یہاں شفٹ ہونے کی ہوئی ہے اور خوشی کیوں نہ ہو بھئی ننھیال میں آپ کے سوا ہے کون پھر وہ کسی کو لفٹ کہاں دیتا ہے پورے گھر میں محض بھابی اور منور بھائی ہیں جن سے وہ محبت کرتا ہے وگرنہ صوفیہ اور اس کی بیٹی کی شکلوں پر تھوکنا بھی گوارا نہیں سخت نفرت کرتا ہے ان سے۔"
"اچھا، مجھے بھی وہ بیٹوں کی طرح عزیز ہے زید کو ہی دیکھ کر میں خوش ہوتی ہوں، کبھی محسوس ہی نہیں ہوا کہ میرا کوئی بیٹا نہیں ہے۔"
"زید بھی جان چھڑکتا ہے آپ پر۔" انہوں نے ان کا ہاتھ تھام کر کہا۔
"دل سے دل کو راہ ہوتی ہے عمرانہ۔"
"آنٹی...... آپ زید کو کال کریں کہ آج وہ ڈنر ہمارے ساتھ ہی کریں۔" عفرا نے اپنے شانوں تک پھیلے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔
"آپ خود کال کیوں نہیں کر لیتی؟" مسکراتے ہوئے کہا۔
"کئی بار کال کی ہے مگر وہ ریسیو نہیں کرتے بہت روڈ ہیں وہ۔"
"ارے نہیں نہیں میری جان۔" عمرانہ نے اٹھ کر اسے لپٹاتے ہوئے کہا۔
"زید تو بہت نرم دل و ہنس مکھ ہے، حساس اس قدر کہ چہرے سے ہی احساسات سمجھ جاتا ہے۔ آپ کی کال شاید اس لیے ریسیو نہیں کی ہوگی کہ کسی میٹنگ وغیرہ میں ہوگا۔" عروہ مائدہ کو لے کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی باتوں کے دوران اس نے اپنا سیل فون اسے دکھایا تو مائدہ حیرانی سے گویا ہوئی تھی۔
"تم سیل یوز کرتی ہو؟"
"آف کورس میں یوز کرتی ہوں تب ہی میرے پاس ہے۔"
"آنٹی انکل کو کوئی اعتراض نہیں ہے؟"
"نہیں، بالکل بھی نہیں اور یہ فون تو ڈیڈی نے ہی گفٹ کیا ہے وہ ٹورنٹو سے میرے لیے ہی لائے تھے اسپیشلی۔"
"اوہ رئیلی......! انکل لائے تھے تو پھر تو تم کو کوئی منع کرنے والا نہیں ہے، کاش ہمارے پاپا بھی ہمارے لیے اسی انداز سے سوچتے تو مجھے بھی کوئی سیل فون یوز کرنے سے روک نہیں سکتا تھا۔" وہ بری طرح افسردہ ہوگئی تھی۔
"ارے کیا تمہارے پاس سیل فون نہیں؟" عروہ کے لیے یہ بات ناقابل یقین تھی۔
"نہیں، میرا کوئی سیل فون نہیں ہے۔" وہ شرمندگی محسوس کرنے لگی۔
"آئیم رئیلی شاکڈ......! لیکن یہ تو بہت ضروری ہے اس دور میں بلکہ میں کہتی ہوں اس کے بنا تو زندگی ادھوری ہے تم بے حد عجیب ہو۔"
"عجیب نہیں عجوبہ کہو عجوبہ۔" اس نے شانے اچکا کر کہا۔

"لیکن آنٹی کے پاس موبائل ہے۔ تمہارے پاس کیوں نہیں ہے؟" اس کی حیرانی کم نہ ہورہی تھی۔
"تایا جان اس کے بے حد خلاف ہیں کہ لڑکیوں کے پاس سیل فون ہو اور زید بھائی تایا جان کی ہر بات پر عمل کرتے ہیں اور زید بھائی کے حکم پر ہی میں اور سودہ سیل فون استعمال نہیں کرسکتے اور نہ ہی ہم گھر میں کسی کا سیل فون استعمال کرتے ہیں البتہ لاؤنج میں لگے لینڈ لائن نمبر یوز کرنے کی اجازت ہے ہمیں۔"
"یہ تو کوئی پرائیویسی نہ ہوئی، کسی فرینڈ سے سب کی موجودگی میں بات کس طرح ہوسکتی ہے؟" وہ آنکھیں پھاڑ کر کہنے لگی۔
"میں اور سودہ ایک دوسرے کی بہترین فرینڈز ہیں کالج میں گھر میں ہم ایک ساتھ ہوتے ہیں۔ کالج کی فرینڈز سے دوستی صرف کالج کی حد تک ہی ہے کبھی کسی سے رابطہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔"

❁......❁......❁

ناک اور ہونٹ کے بائیں حصے میں لگنے والی چوٹ کے باعث خاصی سوجن آنے کے ساتھ ساتھ اس کی تکلیف میں بھی اضافہ ہوگیا تھا۔ وہ دو پیریڈ اٹینڈ کرنے کے بعد گھر جانے کا ارادہ کرچکی تھی معاً عاکفہ کو اپنی طرف تیز تیز قدموں سے آتے ہوئے دیکھ کر وہ ٹھٹک کر رک گئی۔
"وہ ہی ہوا نہ جس سے میں ڈر رہی تھی۔" وہ آتے ہی اس سے لپٹ کر رونے لگی۔
"تم کس طرح آ گئی؟ تمہیں تو ابھی بھی اتنا تیز بخار ہورہا ہے اور تمہیں بتایا کس نے؟" وہ سخت سراسیمہ ہورہی تھی۔
"بابر نے کال کی ہے اور سب بتایا ہے میں کہہ رہی تھی پولیس میں شکایت کرنے دو مگر تم نہیں مانی اور دیکھا نہ کس طرح سے وہ تمہیں کڈنیپ کرنا چاہ رہے تھے۔"
"بابر کے پاس تمہارا نمبر کہاں سے آیا؟" وہ سیڑھیوں پر بیٹھ گئی تھیں۔
"کہہ رہا تھا زینت سے لیا ہے اس کے پاس ہے میرا رابطہ نمبر۔"
"زینت ہے کہاں ابھی بتاتی ہوں اس نے جرأت کیسے کی، بغیر اجازت نمبر دینے کی۔ اس کو نمبر دینے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ وہ نمبر بانٹتی پھرے۔" انشراح کو غصہ عود کر آیا تھا۔
"ارے زینت ایسی غیر ذمہ دار لڑکی نہیں ہے اب نا معلوم بابر نے کیا کہہ کر اس سے نمبر لیا ہے اور مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے کیونکہ اس نے کوئی غلط حرکت نہیں کی۔ تمہارے متعلق ہی بتایا ہے وہ خود بھی بے حد پریشان تھا۔" اس کے بگڑے تیور دیکھ کر عاکفہ نے بابر کی سائیڈ لی۔
"وہ کیوں پریشان ہونے لگا میرا کیا واسطہ اس سے۔"
"اس طرح مت کہو، بہت عزت کرتا ہے وہ تمہاری۔"
"ہونہہ...... اس کے دوست کو دیکھو کہہ رہا تھا مجھ جیسی لڑکی کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے۔" نوفل کی بات اس کے دل میں کھب گئی تھی۔
"تم کیوں پروا کرتی ہو اس کی اپنی حالت دیکھی ہے تم نے سوجن بڑھتی جارہی ہے چلو ہم پہلے کسی ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔"
"واہ...... میں کیوں اس لنگور کی پروا کرنے لگی وہ تو اس نے بات ایسی کی ہے کہ میرا دل چاہ رہا ہے گولی ماردوں اس کمینے کو۔"
"چلو بس تم پر ہر وقت مرنے مارنے کا بھوت سوار رہتا ہے۔" عاکفہ اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھی۔

''میں آپ لوگوں کو ڈراپ کر دیتا ہوں اس حادثے کے بعد آپ لوگوں کا تنہا جانا بالکل مناسب نہیں ہے۔'' بابر گویا ان کے انتظار میں ہی بیٹھا تھا ان کو گیٹ کے قریب آتے دیکھ کر گویا ہوا۔

''پہلے یہ بتایئے آپ کی ان مہربانیوں کے پیچھے کیا مطلب پنہاں ہے؟'' عاکفہ کے بولنے سے قبل ہی وہ تفتیشی انداز میں گویا ہوئی۔

''مطلب...... مطلب تو کچھ بھی نہیں ہے۔'' وہ قدرے گھبرایا۔

''پھر کیوں ہمارے پیچھے سائے کی مانند لگے ہوئے......''

''پلیز انشراح...... وہ ہماری مدد کر رہا ہے اور تم اس کی بے عزتی کر رہی ہو بی ہیو یور سلف۔'' عاکفہ نے انشراح کا ہاتھ پکڑ کر اس سے کچھ فاصلے پر لے جا کر آہستگی سے کہا...... پھر بابر سے مخاطب ہوئی۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں سچ میں ان لوگوں کا کوئی بھروسہ نہیں ہے اگر وہ واپس آ گئے تو...... یہ سوچ کر ہی مجھے کچھ ہونے لگتا ہے آپ اپنی کار میری کار کے پیچھے ہی رکھیے گا بہت مشکور ہوں میں آپ کی۔'' انشراح گہری سانس لے کر کار کی طرف بڑھ گئی۔

❁......❁......❁

''بیٹا...... طبیعت کیسی ہے اب؟'' زرقا لاریب کی مزاج پرسی کے لیے آئی تھیں جو اس دن کے بعد سے بخار اور بدن درد میں مبتلا ہو گیا تھا شہر کے بہترین ڈاکٹرز کے علاج ہونے کے باوجود بستر سے اٹھ نہیں پا رہا تھا۔ ایک تو وہ از حد نازک طبع تھا مستزاد ماں اور باپ کی محبتوں نے بالکل ہی کمزور بنا ڈالا تھا وہ معمولی سی بھی تکلیف برداشت نہیں کر پاتا تھا۔

''بہت پین ہو رہا ہے باڈی میں بڑی ماما۔'' وہ کراہ رہا تھا۔

''پین تو ہوگا ہی میری جان...... اس بری طرح سے چوٹیں آئی ہیں۔ خدا غارت کرے ایسے لوگوں کو جو اس طرح سے ڈرائیونگ کرتے ہیں سامنے والا بچنے کی سعی میں بھی بچ نہیں پاتا۔'' لاریب کے قریب بیٹھی سامعہ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''بیٹا...... آپ کو بھی احتیاط کرنی چاہیے تھی سڑک پر چلتے ہوئے۔ ویسے بھی فٹ پاتھ اسی لیے ہوتا ہے سڑک پر ایکسیڈنٹ کا ہی خطرہ رہتا ہے پھر بھی اللہ کا احسان ہے اس کی رحمت سے کوئی فریکچر وغیرہ نہیں ہوا۔''

''آپ سے کس نے کہا لاریب سڑک پر چل رہا تھا؟'' وہ استعجابیہ انداز میں گویا ہوئیں۔

''پرسوں انہوں نے ہی بتایا تھا سڑک پر چلتے ہوئے پیچھے سے آنے والی کار نے ٹکر ماری تھی۔'' وہ لاریب کی جانب دیکھتے ہوئے گویا ہوئی تھیں جبکہ وہ تذبذب کا شکار کچھ کہہ نہیں پا رہا تھا۔

''لیکن بیٹا...... آپ تو مجھ سے کہہ رہے تھے آپ کار میں کہیں جا رہے تھے تب ایکسیڈنٹ ہوا......'' سامعہ کو بیٹے کی دماغی حالت پر شک ہوا تھا۔

''جی مما...... دراصل مجھے کچھ اچھی طرح سے یاد نہیں ہے۔'' ایک جھوٹ کئی جھوٹ بلواتا ہے یہی حالت لاریب کی تھی اس نے حقیقت چھپاتے ہوئے کئی جھوٹ گھڑے تھے۔

''اوہ مائی گاڈ...... مجھے فیل ہو رہا ہے لاریب کو دماغی چوٹ بھی لگی ہے۔''

''پریشان مت ہو سامعہ ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے خدانخواستہ ایسی کوئی پرابلم ہوتی تو ڈاکٹرز ضرور ڈائگنوز کرتے ڈاکٹر ابراہیم اور ان کے پینل کی ملک میں بہت اچھی ساکھ ہے۔'' وہ رسانیت سے گویا ہوئیں۔

''ٹھیک کہہ رہی ہیں بڑی مما آپ ایسی کوئی پرابلم نہیں ہے وہ شدید پین کی وجہ سے میں نہ جانے کیا کچھ

کہہ گیا ہوں۔"

***

اچھی آپا کی کال آئی تھی ان کا اصرار تھا سودہ کو ان کے گھر چند دن قیام کے لیے بھیج دیا جائے صوفیہ نے صاف انکار کردیا تھا جس پر اچھی آپا کو غصہ عود کر آیا تھا اور وہ چیختے ہوئے گویا ہوئی تھیں۔

"دیکھو صوفیہ...... تم میرے صبر کو مت للکارو میں جتنے صبر سے کام لے رہی ہوں تم اتنا ہی میرے سر پر چڑھتی چلی آرہی ہو میں سودہ کو لے کر آؤں گی اپنے گھر رکھوں گی تم ہوتی کون ہو روکنے والی؟"

"میں ماں ہوں اس کی۔"

"میں پھوپو ہوں اس کی۔ سولہ آنے کھری بچی اس کے باپ کی بہن۔"

"معلوم ہے بتانے کی ضرورت نہیں ہے آپ کو۔"

"معلوم ہے پھر بھی سودہ کو میرے گھر بھیجنے سے انکاری ہو؟"

"نہیں بھیجوں گی میں سودہ کو یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔" انہوں نے جتانے والے انداز میں کہہ کر فون بند کردیا اور صوفے پر بیٹھ کر اتھل پتھل ہوتا ہوا سانس درست کررہی تھیں تب ہی مدثر کا بیٹا سلام کرتا ہوا آیا اور ان کے برابر میں بیٹھ گیا۔

"شاہ زیب...... کب آئے میرے بچے؟" وہ سلام کا جواب دیتی ہوئیں اس کے گھنیرے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے شفقت سے گویا ہوئیں۔

"کچھ دیر قبل ہی آیا ہوں، کس سے فائٹ ہورہی تھی آپ کی؟" وہ محبت بھرے انداز میں ان کے شانے پر سر رکھ کر بیٹھا تھا۔

"میرے دشمنوں کو کچھ نہ کچھ بکواس کرنے کی عادت ہے کوئی نہ کوئی محاذ گرم ہی رہتا ہے اب اچھی آپا کو دورہ پڑ گیا ہے۔" وہ جلے بھنے انداز میں کہنے لگیں۔

"کیا دل کا دورہ پڑ گیا ہے؟" وہ فون پر ہونے والی گفتگو کسی حد تک سن چکا تھا، شرارت سے گویا ہوا۔

"اللہ کرے دل کا دورہ پڑ ہی جائے اور جان چھوٹ جائے ہماری۔"

"توبہ ہے صوفیہ...... سب کے لیے خیر و عافیت کی دعا مانگا کرو۔" زمرد بیگم بوا کے ہمراہ وہاں آتے ہوئے بولیں۔

"کچھ لوگوں کو چھوڑ کر سب کی خیر و سلامتی کی دعا مانگتی ہوں اور یہ اچھی آپا اور عمرانہ بھابی کے لیے کبھی دعائیں نکل ہی نہیں سکتی ہیں یہ آپ لکھوا کر رکھ لیں مجھ سے یہ کبھی بھی سدھرنے والی عورتیں نہیں ہیں۔"

"اچھی باتیں نہیں ہوتی ہیں یہ۔ پر اچھی آپا سے بات کیا ہوئی ہے؟" زمرد بیٹھتی ہوئیں استفسار کرنے لگی تھیں، بوا جو ٹرے میں چائے کے مگ اور ڈرائی فروٹس کی ٹرے لے کر آئی تھیں، چائے سب کو دینے لگیں۔

"ان کا حکم ہے کہ سودہ کو کچھ دن رہنے کے لیے ان کے گھر بھیج دوں، اب آپ ہی بتایئے میں سودہ کو کہیں بھیج سکتی ہوں۔"

"یہ تو بات تمہاری بالکل درست ہے۔ سودہ کے لیے اچھی آپا کی محبت کا اچانک جاگنا پھر بیٹے سے اس کی شادی کی خواہش اور اب یہ نئی بے قراری گھر بلانے کی کچھ سمجھ سے بالاتر ہے یہ تو سب ہی جانتے ہیں، اچھی آپا نام کی اچھی ہیں وگرنہ برائیاں ان کی سانسوں کے ساتھ چلتی ہیں۔" بوا ان کو چائے سرو کرکے اپنا چائے کا مگ لے کر ان کے درمیان ہی بیٹھ گئی تھیں۔ ان کو کبھی اس گھر میں ملازمہ نہیں سمجھا گیا تھا، وہ گھر کی بزرگ تھیں۔
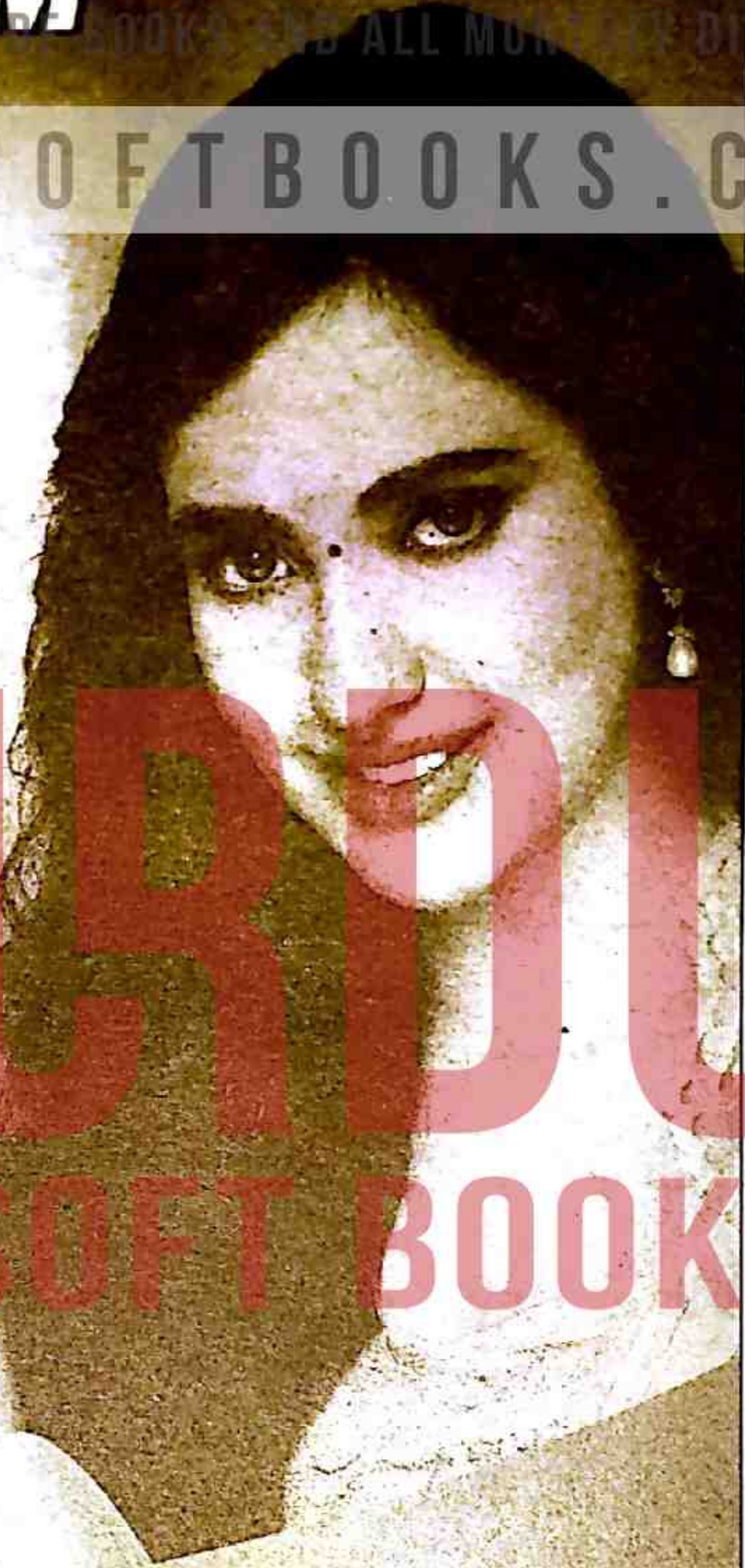
''اچھی آنٹی..... سودہ کی شادی اپنے بیٹے سے کرنا چاہتی ہیں؟'' شاہ زیب نے چونک کر استفسار کیا۔
''ہاں دو تین ہفتے قبل ہی تو اتنا ہنگامہ کر کے گئی تھیں میرے انکار کرنے پر اور اب بھی سودہ پر حق جتانے کا مقصد یہی ہے لیکن میں بھی ان کی یہ خواہش پوری نہیں ہونے دوں گی۔'' صوفیہ نے گردن جھٹک کر کہا۔
''تم فکر مت کرو رشتے ناطے یہ شادی کے بندھن زندگی بھر کے ہوتے ہیں ان رشتوں کو فرد واحد کی منشا پر باندھا نہیں جاتا ہے پھر رشتہ طے ہونے سے پہلے سودہ کی مرضی بھی معلوم کی جائے گی۔'' زمرد چائے پیتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔
''سودہ تو اللہ میاں کی گائے ہے، جس کھونٹے سے باندھو بندھ جائے گی اپنی مرضی کہاں اس کی ہر شے میں شامل نہیں۔''
''بے فکر رہو منور اور مدثر بھی اس کے ساتھ بے انصافی نہیں ہونے دیں گے ہم سب ہی اس کے بہترین مستقبل کے خواہاں ہیں۔'' شاہ زیب نے چائے پی کر ڈرائی فروٹس جیکٹ کی جیبوں میں بھرے اور ان کو باتوں میں مصروف چھوڑ کر وہاں سے لان میں آ گیا جہاں پودوں کی گوڈی کرتی سودہ کو دیکھ کر اسے شرارت سوجھی۔

❁......❁......❁

عاکفہ اسے گھر لے آئی تھی جہاں اس کی مما نے تمام باتیں تحمل سے سننے کے ساتھ ساتھ برف سے اس کی ناک اور ہونٹوں پر ٹکور کی اور ساتھ ہی کوئی ٹیبلٹ بھی کھلائی تھی اور اسے وہیں عاکفہ کے بیڈ پر لٹا دیا تھا۔
''تھینکس آنٹی..... آپ بہت اچھی ہیں، بہت ریلیکس فیل کر رہی ہوں میں۔'' ان کی شفقت بھری دیکھ بھال اسے بہت اچھی لگی تھی۔
''شکریہ کی کوئی بات نہیں ہے آپ بھی میری بیٹی ہی ہو۔'' وہ کہہ کر اس کے قریب ہی بیٹھ گئیں، وہ درمیانی عمر کی اسمارٹ سی عورت تھیں بے حد سادہ اور پُرخلوص طبیعت کی مالک۔
''میں ملازمہ کو کہہ کر آ گئی ہوں کہ وہ کافی اور کچھ کھانے کو لے آئے۔'' عاکفہ ساری روداد سنا کر ملازمہ کے پاس چلی گئی تھی، وہاں سے آ کر بولی۔
''کافی کیوں؟ اب تو لنچ کا ٹائم ہونے والا ہے۔ انشراح اس ٹائم کھانا نہیں کھاتی ہے۔'' وہ بھی اس کے قریب بیٹھ چکی تھی۔
''جی آنٹی..... میں لنچ نہیں کرتی، صرف جوس کے ساتھ کوکیز لے لیتی ہوں۔'' وہ تکیے کے سہارے بیٹھتے ہوئے گویا ہوئی۔
''جب ہی اتنی نازک سی ہو مگر بیٹا..... یہ صحت سے دشمنی کرنے کے مترادف ہے، اس عمر میں ڈٹ کر کھانا کھانا چاہیے۔ ہماری عمر میں بھوک از خود ہی کم ہو جاتی ہے۔''
''میں بھی یہی سمجھاتی ہوں لیکن ایسی باتیں سر سے گزر جاتی ہیں محترمہ کے۔''
''آپ کی باتوں پر عمل کرنے کی ضرور کوشش کروں گی، اب یہ بتائیے کیا کریں آج جو کچھ ہوا ہے کیا اس کی کمپلین پولیس میں ہونی چاہیے؟'' اس کے ذہن میں گردش کرتا سوال ہونٹوں پر ابھرا۔
''کمپلین ضرور ہونی چاہیے بیٹا..... ایسے لوگوں کو کھلا چھوڑ دینا مناسب نہیں ہے۔ کسی کی دعا سے آپ کو کوئی آنچ نہیں آئی ہے وگرنہ ایسے لوگ تو حیوان ہوتے ہیں، میں رات کو ہی عاکفہ کے بابا سے بات کروں گی۔'' وہ سنجیدہ و تفکرانہ انداز میں گویا ہوئی تھیں۔
''آنٹی..... نانو کو پتا چل گیا تو میرا یونیورسٹی جانا بند ہو جائے گا، بہت مشکل سے میری یہ دیرینہ خواہش پوری ہو رہی ہے جس کی خاطر میں جان تو دے سکتی ہوں مگر پڑھائی نہیں چھوڑ سکتی۔'' وہ خاصی جذباتی ہو گئی تھی۔

"ان شاء اللہ ایسا کچھ نہیں ہوگا عاکفہ کے بابا کے دوست جگہ جگہ پولیس میں بھی ہیں۔ میں ان کو سمجھا دوں گی وہ رازداری کے ساتھ ان لڑکوں کا سراغ لگوا کر گرفتار کروائیں میں وعدہ کرتی ہوں آپ کی نانو کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی اور نہ ہی آپ کی پڑھائی متاثر ہوگی۔" ان کو اس کی پڑھائی کے لیے طلب و تڑپ بہت بھائی تھی۔

"تھینکس آنٹی...... عاکفہ بہت لکی ہے جس کو آپ جیسی کیوٹ مما ملی۔" اس کے لہجے میں پہلی بار کوئی حسرت پیدا ہوئی تھی اور دل میں اس خواہش نے جنم لیا تھا کہ اس کی بھی مما ہوتیں اور جس طرح عاکفہ کی مما ایک ڈھال بن کر ان کے سامنے کھڑی ہوگئی تھیں کاش اس کی مما بھی ایسا ہی کرتیں۔

"میں آپ کی بھی مما ہوں ذرا جاکر ملازمہ کو دیکھتی ہوں ابھی تک وہ کافی لے کر نہیں آئی۔ آپ آرام سے لیٹ جائیں لنچ کے بعد میں خود آپ کو گھر چھوڑ کر آؤں گی۔" وہ کہہ کر وہاں سے چلی گئیں۔

"سن لیا نہ تم نے مما نے جو کہا ہے اب ریلیکس ہو کر لیٹ جاؤ مما بابا کے ساتھ مل کر اس معاملے کو آسانی سے حل کرلیں گی۔" وہ اطمینان سے اسپلٹ کا ریموٹ اٹھاتی ہوئی گویا ہوئی تھی۔

❁......❁......❁

یوسف زرقا حمرہ اور نوفل لان میں بیٹھے چائے پی رہے تھے امینہ انہیں چائے کے ساتھ دیگر لوازمات سرو کررہی تھی معاً یوسف گویا ہوئے۔

"میری تو خواہش تھی آپ بھی گھر کے دیگر بچوں کی طرح تعلیم باہر کی کسی بہترین یونیورسٹی سے حاصل کرتے تو بہتر تھا۔"

"میں سمجھتا ہوں میرے ملک میرے شہر سے بہتر کوئی ملک و شہر نہیں ہے پھر یہاں تعلیم حاصل کرنے میں کوئی شرمندگی کی بات نہیں۔" اس کے مودب لہجے میں اپنے وطن سے پیار جھلک رہا تھا یوسف صاحب نے اس کی طرف دیکھا تھا اس کے وجیہہ چہرے پر انہیں اپنی نوجوانی کا جذبہ وعزم دکھائی دیا تھا اور یہی جذبہ انہیں سیاست کی پُرخار وادیوں میں لے گیا تھا۔

"یہاں کوئی اسٹینڈرڈ رہا ہے تعلیمی ادارے ہوں یا ہاسپٹلز سب جگہ کرپشن ہی کرپشن ہے کوئی کسی سے سوال کرنے والا نہیں...... اس طرح کا ماحول صرف مفاد پرستوں کو ہی سوٹ کرتا ہے دوسرے لوگوں کو کوئی ریلیف تو کیا ان کا حق بھی نہیں مل رہا...... میں کہتی ہوں ایک بار پھر اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرلیجیے۔" حمرہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے محبت سے کہا۔

"فورس مت کرو حمرہ...... میں نوفل کے دلی جذبات سے آگاہ ہوں۔ ایک زمانے میں مجھے بھی بے حد فورس کیا گیا تھا کہ میں ایبروڈ میں تعلیمی مراحل طے کروں اور میں کسی کے دباؤ میں نہیں آیا تھا جن کو اپنی مٹی سے پیار ہوتا ہے وہ کسی قیمت پر اس کو کمتر محسوس نہیں کرتے۔"

"آپ کا بھی کیا سیاست میں آنے کا ارادہ ہے نوفل؟" زرقا نے چائے کا کپ رکھتے ہوئے حیرانی سے پوچھا۔

"سیاست ہماری رگوں میں خون بن کر بہتی ہے۔"

"سوری بڑے بابا...... مجھے سیاست میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے میں کبھی بھی پارٹی جوائن کرنا پسند نہیں کروں گا۔" اس کے وجیہہ چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔

"جیسے تمہاری مرضی بیٹے میں کبھی بھی آپ کو پریشرائز نہیں کروں گا۔"

"ایک معاملے میں آپ کو پریشرائز کرنا ہوگا حمرہ...... درست کہہ رہی ہوں نا؟" انہوں نے دھیمے سے مسکراتے ہوئے حمرہ سے کہا۔

"جی...... بالکل درست کہہ رہی ہیں زرقا آپی آپ یوسف کو یہ بات تو سچ مچ منوانی ہی ہوگی نوفل سے۔" وہ شوخی سے نوفل کی جانب دیکھتی ہوئی کہہ رہی تھیں جبکہ وہ بھی استعجابیہ انداز میں ان کو دیکھ رہا تھا۔

"اللہ خیر کرے جب دو عورتیں کسی مرد کی تباہی کا پلان بناتی ہیں تو اسی طرح متحد ہو جاتی ہیں۔ مجھے تو کسی گڑبڑ کا احساس ہو رہا ہے۔"

"میں ماما سے یہ ایکسپیکٹ نہیں کرتا کہ وہ میرے لیے کچھ برا پلان کریں۔" نوفل نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے دھیمے انداز میں کہا۔

"شادی کرنا کوئی تباہی کی بات نہیں ہے یوسف صاحب...... ہم نوفل کی منگنی اور تعلیم مکمل ہونے کے بعد شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

"ہاہاہا...... یعنی آپ شیر کو پنجرے میں قید کرنے کی پلاننگ کر رہی ہیں۔" وہ نوفل کو جھینپتے ہوئے دیکھ کر قہقہہ لگا کر گویا ہوئے۔

"ابھی تو برخودار کے آزادی کے دن ہیں کیوں اتنی جلدی پابند کرنا چاہ رہی ہو دونوں خواتین مل کر ابھی پنچھی کو آزاد ہی رہنے دیں۔"

"میں نے سوچا تھا آپ نوفل کو اچھی طرح راضی کریں گے مگر......"

"میں معذرت چاہتا ہوں ماما...... میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا' میں آپ کی کسی بات سے حکم عدولی کروں گا مگر آپ کی خواہش پوری کرنا میرے بس سے باہر ہے۔ ایم سوری...... میری زندگی میں کوئی لڑکی داخل نہیں ہوگی۔" وہ کہہ کر وہاں سے چلا گیا۔

❁ .... ❁ .... ❁

ایک دلدوز چیخ تھی جو وہاں پھیلتی چلی گئی تھی۔ زید عمرانہ اور مائدہ کو پک کرنے رضوانہ کے گھر جانے کے لیے آ رہا تھا کہ سودہ کی چیخ کی آواز سن کر پہلے چونک کر رکا تھا کہ اس کے لیے دل میں بھری نفرت عود کر آئی تھی لیکن پھر دل میں پنپنے والے پُرخلوص و بے لوث جذبے نے زور آوری دکھائی تو وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا لان کے اس حصے کی طرف پہنچ گیا تھا جہاں سودہ کھڑی بڑے خوف زدہ انداز میں چیخیں مار رہی تھی اور قریب ہی اس کے سیاہ رنگ کا سانپ پڑا ہوا تھا۔

وہ پھرتی سے آگے بڑھا اور سانپ کو کچلنے کے لیے پاؤں اوپر کیا ہی تھا کہ اسے محسوس ہوا سانپ تو پہلے ہی بے حس و حرکت پڑا ہے ابھی وہ اسے زمین سے اٹھانا ہی چاہ رہا تھا کہ کچھ فاصلے پر درخت کے پیچھے چھپ کر سودہ کے خوف سے لطف اندوز ہوتا ہوا شاہ زیب پھرتی سے آگے بڑھا۔

"بھائی...... یہ میری شرارت تھی' میں سودہ کو ڈرانے کے لیے لایا تھا۔" وہ ربڑ کے سانپ کو جیب میں ڈالتے ہوئے آہستگی سے گویا ہوا۔

"اسٹوپڈ...... سوچ سمجھ کر شرارت کیا کرو' تایا اور تائی ہارٹ پیشنٹ ہیں' ان کے لیے ایسی چیخ و پکار نقصان دہ ہے۔" اس کی بے ساختہ نگاہیں لمحے بھر کو سودہ کی طرف اٹھی تھیں' جو مارے خوف کے پسینہ پسینہ ہو رہی تھی' خوف زدہ شاہ زیب بھی ہو گیا تھا کیونکہ وہ سمجھ رہا تھا زید گھر پر نہیں ہے لیکن اس کی بے موقع آمد نے اس کے چھکے چھڑا دیئے تھے۔

بے شک ان کے درمیان سوتیلے رشتے کی ایک کانٹے دار دیوار حائل تھی وہ مدثر صاحب کی دوسری بیوی سے پیدا ہوا تھا اور یہاں ماں کی بے پناہ مخالفت نفرت اور بے انتہا واویلا مچانے کے باوجود تایا اور تائی کی محبتوں کا بھرم رکھنے کے لیے اس نے اس رشتے کو گلے لگایا تھا جو اس کے لیے بھی پسندیدہ نہیں تھا مگر وہ تایا اور تائی کو مایوس نہیں کر سکتا تھا۔
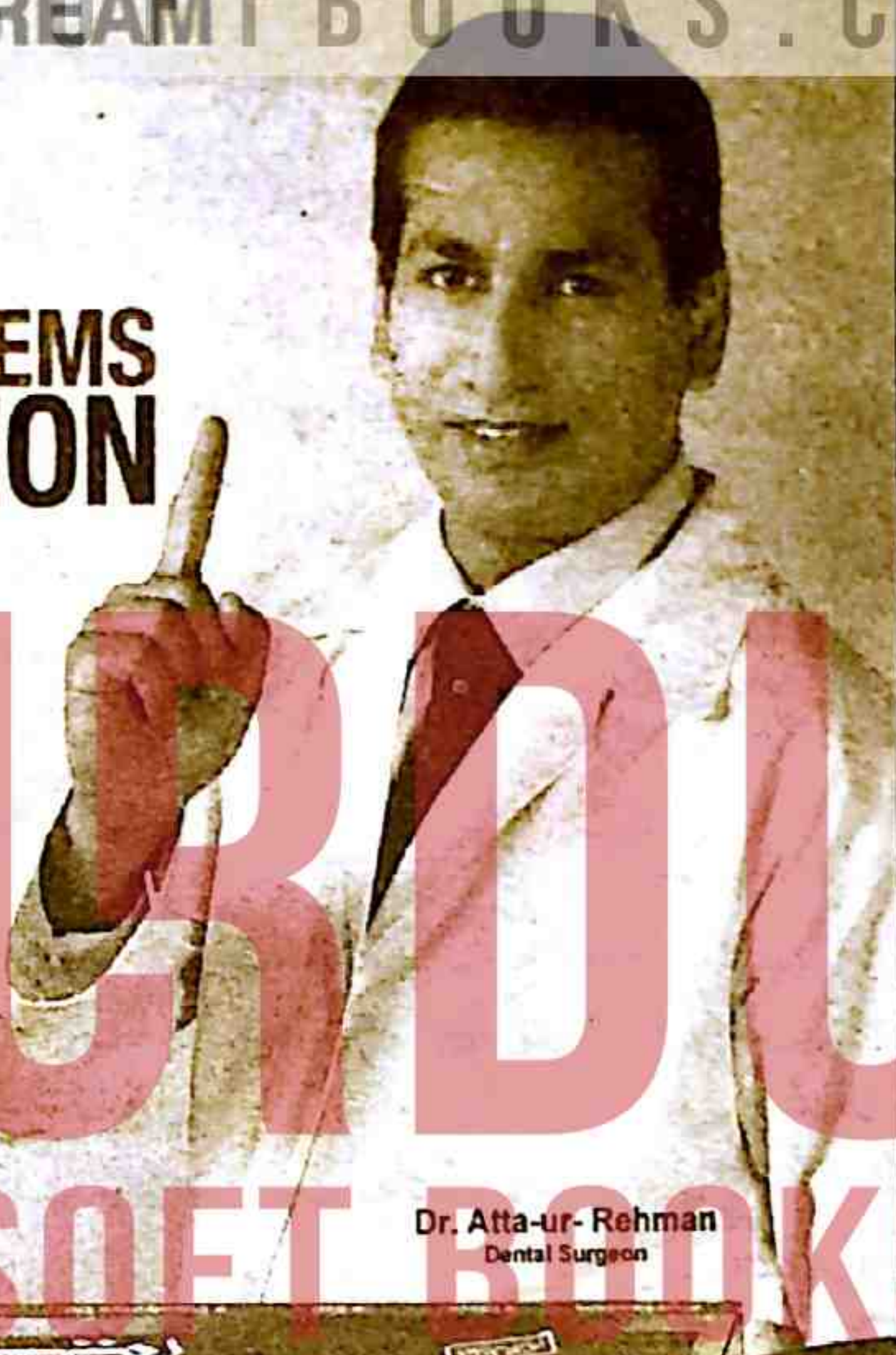
"سوری بھائی...... مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ اس آرٹیفیشل سانپ سے اس طرح ڈرے گی حد ہوتی ہے ڈرنے کی بھی۔" وہ مودب لہجے میں کہہ رہا تھا پھر اس نے کچھ نہیں کہا تھا وہاں سے پورٹیکو کی طرف بڑھ گیا تھا۔

"آپ کہیں جارہے ہیں؟ آج اتنے دنوں بعد آپ سے ملاقات ہوئی ہے میں سوچ رہا تھا ہم ساتھ میں ڈنر کرتے مزہ آتا۔" وہ اس لے کے ساتھ ساتھ ہی چل پڑا تھا۔ سودہ بری طرح خوف زدہ ہوگئی تھی اس لیے وہیں بنچ پر بیٹھ گئی تھی۔

"تم ڈنر کر لیتا میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔"

"آپ کہیں جارہے ہیں کسی کام سے؟"

"ہوں خالہ کے گھر جارہا ہوں ڈنر پر انوائٹ ہوں وہاں پر۔" دل نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس کو تحمل سے جواب دیا کرتا تھا۔

"اوہ اچھا اچھا پھر تو آپ کو ضرور جانا چاہیے۔"

"جارہا ہوں۔" وہ کار کے قریب پہنچ کر جیب سے چابیاں نکلتا ہوا بولا۔

"یہ بتا کر جائیے ہم ساتھ ڈنر کب کریں گے میں آپ کے ساتھ ڈنر کرنا چاہتا ہوں آپ کبھی موقع ہی نہیں دیتے" آج تو بتا دیجیے۔" وہ اس کی وجاہت و سنجیدگی سے بے حد متاثر تھا۔

حالانکہ وہ بخوبی جانتا تھا زید اس کو مجبوراً برداشت کرتا ہے کیونکہ زید نے صاف گوئی سے اسے بتادیا تھا کہ وہ مجبوراً اس رشتے کو نبھا رہا ہے لیکن اس کی کوئی مجبوری نہ تھی وہ اس کو دل و جان سے چاہتا تھا۔

"ابھی میرا شیڈول بہت ٹف ہے گھر میں ڈنر کرنے کا بھی ٹائم کم ہی ملتا ہے میں تم سے پرامس نہیں کرسکتا ڈنر کا۔"

❁......❁......❁

عاکفہ کی مما سے وہ کئی بار ملی تھی اور ہر بار پہلے سے زیادہ ملنسار، بامروت و مخلص پایا تھا اور اس کے اندر بھی یہ احساس محرومی جڑ پکڑنے لگا تھا کہ اس کی مما بھی حیات ہوتیں تو وہ ایک مختلف لڑکی ہوتی، ایک مکمل لڑکی، جیسی عاکفہ تھی۔

"بالی بتا رہی ہے یونیورسٹی سے آنے کے بعد سے روم میں بند ہوگئی ہو، بہت چپ چپ بھی ہو، کیا ہوا ہے تمہیں؟" وہ گھر آئی تو حسب معمول نانو گھر میں نہیں تھیں۔ خالی گھر ملازمین کی موجودگی میں بھی خالی لگ رہا تھا، وہ اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گئی تھی۔ بالی نے ہر ممکن دل جوئی کرنے کی سعی کی مگر وہ چپ چاپ پڑی رہی تھی۔

"آپ روز روز کہاں چلی جاتی ہیں نانو؟"

"بہت ملنے جلنے والے ہیں میرے لیکن تم کو کیا ہوا؟" وہ حیران سی اس کے قریب ہی ٹک گئی تھیں۔

"آپ روز روز گھر سے نہیں جایا کریں مجھے اچھا نہیں لگتا آپ کا اس طرح جانا عاکفہ کی مما کو دیکھیں وہ بھی گھر میں رہتی ہیں اور گھر میں اتنی رونق اور خوشیاں ہوتی ہیں کہ عجیب سا سکون ملتا ہے۔" وہ خاصی جذباتی ہورہی تھی، نانو نے قریب کھڑی بالی کو دیکھا جو پریشانی سے انشراح کی طرف دیکھ رہی تھی پھر اس سے مخاطب ہوئیں۔

"عاکفہ کی مما سے میرا بھلا کیا مقابلہ اور مجھے سمجھ نہیں آرہی ہے تم یہ کیسی باتیں کررہی ہو وہ ایک محدود ماحول میں رہنے والی پردے دار عورت ہے وہ تمہیں کیوں بھانے لگی؟" وہ متعجب ہوئیں۔

"میں کہتی ہوں، ضرور کوئی بات ہوئی ہے چہرہ دیکھو بے بی کا کس قدر اترا اترا اپھیکا لگ رہا ہے، کیا ہوا ہے بتاؤ نہ؟" بالی اس کے چہرے سے کوئی بھید پا گئی تھی شاید اسے اس کے چہرے پر ہلکی سی رہ جانے والی سوجن اور درد کا احساس ہورہا تھا جبکہ نانو بے پروائی سے کہہ رہی تھیں بالی کو ڈانٹتے ہوئے بولیں۔

"تم تو خوامخواہ کی باتیں کرتی ہو بالی...... کچھ نہیں ہوا انشی کو مجھے یہ بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہے سونے دو، تھوڑی نیند

لے لیں گی تو فریش ہوجائے گی۔" وہ اسے آرام کرنے کی تلقین کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"نانو...... نہیں بیٹھ جائیں میرے پاس کہاں جارہی ہیں۔"

"ارے کیا ہوگیا ہے تمہیں انشی...... میں نے تمہاری تربیت بزدلوں جیسی نہیں کی۔ لڑکی ہونے کے باوجود بھی تمہیں لڑکوں کی طرح ٹرینڈ کیا ہے اور تم شروع سے ہی میری توقع سے بڑھ کر ثابت ہوئی ہو پھر اب کیوں بزدل کمزور لڑکیوں کی مانند ری ایکٹ کررہی ہو۔" نانو کو وہ ایک عام سی کمزور وڈرپوک لڑکی لگ رہی تھی اور اس کا یہ روپ ان کو ایک آنکھ نہیں بھا رہا تھا۔

"نانو...... آپ نے لڑکی ہوتے ہوئے بھی مجھے لڑکا بنانے کی جستجو میں نامعلوم کیا بنا رکھا ہے کہ میں لوگوں کے لیے ناپسندیدہ ہستی بن گئی ہوں۔" اس کی سماعتوں میں نوفل کے طنزیہ جملے گونج رہے تھے ان جملوں کی تلخی اسے اس وقت تو اتنی محسوس نہیں ہوئی تھی جتنی اب محسوس ہورہی تھی نہ جانے کس طرح سے اس کی نسوانی انا جاگ گئی تھی۔

"کون لوگ تمہیں ناپسند کرتے ہیں ذرا ایک دفعہ میرے منہ پر بول کر دیکھیں کیا حال کرتی ہو کون کم بخت لوگ ہیں وہ؟"

"کوئی نہیں ہے۔" اس نے آنکھوں پر بازو رکھتے ہوئے کہا۔

"چل بالی...... میرے سر میں آئل مساج کر اس لڑکی نے آج دماغ چکرا کر رکھ دیا ہے نامعلوم کیا ہوا ہے اسے؟"

❁......❁......❁

"آج تو سچ مچ چاند میرے گھر اتر آیا ہے دیکھو ذرا کس قدر روشن و مکمل گھر لگ رہا ہے میرے زید کے آجانے سے۔" پرتکلف کھانے کے بعد لاؤنج میں گرین ٹی پیتے ہوئے رضوانہ عمرانہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے زید کی طرف دیکھتے ہوئے گویا ہوئی تھیں۔

"زید بھی آپ سے اتنی ہی محبت کرتا ہے آپی۔"

"لگتا تو نہیں ہے جب سے آئے ہیں خاموش بیٹھے ہیں محسوس ہورہا ہے گویا چپ کا روزہ رکھ کر آئے ہیں۔ جو یہاں کھلنے والا نہیں ہے۔" عفرا نے اس کی کم گوئی پر بے تکلفی سے تنقید کی تھی۔

"یہ چپ کا روزہ کیسا ہوتا ہے میں تو فرسٹ ٹائم نام سن رہا ہوں۔" زید کے بے ساختہ کہنے پر وہاں سب ہی ہنس پڑے تھے۔

"تھینکس گاڈ...... آپ نے بھی بتا دیا کہ منہ میں زبان رکھتے ہیں ورنہ آپ کی طویل خاموشی سے فیل ہورہا تھا ہم سے بات کرنا پسند نہیں کرتے۔" عفرا اس کی آمد کا سن کر خوب دل لگا کر تیار ہوئی تھی۔ پٹیالہ شلوار پر شوخ رنگوں سے چمکتی شارٹ شرٹ زیب تن کی تھی کئی گھنٹے صرف آئی میک اپ پر صرف کیے تھے جیولری اور ہیئر اسٹائل نے اس کے حسن کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ وہ سوچ رہی تھی زید اسے دیکھے گا اور نگاہیں نہ جھکا پائے گا مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹا ثابت ہوا تھا وہ ٹکٹکی باندھ کر کیا دیکھتا اس نے نگاہیں اٹھانا ہی گوارا نہ کیا تھا اور اب بھی جواب اس نے رضوانہ کی طرف دیکھتے ہوئے دیا تھا عفرا کے لیے اس کی یہ بے نیازی سراسر توہین کے زمرے میں آتی تھی۔

"ارے نہیں عفرا ڈیئر...... آپ مائنڈ نہ کرنا زید کی کم بات کرنے کی عادت ہے لیکن ہر بات اچھی طرح سمجھ جاتے ہیں۔" عمرانہ نے مسکرا کر کہا۔

"اوہ ریئلی...... مجھے لگ رہا ہے ان کو زبردستی یہاں لایا گیا ہے۔ ایک بار بھی انہوں نے مسکرا کر بات نہیں کی ہے کیا آپ کو مسکرانا نہیں آتا؟"

”عفرا آپا...... آپ مسلسل بھائی کو نشانہ بنائے ہوئے ہیں خیریت تو ہے نا؟“ نائمہ کو اس کو خوامخواہ زید کو مخاطب کرنا ناگوار لگ رہا تھا۔

”جب ہم دبئی میں تھے وہاں ممی بہت قصے سناتی تھیں زید کے بارے میں کہ زید بہت شرارتی ونس کھٹ ہیں مگر......“

”زید کی شرارتوں کے قصے سناتی تھی بچپن میں یہ بے حد شوق و چنچل تھے۔ وہ تو بیڑا غرق ہو مدثر کی آوارگیوں کا جس نے عمرانہ کے ساتھ ساتھ ان دونوں بچوں کی زندگی سے بھی شوخیاں و شرارتیں چھین لیں۔“ رضوانہ نے سرد آہیں بھرتے ہوئے کہا۔

”مدثر انکل رہتے بھی اپنی سیکنڈ وائف اور بیٹے کے پاس ہی ہیں۔“ عروہ نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

زید نے گرین ٹی کا مگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے عمرانہ کی طرف دیکھا تھا جہاں وہ ہی مخصوص بے چینی پھیل گئی تھی۔

”ارے کیا ہوا بیٹا...... گرین ٹی پسند نہیں آئی ہے؟“ رضوانہ بھرا مگ دیکھتے ہوئے گویا ہوئیں۔

”ٹائم زیادہ ہوگیا ہے مما کو ریسٹ کرنا ہے اور مجھے بھی آفس ورک دیکھنا ہے۔“ اس کے لہجے میں ایسی قطعیت تھی کہ وہ چاہنے کے باوجود ان کو روک نہیں سکیں اور گیٹ تک ان کو الوداع کہنے آئی تھیں۔

”بہت اکڑو ہے آپ کا بھانجا اور اتنا ہی ہینڈسم بھی۔“ ان کی کار گیٹ سے نکل جانے کے بعد عفرا ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

”تم کیا کروگی اب...... زید نے تمہیں گھاس ہی نہیں ڈالی؟“ عروہ نے کہا۔

”گھاس میں کھاتی بھی نہیں ہوں تمہاری طرح‘ خیر وقت گزرنے کے ساتھ وہ میرے پیچھے پیچھے گھومے گا۔“

”ہائے خوش فہمی دیکھیے ذرا‘ جس شخص نے پہلی ملاقات میں ہی نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا‘ وہ ان کے پیچھے پیچھے گھومے گا۔“ عروہ نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے استہزائیہ قہقہہ لگایا۔

”ممی...... دیکھ رہی ہیں آپ کس قدر جیلس ہوتی ہے یہ مجھ سے‘ اس کو سمجھا دیں باز آجائے اپنی حرکتوں سے ورنہ دماغ ٹھکانے لگانے آتا ہے مجھے۔“

”دیکھتی ہوں کس طرح دماغ ٹھکانے لگاتی ہو میرا‘ میں نے سچ کہا ہے۔“

”خاموش رہو‘ شرم نہیں آتی ہے یہاں آکر بھی دونوں چونچیں لڑانے سے باز نہیں آتی‘ حد ہوگئی ہے اگر اسی طرح سے لڑتی رہو گی تو کسی ایک کا بھی رشتہ نہیں ہو پائے گا۔“ رضوانہ نے دونوں کو تنبیہہ کی تھی۔ عمرانہ نے کار ڈرائیو کرتے زید کے چہرے پر ناگواری شدت سے محسوس کی۔

❁......❁......❁

”گرین ٹی کا تم نے ایک گھونٹ بھی نہیں لیا ایسے ہی چھوڑ آئے جہاں مدثر کی بات ہوتی ہے وہاں آپ کا موڈ بہت خراب ہوجاتا ہے۔ ابھی بھی یہی ہوا...... آپی کی محبت سے بنوائی گئی گرین ٹی غصے میں چھوڑ کر آگئے ہو مجھے پسند نہیں آیا آپ کا ایٹی ٹیوڈ۔“

”ان کو ڈیڈی کے لیے اس طرح کی بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔“ وہ اسٹیئرنگ گھماتے ہوئے خشک لہجے میں گویا ہوا۔

”یہ کیسا دوغلا پن ہے زید...... کھلی منافقت ہے خود تو باپ کے خلاف رہتے ہو اگر کوئی دوسرا تمہارے باپ کو آئینہ دکھانے لگے تو تم سے برداشت نہیں ہوتا‘ پھر تم اوور ری ایکٹ کرتے ہو۔“

”رائٹ مما...... میرے اور ڈیڈی کے درمیان کچھ ایشوز ایسے ہیں جن پر ہماری مخالفت چلتی ہے اور اس کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ میں ان کی عزت نہیں کرتا یا ان کو باپ کا درجہ نہیں دیتا۔ میرے ڈیڈ تھے اور رہیں گے اس کا یہ مطلب نہیں کہ

کوئی ان کی بے عزتی کرے گا میرے سامنے اور میں برداشت کرلوں گا۔"
"اوہ...... یہ تم کہہ رہے ہو زید؟" وہ شاکڈ ہوئیں۔
"میں مانتا ہوں مما...... ڈیڈی سے ماضی میں غلطیاں ہوئی ہیں زیادتیاں ہوئی ہیں جن کا تاوان ان کے ساتھ ہم بھی بھر رہے ہیں لیکن میں یہ کبھی بھی نہیں چاہوں گا ان کو میرے سامنے ڈی گریڈ کیا جائے۔" اس نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

زرقا بیگم نے محسوس کیا تھا جب سے انہوں نے اس کی شادی کرنے کی آرزو ظاہر کی تھی تب سے نوفل بہت اجھا اجھا تنہا رہنے لگا تھا۔ کچھ دن وہ برداشت کرتی رہی تھیں لیکن پھر ان کی ممتا بے قرار ہونے لگی اس دوری نے زندگی میں بڑا خلاء پیدا کردیا تھا وہ سوچ رہی تھیں اس سے دور رہ کر اسے اپنی بات منوانے پر مجبور کردیں گی لیکن ان کی ممتا ان کی خواہش سے ہار گئی تھی۔ وہ اٹھ کر اس کے پاس جانے کا قصد کررہی تھیں کہ وہ دروازہ ناک کرکے سلام کرتا ہوا ان کے روم میں داخل ہوا۔
"وعلیکم السلام نوفل...... میرے بچے۔" انہوں نے اسے بڑھ کر سینے سے لگایا اور بے ساختہ رونے لگیں۔
"میں نے ایک خواہش کیا کی کہ آپ مجھ سے بہت دور ہوگئے۔"
"سوچ لیجیے ابھی بھی آپ ایک لڑکی کی خواہش نے ہمارے درمیان اتنے فاصلے ڈال دیئے ہیں پھر اس کی آمد ہمیں جدا ہی کردے گی۔" وہ محبت سے ان کے آنسو صاف کرتا ہوا سنجیدگی سے گویا ہوا۔
"ایسا نہیں ہوتا میری جان...... ایسا نہیں ہوتا۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر وہیں بیٹھتے ہوئے محبت سے گویا ہوئیں۔
"میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتا ماما...... میں آپ سے خفا تھا اور سوچا تھا آپ سے برائے نام ہی تعلق رکھوں گا۔ آپ کو میری پروا نہیں تو میں بھی کیوں پروا کروں؟ لیکن......" اس کی ڈارک براؤن چمکیلی آنکھوں میں ہلکی ہلکی نمی تیرنے لگی تھی۔
"مجھے ادراک ہوا آپ سب کو چھوڑ سکتے ہو کسی سے بھی خفا رہ سکتے ہو مگر ماں کو نہیں چھوڑ سکتے ماں سے خفا نہیں رہ سکتے۔"
"ماں سے دور رہنا موت ہے صرف موت۔" وہ عقیدت بھرے انداز میں ان کے ہاتھ چومتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
"ساری دنیا ایک طرف اور میری ماں ایک طرف میری ماں صرف میرے لیے۔"
"خوش رہو بیٹا...... میری دعا ہے اللہ تمہارا دل بدل دے تمہارے ساتھ بہت اعلیٰ و بہترین معاملات ہوں۔ ساری زندگی خوشیاں و کامرانیاں سمیٹو کوئی دکھ کوئی رنج و بلا چھو کر بھی نہ گزرے آمین۔" وہ اس کی پیشانی چومتی ہوئی نہال ہو کر گویا ہوئیں۔
"ماما...... پرامس کریں آپ پھر کبھی مجھے شادی کے لیے فورس نہیں کریں گی آپ کی یہ خواہش ہمارے لیے جدائی کی دیوار ہے۔"
"چلیں ٹھیک ہے میں آپ کو شادی کے لیے فورس نہیں کروں گی مگر یہ دعا ضرور کروں گی کہ کوئی ایسا معجزہ ہوجائے کہ آپ کو کسی لڑکی سے اتنی شدید محبت ہوجائے اور آپ......"
"نہیں نہیں ماما...... یہ ناممکن ہے۔" وہ دھیمے سے مسکرایا۔
"اوکے میرے بچے...... اب دیکھتے ہیں آپ کی ضد میں زیادہ طاقت ہے یا میری دعائیں بے اثر رہیں گی۔" وہ مسکراتے ہوئے جتانے والے انداز میں گویا ہوئیں وہ سر ہلا کر رہ گیا۔
"میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں آپ لاریب کے سہرے کے پھول کھلانے کی سعی کیجیے اس طرح وہ ایک بہترین لائف

گزار سکتے ہیں اور ساتھ ہی آپ کی بہو گھر لانے کی خواہش بھی تشنہ نہیں رہے گی۔"

"یہ تو ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ اگر میرے اختیار میں فیصلے کرنے ہوتے تو میں یہ کام کب کا کر چکی تھی یہاں اجارہ داری سامعہ کی ہے انہیں لاریب کی سرگرمیوں سے واقف ہونے کے باوجود بھی اس کو کوئی فکر نہیں...... وہ اسے دودھ پیتا بچہ ہی خیال کرتی ہے حالانکہ وہ نہ پڑھائی میں انٹرسٹ لیتا ہے نہ بزنس میں۔ وہ کسی نے کہا ہے خالی ذہن و دماغ شیطان کی آماجگاہ ہوتے ہیں۔"

"میں ٹرائی کروں گا کہ سامعہ آنٹی کو قائل کر سکوں۔"

"ایسی کوشش بھی کرنا فضول ہے سامعہ کسی کی ماننے والی نہیں۔"

"او کے آپ فری ہیں۔"

"جی کوئی کام ہے آپ کو؟"

"آج لانگ ڈرائیو پر چلتے ہیں بہت دن ہو گئے ہیں گئے ہوئے۔"

"میں...... میں کیا کروں گی بیٹا...... لانگ ڈرائیو پر جا کر اب تو گھر بیٹھے بیٹھے ہی تھکنے لگی ہوں۔" وہ کمزور لہجے میں گویا ہوئیں۔

"آر یو رائٹ ماما...... کیوں تھکنے لگی ہیں آپ؟" اس کے انداز میں بے چینی تھی۔

"بڑھاپا ہے میرا اور بڑھاپے میں بنا کام کے ہی تھکن ہونے لگتی ہے اس میں کوئی پریشان ہونے والی بات نہیں۔"

"آپ میری مما ہیں اور میری مما کبھی ہمت نہیں ہار سکتیں۔"

❁......❁......❁

وہ شاہ زیب سے بری طرح ناراض ہو گئی تھی۔ وہ اکثر اس کو کبھی ربڑ سے بنی چھپکلی کاکروچ سے اسی طرح ڈرایا کرتا تھا اور آج اس نے حد ہی کر دی تھی وہ اس کی آمد سے بے خبر پودوں کو صاف کرنے میں مگن تھی اور وہ اس کی بے خبری سے فائدہ اٹھا کر سانپ اس کی طرف اچھال کر چھپ گیا تھا وہ سیاہ رنگ کا سانپ اصلی ہی محسوس ہوا تھا پھر کیا تھا مارے خوف کے اس کی چیخیں بلند ہونے لگی تھیں۔ اندر گھر سے کوئی نہیں آیا تھا اور حیرت انگیز بات یہ تھی کہ زید وہاں آیا تھا اور اس نے آتے ہی جوتے سے سانپ کو کچلنا چاہا تھا کہ سانپ کو بے حس و حرکت دیکھ کر وہ سمجھ گیا وہ نقلی ہے قبل اس کے کہ سانپ کو ٹھوکر مارتا شاہ زیب نے سامنے آ کر خود ہی اپنا جرم قبول کر لیا تھا۔

زید کے جانے کے بعد وہ سودہ کے پاس آیا...... حسب عادت معافی مانگتا ہوا اور وہ ہر بار بہت آسانی سے اس کو معاف کر دیا کرتی تھی لیکن اس بار جو خفت زید کے سامنے اسے اٹھانی پڑی تھی وہ سوچ سوچ کر شرمندہ ہو رہی تھی اور یہی بات جب اس نے شاہ زیب کو بتائی تو وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"تم بھی سوچتی سمجھتی نہیں ہو کہ سانپ کہاں سے آئے گا اور چیخنا شروع کر دیا...... رئیلی بڑے مزے کا سین تھا مگر بھائی نے آ کر سارا پروگرام خراب کر دیا۔"

"میں سمجھی پودوں میں سے نکلا ہے اور میری جان نکلتے نکلتے رہ گئی۔"

"میرے ہوتے ہوئے تمہاری جان کیسے نکل سکتی ہے۔"

"بس...... بس...... تم تو جیسے بڑے خیر خواہ ہو میرے زید بھائی کے سامنے تماشہ بنوا دیا میرا میری تو ویسے ہی ان سے جان جاتی ہے۔"

"یہ بات بالکل درست کہہ رہی ہو یار...... بھائی سے بات کرتے ہوئے میرا بھی یہی حال ہوتا ہے حالانکہ انہوں

نے کبھی مجھ پر غصہ نہیں کیا نہ کبھی ڈانٹا اس کے باوجود ان کی سنجیدگی کا رعب ہوتا ہے کہ میرا دل ان سے بات کرتے ہوئے تیزی سے دھڑکنے لگتا ہے۔"

"ہوں ڈرپوک انسان...... تمہارے لیے ایسے ہی انسان ٹھیک ہیں جن سے بات کرتے ہوئے بھی دس بار سوچنا پڑے ورنہ مجھ جیسے کو تم ڈرا ڈرا کر ہی مار دو گے۔" اس لمحے صوفیہ وہاں آ کر بیٹھ گئی تھیں شاہ زیب نے ہنستے ہوئے سارا واقعہ ان کو سنایا تو خاصی حیرانی سے کہنے لگیں۔

"یہ تو بالکل انہونی ہوگئی ہے کہ زید سودہ کی چیخ سن کر آ گیا۔"

"ارے پھوپو جان...... آپ اتنی حیران کیوں ہو رہی ہیں بھائی ہر ایک کی مدد کرنے والے نرم مزاج طبیعت کے مالک ہیں سب کا خیال رکھتے ہیں۔"

"تمہیں نہیں معلوم بیٹا...... وہ سب کے لیے خدا ترس اور حاتم طائی ہے اگر پتھر ہے تو صرف ہم ماں بیٹی کے لیے۔ ہم مر بھی رہے ہوں گے تو وہ مڑ کر بھی نہیں دیکھے گا ہمیں اتنی شدید نفرت کرتا ہے ہم سے۔" ان کے لہجے میں دکھ کی گہری کاٹ تھی۔ "نامعلوم کس دھیان میں وہ سودہ کی چیخ پر وہاں آ گیا ہوگا۔"

"چھوڑیں امی...... آپ کیوں اتنا سوچتی ہیں اور سب لوگ ہم سے بہت اچھی طرح پیش آتے ہیں ہمارا خیال رکھتے ہیں محبت کرتے ہیں یہ سب بہت ہے ہمارے لیے۔" سودہ نے مسکرا کر کہتے ہوئے ماحول کی افسردگی دور کرنی چاہی۔

"پھولوں کے ڈھیر میں ایک کانٹا بھی چبھ رہا ہو تو ناقابل برداشت ہوتا ہے یہی حال رشتوں میں بھی ہوتا ہے۔ ڈھیروں محبتوں میں چند نفرتیں بے کل و بے چین رکھتی ہیں۔" وہ گرم مزاج اور نرم دل کی مالک تھیں۔

"آپ فکر مت کریں پھوپو...... وقت کے ساتھ ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" شاہ زیب نے انہیں تسلی دینے کی سعی کی۔

"وقت تو سب گزر گیا اب صرف آخری وقت ہی رہ گیا ہے یہ بھی گزر جائے گا۔"

"امی...... ایسی باتیں کیوں کرتی ہیں۔" سودہ گلوگیر ہوئی۔

"پھوپو جانی...... ابھی تو آپ کی عمر ہی کیا ہے پھر آپ کو ہمارے بچے بھی پالنے ہیں اتنی آسانی سے جان چھڑانے تھوڑی دیں گے بہت جینا ہے آپ کو۔" وہ اٹھ کر ان سے لپٹتے ہوئے بولا...... انہوں نے بھی محبت سے اس کی پیشانی چومی وہ اس سے بے حد محبت کرتی تھیں۔

"جگ جگ جیو شاہ زیب...... تم نے زید کے بدلے کی بھی عزت و محبت دی ہے۔"

"شکریہ پھوپو جان...... چلیں آج ڈنر کہیں باہر ہی کرتے ہیں۔"

"ابھی منور بھائی کی کال آئی ہے میں اور بھابی ان کے ساتھ کسی پارٹی میں جائیں گے میں نہیں جا سکتی پھر کبھی چلیں گے۔"

"ٹھیک ہے میں سودہ کو لے جاتا ہوں۔" سودہ نے انکار کر دیا۔

"چلی جاؤ بیٹی...... شاہ زیب کئی بار کہہ چکا ہے اچھا ہے آؤٹنگ ہو جائے گی۔"

❁ ❁ ❁

یونیورسٹی میں ہنگامہ دو گروپوں کے درمیان نامعلوم کس بات پر شروع ہوا تھا جو بڑھتا ہی چلا گیا اور اسی دوران فائرنگ سے ایک جماعت کا طالب علم جاں بحق ہوا تو پھر شدید افراتفری ہر سو پھیل گئی تھی۔ بابر نوفل سے کھڑا کچھ ڈسکس کر رہا تھا شاید وہ حالات کی نزاکت کو بھانپ گئے تھے۔ بابر ان کی طرف آیا اور یونیورسٹی سے فوراً نکل جانے کو کہا اور وہ اسی ٹائم

وہاں سے نکل گئے تھے۔
گھر جا کر نیوز چینلز کے ذریعے معلوم ہوا یونیورسٹی غیر معینہ مدت کے لیے بند ہو چکی ہے۔ اس دوران اس کا آنا جانا عاکفہ کی مما کے پاس کچھ زیادہ ہی رہا تھا، وہاں کا ماحول بہت سادہ تھا عاکفہ کی ممی اور پپا بہت پرخلوص و بامروت لوگ تھے ایک بار مل کر بار بار ملنے کو دل چاہتا تھا۔ جب سے انہیں معلوم ہوا تھا انشراح کے والدین حیات نہیں ہیں تب سے وہ ان لوگوں کی خصوصی توجہ کا مرکز بن گئی تھی اور ان کی بے لوث محبتوں میں بھیگنے کے بعد اسے معلوم ہوا وہ کب سے ان محبتوں کے لیے تشنہ لب تھی اور دل کسی شیر خوار بچے کی مانند ہمک ہمک کر انہیں [illegible] کرتا تھا۔
''نانی جان...... میں عاکفہ کی طرف جا رہی ہوں رات تک آؤں گی۔'' وہ بیگ اٹھا کر ان کے پاس سے جاتے ہوئے کہنے لگی۔
''اب تم عاکفہ کی طرف نہیں جاؤ گی۔'' وہ سرد لہجے میں گویا ہوئیں۔
''میں عاکفہ کے گھر کیوں نہیں جاؤں گی؟'' وہ تعجب سے گویا ہوئی۔
''وہ لوگ ہمارے اسٹینڈرڈ کے نہیں۔''
''کیا مطلب نانی...... وہ لوگ ہمارے اسٹینڈرڈ کے نہیں، اسرار انکل ملٹی نیشنل کمپنی کے ہیڈ ہیں اور گاؤں میں ان کی زمینیں ہیں۔''
''میں فنانشلی بات نہیں کر رہی ان کے گھر کا ماحول بہت دقیانوسی ہے اس کے باپ کی گز بھر لمبی داڑھی ہے اور اس کی ماں دوپٹے کے نام پر پورا تھان لپیٹتی ہے اور اتنی عجیب عورت ہے کہ آج تک اس نے پارلر کی شکل ہی نہیں دیکھی نہ عاکفہ کو پارلر بھیجتی ہے اور تو اور گھر میں ٹی وی تک نہیں ہے۔'' وہ اپنے نظریے کے مطابق ایک کے بعد ایک خامیاں گنواتی چلی گئی تھیں، بالی بھی ان کے قریب گردن جھکائے بیٹھی تھی۔
''نانی...... یہ بلاوجہ کی مداخلت ہے کوئی اپنے گھر میں ٹی وی نہیں رکھتا تو وہ ناپسندیدہ کیسے ہوسکتا ہے؟ عاکفہ، اسرار انکل، عروسہ آنٹی جس طرح سے بھی لائف چاہیں گزاریں۔ ان پر اعتراض کرنے والے ہم کون ہوتے ہیں؟''
''تمہیں مجھ سے بحث کرنے کی قطعی ضرورت نہیں...... میں ان پر کوئی پابندی نہیں لگا رہی، میں تمہیں پابند کر رہی ہوں ان کو نہیں۔'' وہ غصے سے کہتی ہوئیں پاؤں اوپر کر کے آرام سے بیٹھ گئیں۔
''بے بی...... ماسی کو تمہارا ان لوگوں سے ملنا بالکل بھی پسند نہیں آ رہا، ابھی ہم وہاں سے ہی آ رہے ہیں۔ ماسی نے عروسہ آنٹی کو صاف صاف کہہ دیا ہے کہ تم اب ان کے گھر نہیں جاؤ گی، وہ لوگ شدت پسند ہیں۔''
''کیا...... کیا کہہ رہے ہو بالی بھائی...... !تم عاکفہ کے گھر گئے تھے۔'' بالی نے گویا اس کے سر پر بم دے مارا تھا وہ ہکابکا رہ گئی۔
''ہاں...... میں ساتھ لے کر گئی تھی بالی کو اور کھری کھری سنا کر آئی ہوں کہ میری معصوم بچی کو آئندہ گھر بلانے یا ورغلانے کی کوشش کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' بالی کی جگہ وہ سخت لہجے میں گویا ہوئیں۔
''یہ کیا، کیا آپ نے نانی جان؟'' وہ دکھ و صدمے سے چکرا کر رہ گئی۔

❁ ❁ ❁

صوفیہ کو قلق تھا کہ وہ تو اکثر و بیشتر کہیں نہ کہیں کسی رشتے دار کے گھر یا محلے میں اور منور کے ساتھ زمرد کے سنگ پارٹیز اٹینڈ کرتی رہتی تھیں۔ مائدہ عمرانہ اور زید کے ساتھ اکثر باہر جایا کرتی تھی اور جب سے اس کی خالہ دبئی سے یہاں شفٹ ہوئی تھیں وہ دونوں ماں بیٹی ہر دوسرے دن وہاں پہنچی ہوتی تھیں یا اس کی خالہ اور کزنز یہاں آجاتی تھیں۔ وہ لوگ عمرانہ

جیسا رویہ رکھتے تھے صوفیہ اور سودہ ناپسند تھیں ان کو پھر عمرانہ کے خوف سے مائدہ بھی سودہ سے دور ہی ہو جاتی تھی اور جو بظاہر بیٹی سے لیا دیا انداز رکھتی تھیں۔ دل ہی دل میں بیٹی کی بڑھتی تنہائی پر وہ رنجیدہ ہونے لگی تھیں ایسے میں شاہ زیب کی آفران کو بہت بھائی تھی پھر سودہ کے منع کرنے کے باوجود انہوں نے اسے شاہ زیب کے ہمراہ بھیجا تھا۔
شاہ زیب پہلے اسے چٹکی منکی لے گیا تھا ایک کے بعد ایک جھولے میں اسے لے کر بیٹھتا..... اس کے انکار کو اس نے ذرا اہمیت نہیں دی۔ ایک اسٹال سے بھیل پوری بھی کھائی میٹھے پان وہ شوق سے کھاتی تھی شاہ زیب نے خاصی تعداد میں لے لیے تھے۔

''شاہ زیب..... اتنے پان کون کھائے گا؟ گھر میں کوئی اور نہیں کھاتا میں کس کو دوں گی اتنے پان؟'' وہ شاپر پکڑتی بولی۔
''تم کھانا اور مائدہ کو بھی دینا وہ بھی شوق سے کھاتی ہے پان۔''
''مائدہ کو دوں پان؟ وہ تمہارے دیئے ہوئے پان کھالے گی؟'' اس نے آہستگی سے کہتے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔
''تم اس کو بتانا ہی نہیں یہ پان میں نے دیئے ہیں ویری سمپل۔'' اس کے لہجے میں وہ ہی محبت تھی جو زید کے لہجے میں مائدہ کے لیے مخصوص تھی۔
''یہ اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہے ہو۔''
''کیا مقصد ہوا اس بات کا؟'' وہ وہاں سے نکل رہے تھے۔
''یہی کہ وہ جانتی ہے میری پرواز کہاں تک ہے ایسی چیزیں مجھے کون دلا سکتا ہے اور وہ تمہاری دلائی ہوئی چیزیں کبھی بھی نہیں لے گی۔''
''ہاں یہ سوتیلے رشتوں کا زہر بہت بدصورت و خطرناک ہوتا ہے اس میں کی جانے والی بے لوث محبت بھی پل پل تڑپتی رہتی ہے نامعلوم کب تک یہ سوتیلے پن کا ناگ ڈستا ہی رہے گا۔'' اس کے مسکراتے چہرے پر ایک دم سے افسردگی چھا گئی تھی ملال کا رنگ سودہ کے چہرے پر بھی پھیل سا گیا تھا۔ وہ جانتی تھی مائدہ بری لڑکی نہیں..... مگر عمرانہ کی نفرت اور خفگی کے خوف نے ایک خول میں مقید کر دیا تھا۔ شاہ زیب نے کئی مرتبہ پیش قدمی کرتے ہوئے اس سے بھی ایسی ہی بے تکلفی پیدا کرنا چاہی تھی جیسے سودہ کے ساتھ تھی لیکن اس نے ہر بار اسے دھتکار دیا تھا اور صاف کہہ دیا تھا وہ اس کا بھائی کبھی نہیں بن سکتا۔
موسم سرد تھا اور ہواؤں میں نمی تھی۔ ڈنر کے لیے ان کی کار آگے بڑھتی جا رہی تھی رات کے گیارہ کا عمل تھا باہر سڑک کے دائیں طرف سمندر اور سمندر سے فاصلے پر بنے ہٹس ہوٹلز اور ریسٹورنٹ نظر آ رہے تھے۔ بائیں طرف اکا دکا ہی کوئی گھر دکھائی دیتا تھا ورنہ میدان تھے جو اندھیرے میں ڈوبے ہوئے تھے اور لگ رہا تھا گویا آدھی رات کا پہر ہو سناٹا و ویرانی پھیلی ہوئی تھی۔
''کتنا تضاد ہے ماحول میں کچھ دیر روشنیوں کی بہتات میں دن کا سماں تھا اور اب لگ رہا ہے اندھیرا ہی اندھیرا ہر سمت پھیلا ہوا ہے۔''
''ابھی آگے بھی دیکھنا روشنی اور اندھیرے کا ساتھ کس طرح چلتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح تمہارا اور میرا ساتھ ہے چاند اور رات کی مانند۔'' اس نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے شوخی سے کہا۔
''فالتو بات نہیں کیا کرو چاند اور رات تم مجھے چاند جیسے لگتے ہو۔''

''اوہ ریئلی...... تم مجھے اتنا لائک کرتی ہو؟''

''بس ہر بہن کی محبت اپنے بھائی کے لیے ایسی ہی ہوتی ہے۔''

''ارے...... رے...... لاحول ولاقوۃ کیا بول رہی ہو بھائی؟'' اس نے شاکڈ انداز میں کہتے ہوئے کار روک دی۔ ''کان منہ ناک اور آنکھیں کھول کر سن لو میں تمہارا کوئی بھائی وائی نہیں ہوں۔ مائدہ میری بہن ہے وہ مانے نہ مانے تجھے کوئی فرق نہیں پڑتا...... میں مانتا ہوں وہ میری بہن ہے تم میری بہن نہیں ہو۔''

''کار اسٹارٹ کرو کیا ہو گیا ہے تم کو فضول باتیں کر رہے ہو۔'' سوہ نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پریشانی سے کہا۔

''پہلے وعدہ کرو آئندہ مجھے بھائی نہیں کہو گی بہت چیپ لگتا ہے تمہارے منہ سے نکلتا ہوا یہ ورڈ بھائی۔'' وہ بضد ہوا۔

''پلیز شاہ زیب...... یہ مذاق کا وقت نہیں ہے باہر دیکھو کس قدر اندھیرا ویرانی ہے مجھے قسم سے بے حد ڈر لگ رہا ہے میں کہتی ہوں واپس چلتے ہیں۔'' وہ گھر سے بہت کم ہی نکلتی تھی' گھر سے کالج اور کالج سے گھر دن کی روشنی میں یہ معاملات نپٹ جاتے تھے۔ پہلی بار وہ امی اور اس کے بے حد اصرار پر رات میں گھر سے نکلی تھی اور لے کر بھی وہ اسے دور دریا پر آیا تھا جہاں اسٹریٹ لائٹس کی روشنیاں ماحول کی تاریکیوں کو ختم کرنے کے لیے ناکافی تھیں۔

''تم میرے ساتھ ہو پھر ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔'' اس نے کار اسٹارٹ کی۔ اس کے چہرے پر خوف دیکھ کر شاہ زیب کو ترس آ گیا تھا۔

''مجھے پتا ہوتا اگر یہاں ایسا راستہ ہے تو میں کبھی بھی نہیں آتی۔''

''مائی گاڈ...... تم کراچی میں رہتی ہو یار...... کراچی والی بنو یہاں رات اور دن کی کوئی قید نہیں...... پھر یہاں کچھ جگہوں کا حسن ہی رات کو دکھائی دیتا ہے۔'' وہ اسے سمجھاتا ہوا کار ڈرائیو کر رہا تھا کار آگے بڑھتی جا رہی تھی اور دور فاصلے پر روشنیاں چمکتی دکھائی دے رہی تھیں۔

❁......❁......❁

''تمہاری ماں میرے حوالے تم کو کر کے گئی تھی' میں نے ماں بن کر ہی پالا ہے تمہیں اب تم مجھ کو بتا رہی ہو وہ تم کو ماں جیسی لگتی ہے۔ تمہاری یہ محبت مجھے سمجھ نہیں آئی...... میری محبت میں کہاں کمی رہ گئی ہے جو تم دوسروں میں محسوس کر رہی ہو۔'' پہلی بار نانی نے اسے روتے ہوئے دیکھا تھا' ان کے ساتھ بالی بھی ہک دک رہ گئی تھی۔ وہ ایسی گداز دل کی نامعلوم کب سے ہو گئی تھی ورنہ تو وہ ایک آنسو بہانے والی نہ تھی' اس کی یہ تبدیلی بڑی عجیب تھی۔

''میں نے آپ سے کبھی کوئی شکایت نہیں کی نانی...... لیکن آپ نے میرا مان توڑ دیا' آپ نے انکل اور آنٹی کی بے عزتی نہیں کی' مجھے میری نظروں سے گرا دیا ہے' شرمندہ کر دیا ہے' ان کی محبتیں آپ کا کیا بگاڑ رہی تھیں۔'' رو رو کر اس کی آنکھیں سوجھ گئی تھیں۔

''میں نہیں چاہتی تم ان سے ملو اور ان کی طرح شدت پسند بنو' ہمارے معاشرے میں جو آج کل افراتفری بے چینی پھیلی ہوئی ہے' وہ سب ان جیسے شدت پسندوں کی وجہ سے ہے۔''

''میں نے ان میں کوئی برائی نہیں دیکھی' آپ کسی غلط فہمی کا شکار ہو رہی ہیں۔ وہ شدت پسند نہیں' امن پسند لوگ ہیں' ان کے گھر ٹی وی نہیں ہے تو کیا سکون ہے' محبت ہے' وہ لوگ آپس میں جڑے رہتے ہیں ایک دوسرے سے۔'' اس کے لہجے میں ان کے لیے احترام و محبت تھی۔

''وہ جڑے ہوئے ہیں اور ہم آپس میں بنے ہوئے ہیں کیا' کیسی اسٹوپڈ سی سوچ ہو گئی ہے تمہاری انشی...... چند دنوں میں تمہاری سوچ بدلی ہے اور کچھ دن بعد تم بھی وہ سب کرو گی' جو وہ ماں بیٹی کرتی ہیں۔'' نانی اس کو سرد نگاہوں سے گھورتی

ہوئی گویا ہوئیں۔

”کیوں ماسی کو غصہ دلانے والی باتیں کررہی ہو بے بی...... چلو میرے ساتھ اپنے روم میں' ماسی کو آرام کرنے دو۔“

بالی نے معاملہ بگڑتے دیکھ کر اس کا ہاتھ پکڑا اور اس کے کمرے میں چلی آئی اور بیڈ پر بٹھا دیا۔

”لو پانی پیو' ماسی کے ساتھ مجھے بھی بے حد حیرت ہورہی ہے تم نے کبھی ایک آنسو نہیں بہایا اور آج تمہارے آنسو نہیں تھم رہے۔“ وہ اسے گلاس تھماتی ہوئی اپنائیت سے کہہ رہی تھی۔

”تم نہیں سمجھو گے بالے بھائی...... نانی بھی نہیں سمجھ سکتیں میرے جذبات کو۔“

❁......❁......❁

لاریب نے مسکراتے ہوئے نوفل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں سمجھ نہیں پاتا تم کس طرح اتنی بورنگ لائف اسپنڈ کررہے ہو؟ میں اگر ایک دن بھی کسی حسینہ کی بانہوں کا سہارا نہ لوں تو مجھے سکون نہیں ملتا۔ بہت بورنگ لائف لگتی ہے اور ایک تم ہو نا معلوم کس طرح زندہ ہو۔“

”میں نہیں۔ تم بدصورت زندگی گزار رہے ہو' عورت کی بانہوں میں زندگی گزارنا کہاں کی مردانگی ہے۔ جس کو تم انجوائے منٹ کہتے ہو وہ میری نگاہ میں ذلالت و سراسر بے حمیتی ہے۔“ اس نے بھرپور انداز میں جواب دیا۔

”ہاہاہا...... میں بے حمیت ہوں۔“ وہ کھلکھلا کر ہنسا اور اسٹیئرنگ اس کے ہاتھ سے بہک گیا تھا' برابر میں بیٹھے نوفل نے فوراً کنٹرول کیا۔

”سوری یار...... ابھی ایکسیڈنٹ ہوجاتا اگر نہ ہوتے میرے ساتھ تم۔“

”تم نے ڈرنک کی ہے؟“ جھکنے سے جو اس کے منہ سے ناگوار بو محسوس ہوئی تھی اس نے نوفل کی پیشانی پر ناگواری کی شکنیں در آئی تھیں۔

”نہیں' زیادہ نہیں پی...... فرینڈز نے زبردستی ہی......“

”شٹ اپ' کار روکو۔“ وہ غصے سے دھاڑا۔

”سوری...... وری سوری نوفل...... مجھے معلوم نہ تھا راستے میں تم سے ملاقات ہوجائے گی تو میں چکھتا بھی نہیں' معاف کردو پلیز۔“ اس کی ناراضی اسے سخت مضطرب کردیا کرتی تھی۔

”مجھے تم سے کچھ نہیں سننا...... کار روکو' میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔“

”میں نے کہا نہ پلیز...... معاف کردو' غلطی ہوگئی۔“

”میں تمہاری صورت دیکھنا نہیں چاہتا لاریب...... کسی چیز کی لمٹ بھی ہوتی ہے توبہ کبھی بھی بار بار گناہ کرنے کی امید پر نہیں کی جاتی ہے اور معافیاں مانگ کر ڈھٹائی کے ساتھ وہ ہی کام کرنا ہو تو ایسی معافی کس کام کی۔“

”اب میں بے حد مجبور ہوں چھوڑنا بھی چاہوں تو نہیں چھوڑ سکتا۔“

”دنیا کے کمزور ترین انسان ہو میں تمہارے ساتھ بیٹھنا اپنی توہین سمجھتا ہوں۔“

”پلیز نوفل یار...... اگر تم ناراض ہوگئے تو......“ اس نے ہاتھ اس کے شانے پر رکھتے کہا اور ایسے میں اس کی توجہ تمام اس کی طرف مبذول ہوگئی تھی' نشے کی وجہ سے کنٹرول میں وہ خود بھی کم ہی تھا' نتیجتاً کار بے قابو ہوکر آگے بڑھتی چلی گئی اور قبل اس کے کہ وہ کنٹرول ہوتی فٹ پاتھ پر چلتی لڑکی سے جا ٹکرائی تھی' فضا نسوانی چیخ سے گونج اٹھی تھی۔

❁......❁......❁

ماحول میں خنکی بڑھتی جارہی تھی۔ شاہ زیب نے ڈنر کے لیے سیکنڈ فلور منتخب کیا تھا ہوٹل میں لائٹس بہت خوب صورت

صائمہ مشتاق

السلام علیکم! آنچل اینڈ حجاب اسٹاف کیسے ہیں؟ خداوند کریم آنچل اور حجاب کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا کرے آمین۔ جی جناب آتی ہوں تعارف کی جانب تو سب سے پہلے بتاتی چلوں، میں شادی شدہ اور ایک بیٹے کی ماں بھی ہوں۔ میرا نام صائمہ مشتاق تھا لیکن اب صائمہ مزمل ہوں، میرے بیٹے کا نام محمد دانیال ہے۔ ہم چار بہن بھائی ہیں، سب سے بڑی میں ہوں۔ 10 نومبر 1993ء کو اس دنیا میں آئی رنگوں میں مجھے بلیک سفید اور سرخ پسند ہیں، جیولری میں مجھے رنگ اور ایئر رنگ پسند ہیں۔ لکھنے کا بہت شوق ہے، حال ہی میں میں نے ایف اے کا امتحان دیا ہے، اب رزلٹ کا انتظار ہے۔ میرا اپنا بیوٹی پارلر اور بوتیک ہے، اس کے علاوہ کہانیاں لکھتی ہوں، شاعری بہت پسند ہے۔ کھانوں میں عربی تامیاں اور بریانی پسند ہے۔ دوستیں بہت سی ہیں ثمینہ اقراء، شگفتہ، شمائلہ میری دوستیں ہیں۔ امی کہتی ہیں کہ تم بے پروا بہت ہو، اقراء کہتی ہے کہ بہت اچھی ہوں ہر کسی کے غم کو اپنا غم سمجھتی ہوں۔ میری بہن کہتی ہے کہ ہر بات منہ پر کہہ دیتی ہوں، پھوپو شگفتہ کہتی ہیں کہ بہت ہمدرد ہوں، اب بس کرتی ہوں آپ سب بہت بور ہو رہے ہوں گے، اچھا جی رب راکھا، زندگی نے وفا کی تو پھر ملیں گے، اللہ نگہبان۔

لگی ہوئی تھیں جدید وقدیم دور کا امتزاج بڑا خواب ناک لگ رہا تھا۔ سامنے حد نگاہ تک سمندر تھا جس کی لہروں میں کبھی کبھی مچھلیوں کے غول گرتے تو چاندنی ہر سو پھیل جاتی تھی۔

''میں نے کہا تھا نہ کراچی میں کچھ پوائنٹس ہیں جن کی خوب صورتی رات ہی کو نمایاں ہوتی ہے اب یہاں کھانا بھی کھاؤ اور سمندر کی خوب صورتی کو بھی انجوائے کرو۔'' اس کے چہرے پر چھائی ایک الوہی سی خوشی سے شاہ زیب کو قلبی اطمینان ہوا تھا۔

''کھانا بھی شروع کرو ٹھنڈا ہو کر بے مزہ ہو جائے گا۔''

''اتنا کھانا کیوں منگوایا ہے تم نے، ہم یہ سب کیسے کھائیں گے۔'' وہ ٹیبل دیکھتے ہوئے بولی جو ڈشز سے بھری ہوئی تھی۔

''تم کھانا شروع کرو۔'' اس نے منچورین کی ڈش اٹھاتے ہوئے کہا۔

کھانے کے بعد اس نے کافی منگوائی، وہاں سے نکلتے ہوئے ان کو ایک بجے کا ٹائم ہو گیا تھا۔ آتے وقت اب وہاں اکا دُکا ہی کاریں موجود تھیں جو ان کے ساتھ ہی رواں دواں ہوئی تھیں۔

ابھی وہ آدھا راستہ طے بھی نہ کر پائے تھے کہ اس کی کار ایک جھٹکے سے رک گئی اور اس کے بار بار اسٹارٹ کرنے کے باوجود اسٹارٹ نہ ہوئی تھی۔

''اب کیا ہو گیا۔ کار اسٹارٹ کیوں نہیں ہو رہی؟'' وہ اتر کر اس کے پاس آئی جو کار کا بونٹ اٹھائے جھکا کھڑا تھا۔

''سمجھ نہیں آرہا کیا فالٹ ہوا ہے میں نے سب چیک کر لیا۔''

''گھر کیسے جائیں گے؟ رات بھی زیادہ ہو گئی ہے۔'' سو وہ حسب عادت بری طرح خوف زدہ ہو گئی تھی ہر طرف اندھیرے اور ویرانی کا راج تھا آگے پیچھے گزرنے والی گاڑیاں بھی آگے جا چکی تھیں اب ان کے سوا وہاں کوئی اور نہ تھا۔

''ڈونٹ وری یار...... تم اتنا گھبرا کیوں رہی ہو میں تمہارے ساتھ ہوں، ہم آگے چلتے ہیں کنوینس مل ہی جائے گی۔'' گھبرا تو وہ بھی گیا تھا باتوں باتوں میں ٹائم گزرنے کا پتا نہیں چلا تھا اور اب مزید مسئلہ کار نے خراب ہو کر دیا تھا۔

چاند کی درمیانی تاریخ کا چاند ستاروں کے جھرمٹ آب وتاب سے روشنی بکھیر رہا تھا۔ اس چاندنی میں اندھیرا دور نہ ہوسکا تھا مگر ماحول پر ماورائی سا رنگ پھیلا ہوا تھا اس نے پنک دوپٹے کو بہت اچھی طرح لپیٹا ہوا تھا۔

"میں نے تمہیں محبت میں کہا تھا کہ یادگار ڈنر کرواؤں گا مگر مجھے معلوم نہ تھا کہ ڈنر اس طرح یادگار ہوجائے گا۔ خیر میں تو کہتا ہوں ہر وقت کو انجوائے کرنا چاہیے۔" وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"مجھے تو بے حد ڈر لگ رہا ہے تم گھر فون کرکے شوفر کو بلوالو۔"

"یہی تو پرابلم ہوگئی ہے میرے سیل فون کی بیٹری بھی ڈیڈ ہوگئی ہے۔"

"اوہ......" اس کا دل دھک سے رہ گیا' وہ ابھی کچھ آگے ہی بڑھے تھے معاً پیٹرولنگ کرتی رینجرز کی جیپ ان کے سامنے ہی آ کر رک گئی۔

"کون ہیں آپ لوگ...... یہاں کیا کررہے ہیں؟" آفیسر نے وہاں آ کر ان سے دریافت کیا جبکہ اس کے ساتھی پیچھے تھے۔

"سر...... ہم ڈنر کرنے آئے تھے واپسی میں گاڑی خراب ہوگئی اس وجہ سے ہمیں پیدل سفر کرنا پڑ رہا ہے۔ کنوینس کی تلاش میں۔" شاہ زیب نے مودبانہ انداز میں آفیسر کو جواب دیا۔

"آئی ڈی کارڈ دکھائیں......؟" آفیسر کا لہجہ مشکوک تھا۔

"آئی ڈی کارڈ...... سوری میرے پاس نہیں ہے۔"

"یہ کون ہے آپ کے ساتھ؟" آفیسر کی نگاہیں بڑے متحرک انداز میں اس کا جائزہ لے رہی تھیں جو خوف سے لرزتی شاہ زیب کے شانے کے پیچھے تقریباً چھپی ہوئی تھی۔ اس نئی افتاد نے اس کے اوسان خطا کردیے تھے۔

"سر...... یہ میری بہن ہے...... آئی مین کزن۔"

"لگ رہا ہے کسی اچھی فیملی سے تعلق ہے آپ کا' مگر رات کے پہر ایک جوان لڑکی کو اس طرح ساتھ لے کر گھومنا مجھے شک میں مبتلا کررہا ہے آپ ہمارے ساتھ چلیں۔" وہ حکیمہ انداز میں گویا ہوا۔

"سر...... ہم آپ کے ساتھ کیوں جائیں' ہم نے کیا جرم کیا ہے؟" اس کے انداز پر شاہ زیب سرد لہجے میں گویا ہوا۔

"ہم روزانہ ایسے کیسز ڈیل کرتے ہیں جہاں لڑکے لڑکیاں ایک دوسرے کو بہن بھائی بتاتے ہیں اور بعد میں سچ بتاتے ہیں کہ وہ کون ہیں۔"

"پلیز سر...... آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔"

"ہمارے ساتھ چلو پھر خود فر فر سچ بولو گے ہری اپ۔" شاہ زیب کی ایک نہ چلی تھی وہ آفیسر سخت مزاج اور اصول کا پابند تھا۔ وہ سودہ کو ساتھ لے کر جیپ میں بیٹھ گیا تھا' شاہ زیب نے سودہ کو دیکھا تھا وہ خوف و تفکر سے زرد پڑتی جارہی تھی۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ ماہ)

تیرے اسیر ہونے تک

اُم ایمان قاضی

رات گہری تھی ڈر بھی سکتے تھے
ہم جو کہتے تھے کر بھی سکتے تھے
تم جو بچھڑے تو یہ بھی نہ سوچا
کہ ہم تو پاگل تھے مر بھی سکتے تھے

"لڈو...... لڈو اٹھ جاؤ پلیز میں یونیورسٹی سے آج پھر لیٹ ہوگئی ہوں۔ گھر میں نہ گاڑی ہے نہ ڈرائیور پوائنٹ بھی نکل گی ہوگی اور میری صبح پہلی کلاس ہے۔" زور سے چلاتے ہوئے وہ ایان کے کمرے میں داخل ہوئی اور روز دہرانے والی کہانی ایک بار پھر سناتے ہوئے اس کے اوپر سے کمبل کھینچ ڈالا۔

"ظالم لڑکی...... رات دو بجے سویا تھا نیند بھی نہیں پوری ہوئی اب ایسی حالت میں بائیک کہیں دے ماری تو پھر مجھے الزام مت دینا۔" جمائیاں لیتے ہوئے وہ اٹھا اور بیڈ کے نیچے سے سلیپر تلاش کرکے پیر میں اڑس لی۔

"بس کرو یہ بہانے بازیاں اور جلدی سے فریش ہوکر باہر آؤ۔ پھوپو کو میں تمہارے ناشتے کا کہتی ہوں یہ باتیں تم اس کو کہو جو تمہیں جانتا نہ ہو۔ ساری ساری رات تمہیں الوؤں کی طرح جاگتے ہوئے کب سے دیکھتی آئی ہوں اور مجھے تو لگتا ہے کہ نیند میں بھی کوئی رپورٹ شپوٹ ہی بنا لیتے ہوگے تم۔" اسے واش روم کی طرف بڑھتا دیکھ کر وہ

کہہ کر خود کمرے سے باہر نکل آئی اور آکر پھوپو کو بتایا کہ ناشتا جلدی تیار کردیں لڈو فریش ہونے کے لیے گیا ہے۔

"اچھا اچھا ٹھیک ہے اب تم بھی تسلی سے بیٹھ کر اس کے ساتھ ہی ناشتا کرلو پھر چلی جانا یونیورسٹی۔" پھوپو نے ٹیبل پر گرما گرم ناشتا لگاتے ہوئے بار بار گھڑی کی طرف دیکھتی یشفع کو مخاطب کیا۔

"میں ناشتا کر کے نکلتی ہوں، پھوپو اور زیبی آپا چلی گئیں۔"

"ہاں بھئی تمہاری زیبی آپا تو نکل جاتی ہے صبح چھ بجے ہی، میں نے تو اس کے ساتھ ہی ناشتا کرلیا تھا۔ اب تم جلدی سے شروع کرو میں ایان کو بلالاؤں۔ کیا میں نہیں جانتی تمہارا ناشتا...... سوکھا سڑا ایک توس اور سڑی ہوئی چائے۔" پھوپو نعیمہ اس کی بات کو خاطر میں نہ لائیں اور پلیٹ میں پراٹھا نکال کر اس کے آگے رکھا اور خود ایان کو بلانے چل دیں۔ یشفع نے بے بسی سے دیسی گھی میں تربتر پراٹھے کو دیکھا نوالہ توڑنے کو ہاتھ بڑھا دیا۔ پتا تھا کہ پھوپو اب اسے ناشتے کے بغیر ہرگز نہیں نکلنے دیں گی۔

تھوڑی دیر بعد وہ اس کی بائیک پر پیچھے بیٹھی پچھلے دنوں کی روداد سناتے ہوئے اس کا سر کھا رہی تھی۔ آخر کو تین دن بعد اس کی شکل دیکھی تھی اور ایان کو ہر بات بتائے بغیر اسے چین کہاں آتا تھا۔

"ارے لڈو...... تمہارا پچھلا پروگرام اتنا زبردست گیا اور تم نے مجھے بتایا بھی نہیں؟" دفعتاً خفگی سے ایک دھپ اس کی کمر پر رسید کی گئی جس کے نتیجے میں بائیک لہرا سی گئی۔ "وہ تو میری فرینڈز نے مجھے بتایا کہ کتنا زبردست پروگرام کیا تم نے اور کیسے ان بے ایمان لوگوں کو بے نقاب کیا جو اتنی بے دردی اور بے حسی سے نقلی دوائیاں بنا کر عوام کی جانوں سے کھیل رہے تھے پھر میں نے وہ پروگرام ڈاؤن لوڈ کر کے دوبارہ دیکھا۔ ایسا گھناؤنا کام کرنے والوں کی شکلیں بھی ویسی ہی گھناؤنی تھیں۔ توبہ پتا نہیں کیسے تمہیں ایسے آئیڈیاز آجاتے ہیں، لاسٹ ویک وہ گردہ فروشوں کا گروپ اور اب یہ مجرم لوگ تم اپنا خیال بھی تو نہیں رکھتے ہو اور میں تو کہتی ہوں یہ جرائم والی فیلڈ چینج کرلو یہاں تو دشمنیاں بھی بڑی جلدی پال لیتے ہیں لوگ۔" اب وہ تشویش سے اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"ارے الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے، پوچھنا مما سے کہ ان دنوں میں کتنی بار گیا تمہارے گھر اور سیل ٹرائی کیا آنٹی کے گھر بھول کے چلی گئیں اور اب غصہ مجھ پر نکل رہا ہے۔" وہ جل کر بولا۔

"ہاں وہ میں تمہیں بتانا بھول گئی تھی کہ سمیر کی پروموشن ہوگئی تو میں آنٹی کے گھر مبارک باد دینے کے لیے گئی تھی۔ ویک اینڈ تھا سو آنٹی نے زبردستی روک لیا اور وہاں تو تمہیں پتا ہی ہے مجھے وقت گزرنے کا پتا ہی کہاں چلتا ہے۔" اس کا سرشاری سے بولنا ایان کا جی جلا گیا، ابھی جو تھوڑی دیر پہلے وہ اس کی فکر کرتی کتنی بھلی لگ رہی تھی، سارے خوشگوار موڈ کی ایسی کی تیسی ہوگئی تھی۔

"لڈو...... تم نے مجھے مبارک باد بھی نہیں دی۔" نیا شکوہ زبان سے برآمد ہونے پر ایان چونکا۔

"میرے خیال میں حالیہ دنوں میں تم نے ایسا کوئی کارنامہ سرانجام نہیں دیا جس کی تمہیں مبارک باد دی جائے۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولا حالانکہ وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے، اب کے ایک اور دھپ اس کی کمر پر رسید ہوئی۔

"سمیر نے اتنا شاندار کارنامہ سرانجام دیا اتنے خطرناک مجرموں کو پکڑوا کے ڈیپارٹمنٹ نے اس کی ترقی کردی اور تم کہہ رہے ہو کس بات کی مبارک باد؟"

"ویسے یار...... ملک کے مایہ ناز اینکر کو اس طرح سے ایک لڑکی کے ہاتھوں کوئی پٹتا دیکھ لے تو لوگ جلوس نکال کر تمہارے گھر کے سامنے کھڑے ہوجائیں خصوصاً لڑکیاں اور تم ظالم لڑکی، تمہیں قدر ہی نہیں ہے۔ سچ کہتے ہیں لوگ کہ گھر کی مرغی بلکہ مرغا دال برابر، لو بھئی ٹائم سے پہلے پہنچا دیا تمہیں یونیورسٹی اب واپسی کے لیے کیا حکم ہے۔" اس نے بائیک روکتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی اس کی پہلی بات کا جواب گول کردیا۔

"آں...... واپسی...... میں ممی سے کہہ کر گاڑی منگوالوں گی۔ تم جاؤ نیند پوری کرو پہلے ہی تمہیں نیند سے جگادیا۔ سوری لڈو...... اینڈ تھینک یو لڈو...... سوری اس لیے کہ میں جانتی ہوں جب تم نیند میں ہوتے ہو تو تمہیں جگایا جانا کتنا ناپسند ہے پھر بھی میرے لیے جاگ جاتے ہو اور میں یہ بات جانتے ہوئے بھی تمہیں جگا دیتی ہوں اور تھینک یو میرا اتنا خیال رکھنے کے لیے۔"

"بس...... بس...... مس جذباتی' کلاس سے لیٹ ہوجاؤ گی۔" ابھی اس کی تقریر مزید لمبی ہوتی تھی جب ایان نے اس کو ٹوکا اور اسے اللہ حافظ کہہ کر اس نے بائیک کو کک لگا کر اس کا رخ گھر کی طرف موڑ دیا۔

تین مسلسل پیریڈز کے بعد اب وہ سب کینٹین کی طرف آگئی تھیں۔

"یشفع تم صبح ایان کے ساتھ آئی تھیں' یار ہمیں انفارم ہی کردیا ہوتا تو ہم آٹوگراف بھی لے لیتے اور کوئی سیلفی شیلفی بھی بن جاتی۔ وہ تو میں نے تمہیں بائیک سے اترتے دیکھا تھا۔" افشین صبح سے ہی یشفع سے یہ بات کرنا چاہ رہی تھی اور اس کو اب موقع ملا تھا۔

"کون لڈو...... اسے تو میں نیند سے جگا کے لائی تھی اور ویسے بھی سیلبریٹی والی کوئی عادت ہی نہیں ہے اس میں۔ لڑکیوں سے تو کوسوں دور بھاگتا ہے وہ۔ کرائم فیلڈ تو اس کی پسندیدہ ہے بھی اس جاب سے جڑا ہے ورنہ اس کے خیال میں اسے بیک اسکرین رہنا زیادہ پسند ہے۔" ٹھنڈی ٹھار کوک کا گھونٹ حلق سے نیچے اتارتے یشفع نے اطمینان سے کہا۔ "ہاں اگر میری منت کرو' کوئی پارٹی وارٹی ارینج کرو تو ہوسکتا ہے لڈو سے کہہ کر ایک آدھ سیلفی تمہارے ساتھ بنوا ہی دوں۔" ان سب کا اشتیاق دیکھ کر اس نے اترا کر کہا۔ افشین نے پاس رکھا بیگ اٹھا کر اس کے بازو پر رسید کیا۔

"تم دوست ہو کہ آستین کا سانپ' اتنی خدمتیں ہم اس ہیرو کی کریں تو وہ خود ہی راضی ہوجائے گا۔ سیلفی تو سیلفی ہوسکتا ہے لنچ بھی کرادے۔" افشین جل کر بولی

یشفع نے اپنا بازو سہلاتے ہوئے اسے گھورا جبکہ باقی سب ہنس دی تھیں۔

"اور ہاں' یشفع کی بچی...... یہ تو اسے لڈو کس خوشی میں بلاتی ہے۔ اتنے ہینڈسم بندے کا سارا امیج ہی برباد ہوجاتا ہے۔ لڈو...... بھلا بتاؤ یہ کیسا پیارا نام ہے' تصور میں ایک گول مول سا بندہ آجاتا ہے جو پھٹنے کے قریب ہو۔" زارا نے بھی یشفع کی کلاس لی۔

"ہاں تو میں غلط نہیں کہتی ناں' میٹرک تک تو لڈو ایسے ہی تھا گول مٹول اور ایک اور بات مائی ڈیئر فرینڈز...... وہ لڈو صرف اور صرف میرے لیے ہے اور کوئی اسے بلائے گا تو وہ خود تو کیا میں بھی سخت بُرا مانوں گی اب اگر میری کلاس مکمل ہوگئی ہو تو چلیں' مسز شمس کی کلاس شروع ہونے میں صرف پانچ منٹ ہیں۔" یشفع نے کہا تو سب وہاں سے اٹھ گئیں۔ واپسی پر لینے اسے گاڑی آئی تھی مگر گھر پہنچنے پر ممی کو موجود نہ پا کر اس کا اچھا خاصا موڈ خراب ہوگیا۔

❀......❀......❀

"میڈم کی تو میٹنگ ہے آج' انہوں نے کہا تھا جب آپ آئیں تو کھانا لگادوں۔" ملازمہ کے مؤدبانہ انداز میں بتانے پر اس نے اپنا بیگ اس کے حوالے کیا' کچھ لمحے سوچا پھر کہا۔

"نہیں بوا...... آپ لوگ کھالیں' میں پھوپو کے گھر جارہی ہوں۔" کپڑے تبدیل کیے بنا ہی وہ درمیانی باڑھ پھلانگ کر انیکسی کی طرف آگئی جہاں پھوپو اور زیبی نے شاید کھانا ابھی شروع ہی کیا تھا۔

"ارے آؤ یشفع' آج تمہاری پسند کی بریانی پکائی ہے اور زیبی کہہ رہی تھی کہ یشفع یونیورسٹی سے آجائے تو دے آؤں گی۔" اس کے سلام کے جواب میں پھوپو خوش ہوکر بولیں تو زیبی نے بھی تائیداً سر ہلایا۔

"دیکھ لیں پھر' دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ میں یونیورسٹی سے سیدھی گھر آئی تھی' ممی گھر پر نہیں اور اتنی بڑی ٹیبل پر ہزار میری پسندیدہ ڈشز کیوں نہ ہوں دل ہی نہیں کرتا اکیلے کھانے کو۔" اس نے پلیٹ آگے کھسکا کر چاول

ڈالے اور پھوپو سے کہا۔

"لڈو کہاں ہے...... ابھی تک سویا ہوا ہے کیا؟" پہلا چمچ لیتے ہی اس نے پوچھا۔

"نہیں نے تو آج پروگرام کے لیے نکلنا تھا' آؤٹ آف سٹی کم از کم دو دن تو لگ جائیں گے اس دفعہ تو کہہ رہا تھا کہ ٹارگٹ بہت مشکل ہے' زیادہ دن بھی لگ سکتے ہیں۔ اللہ میرے بچے کو اپنی امان میں رکھے۔ حق اور سچ کی جنگ جو لوگ لڑتے ہیں ان کو تو مخالفین بھی زیادہ ہوتے ہیں ویسے تو ٹیم ورک ہوتا ہے مگر سامنے یہی ہوتا ہے تو بُرا بھی یہی لگتا ہے مخالفین کو۔ میرا تو دل ہولتا رہتا ہے اچھی بھلی اخبار کی نوکری چھوڑ کر یہاں آ گیا' اتنی خطرناک فیلڈ میں۔" یشفع کو اس کی مصروفیات بتاتے ہوئے وہ فکر مند ہو کر کھانا چھوڑ بیٹھیں۔

"ارے امی فکر نہ کریں' جب اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں تو توکل بھی رکھتے ہیں۔ اللہ کی امان میں دیا تو ڈرنا کیسا' آپ کو تو فخر ہونا چاہیے آج کے اس نفسا نفسی کے دور میں جب ہر فرد اپنی بقا کی جنگ میں اچھے اور برے کا فرق بھلائے بیٹھا ہے' آپ کا بیٹا سچ کا جھنڈا لے کر اپنی زندگی کو کسی مقصد کے لیے گزار رہا ہے۔ اسے حوصلہ دینے کی بجائے آپ ایسی باتیں لے کر بیٹھ جاتی ہیں۔" زیبی نے روز کی دہرائی جانے والی باتیں پھر سے کہیں۔

"ٹھیک کہا تم نے بچے مگر ماں کا دل ہے ناں' اوپر سے ملک کے حالات بھی تو ایسے ہی ہیں جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا اصول ہے ہر طرف' ایسے میں سچ کہنے والے کو ہی الٹا بُرا سمجھتے ہیں سب۔ ارے تم دونوں کیوں کھانا چھوڑ کر بیٹھ گئیں' میں نے کیسے وقت میں یہ ذکر چھیڑ دیا' چلو بیٹا کھانا مکمل کرو اور بھائی کے لیے دعا کیا کرو اللہ اسے اپنی حفاظت میں رکھے آمین۔" پھوپو نے دل گرفتگی سے کہتے ہوئے ان دونوں پر نگاہ کی اور انہیں کھانا چھوڑے دیکھا تو خود بھی دوبارہ سے کھانا شروع کیا اور ان دونوں کو بھی ٹوکا۔ پھوپو نماز پڑھنے کے لیے اٹھ گئیں' زیبی نے برتن سمیٹے یشفع زیبی کے کمرے میں جا کر نیم دراز ہو چکی تھی جب زیبی آپا چائے لے کر آئیں۔

"ارے زیبی آپا...... جئیں ہزاروں سال۔" اس نے اٹھ کر کپ تھاما پھر وہ دونوں جو باتوں میں مگن ہوئیں تو ٹائم گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا۔ باتیں کرتے کرتے یشفع کو نیند آ گئی تھی وہ تو پھوپو نے عصر کے بعد ان دونوں کو آ کر جگایا۔

"اٹھ بھی جاؤ بچیو' شام ڈھلنے کو ہے اور یشفع تمہارا موبائل شاید گھر ہے بیٹا اور تمہاری امی تین دفعہ گھر کے نمبر پر فون کر چکی ہیں۔ ایک دفعہ ملازمہ بھی ہو گئی ہے کہ جیسے ہی جاگو فوراً گھر آؤ کوئی مہمان آئے ہیں تمہاری طرف۔" اسے اٹھ کر بال سمیٹتے دیکھا تو پھوپو نے ممی کا پیغام اس تک پہنچایا جسے سنتے ہی وہ تیزی سے بالوں کو پونی کی شکل دینے لگی۔

ممی اور پھوپو کے بیچ نند بھابی والی روایتی چپقلش تو نہیں تھی مگر پھر بھی ممی پھوپو کے گھر اس کا اتنا آنا جانا کچھ خاص پسند نہیں کرتی تھیں وجہ شاید ان کا اور پھوپو کا طبقاتی فرق تھا۔ بہت چھوٹی تھی یشفع جب پھوپو بیوہ ہو کر دو بچوں کا ہاتھ تھامے ان کے در پر آئی تھیں۔ یشفع کے پاپا حیات تھے انہوں نے ہی پھوپو کو انیکسی میں نہ صرف رہائش دی بلکہ انیکسی کو ساری زندگی کے لیے پھوپو کے تصرف میں دے دیا تھا نہ صرف یہ بلکہ وہ ان کی کافی سے زیادہ مالی امداد بھی کر دیا کرتے تھے۔ ہر مہینے کے اپنے راشن کے ساتھ پھوپو کے گھر کا سامان بھی ساتھ ہی آتا مگر جیسے ہی پاپا کی وفات کے بعد ممی کا رویہ بدلا پھوپو اور ان کے بچے خود ہی محتاط ہو گئے تھے۔ پھوپو نے ساری زندگی خودداری میں گزاری تھی اور یہ بات اپنی اولاد میں بھی ویسے ہی منتقل کر دی تھی اس لیے جب ملازم ان سے مہینے کے سامان کی لسٹ لینے آیا تو انہوں نے رسانیت سے منع کر دیا تھا کہ اب جب ان کا بھائی حیات نہیں تو وہ بھائی پر ایسا کوئی حق نہیں رکھتی پھر اب معاشی طور پر بھی بہت اچھے نہ سہی بہت برے حالات بھی نہ تھے۔ ایان کی ایک اخبار کے دفتر میں جاب ہو گئی تھی اسی طرح زیبی بھی بینک میں کام کر رہی تھی۔ ایان تو انیکسی بھی چھوڑ کے کہیں اور شفٹ ہونا

چاہتا تھا مگر پھوپو کو اپنے بھائی کے حوالے سے اس گھر سے بہت انسیت تھی سو ماں کے جذبات کا خیال کرتے وہ چپ ہوگیا تھا اور پھر اس گھر میں اس کے جینے کی سب سے بڑی وجہ بھی تو موجود تھی یشفع مرتضیٰ! جس نے ان کے اس گھر میں آنے کے بعد اس کی طرف جو دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا تو وہ رشتہ آج پہلے سے زیادہ مستحکم اور مضبوط تھا۔

ایان کی دل میں موجود وہ دوستی کب محبت کے رشتے میں بدل گئی پتا ہی نہ چلا۔ وہ تو اسے تب احساس ہوا جب یشفع کے منہ سے اپنے کسی خالہ زاد کا ذکر سن کر اسے عجیب سا احساس ہوتا۔ وہ اپنی ہر بات اس سے شیئر کرتی، اپنا ہر مسئلہ لے کر اس کے پاس آتی مگر اس کی گفتگو میں کسی دوسرے کا ذکر اسے عجیب سی کوفت میں مبتلا کردیتا۔

"لے آئیں تشریف محترمہ، ٹائم مل گیا گھر آنے کا، تین گھنٹے سے میں اور مما ویٹ کررہے ہیں اور شہزادی صاحبہ اپنے رشتہ داروں کے گھر آرام فرمارہی تھیں۔" ممی کی سرزنش سننے کے بعد اب وہ سمیر کی جلی کٹی سن رہی تھی جو اس کا انتظار کرکے جلا بیٹھا تھا۔

"اچھا اب اتنا غصہ بھی نہ کرو، یونیورسٹی سے تھکی ہوئی آئی تھی۔ ممی گھر پر تھی نہیں اکیلا گھر ایسے کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا۔ پھوپو کے گھر کھانا کھا کے آنکھ لگ گئی اور قصور کس کا ہے؟ تم مجھے انفارم کردیتے کہ آرہے ہو تو میں نہ جاتی۔" وہ اس کے مقابل کرسی پر بیٹھ گئی۔ آنٹی اور ممی اندر تھیں جبکہ وہ دونوں باہر لان میں آگئے تھے۔

"سیل فون کس مرض کی دوا ہے؟ کم از کم وہ لے جاتیں ساتھ مگر شاید ڈیئر کزن کی کمپنی میں محترمہ کو کسی اور چیز کا ہوش ہی کہاں رہتا ہے۔" اس کے طنزیہ انداز پر یشفع چونکی۔

"ارے لڈو...... اسی کا ذکر کررہے ہونا، وہ تو ہے ہی نہیں۔ کسی پروگرام کے لیے نکلا ہے آؤٹ آف سٹی اور تم......" وہ رک کر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"کچھ دنوں سے میں نے نوٹ کیا ہے سمیر کہ تم لڈو کے ذکر سے چڑنے لگے ہو۔ مجھے بتاؤ سمیر کہ تم اس سے جیلس ہورہے ہو؟" اس کے پوچھنے پر وہ بھڑک اٹھا۔

"جیلس مائی فٹ، بینک بیلنس، پرسنیلٹی، ایجوکیشن، اسٹیٹس کسی چیز میں بھی تو میرے ہم پلہ نہیں وہ شخص مگر اکڑ ایسی ہے جیسے کسی ریاست کا شہزادہ ہو میں تو ایسے ویسے لوگوں کو منہ بھی لگانا پسند نہیں کرتا۔ بس تمہارے منہ سے اس کا ذکر مجھے پسند نہیں۔" اس کے لہجے میں لڈو کے لیے اتنی تحقیر پر یشفع کا چہرہ سرخ ہوگیا۔

"دس از ٹو مچ سمیر......! اتنے دن بعد ہم ملے ہیں اور ہمارے پاس ایک دوسرے کے لیے کوئی بات ہی نہیں ہے جو ایک ایسا موضوع چھیڑ دیا ہے تم نے اور ہر رشتے کا ایک خاص مقام ہوتا ہے۔ لڈو میرا کزن ہے، ہم ساتھ پلے بڑھے ہیں، وہ میرا بہت اچھا دوست ہے، میرے دل میں جو اس کی جگہ ہے وہ کوئی اور نہیں لے سکتا اور جو مقام تمہارا ہے وہ ہمیشہ تمہارا ہی رہے گا۔ امید ہے ہمارے درمیان یہ ٹاپک آئندہ ڈسکس نہیں ہوگا۔" اسے حقیقتاً سمیر کی باتوں سے تکلیف ہوئی تھی، وہ بہت سے کلاس فیلوز کا ذکر بھی کرتی تھی بہت بار لڈو کا تذکرہ بھی کر بیٹھتی مگر جس طرح آج وہ ہائپر ہوا تھا وہ اس کے لیے شاکنگ تھا۔ اگر سمیر لڈو سے جیلس نہیں تو وہ کون سا جذبہ ہے جو اس سے اتنی بے زاری کو ظاہر کررہا ہے اس نے سوچا اس کی خاموشی کو محسوس کرکے سمیر خود ہی کھنکھنارا۔

"اچھا چھوڑو ان فضول باتوں کو بس اتنا یاد رکھو کہ میں تمہاری زندگی میں کسی ایکس وائے زی کی انٹرفیرنس برداشت نہیں کرسکتا اور نہ ہی کسی دوسرے کا ذکر اسے میری مجبوری سمجھو لو ریکوئسٹ یا میری محبت۔" وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔ "اور آج پتا ہے مما اور میں کیوں آئے ہیں؟" کچھ آگے آتے ہوئے سمیر نے اس کی آنکھوں میں بغور دیکھا۔ یشفع نے نظریں جھکالی تھیں کہ دشمن جاں کی ٹون بدلتے ہی اس کا دل بھی تیز تیز دھڑکنے لگا کہ سمیر کی طرف سے پہلی بار باضابطہ محبت کا اظہار ہوا تھا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے سمیر کی جانب دیکھا۔

"شادی کی تاریخ لینے آئے ہیں...... نہیں بلکہ رشتہ لے کر اس کو منظور کرانے سے شادی کی تاریخ تک کے

سارے مراحل آج اور ابھی طے ہوں گے بلکہ اندر مما اور آنٹی کے درمیان طے بھی ہو گئے ہوں گے۔" اس نے اتنی جلدی اتنی اچانک بات کی کہ یشفع گنگ سی اسے دیکھے گئی۔

"اتنی جلدی..... میرا مطلب ہے میرے تو ایگزام میں دو ماہ بعد۔" اس نے ہکلا کر کہا۔

"ارے یار یہ امتحان وامتحان دیتی رہنا بعد میں' مجھے ایک ٹریننگ کے لیے ملک سے باہر بھیجا جارہا ہے اور ممی چاہتی ہیں بلکہ میں چاہتا ہوں کہ اتنی لمبی ٹریننگ کے دوران تمہارے ساتھ گزارے دنوں کی خوب صورت یادیں میرا وقت آسان کردیں۔"

"کب..... کب جانا ہے.....؟" یشفع نے پوچھا' اتنی جلدی اس سب کی وہ توقع نہیں کررہی تھی جبھی بوکھلا گئی۔

"اگلے ماہ مجھے جانا ہے چھ ماہ کے لیے' اب جلدی سے آنٹی کو بتا کے آؤ' ہم دونوں باہر جارہے ہیں۔" وہ کھڑا ہوگیا تو یشفع کچھ سمجھی ناسمجھی کی کیفیت میں اندر چلی گئی اور وہ دن یشفع کی زندگی کا خوب صورت دن تھا۔

زندگی اتنی خوب صورت بھی ہوسکتی ہے' اسے اب پتا چل رہا تھا جب سمیر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی محبت کا احساس بخشا تھا' وہ اسے بتا رہا تھا کہ وہ اسے کب سے اچھی لگتی ہے اور کب اس نے فیصلہ کیا کہ اسے زندگی میں شامل کیا جائے اور یشفع کو اپنی خوش بختی پر یقین نہیں آرہا تھا کہ ابھی اس نے اپنی آنکھوں میں خواب سجائے تھے اور بن مانگے اسے اتنی خوب صورت اور من چاہی تعبیر ملنے کو تھی۔ سمیر نے اسے اس کی پسند کی ڈائمنڈ رنگ لے کردی تھی اور ڈنر کے بعد اسے گھر چھوڑا تھا' وہ تو فوراً ہی لڈو اور پھوپو کو یہ خبر سنانے جانا چاہتی تھی مگر ممی نے شادی کے پروگرام بناتے اور اس سے ڈسکس کرتے اتنی دیر کردی تھی کہ رات کے گیارہ بج گئے تھے۔ اپنے کمرے میں آکر اس نے ایان کو کال ملائی تھی مگر دوسری طرف سے نمبر پاورڈ آف کی آواز نے اس کا موڈ خراب کردیا تھا۔

❀ ❀ ❀

پتا نہیں کتنی دیر ہوگئی تھی اسے اپنے کمرے میں ایک ہی پوزیشن میں بیٹھے بیٹھے' گھر آتے ہی جو خبر اسے سب سے پہلے سننے کو ملی تھی اگرچہ اس کا اندازہ پچھلے کچھ دنوں سے ہوگیا تھا مگر اتنی جلدی دل کی دنیا تہہ وبالا ہوگی یہ خبر نہیں تھی۔ چونکا تو وہ بھی تھا جب یشفع کی باتوں میں اس کے خالہ زاد کا ذکر تواتر سے آنے لگا تھا۔ سالوں آنٹی کے گھر کا رخ نہ کرنے والی یشفع اب ہفتہ میں ایک آدھ بار تو ضرور جاتی تھی آنٹی کے گھر اور کل جب بے حد تھکا دینے والے کام کے بعد اس نے اپنا سیل فون آن کیا تھا اس میں یشفع کے ڈھیروں میسجز موجود تھے۔ اس کی بے تابی پر مسکراتے ہوئے اس نے پہلی کال اسے ہی کی تھی جانتا تھا کوئی اہم خبر ہی اسے سنانی ہوگی۔

"ارے لڈو کے بچے..... کہاں گم ہو؟ سیل کیوں آف تھا' کل سے ٹرائی کررہی ہوں۔" اس کے ہیلو بولتے ہی وہ اپنے مخصوص انداز میں شروع ہوگئی۔

"تمہیں پتا ہے کہ میں کام کے دوران اپنی پوری توجہ وہیں مرکوز رکھتا ہوں' تم بتاؤ کیا خبر سنانی ہے؟" اس کے ایسا کہنے پر وہ چیخ پڑی۔

"تمہیں کیسے پتا چلا لڈو کہ میں نے تمہیں کچھ بتانا ہے؟"

"اس بات کو چھوڑو اور جلدی سے خبر سنا کر پیٹ ہلکا کرو' دو دن سے درد ہورہا ہوگا۔" وہ مسکرا کے بولا۔

"ہاں ناں لڈو..... سب سے پہلے تمہیں بتانا چاہتی تھی' اس لیے پھوپو اور زیبی آپی کو بھی نہیں بتایا۔ پتا ہے پرسوں کیا ہوا؟ میں جب گھر گئی....." پھر اس نے سب کچھ بتا ڈالا۔ اپنا پروپوزل' سمیر کا اظہار محبت' شادی کی تاریخ مقرر کرنا' ایان علی کے اندر بہت کچھ ٹوٹتا چلا گیا۔ ان کے درمیان طبقاتی فرق تھا' مما نی ان لوگوں سے روابط رکھنا کچھ خاص پسند نہیں کرتی تھیں پھر بھی..... پھر بھی وہ یہ امید رکھتا تھا کہ جب کبھی وہ یشفع کو بتائے گا کہ وہ اس کے لیے کیسے جذبات رکھتا ہے تو سب ٹھیک ہوجائے گا بس وہ سوچتا ہی رہ گیا تھا اور کوئی اور اس کی محبت پر شب خون مار گیا تھا۔

ہر بار جب یشفع اس سے ملتی' بات کرتی وہ اس کا بے

تکلفانہ انداز دیکھ کر اپنے دل کی بات دل ہی میں دبا کر رہ جاتا کہ ہوسکتا ہے وہ اس پر اپنے جذبات آشکار کرے اور محبت تو شاید پنپ جائے مگر دوستی کے رشتے میں دراڑ آجائے اور وہ اپنی یہ چھوٹی سی دوست کھونا نہیں چاہتا تھا اور ابھی اس کی تعلیم مکمل ہونے میں کچھ وقت تھا۔ وہ مناسب وقت پر جذبوں کا اظہار کرنا چاہتا تھا اب جب یشفع نے خود اس کو کہا تھا۔

"میں بہت خوش ہوں لڈو...... بہت کم خوش نصیب ایسے ہوتے ہیں جو دل میں جس کی چاہ رکھتے ہیں وہ انہیں مل جاتا ہے اور میں انہی خوش نصیبوں میں سے ہوں۔ وہ مجھے بہت اچھا لگتا تھا مگر میں اسے بتا ہی نہ سکی کبھی' تم چپ کیوں ہو؟ حیران ہوگئے...... میں بھی ایسے ہی حیران رہ گئی تھی' جب یہ سب اتنا جلدی اور اچانک ہوا۔" بولتے بولتے اس نے اس کی خاموشی کو محسوس کیا تو پوچھا۔ ایان کی آواز اس کے لبوں میں پھڑپھڑا کر رہ گئی۔ خطروں کے سامنے اپنا پل پل بتانے والا اس پل اپنی آنکھوں کو نم ہونے سے نہ روک سکا تھا اور لبوں کو بھینچتے ہوئے اس نے کال ڈراپ کردی تھی۔ زندگی میں پہلی بار یشفع کی خوشی پر اس کا دل رو رہا تھا۔

"بہت دکھ ہو رہا ہے تمہیں یہ سن کر مجھے بھی ہوا کیونکہ میں نے اسے ہمیشہ اس گھر کا حصہ دیکھا ہے تمہارے ساتھ' تمہاری ہمراہی میں تم...... تم اب تک چپ کیوں تھے ایان...... تمہیں اس کو بتانا چاہیے تھا بلکہ اب بھی...... اب بھی وقت ہے' اسے بتاؤ کہ ہم نے اس کے حوالے سے کیا خواب سجائے ہیں۔ تم نے کیا کیا نہیں سوچا ہے اس کے بارے میں۔" وہ زیبی تھی جو نجانے کب اس کے کمرے میں آئی تھی اور کتنی ہی دیر بھائی کے پژمردہ چہرے پر نگاہ جما کر بیٹھی رہی تھی یہاں تک کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ ہمیشہ ہنسنے مسکرانے والا ایان اس پل ایسی حالت میں اس کا دل ہولائے جا رہا تھا' امی الگ اپنے کمرے میں منہ سر لپیٹے پڑی تھیں۔ ایان کو خبر سنانے کے بعد یشفع خود آئی تھی' بہت خوش خوش ان دونوں کو بتانے کہ اس کی شادی کی تاریخ فکس ہوگئی ہے اور کن اسباب کے تحت ایسا کیا گیا یہ بھی بتایا تھا۔ ان دونوں کے دھواں دھواں چہروں کو اس نے اپنی خوشی میں محسوس ہی نہیں کیا تھا۔

"ایان...... میں کچھ کہہ رہی ہوں اب بھی وقت ہے ایک دفعہ اسے بتاؤ تو سہی۔" وہ بے چینی سے بولیں' ایان چونک کر سیدھا ہوا۔

"ارے کیا کہہ رہی ہیں آپ...... کچھ نہیں ہوا مجھے وہ تو اس دفعہ بہت مشکل ٹارگٹ اچیو کیا ہے ہماری ٹیم نے تو بہت ورک کرنا پڑا ہے اسی کی تھکاوٹ ہے ساری۔ آپ نجانے کیا سمجھ بیٹھی ہیں۔" زبردستی کی بشاشت چہرے پر لاتے ہوئے اس نے اپنے دل کا راز آشکار نہیں ہونے دیا تھا' جانتا تھا کہ ماں اور بہن اس کے حوالے سے کیسی حساس تھیں۔

"مجھے پاگل مت بناؤ ایان...... نہ ہی کچھ چھپانے کی کوشش کرو' اس پل تمہارا چہرہ جھوٹ بول بھی رہا ہو تو تمہاری دراز میں رکھی وہ ڈائریز جھوٹی نہیں ہیں جو اس کے قصیدوں سے بھری ہوئی ہیں۔" ان کے تیزی سے کہنے پر ایان کے لبوں سے بے ساختہ ایک طویل سانس نکلی۔

"سوری بھائی...... ایسا شعوری طور پر نہیں ہوا' وہ تم نے ایک دفعہ کال کرکے کوئی امپورٹنٹ فائل اپنے کمرے سے ڈھونڈنے کو کہا تھا تو تمہاری دراز میں رکھی ان ڈائریز پر میری نظر پڑ گئی تھی۔ تجسس تو انسانی فطرت کا حصہ ہے میں بھی خود کو روک نہیں پائی تھی ان کو پڑھنے سے۔" وہ شرمندہ شرمندہ سی بولی تھیں۔

"ارے نہیں' آپ کو پتا ہے کہ میرے پیش نظر اپنے دل کی خواہش سے زیادہ اہم ہے یشفع کی خوشی۔ ہر شخص کو دنیا میں ہر چیز حسب خواہش نہیں ملتی۔ میرے لیے یہ بات اہم ہے کہ مجھے وہ نہیں ملی تو کوئی بات نہیں اس کو تو وہ مل رہا ہے ناں جو وہ چاہتی ہے۔" وہ یاسیت سے مسکرا دیا' زیبی آپی نے کچھ کہنا چاہا مگر اس نے انہیں خاموش کرا دیا۔

"آج کے بعد آپ کی زبان سے یہ بات پھر نہیں نکلنی چاہیے سمجھیں آپ' کچھ جانتی ہی نہیں ہیں۔ یشفع ہماری

اکلوتی کزن ہے اور اس کی شادی ہو رہی ہے اس کے ساتھ رہیں شادی کی تیاریوں میں۔ اسے کسی قدم پر یہ احساس نہ ہو کہ وہ رشتوں کے حوالے سے کمزور ہے جائیں اور مجھے زبردست سی چائے بنا کر دے جائیں' کچھ پیپر ورک کرنا ہے۔" کچھ دیر پہلے کی نسبت اب اس کا لہجہ اور انداز معمول کے مطابق تھا بس آنکھوں کی سرخی کسی غیر معمولی بات کا پتا دے رہی تھی اس کا قطعی انداز دیکھ کر زیبی کچھ پل اسے دیکھتی رہی پھر اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

ممانی کا بھی خیال آ ہی گیا تھا ایان کی بیٹی سے دوستی کے بعد پیدا ہونے والے خدشات ختم ہو گئے تھے جو انہوں نے فون کر کے خوش دلی سے پھوپو کو یشفع کی تاریخ طے ہونے کی خبر سنائی تھی جسے سن کر پھوپو نے شام کو اپنے دونوں بچوں کو ساتھ لیا اور مٹھائی سمیت یشفع کے گھر چل دی تھیں۔ بہت دن بعد اس گھر میں قدم رکھا تو پیارے بھائی کی غیر موجودگی نے ان کی آنکھیں نم کر دی تھیں آج ممانی کا موڈ بھی معمول کے برخلاف خوشگوار ہی تھا۔

"بالکل بیٹا..... آپ لوگوں نے ہی ساتھ دینا ہے آخر کو یشفع کی بہن کی جگہ ہیں آپ بلکہ مجھ سے زیادہ تو یہ آپ لوگوں سے اٹیچ ہے۔ میں اپنی مصروفیات کی وجہ سے اس کو وقت نہیں بھی دے پائی وہ کمی بھی یہ آپ لوگوں کے پاس آ کر پوری کرتی ہے۔ آپا نے اسے ماں کی اور ایان نے بھائی کی کمی ہی نہیں محسوس ہونے دی میری بچی کو ورنہ اس کے ڈیڈی کے بعد تو میں بہت اکیلی ہو گئی تھی۔" ممانی نے زیبی کی کسی بات کا جواب دیتے ہوئے خود ہی اعتراف کیا تھا' ماموں کی وفات کے بعد انہوں نے واقعی یشفع کو جذباتی سہارا دیا تھا جو وہ جلدی سنبھل گئی تھی ورنہ ممانی کے پاس بزنس کے بکھیڑے ہی بہت تھے۔ ایان یشفع کے لیے اپنا بھائی سننا برداشت نہ کر سکا اور پہلو بدل کر رہ گیا جبکہ پھوپو حسب معمولی جذباتی ہو گئیں۔

"ارے بھابی..... کیسی باتیں کرتی ہیں' ہماری اپنی بچی ہے۔ اسے دیکھے بغیر ہمیں کہاں چین پڑتا ہے اللہ اس کو خوش رکھے جہاں بھی رکھے اور نصیب اچھا کرے آمین۔"

"آپ لوگ کب سے آئے ہوئے ہیں اور مجھے کسی نے خبر ہی نہیں کی اور لڈو کے بچے..... تم سے تو میں سخت خفا ہوں' دیکھیں تو پھوپو تین دن ہو گئے تھے مجھے اس کو یہ بات بتائے ہوئے نہ اس نے مجھے فون کیا نہ فون پر نہ گھر آ کر۔" پھوپو اور زیبی کو ملتے ہوئے اس نے لگے ہاتھوں ایان کی بھی پھوپو سے شکایت کی تھی۔ زیبی سے بھائی کا پھیکا پڑتا چہرہ چھپا نہ رہ سکا وہ ہی اس کی مدد کو آگے آئی تھیں۔

"ارے خفا مت ہو یشفع...... ایان تو اسی وقت آنا چاہ رہا تھا وہ تو میں نے ہی کہا کہ اکٹھے چلیں گے اور دیکھو آج ہم سب حاضر ہیں۔" ایان نے تشکر سے بہن کو دیکھا۔

"نہیں زیبی آپی...... یہ اب بہت چینج ہو گیا ہے سیلیبریٹی بن کے بہت نخرہ آ گیا ہے اس میں مگر یہ آسمان کو کیوں نہ چھو لے میرے لیے لڈو ہی ہے اور لڈو ہی رہے گا اور جب تک یہ مجھے آئس کریم کھلانے نہیں لے جائے گا میں نے نہیں ماننا' آئندہ کم از کم مجھے بھولتے وقت یہ سو بار سوچے گا۔" اس کی بچگانہ سوچ اور بات پر ایان کے سوا سب ہنس دیے۔

"ہاں ایان...... بچے لے جاؤ یشفع کو۔" پھوپو کے حکمیہ انداز پر وہ مودبانہ انداز میں جی امی کہہ کر اٹھنے لگا تھا جب ممانی نے ٹوکا۔

"یشفع...... چلے جانا بیٹا مگر پہلے ان لوگوں کو چائے پلاؤ۔" یشفع شرمندہ سی ہو گئی۔

"اوہ......اس لڈو کے بچے پر اتنا غصہ تھا کہ میں بھول گئی کہ پھوپو اور زیبی آپی کتنے دن بعد یہاں آئی ہیں۔" ماتھے پر ہاتھ رکھتے اس نے کہا اور بھاگ کر کچن میں چلی گئی۔ زیبی نے ایک نظر گم صم بیٹھے بھائی پر ڈالی اور آہستہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں ذرا یشفع کے پاس جا رہی ہوں۔" اس نے آہستہ سے کہا اور کچن میں آ گئی جہاں وہ ملازمہ سے ٹرالی سیٹ کرا رہی تھی۔

"سکینہ...... میری چائے مجھے یہیں دے دو اور باقی کی لے جاؤ۔" زیبی کے کہنے پر ملازمہ نے مودبانہ انداز میں اس کو چائے نکال کر دی، زیبی اپنا کپ لے کر وہیں چھوٹی ٹیبل کے گرد رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی۔ زیبی نے یشفع کا ہاتھ پکڑ کر اسے دوسری کرسی پر بٹھا دیا۔

"تم یہ بتاؤ کہ یہ سب اچانک کیسے ہوا؟ تم نے کبھی ذکر ہی نہیں کیا کہ تمہارا کزن یا آئی انٹرسٹڈ ہیں تم میں؟"

"مجھے بھی نہیں پتا تھا مگر ممی بتا رہی تھیں کہ خالہ نے بچپن میں ممی کے کان میں بات ڈال دی تھی مگر ممی نے منع کر دیا تھا کہ ایسی باتیں قبل از وقت ٹھیک نہیں ہیں، انہوں نے پاپا کو بھی بتایا تھا ان کا موقف بھی یہی تھا کہ بڑے ہونے پر بچوں کی سوچ بھی بدل جاتی ہے اور حالات بھی تو ایسے میں بچپن میں بچوں کو رشتوں کی ڈور میں نہیں باندھنا چاہیے لیکن......" روانی سے کہتے کہتے وہ اچانک رک گئی اور اب نظریں اپنے بائیں ہاتھ میں پڑی انگوٹھی پر جما دیں۔

"اور زیبی آپی کچھ عرصہ پہلے میں سمیر کے لیے الگ ہی کچھ فیل کرنے لگی تھی۔ مجھے اچھا لگنے لگا تھا وہ، اسی طرح اس کے انداز سے اور نگاہوں سے مجھے لگتا تھا کہ وہ بھی شاید مجھے پسند کرتا ہے اور پتا ہے کیا؟" وہ پُرجوش ہو کر بولی۔ "مجھے سمیر کی سب سے اچھی بات کیا لگی زیبی آپی؟ اس نے مجھ سے کچھ بھی نہیں کہا اپنی ممی سے ڈائریکٹ بات کر کے میری ممی سے مجھے مانگ لیا۔ اس بات نے میرے دل میں اس کی محبت کو زیادہ بڑھا دیا ہے۔ بس یہ ہے ساری کہانی، آپ بتائیں آپ کب پیا سنگ سدھار رہی ہیں؟" اپنی بات مکمل کر کے اس نے زیبی سے پوچھا۔ زیبی کی بات دو سال پہلے سے طے ہو چکی تھی، لڑکا لیکچرار تھا اور اسکالرشپ پر پی ایچ ڈی کرنے بیرون ملک گیا تھا ایک دو ماہ میں اس کی آمد متوقع تھی۔

"کچھ ہی ماہ میں ایاز آئیں گے تب ہی شادی ہوگی اور سچ بتاؤں یشفع...... میں نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ تم ہم سے کہیں دور بھی جا سکتی ہو۔" زیبی نے گہری سانس لے کر کہا۔ یشفع نے ناسمجھی سے زیبی کی طرف دیکھا وہ رک رک کر سوچ سوچ کر بول رہی تھی۔

"تمہیں تمہارے دل کی خوشی مل گئی اس سے بڑھ کر خوشی کی بات کوئی اور کیا ہو سکتی ہے ہمارے لیے مگر دل بھی تو نادان ہے کیسی کیسی خواہشیں پال بیٹھتا ہے۔ میں نے اور امی نے ہمیشہ تمہیں ایان کی دلہن کے روپ میں دیکھا اور ممانی سے بات کرنے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ تمہاری طرف سے خوش خبری آ گئی۔ اللہ جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے، میں اب چاہتی ہوں میری شادی سے پہلے ایان کی شادی ہو جائے ورنہ امی کو اکیلا دیکھ کر میں خوش نہیں رہ سکوں گی۔ ایان کا تو تمہیں پتا ہے اس کی جاب ایسی ہے کہ کبھی دنوں تو ہفتوں گھر سے باہر رہتا ہے۔ ایسے میں اس کی بیوی ہوگی امی کے پاس تو مجھے تسلی رہے گی۔" زیبی نے تفصیل سے بات کی مگر یشفع کی سوئی ایک ہی نقطے پر ٹھہر گئی۔ ایان کی دلہن...... ایان کی دلہن...... بہت دیر سے منہ پر رکھا ہاتھ اس نے ہٹایا تھا۔

"زیبی آپی وہ بہت اچھا ہے، چاہے جانے کے قابل لیکن میرا بہت اچھا دوست ہے وہ، اس کے متعلق جب بھی خیال آیا ایک مخلص اور سچے دوست کا آیا جو میری ہر الجھن کو منٹوں میں سلجھا دیتا ہے۔ میری ہر مشکل کو خود پر لے لینے والا ایسا ساتھی جس سے میں اپنی کوئی بات راز نہیں رکھ سکتی۔ اچھا کیا جو آپ نے اپنی سوچ کو عملی جامہ نہیں پہنایا ورنہ آپ کو من پسند بھابی اور پھوپو کو بہو تو مل جاتی مگر میں اپنا ایک بہترین دوست کھو دیتی جو کہ میں ہرگز بھی نہیں چاہتی کیونکہ میں اور کچھ جانتی ہوں یا نہیں لیکن مجھے اتنا ضرور پتا ہے کہ ایک شوہر کبھی بھی اچھا دوست نہیں ہوتا۔" ایسا کہتے کہتے اس کی آنکھوں میں نجانے کیوں آنسو آ گئے۔

"وہ اور لوگ ہوں گے یشفع...... جن کے بارے میں تم نے ایسا سنا ہوگا، میرا بھائی اپنے ہر رشتے سے بے حد مخلص ہے۔ جب میں بہن ہو کر اپنا ہر مسئلہ اس سے بے تکلفی سے بیان کر سکتی ہوں تو اس کی بیوی بھی کر سکتی تھی۔

اپنائیت کا احساس رشتوں میں تب آتا ہے جب انسان کی فطرت اچھی ہو پھر رشتے کا کوئی بھی نام ہو اپنے سے متعلق رشتوں کو امان ہی دیتا ہے۔ خیر اب یہ بحث لاحاصل ہے تمہارے لیے بس اب خوشیوں کی دعائیں ہیں۔ چلو سب انتظار کررہے ہوں گے کہ ہم کہاں چلے گئے۔" زیبی اٹھ کھڑی ہوئی تو یشفع کو بھی اٹھنا پڑا مگر اب اس کا انداز تھوڑا گم صم سا تھا۔

ایان آج کل پھر ایک نئے کیس پر کام کررہا تھا سو اس سے ملاقات نہ ہونے کے برابر تھی۔ موبائل پر بھی بے حد مختصر بات ہوتی تھی اس کی پھوپو نے صرف کہا نہیں تھا بلکہ اپنا کہا پورا بھی کر دکھایا تھا۔ وہ ممی کے ساتھ شادی کی بھرپور تیاری کرا رہی تھیں، زیبی بھی آفس سے سیدھی وہیں آتی جبکہ ایان کی وہی روٹین تھی جس دن فارغ ہوتا چکر لگا لیتا نہیں تو دنوں اس کی خبر نہ ملتی کہ اس کا کام ہی ایسا تھا بے حد مصروف۔ آج بڑی مشکل سے وہ یشفع کے ہاتھ آیا تھا سو وہ اسے لیے مارکیٹ چلی آئی تھی، بہت سی چیزیں لینے والی رہ گئی تھیں جو خاص وہ اپنی پسند سے لینا چاہ رہی تھی۔ سمیر کو کہا تھا اس نے کہ تھوڑا سا ٹائم نکال لے کہ وہ اس کی مرضی سے اس کے ساتھ شاپنگ کرنا چاہتی ہے مگر اس کے پاس سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں تھی۔

"یشفع میری ڈیوٹی بہت ٹف قسم کی ہے اس لیے ابھی سے ہی عادت ڈال لو میرے بغیر ہی شاپنگ وغیرہ کی پھر بعد میں گلہ مت کرنا کہ بتایا نہیں تھا۔ ایسا کرو مما کے ساتھ چلی جاؤ انہوں نے بھی کچھ زیورات وغیرہ فائنل کرانے ہیں تم سے۔" اس کے مشورے پر وہ دل مسوس کررہ گئی تھی، اس کی شدید خواہش تھی کہ کم از کم ویڈنگ ڈریس ہی وہ دونوں مل کر خریدیں۔ خیر کل آنٹی کے ساتھ وہ زیورات اور ان کی طرف والے کچھ ڈریسز کی شاپنگ کرآئی تھی۔ آج زیبی کو لے جانے کو کہا تھا مگر وہ آفس سے اتنی تھکی ہوئی آئی تھی کہ اس نے کہا تھا ممانی کے ساتھ وہ گھر میں پیکنگ کا کچھ کام مکمل کرلے گی مگر مارکیٹ جاکر شاپنگ کرنے کی ہمت نہیں ہے اس میں سو ایان ہی اس کے ساتھ تھا۔

"دیکھو لڈو...... یہ ڈریس کیسا لگے گا مجھ پر۔" آتشی گلابی رنگ کا خوب صورت لباس اپنے ساتھ لگائے وہ اسے خیالوں سے باہر کھینچ لائی۔

"ہاں بہت خوب صورت ہے۔"

"کیا ہے لڈو...... بہت دنوں سے میں دیکھ رہی ہوں تم کچھ بدلے بدلے سے ہو۔ کیا بات ہے؟ تم تو بڑی سے بڑی مشکل میں بھی نہیں گھبراتے اب مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے، جیسے تم کچھ پریشان ہو۔" بمشکل تمام اس کی شاپنگ مکمل ہوئی تھی اب وہ ایک ریسٹورنٹ میں تھے۔

"ارے بھئی کوئی پریشانی نہیں ہے، تھوڑا تھک گیا ہوں کچھ دن سے ریسٹ نہیں کرسکا۔ تم اپنے ننھے دماغ کا فوکس صرف اپنی شادی کی تیاری تک رکھو بس۔"

"اور ہاں لڈو...... پھوپو بتارہی تھیں کہ تم شادی کے لیے فی الحال منع کررہے ہو جبکہ زیبی آپی اس وقت تک اپنی شادی کے حق میں نہیں ہیں جب تک تمہاری دلہن گھر نہیں آجاتی ان کی فکر بجا ہے ناں۔ تم دن کے گئے رات کو لوٹتے ہو اور کئی کئی دن تو رات کو بھی گھر آنا بھول جاتے ہو ایسے میں پھوپو بے چاری کی تنہائی کا تمہیں ہی سوچنا ہے۔" کھاتے کھاتے اسے یاد آیا تو یہ ذکر چھیڑ دیا بلکہ پُرجوش بھی ہوگئی۔

"ارے لڈو...... تمہیں اپنی مارکیٹ ویلیو کا پتا ہی نہیں، لڑکیاں دیوانی ہیں تمہاری...... میری اپنی فرینڈز تمہاری ایک جھلک دیکھنے کو کتنی دیر گیٹ پر ویٹ کرتی ہیں تمہارا، جس دن پتا ہو کہ تم مجھے چھوڑنے آؤ گے، تم ایک بار اپنی پسند بتاؤ دیکھنا کیسے تمہاری پسند کی لڑکی ڈھونڈ نکالوں گی میں۔"

"کرلوں گا بھئی شادی...... میں بھی کرلوں گا مگر ایسی گن پوائنٹ پر نہیں جیسا تم لوگوں نے آج کل ایک محاذ بنالیا ہے میرے خلاف۔ گھر جاؤ تو اماں اور زیبی کا یہی تذکرہ اور اب تم بھی وہی ذکر لے کر بیٹھ گئی ہو۔ کچھ سال میں نے اپنے کیریئر کو دینے ہیں پھر شادی ہوجائے گی۔" اس کا موڈ خراب ہوگیا تھا، یشفع حیران

رہ گئی اس کے اس قطعی انداز پر وہ کبھی بھی اس کی کسی بات کا برا نہیں منایا کرتا تھا۔

"تو ٹھیک ہے تم دیتے رہو کیریر کو سال، تمہیں یہ بھی پتا ہے کہ زینی آپی بھی ایسے اپنی شادی پر آمادہ نہیں ہلی کی۔" جواباً اس نے اپنی پلیٹ پیچھے کو کھسکائی اور منہ پھلا کر کہا جبکہ ایان نے تو کوئی چیز چکھی ہی نہیں تھی۔

"اچھا یار تم لوگ جیتے میں ہارا، سال نہیں تو مجھے کم از کم چھ ماہ تو دو تاکہ میں اپنا مائنڈ تو بنا سکوں شادی جیسی ذمہ داری اٹھانے کے لیے۔" اس نے بے چارگی سے کہا۔

"اچھا اب جلدی سے اپنی پسند بھی بتادو، آخر کو لڑکی ڈھونڈنے میں بھی مہینوں لگ جاتے ہیں۔" اس نے اس دھونس سے کہا کہ وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔ ایان کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے، پھر وہی ڈھاک کے تین پات، جس ذکر سے وہ بچنا چاہ رہا تھا وہی بار بار اس کے سامنے آ رہا تھا۔

"لڑکی......" اس نے کچھ لمحے سوچا۔ "اب ساری زندگی تمہیں دیکھا ہے تو آئندہ زندگی میں تم نہ سہی تم جیسی تو ہونی چاہیے۔" یہ بات اس نے پورے دل سے کہی تھی۔

"اتنے بڑے سلیبریٹی بن گئے ہو مگر وہی لڈو کے لڈو، یہ بھی نہیں پتا کہ دنیا میں ہر انسان کی اپنی الگ شکل، پہچان اور شخصیت ہوتی ہے۔ میں، میں ہوں کوئی اور مجھ جیسا کیسے ہوسکتا ہے؟" وہ اس کی بات کی گہرائی جانے بغیر جھنجھلائی۔

"اچھا اس موضوع پر پھر بات ہوگی، ابھی تم خود تو پیا دیس سدھارو پھر دیکھتے ہیں کہ کیا کرنا ہے۔" وہ بات کو ختم کر کے اٹھ کھڑا ہوا تو یشفع کو بھی اٹھنا پڑا۔

انہی دنوں سمیر کی ایک اور کامیابی نے ان سب کو بے پایاں خوشی سے ہمکنار کیا تھا۔ ایک خطرناک مجرموں کے گروہ پر ہاتھ ڈالا تھا اس نے، ٹی وی اور اخبارات نے اس کی بہادری کو نمایاں کوریج دی تھی۔ سمیر فارغ ہو کر ممی کی اجازت سے اسے لنچ پر لے گیا تھا کیونکہ دو دن بعد اسے مایوں بیٹھ جانا تھا تو پھر اسے اس کے ساتھ باہر جانے کی پرمیشن ہرگز نہیں ملتی۔

"پتا ہے یشفع...... میں آج کل بہت خوش ہوں، میں مجرموں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچانے کا جو حلف لے کر اس محکمے میں آیا تھا اس میں بہت رکاوٹیں آئیں بہت سی پرکشش آفرز بھی آئیں مگر میں نے ان سب کو ٹھکرا کر اپنا فرض ادا کیا اور ثابت کردیا کہ ارادہ پختہ ہو تو انسان ہر محاذ پہ کامیابی حاصل کرسکتا ہے۔ انسان کا اچھا یا برا ہونا زیادہ اہمیت رکھتا ہے بہ نسبت کسی فیلڈ کو برا سمجھنے کے۔ مما نہیں جانے دیتی تھیں مجھے پولیس فورس میں کہ یہاں بھٹکنے کے زیادہ مواقع ہیں انسان کے مگر میں ہمیشہ کہتا رہا ہوں کہ بھٹکنے کے مواقع تو شیطان ہر انسان کے لیے ہر جگہ ہر میدان میں پیدا کرتا ہے بس ثابت قدم ہونا شرط ہے۔"

بہت بار دہرائی جانے والی باتیں وہ ایک بار پھر کر رہا تھا پھر اسے خود ہی احساس ہوگیا کہ چند دن بعد ان کی شادی متوقع ہے اور وہ غلط موقع پر غلط موضوع چھیڑ کر بیٹھا ہے، یہ باتیں کرنے کو تو عمر پڑی ہے سو اس نے موضوع بدل دیا۔

"اچھا چھوڑو یہ باتیں تو اب زندگی کا حصہ ہیں زندگی کے ساتھ ساتھ چلیں گی، تم یہ بتاؤ شادی کی تیاری کہاں تک پہنچی اور جناب کی فرمائش بھی مجھ تک پہنچی تھی کہ میرے ساتھ ہی شاپنگ کرنی ہے تو لو آج کا سارا دن یہ غلام میڈم یشفع کے حضور حاضر ہے جہاں چاہے لے جاسکتی ہے جو چاہے فرمائش کرسکتی ہے۔" اس کی اتنی توجہ اور محبت پر یشفع کھل اٹھی تھی۔

"اور یار یہ کیا میں سن رہا ہوں کہ تین چار دن بعد مایوں کا فنکشن ہے اور اس کے بعد تمہارا مجھ سے پردہ کرا دیا جائے گا۔ یہ کیسا عجیب رواج ہے کہ جس شخص کا آپ پر دنیا میں سب سے زیادہ حق ہے اسی کے سوا آپ کو ہر کوئی دیکھ اور مل سکتا ہے، میں نے تو مما سے خوب بحث کی اس بات پر کہ یہ چند دن ہی تو فری ہوں میں اور اپنا بھرپور وقت یشفع کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں مگر پتا ہے کیا ہوا؟" اس کے سوالیہ انداز پر یشفع نے احتیاط سے ڈرائیو کرتے سمیر پر نگاہ کی اور ہولے سے پوچھا۔

"کیا ہوا؟"

"آپ کی آنٹی محترمہ کا فرمان ہے کہ مایوں کی دلہن اگر

باہر نکلے گی تو اس پر روپ نہیں آئے گا شادی والے دن اور ویسے بھی اگلے چھ ماہ ہم دونوں اکٹھے گزارنے والے ہیں تو ایسی کوئی بھی فرمائش پوری نہیں کی جاسکتی جو رسوم و رواج کے خلاف ہو۔" وہ ٹھنڈی سانس بھر کے بولا۔

"ٹھیک کہہ رہی ہیں آنٹی اور ممی نے بھی اس معاملے میں نہ میری سنی ہے نہ آپ کی۔"

"ارے یار...... یہ دن کب روز روز آئیں گے ہماری زندگی میں اور جو ہماری آج فیلنگز ہیں وہ کل نہیں ہوں گی پھر وہاں کی سخت ٹریننگ کے بارے میں سینئرز نے بہت ڈرا رکھا ہے کہ دن رات کی کمانڈو ٹریننگ کے بعد اپنا ہوش نہیں رہتا انسان کو کجا کہ انجوائے کرنا۔ خیر شکل و صورت نہ سہی آواز پر ہی گزارا کرلیا کریں گے۔" اس نے ایسے انداز سے کہا کہ یشفع ہنس پڑی تھی وہ دن ایک یادگار دن تھا ان کے لیے جو ہمیشہ ان کی یادوں میں محفوظ رہنا تھا مگر کون جانتا تھا کہ اس دن صرف ان دونوں کے درمیان ہی محبت کے عہد و پیمان نہیں ہوئے تھے کہیں دور ان دونوں کو لمحے لمحے کو فوکس کرکے دیکھا جارہا تھا اور آئندہ آنے والے دنوں کے حوالے سے کچھ منصوبے ترتیب دیئے جارہے تھے جنہوں نے ان کی آنے والی زندگی کا رخ نئے سرے سے تبدیل کرنا تھا۔ رات کا ڈنر کرنے کے بعد وہ دونوں جس وقت گھر واپس گئے تھے سارا دن ان کی نگرانی کرنے والی گاڑی بھی انجانے راستوں کی طرف مڑ گئی تھی۔

یشفع کی ممی خود آئی تھیں پھوپو کے گھر ان سب کو لے جانے کے لیے تاکہ شادی کے دنوں میں وہ یشفع کے پاس رہیں۔ ایان حسب معمول اپنے پروگرام کے سلسلے میں باہر تھا جبکہ پھوپو اور زیبی ان کے بے حد اصرار پر شام تک آگئی تھیں اور ایان کو بھی کال کرکے بتادیا تھا۔ وہ صبح اپنے جلو میں بہت سی رونق اور گہما گہمی لے کر نمودار ہوئی تھی جس دن یشفع نے مایوں بیٹھنا تھا۔ ایان نہیں تھا سو طے یہی پایا تھا کہ زیبی اسے لے کر پارلر جائے گی اور پھوپو اور آنٹی ہی ان کے قریبی رشتہ دار تھے ان کے علاوہ اپنی بزنس کلاس سے کچھ لوگوں کو یشفع کی امی نے انوائٹ کیا تھا سو مختصر پیمانے پر ہونے والی اس فنکشن کی ارینجمنٹ گھر ہی میں تھی جبکہ بارات والے دن کے لیے آنٹی نے شہر کا مشہور ہوٹل کا ہال بک کروایا تھا۔ زیبی نے اپنے آفس سے تین دن کی چھٹی لی تھی ایان پہلے بھی بہت مصروف ہوتا تھا مگر اب اس نے اپنی اس مصروفیت کا دائرہ کار بڑھادیا تھا اور اس کی وجہ زیبی اور پھوپو جانتی تھیں مگر کچھ بھی کرنے سے بے بس تھیں۔ بس اس وقت کا انتظار تھا ان دونوں کو جو اُن کے عزیز از جان بیٹے اور بھائی کے دل سے یشفع کے نقوش دھندلے کردیتا۔ اس لیے یشفع کی امی نے ایک دوبار ایان کی کمی کا ذکر بھی کیا تھا تو دونوں نے انہیں بہانے سے ٹال دیا تھا جبکہ یشفع چونکہ آنے والے دنوں کے خوش گوار تصورات میں گم تھی سو اس نے بھی ایان کی مسلسل غیر حاضری اور لاتعلقی کو خاص محسوس نہیں کیا تھا۔

زیبی نے اس کا سارا سامان تیار کیا اور وہ دونوں مقررہ وقت سے کچھ دیر پہلے پارلر کے لیے روانہ ہوئی تھیں جب ایک قدرے سنسان روڈ پر ان کی گاڑی کو ایک دوسری گاڑی نے بے ڈھنگے پن سے اوورٹیک کیا اور وہ گاڑی ان کی گاڑی کے بالکل سامنے آکر رک گئی تھی۔ اس سے پہلے ان دونوں کو یا ڈرائیور کو کچھ سنبھلنے یا سوچنے کا موقع ملتا دو نقاب پوش اسلحہ بردار اس گاڑی میں سے برآمد ہوئے۔ ایک نے فرنٹ ڈور کھول کر ڈرائیور کو قابو کیا جبکہ دوسرا ان دونوں کی طرف بڑھا جو مسلسل چیخیں مار رہی تھیں، یشفع کو پہچانتے ہی اس نے زیبی اور اس کو کوئی رومال سنگھایا تھا جس سے دونوں پل بھر میں بے ہوش ہوکے وہیں لڑھک گئی تھیں۔ جیب سے موبائل نکال کر اس نے ایک بار پھر تصویر اور متعلقہ لڑکی کو غور سے دیکھا اور اسے اس گاڑی سے نکال کر اپنی گاڑی تک شفٹ کرنے میں پانچ منٹ سے بھی کم وقت لیا تھا اور دس منٹ مکمل ہونے سے پہلے پہلے وہ ڈرائیور کے ہاتھ پیچھے باندھ کر منہ پر ٹیپ لگا کر وہاں سے روانہ ہوچکے تھے۔ وہ کوئی مین روڈ نا تھا بلکہ ایک ذیلی سڑک تھی جس پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔ دوسرے

اگر ہوتی بھی تو اس نفسانفسی کے دور میں جب ہر انسان اپنے فائدے کی سوچتا ہے کون پرائی آگ میں اپنا آپ جھونکتا۔ بہت دیر بعد ایک گاڑی وہاں سے گزری تھی اور سڑک کے عین درمیان میں گاڑی کھڑی دیکھ کر ڈرائیور اپنی گاڑی سے اتر کر ایسی غلطی کرنے والے کو سخت سست سنانے آیا تھا جب گاڑی میں موجود لوگوں کا حال دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھٹی رہ گئیں' اسی بھلے مانس نے ڈرائیور کے منہ سے ٹیپ اتار کر' بندھے ہاتھ کھولے تھے۔

❁......❁......❁

سمیر آج صبح سے ہی بے حد مصروف تھا' صبح اسے پہلے ڈی آئی جی صاحب کی ایک ارجنٹ میٹنگ اٹینڈ کرنی پڑی تھی پھر اپنے علاقے کی حدود ہی میں دو خاندانوں کے درمیان جھڑپ ہوجانے پر کچھ بندوں کے مرنے کی اطلاع پر اسے خود وہاں بھاگنا پڑا تھا۔ واپس آتے آتے بھی عصر تو ہو ہی گئی تھی ابھی کچھ آفیشلی کام نمٹانے تھے جب ایک ان نون نمبر سے اسے کال موصول ہوئی تھی۔

"ہاں تو مسٹر سمیر...... بہت اسمارٹ سمجھتے ہو ناں اپنے آپ کو مگر یہ بات یاد رکھنا اپنے آپ کو عقل کل سمجھنے والے ہی ہمیشہ منہ کے بل گرتے ہیں۔" دوسری طرف اس شخص کے لہجے میں کوئی خاص بات تھی کہ وہ فوراً سیدھا ہو بیٹھا۔

"کون بول رہا ہے اور اس بکواس کا مقصد؟" اس نے کرخت لہجے میں کہا۔ وہ جس فیلڈ اور جس سیٹ پر تھا ایسی باتیں اور فون کالز اس کے معمول کا حصہ تھیں۔

"ڈکیتی والے کیس میں ہمارے جو تین بندے تمہارے ہتھے چڑھے ہیں وہ چھوڑے یا نہیں؟" تحکمانہ اور دبنگ لہجہ اس کا بھی خون گرم کر گیا۔

"اوہ تو تم ہوا۔ اب کہ وہ تھوڑا ڈھیلا پڑا۔" "میں نے تم سے کہا تھا ناں کہ دولت کی طاقت کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو' قانون کی طاقت سے ہرگز بڑی نہیں ہے۔ وہ مجرم ہیں تو انہیں سزا ضرور ملے گی اور کسی مائی کے لعل میں جرأت نہیں ہے جو انہیں میری کسٹڈی سے چھڑا لے جاسکے۔ آئندہ کال کرنے کی زحمت مت کرنا۔" اپنا جملہ مکمل کر کے وہ کال ڈراپ کرنے کو تھا جب دوسری طرف استہزائیہ قہقہہ اس کو چونکا گیا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے مان لینے کا وعدہ کر لیتے ہیں تمہاری بات مگر کیا ہے اتنی بڑی باتیں اور اتنے بڑے دعوے بندہ نہ ہی کرے تو اچھا ہے خواہ مخواہ کی شرمندگی ہوتی ہے بعد میں خود کی نظروں میں بھی اور دوسروں کے سامنے بھی۔ فی الحال فون تو بند کررہا ہوں تم ذرا فون کر کے اپنے گھر کی خیر خبر لے لو یا بہتر لگے تو ایک چکر لگا لو گھر کا اور اپنی ہونے والی سسرال کا۔ یہ کیا کہ بندہ نوکری کو زندگی سمجھ کر گھر بار ہی بھول جائے۔" مکار لہجے میں کہا گیا طویل جملہ سمیر کو کھڑا ہونے پر مجبور کر گیا۔ اس نے ایک لمحہ لگایا تھا سوچنے میں پھر بجلی کی تیزی سے اپنی ممی کا نمبر ڈائل کیا' دوسری طرف سے جو خبر اسے ملی تھی وہ اس کے حواس بھک سے اڑا گئی تھی۔ شام کی تقریب کے لیے پارلر جانے والی یشفع کو راستے میں گن پوائنٹ پر اغوا کرلیا گیا تھا' وہ فوراً ہی آنٹی کے گھر پہنچا تھا' مما بھی وہیں تھیں اور یشفع کی ممی کا تو رو رو کر برا حال تھا۔

"ہماری تو کسی سے دشمنی بھی نہیں سمیر بیٹا...... وہ ضرور میری بچی کو کسی اور کی غلط فہمی میں لے گئے ہیں اور اغواء برائے تاوان تو ہرگز نہیں تھی ورنہ وہ رقم کا تقاضا کرتے یا گاڑی ہی لے جاتے۔ تم اپنے سورسز استعمال کرو' کچھ کرو میری بیٹی کو واپس لے آؤ۔" آنٹی جو نڈھال ہوچکی تھیں۔ سمیر کو دیکھ کر تیزی سے اس کے پاس آئیں اور ایک بار پھر رونے کا سلسلہ شروع کردیا۔

"جی آنٹی...... آپ پریشان نہ ہوں میں لے آؤں گا اسے واپس بہت جلد آپ کے پاس۔ ممی آپ ان کو سنبھالیں' مجھے ایک بار پھر جانا ہوگا اور زیبی کہاں ہیں؟ میں ان سے بھی کچھ پوچھنا چاہتا ہوں ویسے تو ڈرائیور سے تفصیل پوچھ چکا ہوں مگر ہوسکتا ہے وہ کچھ اور بتاسکیں۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولا تھا' پھوپو جلدی سے اندر سے زیبی کو بلانے دوڑیں جو کہ خود بھی اس واقعے کے بعد عجیب سی

خوف و ہراس بھری کیفیت کا شکار تھی اور ابھی کچھ لمحات قبل ہی کمرے میں گئی تھی۔ ایان کو زیبی نے کال کرکے بتادیا تھا وہ بھی یقیناً پہنچنے والا تھا پھر زیبی کے آنے پر سمیر نے اس سے بھی پوری تفصیلات پوچھی تھیں پھر ایک بار آفس کے لیے نکل گیا تھا۔

❁......❁......❁

ہوش میں آنے پر اس نے خود کو ایک قدرے درمیانے درجے کے کمرے میں پایا تھا جہاں صرف ایک سنگل بیڈ اور الماری کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ باہر کی طرف کھلنے والا دروازہ بھی لاکڈ تھا۔ وہ انہی کپڑوں میں اور اسی چادر میں ویسے ہی ملبوس تھی جیسے گھر سے نکلی تھی ہاں اس کا پرس، موبائل اس کے پاس موجود نہیں تھا اسے اس کی مایوں والے دن اغوا کرلیا گیا ہے اور وہ نجانے کس مقصد کے لیے کہاں لائی گئی ہے؟ اس خیال کے آنے پر وہ بجلی کی تیزی سے دروازے کی طرف آئی اور دروازہ پیٹ پیٹ کر اس نے ہاتھ سرخ کرلیے تھے مگر کسی نے دروازہ کھول کر نہیں دیکھا تھا۔ روتے ہوئے اس نے بیڈ کے عین اوپر لگی وال کلاک کو دیکھا اور سات بجے کا ٹائم دیکھ کر اس کے رونے میں اور شدت آگئی تھی اسے یہاں آئے چار گھنٹے ہوچکے تھے اور اتنی دیر میں اس کی ممی پر کیا نہ قیامت ٹوٹ چکی ہوگی جبکہ مہمانوں کے آنے کا ٹائم نو بجے کا تھا اگر وہ مقررہ وقت پر گھر نہ پہنچی تو کس کس کو جواب دیں گی ممی، عین مایوں کے دن ان کی بیٹی کہاں چلی گئی؟ سوچ سوچ کر وہ روتی اور دروازہ پیٹتی رہی تھی۔

''میں کہتی تھی سمیر...... مت الجھو ایسے ویسے لوگوں سے، سچ کے علمبردار بن کر لوگوں کے جرائم عوام کے سامنے بے نقاب کرتے ہو تو کیا وہ چپ بیٹھیں گے؟ تم خیال رکھا کرو۔'' وہ اسے سمجھاتی تو وہ الٹا اس کا مذاق اڑایا کرتا تھا کہ جب تک زندگی ہے تو موت خود انسان کی حفاظت کرتی ہے۔

''دیکھو تو لڈو...... میں کتنی بڑی آزمائش میں گھر گئی ہوں میری ہر مشکل کو مجھ سے پہلے حل کرتے ہو خدا کے لیے آکر مجھے لے جاؤ۔'' اس مشکل گھڑی میں بھی وہ خدا کے بعد جس کو یاد کررہی تھی وہ ایان ہی تھا دفعتاً دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے چادر سے خود کو مزید لپیٹا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ ایک عجیب سی شکل والے بندے کو اسلحہ سمیت اندر داخل ہوتا دیکھ کر اس کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔

''کک...... کون ہو تم...... دیکھو اللہ کے لیے مجھے جانے دو، میری ممی بہت پریشان ہوں گی۔ آج...... آج میری مایوں ہے، تم مجھے کیوں لائے ہو یہاں......؟'' اس نے روتے ہوئے اس کرخت شکل والے آدمی سے کہا۔

''دیکھو بی بی...... ہماری تمہارے ساتھ کوئی دشمنی نہیں ہے جس کی دشمنی میں تجھے یہاں لایا گیا ہے وہ ہمارے چند مطالبات مان لے تو تجھے چھوڑنے میں چند منٹ بھی نہیں لگائیں گے۔ اس لیے بار بار دروازہ بجا کر نہ ہمیں پریشان کرو اور نہ خود کو تھکاؤ۔'' مشینی انداز میں کہہ کر وہ شخص وہاں سے چلا گیا تھا اسے ایک بار پھر روتا چھوڑ کر۔

❁......❁......❁

ایان پر یشفع کے اغوا کی خبر گویا بجلی بن کر گری تھی، اس نے اپنا کام ادھورا چھوڑا اور فوراً پہنچنے کی کی تھی۔ گھر تو بقعۂ نور بنا جگمگا رہا تھا مگر اندر کی فضا ماتمی سی تھی، پھوپو نے ہی معاملہ فہمی کا ثبوت دیتے ہوئے یشفع کی ممی سے سب کے نمبرز لے کر ایمرجنسی کی صورت میں آج کا فنکشن نہ ہونے کے فون کرکے معذرت کرلی تھی۔ آنٹی تو ایک دو بار بے ہوش بھی ہوچکی تھیں، اب ڈاکٹر کے کہنے پر ان کو دوائی دے کر سلایا تھا۔ یشفع کی آنٹی اور ہونے والی ساس مسلسل اپنی بہن کے ساتھ تھیں جبکہ سمیر کا کچھ پتا نہیں تھا۔ ایان اس سے مل کر ہی کوئی لائحہ عمل بنانا چاہتا تھا مگر کال کرنے پر اس کا نمبر اس کو بند ملا تھا۔ یشفع کی کیسی حالت ہوگی اور اسے کس نے اغوا کیا ہوگا اور کہاں لے گیا ہوگا یا اغوا کرنے والوں کا مقصد کیا تھا؟ یہ سوچ سوچ کر اس کی دماغ کی رگیں پھٹنے کو تھیں۔ وہ زیبی کو بتانے آیا تھا کہ وہ سمیر سے ملنے جارہا ہے جب وہ زبردستی اسے کچن میں لے آئی۔

تھیں۔ بھائی کو تسلی دینا بھی چاہتی تھی۔

"کون ہوسکتا ہے ایان تمہارے خیال میں اور ان کا کیا مقصد ہوسکتا ہے اور بالفرض اگر یہ اغوا برائے تاوان کی کارروائی ہے تو اب تک ان کی ڈیمانڈ کا فون آچکا ہوتا۔" وہ جواب تک اپنی بھائی کو اور ماں کو تسلی دے دے کر تھک چکی تھی اپنے خدشات بھائی کے سامنے بیان کرنے لگیں۔

"پتا نہیں زیبی...... میں خود سخت پریشانی اور الجھن کا شکار ہوں' سمیر سے مل کر اب پولیس کو درمیان میں لانا ہوگا کہ اس کے بنا کوئی چارہ نہیں' فی الوقت ہمارے پیش نظر یشفع کی زندگی ہے اس کے بعد باقی باتیں آتی ہیں۔"

"اور ایان...... ابھی تو بات پھیلی نہیں ہے' اللہ کسی لڑکی کا ایسا نصیب نہ بنائے کہ جس کو شادی کے دن اغوا کرلیا جائے۔ اب نہ جانے کیا ہوگا اگر جو یشفع پرسوں تک واپس نہ آئی۔" زیبی کے لہجے میں یشفع کے لیے بے حد ہمدردی اور خدشات تھے۔ ایان نے تادیبی نظروں سے زیبی کو دیکھا اور چائے کا خالی کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کسی پر آنے والی وقتی آزمائش سے اس کے اچھے یا برے نصیب کا فیصلہ کرنا بے وقوفی ہے۔ بس دعا کریں کہ ہم سب اور وہ خود اس آزمائش سے جلدی گزر جائے۔" اس کے کہنے پر زیبی نے سر ہلایا اور اسے رخصت کرنے گیٹ تک آئی۔

سمیرا دو دن سے گھر نہیں گیا تھا اس نے یشفع کو ڈھونڈنے کے لیے اپنے سارے ذرائع استعمال کیے تھے مگر فی الحال کہیں سے بھی کامیابی نہیں مل سکی تھی۔ اس دوران مسلسل اس پر دباؤ بڑھ رہا تھا کہ اس نے ان لوگوں کے مطالبات پورے نہ کیے تو اس کی ہونے والی بیوی اپنی عزت اور زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے گی تاہم فی الوقت وہ محفوظ تھی ہر آنے والی فون کال اس کے خون میں شرارے سے دوڑا دیتی۔ ایان بھی آیا تھا اس سے ملنے مگر سمیر نے ابھی تک اپنے گھر میں کسی کو ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی کہ یشفع کو اغوا کرنے کا مقصد اغوا کنندگان کا اس سے اپنے ساتھیوں کو چھڑوانے کا مطالبہ منوانا تھا۔

ایان سے یشفع کی دلی وابستگی پھر اس کی بڑھنے والی شہرت سے وہ ویسے ہی خائف تھا سو اس کو اعتماد میں لیے بغیر صرف یہ کہہ کر واپس بھیج دیا تھا کہ فی الحال اسے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ یشفع کی ایک جگہ موجودگی کے کچھ کلیو ملے ہیں اور وہ جلد ہی واپس آجائے گی۔ اس کو واپس بھیجنے کے بعد اس کے پاس دو ہی راستے بچے تھے یا تو ان کی بات مان لیتا یا پھر جو مجرم اس کی قید میں تھے ان پر کوئی بھی حربہ آزما کر اس کے ٹھکانے معلوم کرتا اور ان پر خفیہ ریڈ کراتا مگر اس میں بہت وقت درکار تھا اور یہ رسکی بھی بہت تھا۔ وہ بھی سمیر تھا اس نے دوسرے طریقہ کار کو آزمانے کا سوچا اور تین گھنٹوں کے اندر اندر اس نے ان قیدی افراد سے پانچ ایسے ٹھکانے معلوم کرالیے جہاں پر یشفع کی موجودگی ممکن ہوسکتی تھی۔ اب اگلا قدم ان خفیہ جگہوں پر پولیس کا خفیہ ریڈ تھا جس سے مجرم بھی پکڑے جاتے اور یشفع کو بھی نقصان نہ پہنچتا۔ وہ بہت دیر اپنے ساتھیوں کے ساتھ ممکنہ خدشات و خطرات پر بحث کرتا رہا اور آخر کار ایک حتمی فیصلہ کرکے اٹھ کھڑا ہوا۔

❀......❀......❀

بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے وہ بے حد نڈھال تھی۔ آج دوسری رات بھی ہونے کو تھی اور وہ یہاں قید تھی وہی خوفناک اور کرخت صورت والا آدمی تین دفعہ کھانا رکھ کر اس کی کسی التجا کا جواب دیئے بنا چلا جاتا تھا' کھانے کی ٹرے جوں کی توں موجود تھی۔ کل چار بجے سے آج رات آٹھ بجے تک اس کے منہ میں ایک گھونٹ پانی تک نہ گیا تھا۔ رونے اور احتجاج کرنے کے لیے بھی طاقت درکار ہوتی ہے جو اس وقت ہرگز اس کے پاس نہیں تھی' سر درد سے پھٹنے کو تھا ملحقہ واش روم میں جاکر بھی وہ جائزہ لے چکی تھی کہ کہیں کوئی روشن دان' کوئی درز نظر آئے تو نکلنے کی کوئی سبیل سوچ سکے مگر وہاں پر بہت اونچائی پر ایک ایگزاسٹ فین تھا اور وہ کمزور لڑکی رونے کے سوا کچھ بھی نہیں کرسکتی تھی مگر اب آنسو بھی خشک

ہوگئے تھے۔ بھوک سے پیٹ میں شدید اینٹھن کا احساس ہورہا تھا‘ گزشتہ رات ایک پل کو بھی آنکھ نہیں لگی تھی اس کی ہاں دن میں غالباً کمزوری کے باعث آدھ گھنٹہ کے لیے غنودگی ضرور چھائی تھی مگر اب اپنی موجودہ حالات‘ ممی کا سوچ کر نیند بھی دور جا کھڑی ہوئی تھی۔

رات ایک بجے تک تین جگہوں پر چھاپے مارنے پر ان کو مجرموں کے متعلق مزید معلومات تو ملی تھیں کچھ جرائم میں مطلوبہ لوگ گرفتار بھی ہوئے تھے مگر تاحال کامیابی نہیں ہوسکی تھی۔ چوتھی جگہ ایک فارم ہاؤس تھا جو شہر سے نسبتاً الگ تھلگ تھا وہ لوگ بہت احتیاط سے اندر داخل ہوئے تھے اور وہاں پر موجود آدمی کو ہرگز کسی کے آنے کی امید نہیں تھی جبھی رائفل سرہانے رکھے وہ گہری نیند سورہا تھا جبکہ تہہ خانے کے ایک کمرے میں بے ہوش پڑی یشفع کی اطلاع ملتے ہی اس آدمی سے تفتیش کرتا سمیر تیزی سے دوڑ کر وہاں پہنچا تھا اور اپنے باقی ساتھیوں کو کارروائی مکمل کرنے کی تاکید اور ہدایات دیتا وہ بے ہوش یشفع کو گاڑی میں اٹھا کر گھر لایا تھا۔ پولیس میں ہونے کے باعث اسے پتا چل چکا تھا وہ کسی بھی قسم کے تشدد سے نہیں بلکہ خوف یا کمزوری کے باعث بے ہوش تھی۔ رات کے تین بجے جب وہ گھر پہنچا تو‘ یشفع کی ممی تو ادویات کے زیراثر تھیں‘ اس کی ممی بھی سورہی تھیں جبکہ پھوپو اور ایان جاگ رہے تھے۔ زیبی نے مسلسل پانی کے چھینٹے مار مار کر اور ہلا جلا کر اسے ہوش دلایا تھا اور حواس لوٹتے ہی خود کو اپنوں کے درمیان دیکھ کر وہ ایک بار پھر رو دی تھی مگر اس رونے میں سرشاری اور آزادی کا جذبہ تھا۔ پھوپو اسے ساتھ لگائے تھپکتی رہی تھیں۔ ایان بھیگی آنکھوں سے بے حال سی یشفع کو دیکھے جارہا تھا‘ اس کی غیر موجودگی نے ان کے دل پر کیا کیا نہ ستم ڈھائے تھے یہ وہ خود اور اس کا اللہ جانتا تھا۔ وہ چلی جائے گی تو وہ ویران زندگی کیسے جئے گا‘ یہ احساس اسے اب ہورہا تھا کہ وہ اسے کبھی بھی نہیں بھول سکتا تھا۔

"ممی کہاں ہیں پھوپو...... ان کو بلائیں‘ ان کو بتائیں کہ میں آگئی ہوں۔" اس کی کمزور آواز پر پھوپو نے زیبی کو کچھ کھانے کے لیے اور دودھ گرم کرکے لانے کو کہا اور خود اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"بھابی کا بی پی بہت بڑھ گیا تھا بیٹا...... ڈاکٹر نے نیند کی دوا دے کر سلایا ہے‘ صبح ہونے میں بہت کم وقت ہے۔ نیند سے اٹھیں گی تو تمہیں دیکھ کر خوش ہوں گی‘ میرے اللہ کا لاکھ شکر ہے کہ میری بچی پر اس نے اپنا کرم کردیا اور وہ پھر سے اپنوں کے درمیان ہے۔" وہ اسے چومتے ہوئے کہنے لگیں‘ اسی دوران سمیر اپنی ممی کو جگا کر لے آیا تھا۔

"شکر ہے تم آگئیں بیٹا...... کہاں تھیں وہ کون لوگ تھے؟ کس لیے لے کر گئے تھے؟" تابڑ توڑ سوالوں نے اس کا چہرہ زرد کردیا۔ زبردستی دودھ پلاتی زیبی کا ہاتھ اس نے دور ہٹایا اور کچھ کہنے کی کوشش میں آنسو نکل آئے تھے۔

"ابھی یہ بہت تھکی ہوئی اور پریشان ہے۔ زیبی اسے لے جاکر سلادو۔ صبح بات ہوگی جو بھی ہوگی۔" پھوپو نے کہا تو یشفع نے تشکر سے پھوپو کو دیکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں بھی چلتا ہوں ممی...... تھوڑا ریسٹ کرکے صبح چکر لگاتا ہوں۔" سمیر نے اپنی ماں سے بے حد سنجیدگی سے کہا اور وہاں سے نکل گیا۔

❀......❀......❀

"یشفع میری بچی...... تم آگئیں...... یا اللہ میں کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہی...... میرے اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ میری بچی میرے سامنے ہے......" وہ اسے چومتیں‘ خود سے لگاتیں‘ بس روئے جارہی تھیں۔ صبح اٹھتے ہی انہیں یشفع کی صورت نظر آئی تھی جو اپنے کمرے میں گئی ہی نہیں تھی ان سے لپٹ کر لیٹ گئی تھی۔ ذہن میں مسلسل وہ اذیت بھرے دو دن گردش کرتے رہے تھے جس نے اس کو اور اس کے سارے خاندان کو ایک دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا۔ سمیر کی ممی ابھی تھوڑی دیر قبل ہی اپنے گھر روانہ ہوئی تھیں ان کے خیال میں سمیر سے مشورہ کرکے وہ آج رات کو ہونے والی تقریب آج ہی مقررہ وقت پر منعقد کرکے یشفع کو بہو بنا کر جلد از جلد لے جانا چاہتی تھیں۔

"بس جناب ہم باہر انتظار میں ہیں کہ یشفع آئے تو ناشتا اکٹھے کریں اور یہاں محترمہ اپنی مما کی گود میں لیٹ کر یقیناً بچپن کا دور واپس لانے کے چکر میں ہیں۔" زیبی نے سب سے پہلے دروازہ کھولا اور اسے ممی کی گود میں سر رکھ کر آنکھیں موندے دیکھ کر اندر آگئی تھی۔ اس کے پیچھے پھوپو اور ایان بھی تھے۔ یشفع فوراً اٹھ بیٹھی۔

"پتا ہے لڈو...... مما کے بعد میں نے سب سے پہلے تمہیں یاد کیا بلکہ کوسا اور خوب گالیاں دیں کہ تم جو ہر ایرے غیرے سے پنگا لے کر ان کے راز فاش کرتے ہو تو تمہارے کسی دشمن نے مجھے اٹھالیا مگر وہ تو بعد میں پتا چلا کہ یہ سمیر نے پچھلے دنوں......" ایان کو دیکھتے ہی وہ روانی سے اپنے ساتھ بیتنے والی ساری روداد سناتی چلی گئی۔

"چلیں جناب...... گالیوں میں ہی سہی یاد تو کیا ناں محترمہ نے۔" وہ شگفتگی سے بولا۔

"مگر سمیر نے تو اس حوالے سے ہمیں کچھ بھی نہیں بتایا اگر بتا دیتا تو ہماری پریشانی کی نوعیت میں کمی آسکتی تھی۔" ممی نے الجھ کر کہا۔

"ارے بھابی...... اب وہ وقت گزر گیا تو اس کو یاد کرکے نہ خود پریشان ہوں نہ بچی کو کریں۔ شکر ادا کریں کہ بچی ہمارے پاس آگئی اور انہوں نے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔" پھوپو نے کہا تو ممی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ممی اب پھوپو کو بتانے لگیں کہ ان کی بہن نے چونکہ شادی کے دعوت نامے بانٹ رکھے ہیں تو یہی خواہش ہے کہ بارات کا فنکشن اور رخصتی آج ہی ہو۔ پھوپو نے بھی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا تھا کہ اچھا ہے نیک کام میں دیر مناسب نہیں ہے ساتھ ہی انہوں نے یشفع سے کہا تھا کہ وہ چند گھنٹے آرام کرلے۔ ان سب باتوں سے قطع نظر ایان کا چہرہ یہ سن کر دھواں دھواں ہوگیا تھا حالانکہ یہ بات طے تھی مگر اس سے دوری کا تصور ہی سوہان روح تھا' دل کسی طور سنبھلنے کے لیے تیار ہی نہیں تھا۔

"دشمن سے اب زیادہ خبردار رہنا ہوگا کہ وہ چوٹ کھائے سانپ کی طرح ہے آج میں خود لے کر جاؤں گا یشفع کو۔" ایان باہر جاتے جاتے پلٹ کر گویا ہوا۔ یشفع بے اختیار سہم گئی۔

"نہیں...... میں نہیں جاؤں گی کہیں بھی۔" وہ ڈر کے بولی تو کمرے سے باہر جاتا ایان پلٹ آیا۔

"اس وقت ہم بے خبر تھے یشفع...... اور اب خبردار ہیں' سارے خوف جھٹک کر ریسٹ کرو ان شاء اللہ کچھ نہیں ہوگا۔" اس کو نرمی سے سمجھا کر فوراً باہر نکل گیا تھا۔ یشفع ایک بار پھر مما کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی تھی' ممی اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے پھوپو اور زیبی سے ایک بار پھر رات کی تقریب کے حوالے سے بات کرنے لگیں۔ ماں کی گود' پیار بھرا لمس' گھر کی محفوظ چار دیواری میں ہونے کا احساس دل کو سکون میسر آیا تو دو دن سے نیند کو ترستی آنکھیں اور آرام و سکون ڈھونڈتے دماغ پر غنودگی سی چھانے لگی تھی۔ وہ پتا نہیں آدھا گھنٹہ یا گھنٹہ ہی پُرسکون نیند لے سکی تھی جب ممی کی تیز آواز پر اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ زیبی اور پھوپو بھی متوحش سی ممی کو دیکھ رہی تھیں' یشفع کچھ نہ سمجھتے ہوئے بال سمیٹتی اٹھ کر کمرے سے باہر آگئی تھی۔

"اسے سمجھاؤ شائستہ...... وہ ایسا کس طرح کرسکتا ہے

غزل

پھر اسے یاد کرتی ہوں پھر ہر تاویل بھول جاتی ہوں
میں اپنے وعدے کی آپ تکمیل بھول جاتی ہوں
وہاں سے اشک آنکھوں میں لے آتی ہوں
جہاں وہ ہو وہاں قرار دل بھول جاتی ہوں
اس کا چہرہ ہر پل رہتا ہے میرے آئینے میں
اپنی صورت میں مسلسل بھول جاتی ہوں
کئی کرنے ہوتے ہیں اس سے اس کی سنگدلی کے لیکن
اسے دیکھتے ہی میں ہر سوال بھول جاتی ہوں
روز اسے یاد کرتی ہوں صندل
روز اس کی تذلیل بھول جاتی ہوں

کلثوم صندل...... مظفر گڑھ

ہمارے ساتھ چند گھنٹے بعد کا مہمانوں کو ٹائم دیا ہوا ہے۔ کیا جواب دیں گے لوگوں کو کہ ہماری بچی جسے دلہا والے بڑے چاؤ سے بیاہ کرلے جانا چاہتے تھے وہ اغوا ہونے کے بعد ان کے لیے مشکوک ہو چکی ہے؟" وہ اونچی آواز میں غصے سے کانپتی ہوئی بولیں، کچھ لگاتی یشفع کے ہاتھ وہیں ساکت رہ گئے۔

"تمہارے سامنے ہی یشفع نے بتایا تھا کہ وہ وہاں بالکل محفوظ رہی ہے اور اسے لے جانے کا مقصد خدانخواستہ کوئی اور نہیں تھا، سمیر سے اپنے بندے چھڑوانا تھا۔ میں تو شکر ادا کرتے نہیں تھک رہی کہ میری بچی کی زندگی اور عزت محفوظ رہی اور تمہارا بیٹا کہتا ہے کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے۔ وہ ایسی لڑکی کو بیوی نہیں بنا سکتا جس کا کردار اس کے لیے مشکوک ہو۔" ممی کی تلخی سے بھری آواز اور اپنے بارے میں ایسے الفاظ سن کر یشفع کا چہرہ بالکل زرد پڑ گیا۔ زیبی نے اٹھ کر فوراً ہی اسے کندھوں سے تھام کر اپنے ساتھ بیٹھایا تھا۔

"ایسا مت کرو شائستہ ہمارے ساتھ، میری بہن ہو کر مجھے زندہ درگور مت کرو۔" ممی اب روتے ہوئے آنٹی سے منتیں کر رہی تھیں اور انہیں یقین دلا رہی تھیں کہ یشفع ویسی ہی ہے جیسے اغوا سے پہلے تھی مگر چند منٹوں کی گریہ زاری کے بعد انہوں نے روتے ہوئے موبائل بند کر کے ٹیبل پر رکھ دیا اور خود پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

"دیکھیں تو آپا...... پتا نہیں میرے کون سے گناہوں کی سزا ہے کہ آزمائش پر آزمائش آرہی ہے مجھ پر۔ سمیر نے یشفع سے شادی سے انکار کر دیا ہے، وہ کہتا ہے کہ میری بیٹی اب پاکیزہ نہیں رہی۔ یہ سننے سے پہلے میں مر کیوں نہیں گئی، اس کا فون بند ہے خود کہیں چلا گیا ہے۔"

"مت روئیں بھابی...... گناہوں کی سزا ہوتی ہے، آزمائش نہیں۔ اللہ نہ کرے جو یہ سزا ہو، اللہ نے پہلے بھی آزمائش میں مدد کی ہے ہماری، وہ پھر بھی ہماری پکار سنے گا اگر جو اس سے مدد طلب کریں۔ آپ ایک بار پھر اپنی بہن سے بات کریں اسے سمجھائیں اور اگر مناسب سمجھیں تو میں ایان کو سمیر کے پاس بھیجوں گی وہ اسے سمجھائے گا۔"

"کوئی کسی کے پاس نہیں جائے گا نہ کوئی اس کی منتیں کرے گا نہ پاؤں پڑے گا۔ اس کو یقین کرنا ہوتا تو میری بات کا کرتا، اب تو واسطے منتیں کر کے مجھے اس کے پلے زبردستی باندھ دیں گی ممی...... بعد میں اس کے سامنے مجھے پاکیزہ کیسے ثابت کریں گی؟ میری ساری زندگی اس کو اپنے کردار کے حوالے سے مطمئن کرنے میں گزر جائے گی۔ ساری زندگی کا عذاب میرے سر پر مسلط کرنے کی بجائے اسی ایک رسوائی کو برداشت کرلیں کہ لڑکے نے شادی سے انکار کر دیا عین بارات والے دن مگر میں اب اس شخص کا نام بھی نہیں سننا چاہتی۔" وہ ہذیانی انداز میں چیخ پڑی، ممی اس کی حالت دیکھ کر گھبرا گئی تھیں۔

"بیٹا...... غلط فہمیاں ہو جاتی ہیں اور ان کو دور بھی کیا جا سکتا ہے۔" وہ اپنا رونا بھول کر اس کے پاس آگئیں اور اس کے بال سنوارتے ہوئے بھیگے لہجے میں کہا۔

"یہ غلط فہمی نہیں ہے ممی...... شک ہے الزام ہے وہ بھی کردار پر جو ایک عورت کی سب سے قیمتی متاع ہے۔"

"ہم کس کس کو جواب دیں گے بیٹا...... کس کس کے منہ بند کریں گے۔ سمیر کو جب تم بتاؤ گی، سمجھاؤ گی وہ سمجھ جائے گا، بہت محبت کرتا ہے تم سے مگر ایسے......" ممی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا وہ مزید بھڑک اٹھی۔

"ممی...... مجھے ایسی محبت نہیں چاہیے جو شک سے زہر آلود ہو، جس کے ساتھ عزت نہ جڑی ہو۔"

"ممانی...... میں ایک بات کروں اگر جو آپ ٹھنڈے دل سے میری بات سن لیں؟" خاموش بیٹھی زیبی نے اچانک کہا۔

"ہم نے، ہمارے گھر والوں نے ہمیشہ یشفع کو بہو بنانے کا سوچا تھا مگر اس سے پہلے کہ دست دراز بڑھا کر آپ سے یہ گوہر نایاب طلب کرتے قسمت نے بازی پلٹ دی تھی۔ آج میں ایک بار پھر اپنے بھائی کی خوشیوں کے لیے آپ کے سامنے ہاتھ پھیلائی ہوں، یشفع آج ہی دلہن بنے گی ممانی......" زیبی نے کھنکار کر اپنا گلا صاف کیا

اور جھجکتے ہوئے کہہ ڈالا۔ ممانی تو ممانی یشفع تک ششدر رہ گئی‘ ممی کچھ دیر زیبی کو دیکھتی رہیں اور پھر رو دیں۔

”میرے اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے تُو نے مجھ گناہ گار پر اپنا کرم کردیا۔ آج اس بات پر مجھے یقین آگیا کہ رشتے خون سے نہیں بلکہ احساس سے بنتے ہیں اور حقیقی اپنے وہی ہوتے ہیں جو مصیبت میں ساتھ دیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں بیٹا......“ مگر ممانی کی خوشی کے ان لمحات کو یشفع نے زیادہ طویل نہ ہونے دیا اور بات کاٹ دی۔

”مگر مجھے منظور نہیں ہے زیبی آپی...... مجھے آپ کی محبت پر کوئی شک نہیں ہے مگر ایان بھی تو مرد ہے‘ جب ایک مرد کے دل میں شدید محبت کے ہوتے ہوئے شک کا بال آسکتا ہے تو دوسرے کے دل میں کیوں نہیں وہ بھی اس کے لیے جس کو محض رشتہ داری میں قربانی کا بکرا بنایا جارہا ہو۔ میں نے جان لیا ہے کہ لڑکی کے لیے صرف ایک غلطی چاہیے وہ دوسرے کی ہی کیوں نہ ہو‘ اس کے کردار پر کئی سوال لاکھڑے کرتی ہے۔ مجھے اب شادی ہی نہیں کرنی۔“ اس نے دوٹوک لہجے میں کہا اور ان سب کو حیران پریشان چھوڑ کر وہاں سے چلی گئی۔ کسی کو اپنی بات کہنے کا موقع دیئے بغیر کمرے میں جاکر اپنے ساتھ ہونے والے عجیب وغریب حالات کا احساس ہونے کی دیر تھی کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ کچھ ہی دیر بعد زیبی آپی ایک بار پھر اس کے سامنے تھیں۔

”مجھے اپنے بھائی کے بارے میں‘ اس کی محبت کے بارے میں اور تمہارے ساتھ اس کی دلی وابستگی کو بیان کرنے کے لیے کئی دن درکار ہیں اور ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ اس کی محبت لمحاتی یا وقتی نہیں ہے‘ ایک چھوٹی سی کوشش ضرور کررہی ہوں یہ نصیحت کرنے کے ساتھ کہ ہر شخص کو نظریے کی ایک ہی کسوٹی پر نہیں پرکھتے۔ یہ کچھ یادداشتیں ہیں جو میری نظر سے غیر دانستہ طور پر گزری تھیں مگر میں تمہیں دانستہ دے کر جارہی ہوں انہیں ایک دفعہ دیکھ لو پھر بات کرتے ہیں۔“ وہ نرمی سے بہت سے ڈائریز اس کے پاس رکھ کر باہر چلی گئیں۔ یشفع نے ناسمجھی کی

بیٹیاں

کس پیار سے گھروں کو سجاتی ہیں بیٹیاں
آپس میں سب دلوں کو ملاتی ہیں بیٹیاں
وہ گھر بھی کوئی گھر ہے جہاں بیٹیاں نہ ہوں
زینت ہمارے گھر کی بڑھاتی ہیں بیٹیاں
گھر میں انہی سے روشنی ہوتی ہے چار سو
الفت کا جو چراغ جلاتی ہیں بیٹیاں
تسکین کا سبب ہے وہ ماں باپ کے لیے
دکھ درد کا بوجھ اٹھاتی ہیں بیٹیاں
خوشحال وہ گھرانہ نہ کیوں عمر بھر رہے
محنت سے اپنے گھر کو بناتی ہیں بیٹیاں
سب جانتے ہیں یہ بشارت حضورﷺ کی
ہمراہ اپنے رحمتیں لاتی ہیں بیٹیاں
اپنے چلن سے راہ وفا میں تمام عمر
ماں باپ کا وقار بڑھاتی ہیں بیٹیاں

امبرین کوثر...... ملتان خورد

کیفیت میں ان کو دیکھا پھر ایک ڈائری کو اٹھایا‘ ایان کی رائٹنگ تھی۔ اس نے اسے کھولا تو وہ عام یادداشت نہیں تھی اس میں محبت کا ایک جہان آباد تھا اس نے جہاں سے بھی صفحہ کھولا‘ جس بھی ڈائری کو کھولا وہ یشفع نامہ لگا اسے۔ ہر لفظ میں محبت سانس لے رہی تھی‘ پے در پے ہونے والے انکشافات اتنے شدید اور اچانک تھے کہ سارے احساسات ہی آپس میں گڈمڈ ہوگئے تھے‘ وہ ابھی کچھ سوچ بھی نہ پائی تھی کہ دروازہ کھول کر ایان داخل ہوا اور اسے دیکھتے ہی اسے فی الحال یہی یاد آیا تھا کہ اس کا کتنا بڑا نقصان ہوچکا تھا اور وہ اپنے تمام مسئلے اس کے سامنے ہی بیان کرتی تھی۔

”لڈو......“ اس نے رقت سے پکارا۔ ”تمہیں بتایا کسی نے کہ میرے ساتھ کیا ہوگیا ہے؟“ اس کے اپنے پاس بیٹھتے ہی اس نے رندھے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”وہ کہتا ہے...... وہ شادی نہیں کرسکتا کیونکہ میرا کردار ویسا نہیں رہا جیسے پہلے تھا۔ میرا دل کررہا ہے میں مرجاؤں لڈو......“ وہ

ہاتھوں میں منہ چھپا کر رو دی تھی۔

"مریں تمہارے دشمن یار...... میرے خوش ہونے کے دن آئے تو تم مرنے کی باتیں کررہی ہو۔" یشفع کی حالت کے برعکس وہ بہت ریلیکس موڈ میں تھا۔

"لڈو...... میرے ساتھ اتنا کچھ ہوگیا اور تم خوش ہو؟" وہ تحیر سے رونا بھی بھول گئی۔

"میں تمہارے ساتھ جو ہوا اس پر ہرگز افسردہ نہیں ہوں کیونکہ میرے پیارے اللہ نے تمہیں مجھ سے ملوانا جو تھا تو اسباب بھی تو بننے تھے ناں۔ اب رو رو کے پلیز اپنی شکل خراب مت کرو اور میرا موڈ بھی۔" وہ منہ بنا کر بولا۔

"مت پوچھو یار...... ابھی میں اظہار محبت کا وقت اور طریقہ ہی سوچ رہا تھا کہ وہ گھونچو بیچ میں آ گیا پھر اس سے تمہاری وابستگی دیکھ کر اور سن کر دل پر کیسے کیسے عذاب نہ اترتے تھے پھر کوشش کی کہ تمہاری خوشی میں خوش ہوکر تمہیں بھول جاؤں مگر وہ کوشش بھی منہ چڑا کر بھاگ گئی۔ تمہاری شادی کی تیاریاں تھیں اور میری اللہ سے دعائیں تھیں کہ یا تو میرے دل سے اس لڑکی کو نکال دے یا پھر میرے رقیب کی زندگی سے اس کو نکال دے اور میرے رب نے میری دعاؤں کو اذن بخش دیا قبولیت کا اور تم کہتی ہو کہ میں افسوس کروں۔ واہ یار...... تمہاری ذہانت پر صرف افسوس ہی کرسکتا ہوں۔" وہ سر ہلاتے ہوئے مصنوعی افسردگی سے بولا۔

ہمیشہ وہ ہی بول بول کر اس کا سر کھاتی تھی' آج وہ بول کر اسے حیران کیے دے رہا تھا۔ کچھ اس انداز میں اپنی محبت کا احساس دلاتے ہوئے کہ سارے ملال ڈھلتے دکھائی دے رہے تھے۔

"اور تم نے میرا بہت دل دکھایا وہ سطحی سی بات کر کے کہ سمیر تم پر شک کرسکتا ہے تو میں بھی تو کرسکتا ہوں۔" وہ سنجیدہ ہوکے بولا تو یک ٹک اس کو دیکھتی یشفع نے بھی نظریں جھکالیں۔

"ہر مرد کی محبت سطحی نہیں ہوتی' میں نے محبت کا مفہوم بعد میں جانا تمہاری وابستگی دل میں پہلے محسوس کی۔ مجھے تم پر کل بھی اعتبار تھا آج بھی ہے اور میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ خدانخواستہ اس حادثے کے نتیجے میں تم پر کوئی حرف بھی آتا تب بھی میرے لیے وہی اہمیت رکھتیں جیسی آج رکھتی ہو کیونکہ میں نے تمہیں روح کی گہرائیوں سے چاہا ہے۔ اس لیے اب جلدی سے میرے ساتھ مارکیٹ چلو' ایمرجنسی میں شادی کا جوڑا لینا ہے اور ابھی تو قاضی اور گواہان کا بندوبست بھی کرنا ہے۔" وہ عجلت میں بولا تو یشفع نے ڈبڈبائی آنکھوں سے پیارے سے دل والے اس پیارے سے شخص کو دیکھا اور پھر اس کے کندھے پر مکا رسید کیا۔

"لڈو کے بچے یہ سب مجھے پہلے بتا دیتے۔" وہ رندھے ہوئے لہجے میں بولی۔

"ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے اور وہ اسی مقررہ وقت پر اچھی لگتی ہے اب تو لڈو لڈو کہہ لیا کرو مگر میرا نہیں خیال کہ بعد میں میرے بچے اپنے ابا کے لیے ایسا لفظ برداشت کریں گے۔" اس کی اتنی بے تکلفی پر یشفع کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا پھر وہ جب بات کو سمجھی تو شرم سے اس کا سر جھکتا چلا گیا۔ ایان کو یقین تھا کہ ان کی آئندہ زندگی بہت حسین گزرنے والی تھی کیونکہ کچھ ہی دیر بعد وہ شادی کی ارجنٹ تیاری کے لیے باہر جارہے تھے۔

❀......❀......❀

محبت قربانی بھی مانگتی ہے اور سمیر نے یہ قربانی دی تھی جس وقت اغوا کی جگہ سے وہ یشفع کو لے کر نکل رہا تھا اس وقت اس کے لب پر صرف ایان کا نام تھا۔ وہ بے ہوشی میں بھی اسے پکار رہی تھی اور وہیں اس نے فیصلہ کرلیا تھا اپنی محبت سے دستبردار ہونے کا۔

❀

کھوٹا سکہ

راشدہ علی

> اپنی آنکھوں کے سمندر میں اتر جانے دے
> تیرا مجرم ہوں مجھے ڈوب کے مر جانے دے
> زخم کتنے تیری چاہت سے ملے ہیں مجھ کو
> سوچتا ہوں کہ کہوں تجھ سے مگر جانے دے

وہ دسمبر کی ایک ٹھٹھرتی ہوئی شام تھی۔ برف کی دبیز تہہ پر سسکنے والی اداسی چھائی ہوئی تھی۔ ہر شے اداس اور مغموم تھی‘ ساکت تھی میری طرح بے بس۔ ہر قسم کے جذبات سے عاری۔ پورے قد سے کھڑے بام ٹری اپنی تباہی و بربادی پر نوحہ کناں تھے۔ فسوں خیزی اپنے عروج پر تھی۔

میں گارڈن کے عین بیچوں بیچ سنگی بینچ پر بیٹھا تھا۔ تہی داماں‘ تہی دست‘ کچھ نہیں تھا میرے پاس۔ میرا جسم‘ میرا ذہن‘ میرے ہاتھ‘ میری زندگی ہر چیز خالی تھی۔ ہوا کے سرد جھونکے نے زرد اداس پتوں کو دور تک اڑایا۔ وہ بکھرتے چلے گئے میرے جذبات کی طرح۔

’’لڑکی بہت خوب صورت ہے۔‘‘ بے حد شوخ وشریر سا لہجہ۔ کوئی میرے کان کے قریب سرگوشی میں کہہ رہا تھا۔ میں بے ساختہ پلٹا۔

’’کتنی خوب صورت......؟‘‘ میرے ہونٹوں پر ست رنگی تبسم چھلکا۔

’’کتنی......‘‘ انہوں نے گال پر انگلی رکھ کر سوچا۔

’’بڑی بڑی آنکھیں ستواں ناک۔‘‘

’’ایک لفظ میں بتائیں۔‘‘ میں نے بے اختیار انہیں ٹوکا۔ وہ بولتے بولتے رکیں پھر مسکرانے لگیں تھیں۔

’’اپسرا......یہی ایک لفظ ہے جس میں سارے کی ساری سما جاتی ہے۔‘‘ میری آنکھوں میں جگنو چمکنے لگے تھے۔ مجھے ہر چیز اپنے ساتھ رقص کرتی محسوس ہوئی تھی۔

میں نے کوٹ صوفے پر پھینکا اور ٹیرس پر بازو پھیلا کر کھڑا ہوگیا تھا۔ مجھے ساری دنیا اپنے قدموں تلے نظر آئی تھی میں فاتح ٹھہرا تھا۔ میرے سارے خواب حقیقت کا روپ دھارے میرے سامنے تھے۔ کدکڑے لگاتے‘ ناچتے اور میں کہیں بہت اوپر جارہا تھا آسمان کی طرف اور اوپر اور اوپر۔

ہوا کے تیز تھپیڑے نے میرے گال کو چھوا تو میں بے اختیار جھرجھری لے کراٹھا۔ دہائیاں دیتی وہ سرد سی ہوا اس گارڈن کے ہر پتے کے ساتھ مدغم تھی میرے احساسات پر برف کی تہہ جمی تھی اور انگڑائیاں لیتی ڈولتی امید کی آخری سسک۔

شاہ بلوط کے زرد پتے میرے پاؤں تلے چرمرائے۔

"اب تم کیا کروگی؟" سڑک کے کنارے پیدل چلتے میں نے اس سے پوچھا تھا۔ اس کی گہری رنگت میں پراسراریت کا عنصر تھا۔ سحر طاری کرنے والی پراسراریت، جکڑ لینے والی پراسراریت۔ وہ رک گئی تھی۔

"کچھ نہیں...... اب زندگی جیوں گی۔ بہت پڑھ لیا اب بس۔" اس کی نمکین رنگت میں شہابیت گھلنے لگی تھی۔ اس کی آنکھوں میں محبت کی لو بھرائی تھی شمع کی طرح رستی ہوئی۔ میں بے ساختہ ہنسا تھا۔

"تم ایسی بھی باتیں کرلیتی ہو۔" حیا آگیں مدھری مسکان نے اس کے لبوں کو چھوا تھا۔ میں مبہوت سا اس کی نمکین رنگت پر کھلتے گلاب کو دیکھتا رہ گیا تھا۔ کیا تھی وہ۔ کوئی معمہ، کوئی پہیلی۔

"تم کیا کروگے؟" اس نے مجھ سے پوچھا۔ میں ہنسا۔ پنچھی ٹھٹک کر مجھے دیکھنے لگے تھے۔

"شادی کروں گا خوب صورت سی لڑکی سے، جاب تو سمجھو مل ہی گئی۔ اب آپا سے کہوں گا بس یار اب میری نیا پار لگا ہی دو۔" اس کے سینے سے لگی کتابوں پر مجھے اس کی گرفت ڈھیلی محسوس ہوئی تھی وہ پھر رکی تھی۔ گھنے برگد کے سائے میں۔ میں نے پلٹ کر دیکھا وہ ساکت کھڑی تھی۔

"خوب صورت۔" اس کے سرخ لبوں نے لفظ کو چھوا۔ میں نے پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالے اور اس کے قریب آیا تھا۔

"خوب صورت نہیں، بہت خوب صورت۔" میں چہکا۔ میں حسن پرست تھا مجھے شریک سفر میں اسی خوبی کی چاہت تھی بس۔ وہ بے تاثر سی مجھے دیکھتی رہی۔

"اور محبت......" وہ ابھی تک وہی کھڑی تھی۔ میں چند قدم آگے بڑھا لیکن اس کی بات نے مجھے واپس پلٹنے پر مجبور کردیا میں نے استعجاب بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"محبت مطلب......" میں سمجھا نہیں تھا۔ اس کا چہرہ مجھے چیخ چیخ کر سمجھا رہا تھا۔ محبت کی گواہی دے رہا تھا میں شاید سمجھنا ہی نہیں چاہتا تھا۔

"اگر کسی کو تم سے محبت ہوئی تو......" اس کا لہجہ دھیما تھا۔ وہ محبت کی دیس کی باسی ہاتھ میں امید کے جگنو پکڑے منتظر نظروں سے مجھے تکتی رہی تھی۔

"تو...... میں دیکھوں گا کہ وہ میرے معیار پر پورا اترتی ہے یا نہیں۔"

"محبت میں معیار کب ہوتا ہے؟" میں نے کندھے اچکائے۔ اس کی گہری پڑتی رنگت میں زردیاں گھل رہی تھیں۔ محبت کا پنچھی پر پھیلائے اڑا تھا۔ میں نے سر جھکا تھا نخوت سے۔

"کم آن...... سائرہ اب چلتے چلتے کتنوں سے محبت ہوجاتی ہے۔ سب سے شادی تو نہ کروں گا۔ محبت...... بکواس۔" میں ہنسا تھا۔ مجھے اپنی وجاہت، مردانگی اور قابلیت پر فخر تھا۔ میرے خواب فلک کو چھوتے تھے۔

وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ بس مجھے دیکھتی رہی۔ اپنی نیم براؤن آنکھوں سے۔ میں دیکھ رہا تھا اس کی چال میں لڑکھڑاہٹ تھی۔ اس کے چہرے پر اضطراب تھا محبت کی رسوائی کا عکس تھا۔ کوئل کہیں دور تھی۔ میرے گرد بھنور بننے لگے تھے۔ میں گرداب میں پھنس گیا تھا۔ کتنی کمینی سی خوشی ملی تھی مجھے اسے اس کی اوقات دکھا کر۔ وہ کچھ نہ بولی تھی نہ شکوہ نہ شکایت بس ایک سوال تھا جس کے جواب میں آج تک نہ پا سکا تھا۔

لبوں کے پھول چٹخنے کے لیے بے تاب تھے۔ میں نے سینہ مسلا تھا۔ کہیں درد سا جاتا تھا۔ کسی اداس کوئل کی اداس کوئل میرے کانوں میں گونج رہی تھی۔

میں نے جاگرز سے پاؤں تلے جمی سرد شفاف برف کو مسلا۔ کئی ساعتیں گزر گئیں۔ میرے کانوں میں بازگشت بڑھنے لگی تھی۔ گزرتے دنوں پر جمی دھول اڑی اور اوراق زندگی پھڑپھڑائے۔

"وہ گلابو ہے......" آپا میرے کان میں گھسی جارہی تھیں۔ میں نے تعاقب میں دیکھا اور وہ ہنس رہی تھی۔ بے ساختہ اور بے تحاشہ مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر۔ تتلیوں کا سنہری رقص شروع ہوا۔ ساز بجنے لگے۔ اطراف

پتھر ہوا اور وہ...... اپسرا...... میں کراہا تھا اتنا حسن میں جھوم اٹھا تھا۔ محبت دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوئی تھی۔ میں چاروں شانے چت ہوا تھا۔ مجھے احساس نہیں ہوا تھا آپا میرا ہاتھ پکڑ کر اس کے پاس لے آئی تھیں۔

”یہ میرا بھائی ہے۔ وجیہہ اور وجیہہ یہ......“ آپا نے مجھے ٹہوکا دیا تھا میں مدہوش ہو رہا تھا۔ اس حسن شباب کی بجلیوں تلے۔

”گلابو ہے۔“ آپا نے دانت پیسے تھے۔ میں بڑبڑایا تھا۔

”ہائے۔“ اس نے جواب میں ہاتھ ہلایا تھا اور میں بہکتا چلا گیا۔ ہر حدیں توڑ کر۔ محبتوں کے شہر میں دیوانہ وار پاگلوں کی طرح۔ محبت شاید یونہی پاگل ہوا کرتی ہے۔ میں اس کے حسن جہاں سوز پر جان نثار ہوا تھا۔ خود کو ہار بیٹھا تھا میں یہ بھول بیٹھا تھا کہ محبت حسن سے مشروط نہیں ہوا کرتی۔ وہ تو احساس سے مربوط ہے۔ دل سے بڑی ہے۔ دیکھنے والی آنکھ میں امنڈتی ہے۔

وہ ہنستی تھی تو پربتوں پر گلال اڑنے لگتے تھے۔ کوئل کوکنا بھول جاتی تھی۔ اس کی بڑی بڑی ساحرانہ آنکھیں۔ بہتے ہوئے پانیوں سے بھر جاتیں میں حیران ہوا کرتا تھا وہ ہنس رہی ہے یا رو رہی ہے۔ میں بھرپور جوان مرد اس ننھی سی لڑکی کے آگے جھک گیا تھا۔ مجھے محبت نے جھکایا تھا یا حسن نے۔

”آپ کا نام گلابو کس نے رکھا؟“ اس کی کزن نے معنی خیز نظروں سے مجھے دیکھا تھا۔ میں جھینپ گیا تھا۔

”اس کی امی نے۔ گلاب جیسی لگتی تھی نا حیا انہیں۔ سو گلاب رکھ دیا نام۔ یوں ہوتے ہوتے ہو گیا گلابو۔“ وہ گنگنائی تھی۔ گلابو کے لبوں پر شرمیلی سی مسکراہٹ رینگی مجھے سارا جہاں کھلتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

”آہ......“ مجھے ٹھوکر آ لگی تھی۔ ماضی کے ورق الٹنے لگے تھے۔ میں ٹھٹھک کر رہ گیا تھا۔

بوگن ویلیا سے ڈھکی اس جاذب نظر عمارت کے ساتھ پڑے پتھر کے بینچ پر بیٹھ گیا تھا۔ دسمبر جس میں بھی میرے

ماتھے نے پسینے کے قطرے اوڑھے تھے۔ میں نے تحیر سے گالوں کو چھوا آنکھوں کے کناروں پر پانی چھلکا تھا۔ میں نے سرخ آنکھوں سے دیکھا۔ ہوا میں تیزی آرہی تھی۔ بوگن ویلیا کے کاسنی رنگ کے پھول اڑتے ہوئے میری گود میں آگرے۔ میں نے انہیں مٹھی میں بھینچ لیا۔ کوئی بہت زور سے چیخا تھا۔

''پھر ہنسا......'' قل قل کرتی سحر زدہ ہنسی۔

سرد رتوں نے کرب سے آنکھیں موندیں۔ میں نے دانتوں تلے لب جمائے۔ کوئی نوحہ کناں تھا۔ کوئی سسک رہا تھا۔ شاید محبت جو میرا در چھوڑ کر کہیں بہت دور بھٹک رہی تھی۔ میرے حافظے میں سرد بے تاثر نیم براؤن آنکھیں چمکیں۔

سیاہ چادر کے ہالے جس میں وہ عام سے نین نقوش کتنے آسودہ حال، مطمئن اور شاد تھے۔ پوری عظمت اور وقار سے سر اٹھائے وہ عورت میرے قدموں نے میرے بوجھ کو سہارنے سے انکار کر دیا تھا۔

اس گہری رنگتی والی لڑکی کے چہرے پر محبت اب بھی رقصاں تھی۔ وقت بدل گیا تھا۔ محبت نے اپنا مقام کھو دیا تھا۔ محبت کا نام بدل گیا تھا۔

''دیکھ کے۔'' وہ تیزی سے چار پانچ سال کے بچے کے پیچھے بھاگی تھی جو فٹ بال پکڑنے کی جستجو میں گرتے گرتے بچا تھا۔ میں آج اتنا خاموش تھا جتنا کبھی وہ ہو جایا کرتی تھی۔ میری تذلیل پر اس استہزا پر جو میں اس کے پرخچے اڑانے کے لیے ہتھیار کے طور پر استعمال کیا کرتا تھا۔ جسے کبھی میں اپنے قابل بھی نہیں سمجھتا تھا۔ بہت بے دردی سے اس کی محبت کو ٹھکرایا تھا میں نے۔ وہ عورت آج اتنی اونچی سند پر بیٹھی تھی کہ میں ایڑیاں اچکا کر بھی اسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ سطریں الٹنے لگیں۔ کشتی ڈوبنے لگی تھی۔

اصل عورت وہ ہوتی ہے جو اپنے کردار سے مرد کو جھکنے پر مجبور کر دے۔ اس کی حیاء اس کی پاک دامنی اس کا غرور ہوتا ہے۔ پارسا عورت کو مرد جھک کر سلام کرتے ہیں۔ وہ مرد کے ہر سوال کا جواب ہوتی ہے۔ اس کی ہر راہ کے اختتام میں کھڑی منزل...... ایسی عورتیں اپنی چال سے چیخ چیخ کر کہتی ہیں وہ عورتیں ہیں۔

میرے دماغ کے دریچوں پر اس عام سی عورت کے لفظ گونجے۔ اور سٹرم پر کھڑی وہ کتنی عظیم عورت تھی۔ کاش میں سمجھ پاتا۔ ایک اور پچھتاوا۔ جب وقت گزرتا ہے تو بس پچھتاوا ہی رہ جاتا ہے۔

کاش وقت کچھ سال پیچھے سرکے۔ وہ اپنی داستاں کو نئے سرے سے لکھے۔ وہ جا چکی تھی بنا پلٹ کر دیکھے۔ وہ پلٹ کر دیکھتی بھی تو کسے۔ ایک کھڑے ہوئے شکستہ ٹوٹے بکھرے مرد کو۔ جسے محبت نے شکستہ پانی کے اس گھڑے میں دھکیل دیا تھا کہ وہ چاہ کر بھی اس دلدل سے اس رسوائی سے نہیں نکل سکتا تھا۔

❀......❀......❀......❀

سیاہ بادل گھر آئے تھے۔ قد آور درخت ہوا کے ساتھ رقص کرنے لگے۔ میں نیم مردہ سا اٹھا میری چال میں مردنی تھی شکست خوردنی تھی بجلی زور سے چمکی۔ آب دیدہ بادل آہ زاری کرتے زور سے برسنے لگے۔ میں تیزی سے چلنے لگا تھا۔ چند قدموں کے فاصلے پر میرا گھر تھا۔ میں نے آتے ہی ہیٹر آن کیا اور کھڑکیاں کھول کر کھڑا ہو گیا۔ ایسے بادل اس رات بھی بہت زور سے برسے تھے جب اس کی ذات کی دھجیاں اڑی تھیں وہ اس رات ٹوٹ کر بکھرا تھا۔ وہ مجھے بین کرتے لگ رہے تھے میرے غم میں شریک۔

❀......❀......❀......❀

میں گلابو کو پا کر بہت خوش تھا۔ اتنا خوش کہ ساری دنیا بھلا بیٹھا تھا۔ یاد تھی تو صرف گلابو۔ میری باتیں اس سے شروع ہو کر اس پر ختم ہوتی تھیں۔ ہم بہت سے خواب دیکھا کرتے تھے۔ کچھ پاگل سے کچھ عجیب سے۔ گلابو ایک اچھی بیوی تھی۔ اگرچہ پھوہڑ تھی مجھے اسے بہت کچھ سکھانا پڑا تھا۔ اس کی سرمست، نیم باز آنکھوں میں جانے کیا ہوتا تھا کہ میں بے خود سا اس کی ہر اوٹ پٹانگ حرکت کو بھول جاتا تھا۔ وہ میری تھی...... آفس میں ہوتا تب بھی مجھے یہ خیال مسرور کیے رکھتا تھا ہر شام وہ میرا انتظار کر رہی

ہوتی تھی۔ نکھرے نکھرے حلیے میں ہونٹوں پر سرخ لپ اسٹک لگائے۔ چوڑیاں کھنکھناتی سارا دن کی تھکن کہیں اڑان چھو ہو جاتی۔

میں لندن جانا چاہتا تھا۔ بچپن کا خواب تھا میرا۔ ایک شام میں نے اسے یونہی باتوں کے دوران کہا تھا۔ وہ یک دم خوش ہوئی تھی۔

”رئیلی...... مجھے بھی لے کر جاؤ نا۔“ کتنا معصومانہ انداز تھا میں اس کے چہرے پر رقصاں خوشی کی لہروں کو دیکھنے لگا تھا۔ وہ اصرار کرنے لگی تھی۔ ”بتاؤ نا؟“

”ظاہر سی بات ہے تمہارے بغیر اکیلا تھوڑی نا جاؤں گا۔“ میں نے اسے امید کا سرا تھمایا تھا وہ چہک اٹھی تھی۔

”ہم لندن برج جائیں گے‘ بگ بین بھی دیکھیں گے اس کی بلند آواز سنیں گے اور لندن آئی لندن کا دیو ہیکل آئینی پہیہ جب گھومتا ہے تو ہیجان خیز چیخیں فضا میں گونج اٹھتی ہیں۔ زندگی انگڑائیاں لیتی ہے۔ لوگ جوش میں چیختے ہیں شور مچاتے ہیں۔ اس پر بیٹھ کر جھولے لیں گے اور اور......“ وہ پُرجوش سی گنوا رہی تھی۔ اور میرے لب مسکرا رہے تھے اس کے پاگل پن پر۔

”دعا کرو کام بن جائے۔“ میں نے کہا تو اس نے تیزی سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ توقعات ٹوٹتی ہیں تو بہت درد ہوتا ہے۔ خواب ٹوٹتے ہیں تو...... ملنے والی اذیت کا کوئی انت نہیں ہوتا۔ میری توقع ٹوٹی تھی۔ اور اس کے خواب۔

میں نے لندن کی تیز سرسراتی ہواؤں کو کانوں میں گونجتے سنا تھا۔

”یو آر ان لندن۔“ بارش کا زور بڑھ رہا تھا۔ سردی یکلخت بڑھی تھی اداسی کی طرح۔

”آ ڈریم سٹی بہت خوب صورت شہر ہے۔“ توصیفانہ نظروں سے میں نے فلک بوس‘ اچھوتی بلڈنگز کو تکا تھا۔ یہاں کے رنگ۔ یہاں کے لوگ‘ یہاں کی زندگی کتنی مختلف تھی۔ اس زندگی سے جس کا میں عادی ہو چکا تھا اور کرچیاں تھیں۔ آنکھوں میں کسی کی یاد کی جو میری آنکھوں کو لہو رنگ کر رہی تھیں۔ ”اپنے ہاتھ اٹھاؤ اور اپنی آواز بلند کرو۔

”یو آر ان لندن...... تم لندن کی سرزمین میں ہو۔ آؤ خواب پورے کرو۔“ کوئی چیخا۔ میرا دماغ پھٹنے لگا تھا اس آواز سے۔ آوازیں بڑھنے لگی تھیں۔

”پتا ہے میں لندن میں پہلا قدم رکھتے ہی کیا کروں گی...... ہنی۔ میں گول گول گھوموں گی زور سے چیخوں گی۔ نعرے لگاؤں گی۔ تم جانتے ہو تب کیا ہوگا؟“ بادل بہت زور سے گرج رہے تھے۔ میں مڑا...... کوٹ اتارا۔ پھر شرٹ کے بٹن کھولنے لگا۔ سردی بہت بڑھ گئی تھی۔ سرد ہوا نے میرے بازو کو چھوا تو میں بے اختیار کپکپایا۔

”تب پورا لندن جھومے گا۔ زندگی اپنے بازو پھیلائے میری طرف بڑھے گی اور میں......“ وہ پاگل پن سے ہنسی۔ گول گول جھومی۔ ”ایسے رقص کروں گی۔“ ابابیل نے اداسی سے پر سمیٹے۔ گھٹا ٹوپ اندھیرا فلیٹ میں در آیا۔ دور جلتی بجھتی ننھی ننھی روشنیاں اداس دیوی کی طرح نظر آرہی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا کسی نے بہت سے دیئے جلا دیئے ہوں۔ آسمان رو رہا تھا اور میں......

”شاپنگ کرنے چلیں۔“ گہرے ہرے رنگ کے سوٹ میں وہ پتوں کی مشابہت اختیار کیے برتن سمیٹ رہی تھی۔ میں نے سستی سے پہلو بدلا تھا۔

”پھر کسی اور دن چلیں گے۔“ میں نے ریموٹ کنٹرول اٹھایا اور چینل سرچنگ شروع کر دی تھی۔ دو دن قبل آپا رہ کر گئی تھیں۔ مع اپنے بچوں کے۔ گھر کی حالت ابتر تھی۔ سب سمیٹتے وہ تھک چکی تھی۔ تفریح کی متلاشی تھی۔

”تمہارے پاس پیسے نہیں ہیں نا۔“ اس نے میرے گریز کو لفظوں کے معنی پہنائے تھے۔ میں چونک اٹھا تھا۔ اس کی دودھیا رنگت سرخ پڑ رہی تھی۔ میں کیسے اسے بتاتا کہ ہر مہینے خطیر رقم اس گھر کی قسط کی مد میں چلی جاتی تھی۔ باقی کھانے پینے اور بلز وغیرہ میں اڑ جاتے۔ ایسے میں شاپنگ...... اس نے پتا نہیں کتنے مہینوں سے شاپنگ نہیں کی تھی۔ مجھے یاد آیا۔

"سوری گلابو...... بس چند مہینے ہیں۔ ان شاء اللہ اس تمبر تک سارے قرض ادا ہوجائیں گے۔" میری وضاحت پراس نے سرنظروں سے مجھے دیکھا تھا۔

میں شرمسار ہوگیا تھا۔ وہ برتن اٹھا کر کچن میں چلی گئی تھی۔ میں ایل سی ڈی اسکرین پر نظریں جمائے بیٹھا رہا تھا لیکن مضطرب سا رہ رہ کر دھیان گلابو کی طرف جارہا تھا۔ وہ اداس ہوئی۔ کسی خیال نے میرے دل کو دبوچا۔ میں نے اسے ناامید کردیا تھا۔ کاش کہیں سے پیسہ آجاتا۔ وہ مجھ سے یوں روٹھتی نا...... وہ مجھ سے خفا ہوتی تھی تو مجھے لگتا تھا ساری دنیا مجھ سے خفا ہوگئی ہو۔ میں خود سے بڑھ کر اس کا خیال رکھتا تھا۔ پتا نہیں پھر وہ...... کیوں اتنی چپ چپ سی رہتی تھی۔ میں اسے شاپنگ نہیں کراسکتا تھا لیکن آئس کریم تو کھلاسکتا تھا نا۔

اسی شام میں نے آئس کریم کے ازالے کے ساتھ سڑک پر بے مقصد مٹرگشت بھی کیا تھا۔ اسے خوش رکھنے کے لیے میری ساری تگ ودو بے کار تھی۔ مجھے لگتا تھا میں ہار رہا تھا۔ ان دنوں میں نے اوور ٹائم بھی کرنے کی کوشش کی تھی۔ سمر سیزن کی ڈھیر ساری شاپنگ بھی کروائی تھی پھر بھی...... میں محبت دیس کا باسی اس کے چہرے پر امڈ آئے پتھر تاثر دیکھ کر ٹھہر جاتا تھا۔ میں خوار ہوتا رہتا تھا۔ اس کی سرد آنکھوں میں اپنا عکس دیکھنے کے لیے۔ جو نہ جانے کہاں کھوگئی تھی۔ وقت کی دھول پڑگئی تھی شاید...... محبت اور حسن۔ زندگی کے پہیے چلانے میں مدد نہیں کرتے۔ اس کے لیے پیسہ چاہیے ہوتا ہے۔ یہ تلخ حقیقت بہت دیر سے وارد ہوئی تھی مجھ پر۔

وہ ایک آوارہ سی دوپہر تھی۔ میری طبیعت اچانک خراب ہوئی تھی باس نے مجھے لیو دے دی تھی۔ میں ہاف لیو پر گھر واپس آیا تھا۔ گھر سے منسلک سیڑھیوں کے نیچے میں نے عجیب سا منظر دیکھا۔ سرخ پلازو اور سنہری ٹخنوں کو چھوتی لیس دار قمیص میں وہ سرخ وسنہری امتزاج کا دوپٹہ لیے گاڑی کی کھڑکی پر جھکی تھی۔ کچھ کہتی...... ہنستی۔ آسمان میرے سر پر گھوم گیا تھا۔ پوری آب وتاب سے چمکتا سورج میری آنکھوں کو دھندلا گیا تھا۔ وہ مڑی تھی۔ گاڑی کے سامنے سے ہوتی ہوئی اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔ میری بائیک جہاں تھی وہی رکی رہ گئی تھی۔ گرمی کی حدت تھی یا وہ انکشاف۔ میں پسینے میں نہا گیا تھا۔ میں نے بمشکل بائیک کو گھسیٹا اور سیڑھیوں کے قریب لے آیا تھا۔ میرے دماغ میں وہ چہرہ پھنس گیا تھا۔ وہ مرد کون تھا؟ میں سوچتا رہ گیا تھا۔

میں بائیک کھڑی کرکے یونہی اوپر آیا ساتھ کے گھر کی کھڑکی میں کھڑا وجود چند ثانیے مجھے تکتا رہا پھر کھڑکی بند کرنے لگا۔ میں دیوانہ وار لپکا تھا۔

"خالہ......" انہوں نے پٹ ڈھیلا چھوڑا تھا۔

"یہ......" میں نے انگلی سے سڑک کے پار اشارہ کیا تھا۔ میں نے محسوس کیا تھا میرا لہجہ لڑکھڑا گیا تھا۔ اندیشے سر اٹھانے لگے تھے۔ خالہ نے بڑی عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھا تھا۔ میں پانی پانی ہوگیا تھا۔

"یہ کہاں گئی؟"

"کیا پتا باؤ...... ایک دن کی بات ہو تو بتاؤں۔ روز کے معمول نہیں پوچھا کرتے۔" وہ پٹ بند کرچکی تھی اور میں ساکت کھڑا تھا۔

"معمول۔" میرا سر گھومنے لگا تھا۔ "کیا وہ روز جاتی تھی۔ مگر کہاں۔ دماغ جو کہہ رہا تھا وہ میں سمجھنا نہیں چاہتا تھا۔ محبت میں خیانت...... میرے بس کا روگ نہیں تھی۔ مجھے اس پر یقین تھا محبت بھروسہ مانگتی ہے نا۔"

"کہاں گئی تھی تم۔" دو گھنٹے بعد وہ لوٹی تھی۔ مجھے غیر متوقع دیکھ کر چونکی۔ اس کا رنگ بدلنے لگا تھا۔ وہ مسکراہٹ جو گھر تک آتے لبوں پر جمی تھی یک دم غائب ہوئی تھی۔

"تم......" وہ بدوقت مسکرائی تھی۔

"تم کب آئے؟" وہ خود کو سنبھال چکی تھی۔ بیگ سینٹرل ٹیبل پر رکھ کر وہ مڑی تھی۔ میں چیخ گیا تھا۔

"تم نے جواب نہیں دیا...... کہاں گئی تھی آخر۔" نہ چاہتے ہوئے بھی میرا لہجہ بلند ہوا تھا۔ وہ اسی قدر سکون سے گویا ہوئی تھی۔

"کام تھا۔"
"روز کام ہوتا ہے۔" اسے دھچکا لگا تھا۔ میری آگہی اس کے لیے غیر متوقع تھی۔ تاہم چند لمحے لگے تھے اسے سنبھلنے میں۔
"باجی پریگنینٹ ہیں نا...... ان سے ملنے جاتی ہوں۔ ڈیلیوری قریب ہے نا۔" صاف جھوٹ کی چغلی کھاتا لہجہ اس کی گہرے سیاہ مسکارے سے سجی آنکھیں اس کی شفاف چکنی رنگت مجھے یقین نہیں دلا پائی تھی۔ پتا نہیں آج کیوں میں اس کے حسن سے خائف نہیں ہوا تھا بس خوف زدہ ہوا تھا۔ مرد ہو یا عورت ملاوٹ کی بو کتنی جلدی سونگھ لیتے ہیں۔
"اور وہ مرد کون تھا؟" لمحہ بھر کو وہ پتھر ہوئی تھی پھر لڑکھڑاتے لہجے میں بولی تھی۔
"وہ میرا کزن تھا۔" اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے تھے۔ جھوٹی وضاحت شاید یونہی پسینہ چھوڑ دیتی ہے۔
"کون سا کزن۔"
"کیا ہو گیا ہے تمہیں وجیہہ...... شک کر رہے ہو مجھ پر...... بس اتنی ہی محبت تھی مجھ سے۔"
آہ یہ محبت کا حوالہ...... میں چپ کا چپ رہ گیا تھا۔
اگلے چند دن پہلے سے زیادہ دردناک تھے۔ نجانے کتنے آگاہی کے در وا ہوئے تھے مجھ پر۔ میں کانٹوں پر لوٹ گیا تھا۔ مجھے محلے کے بچے بچے سے اس کے قصے سننے کو ملے تھے۔ اف...... میں کتنا بے خبر تھا۔ پارسائی اور ملاوٹ کو سمجھ ہی نہیں پایا۔
آفس سے گھر...... گھر سے آفس۔ بیچ میں کیا تھا، وہ شیر ہو گئی تھی۔ بہانے بہانے سے جانے لگی تھی کبھی شاپنگ...... کبھی لنچ میں دور کھڑا بائیک سے اسے دیکھتا رہتا تھا۔ اس کا موبائل بھی بزی رہنے لگا تھا۔ اس کا رویہ اس کی آنکھیں اس کی زندگی۔ سب بدلنے لگی تھی اور میں خوف زدہ سا اپنے گھر کی چوکھٹ پر تاریک سائے اترتے دیکھتا رہتا تھا۔
مرد عورت کی ہر غلطی معاف کر دیتا ہے۔ بس گناہ معاف نہیں کرتا اور وہ عورت گناہ کی مرتکب ہوئی تھی۔ اس نے مجھے دھوکا دیا تھا میرے جذبات کو ٹھیس پہنچائی تھی اور

انا احب

السلام علیکم! میرا نام انا زاہد ہے۔ تخلص احب ہے اور اب گزشتہ پانچ سالوں سے انا شاہ مراد ہوں۔ 17 نومبر 1992 کو پیدا ہوئی۔ اسٹار عقرب ہے۔ خود سے وابستہ رشتوں کے بارے میں کافی پوزیسو ہوں۔ دو بیٹوں مضرب اور انا بیا کی مما ہوں۔ دونوں میری جان ہیں۔ دو نندیں اور تین دیور ہیں۔ باجی صبا کی شادی ہو چکی ہے اور طاہرہ ابھی چھوٹی ہے اور میری دوست بھی ہے۔ شیراز، شہباز اور شہروز، امی، ابو اور دادی یہ ہے میری فیملی۔ میری دو بہنیں اور تین بھائی ہیں۔ میری زندگی خوشیوں سے بھرپور ہے۔ ہر طرح سے مکمل۔ پہلے بہت کم گو اور اداس روح ہوا کرتی تھی مگر اب شاہ زاد نے مجھے بہت زیادہ باتونی بنا دیا ہے۔ بلیک اینڈ وائٹ کلر پسند ہیں۔ کھانے پینے کی بہت شوقین ہوں۔ بارش میں بھیگنا، سردیوں کی رات میں گھومنا اچھا لگتا ہے۔ خدا نے شاہ زاد کے روپ میں مجھے ہر موسم میں جینے کا سہارا دے دیا ہے۔ شاہ زاد میں آپ سے بہت پیار کرتی ہوں۔ بس ایک کمی ہے میری زندگی میں اور وہ یہ کہ میری مما اب ہمارے درمیان نہیں رہیں۔ ہمہ وقت میرے لیے دعا کرنے والے لب ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئے ہیں۔ معلوم نہیں میں اور میرے بہن بھائی ان کے بغیر کیسے زندہ رہیں گے۔ میرے پاپا سے ہمیں بہت پیار ہے خدا انہیں ہمیشہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے آمین۔
جاتے جاتے ایک شعر عرض کرو۔ میرا لکھا ہوا۔

باتوں باتوں میں تیرا ذکر چھیڑ دیتی ہوں
کہ تیرے ذکر بنا لفظ گفتگو نہ کریں
میں تیرے خواب کو پلکوں پہ اٹکنے بھی نہ دوں
کہ نین آنسوؤں سے جب تک وضو نہ کریں

پھر خوف کا اژدھا منہ پھاڑے مجھے نگلنے کو بے تاب تھا۔

"مجھے طلاق چاہئے وجیہہ......" کتنی آسانی سے کہا تھا اس نے۔ مجھے لگا کہ ٹرین کے پہیوں نے مجھے کچل ڈالا ہو۔ فضا میں ماتم چھایا تھا۔ میری محبت...... آنکھیں پھاڑے کھڑی تھی۔

"گلابو" میرے لب پھڑپھڑائے تھے۔ کیا نوبت یہاں تک آ گئی تھی۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر مجھے بولنے سے روکا تھا۔

"بس وجیہہ۔ مجھے کچھ نہیں سننا۔ بس طلاق چاہئے مجھے۔ اب میں تمہارے ساتھ اور نہیں چل سکتی۔ ان سالوں میں تم نے مجھے دیا ہی کیا ہے۔ بس خواب دکھائے ہیں۔ کوئی ایک خواب پورا کیا تم۔ پتا نہیں کتنے سال اور انتظار کرنا ہوگا۔ اتنا انتظار نہیں کر سکتی میں وجیہہ حسین احمد۔ جب میرے پاس خواب پورا کرنے کا ذریعہ ہے تو کیوں میں خود کو پابند کروں ان بے کار کی بیڑیوں کا...... تم مجھے طلاق دے دو۔ جتنی جلد ممکن ہو سکے۔ میں تمہارے گھر سے کچھ نہیں لے کر جانے والی۔" کتنا اکھڑ تھا اس کا لہجہ ایسی اجنبیت۔ میں نے کرب سے لب کچلے۔

"کچھ ہو تو لے کر جاؤں گی۔" استہزا اڑاتا لہجہ وہ مڑی اور میرے گھر سے نکلتی چلی گئی اور میری زندگی سے بھی۔ بس میرے دل سے نہ نکل سکی۔ محبت قابل فراموش نہیں ہوا کرتی نا۔ کاش لوگ محبت بھول پاتے۔ وہ جیسی آئی تھی ویسی گئی۔ خالی ہاتھ۔ مجھے اکیلا چھوڑ کے۔

اور میں یوں گرا تھا کہ پھر کبھی اٹھ ہی نہ سکا۔ اس کی ماں نے بہن نے اسے سمجھایا تھا مجھے بھی بلایا تھا تجدید وفا کا سبق پڑھا رہی تھیں وہ مجھے۔ وہ خاموش ساکت نظروں سے انہیں دیکھتا رہا تھا۔ وہ پُرامید نظریں مجھ پر جمائے بیٹھی تھیں۔ میں بولا تو لہجہ خالی خالی سا تھا۔

"نیتوں میں، لہجوں میں رشتوں میں کھوٹ آ جائے تو کبھی نہیں جاتی۔ پھر کھوٹا پن ساری عمر ساتھ چلتا ہے۔ آپ کی بیٹی کھوٹا سکہ ہے اور کھوٹا سکہ مارکیٹ میں کہیں نہیں چلتا۔" میں آنٹی کی آنکھوں کو جھلکتا محسوس کر چکا تھا۔

وہ مجھ سے بہت محبت کرتی تھیں ان کی محبت میری محبت کی طرح ہار گئی تھی۔

"عورت جب جانا چاہے تو اسے روکنا نہیں چاہئے کیونکہ کوئی بند اسے روک نہیں سکتا۔ جانا تو آخر اسے ہوتا ہی ہے۔ بہتر ہے اسے جانے دو کیونکہ جانے کا فیصلہ...... وہ ہر حد توڑ کر کرتی ہے۔ اور آپ کی بیٹی ہر حد توڑ چکی ہے۔" آنسو میرے دل پر گر رہے تھے میں بیٹھا نہیں تھا نکل آیا تھا وہاں سے۔ دل کا بوجھ بڑھا کے۔

میں نے اس عورت گلابو حیا اکبر کو جانے دیا تھا۔ اس میں حیا نہیں بچی تھی گویا کچھ نہیں بچا تھا۔ آزمائے ہوئے کو آزمانا بے کار تھا۔ میں نے کھوٹا سکہ پھینک دیا تھا جس کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ ڈیڈ تھا وہ مردہ بے کار۔

میں ساری جمع پونجی بیچ کر یہاں لندن چلا آیا۔ نئی زندگی کی تلاش میں لیکن انسان اپنا گزرا وقت نہیں بھلا سکتا اور...... اور محبت بھی تو تھی...... اب پتا نہیں، تھی بھی یا نہیں، تھی بھی تو ویسی نہیں جیسی سائرہ کو مجھ سے تھی۔ اتنی خالص اتنی مخلص۔ بغیر کسی ملن کی شرط کے۔ میں ایسی محبت کے قابل تھا ہی نہیں۔ میں گلابو جیسا مرد تھا۔ ظاہری پن دیکھنے والا۔ مجھے گلابو ہی ملنی تھی۔ میں جوہری نہیں تھا۔ میں وجیہہ حسین احمد ایک عام سا مرد تھا کھرے اور کھوٹے کو پرکھ ہی نہ سکا۔ رات ڈھل چکی تھی۔ بارش اب بھی برس رہی تھی۔ تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی اداس شاموں کی آخری امید ٹوٹ رہی تھی۔ ایسی ہی اداسی میرے اندر بھی اتر آئی تھی۔

صبح بہاراں

سلمیٰ غزل
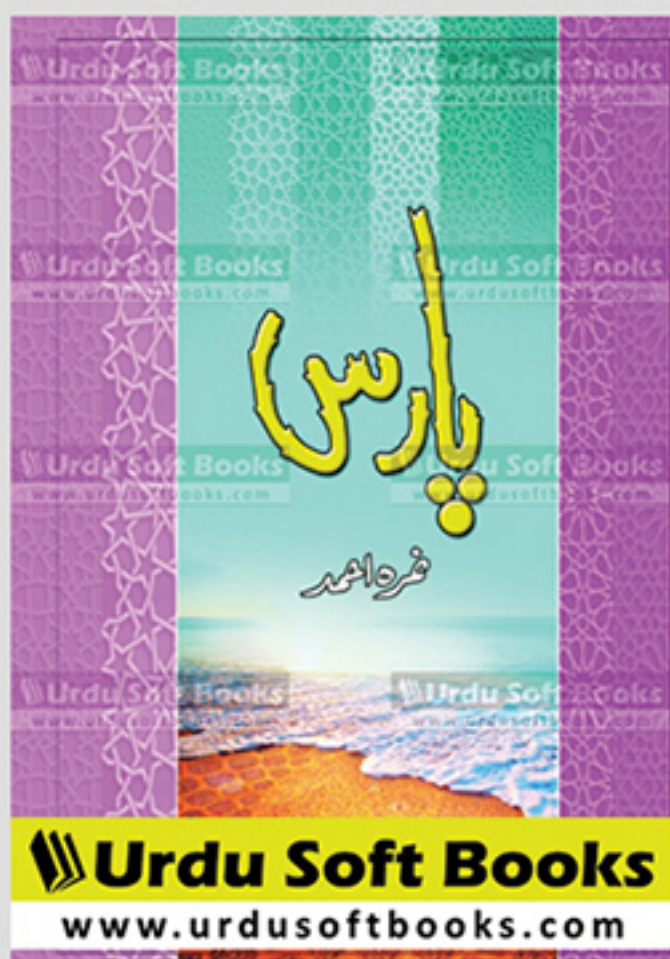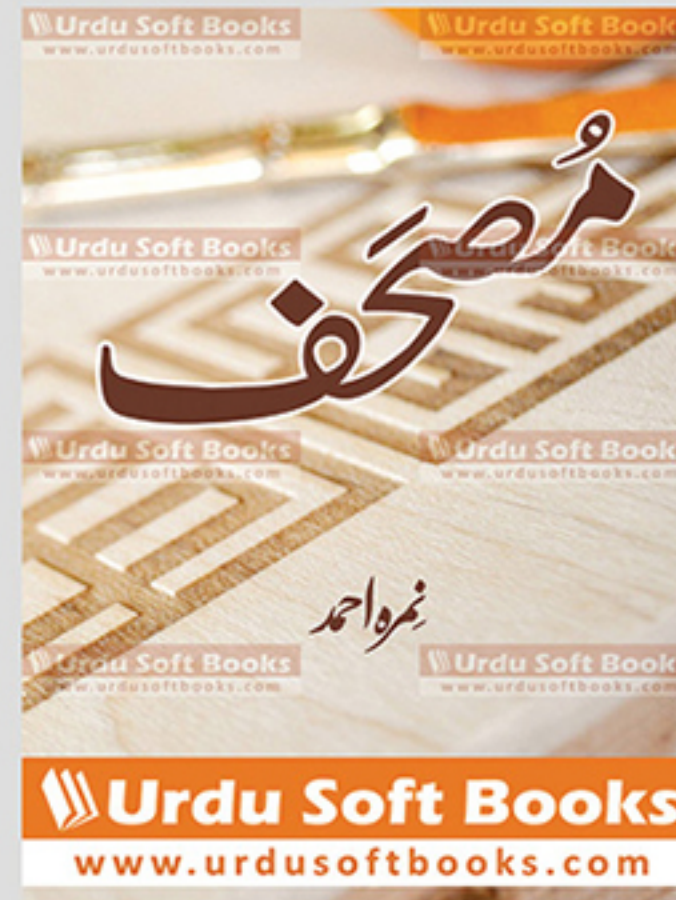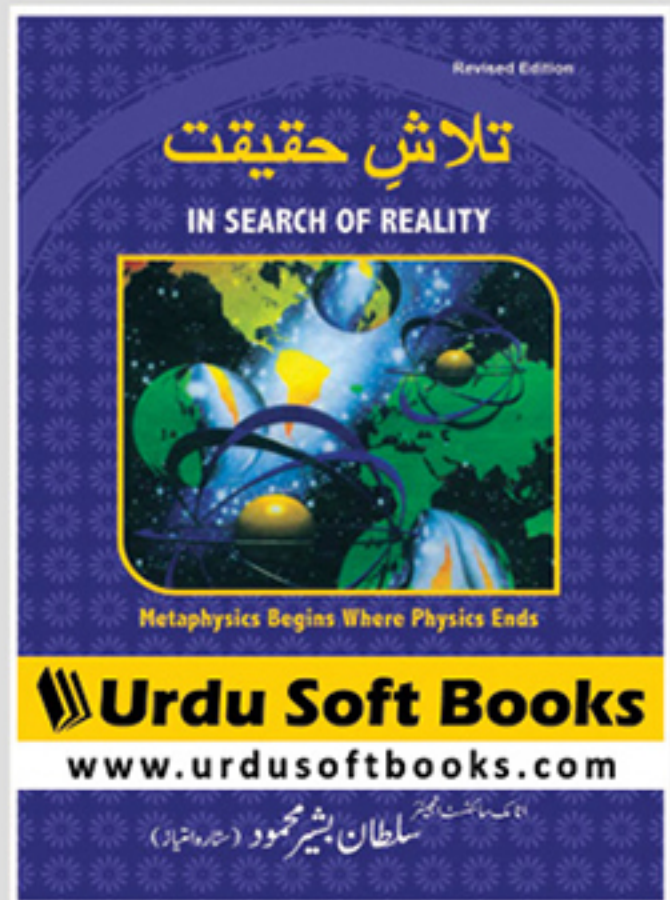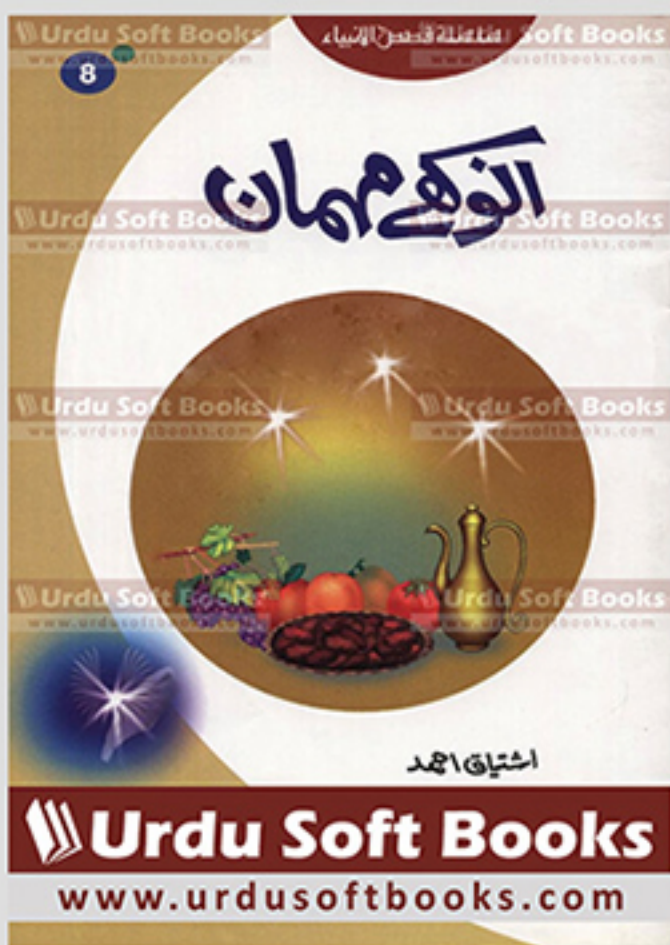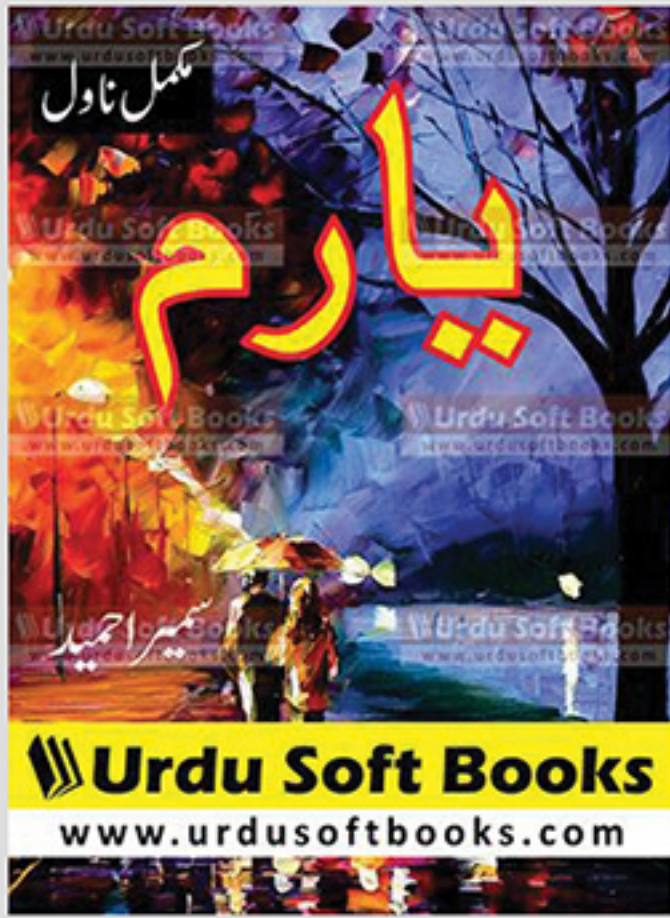
> جو خامشی کے نگر میں مقیم ہوتے ہیں
> وہی تو اصل میں روح کلیم ہوتے ہیں
> میں پوجتا ہوں پتنگوں کو اس لیے محسن
> کہ روشنی کے پیمبر عظیم ہوتے ہیں

"ہاؤ......" رامین نے کچن میں مصروف مناہل کو بری طرح ڈرایا۔

"توبہ ہے رامین، جب بھی آتی ہو زلزلے اور طوفان کی طرح...... کہاں غائب تھیں اتنے دن سے میں یاد کررہی تھی تمہیں۔" سلاد کے پتے پلیٹ میں سجاتے ہوئے اس نے استفسار کیا۔

"اسلام آباد گئی تھی پاپا کے ساتھ اچانک ہی پروگرام بن گیا ورنہ تمہیں ضرور بتاتی۔" وہ کھیرا منہ میں ڈالتے ہوئے بے پروائی سے بولی۔ "اچھا چھوڑو یہ بتاؤ، یہ اہتمام کس سلسلے میں ہورہا ہے؟" اس نے دیگچیوں میں جھانکا۔

"خالہ جان آرہی ہیں لندن سے۔" مناہل کی خوشی چہرے سے عیاں تھی۔

"اور طلحہ بھائی؟" رامین نے شوخی اور شرارت سے آنکھیں مٹکائیں اور مناہل نے شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں جواب دیا۔

"یاہو......!" رامین نے زوردار نعرہ بلند کیا۔ "اففف ہو...... رامین تم بھی نا بس۔" مناہل نے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ کر مصنوعی خفگی سے اسے گھورا۔

"کب آرہے ہیں؟"

"آج...... ابھی سب ایئرپورٹ لینے گئے ہیں۔"

"اور تمہیں چھوڑ گئے چولہا جھونکنے کے لیے، ہمیشہ گاؤدی کی گاؤدی رہنا۔" رامین کو غصہ آگیا۔

"میں نے خود ہی جانے سے انکار کردیا۔" مناہل نے اطمینان سے جواب دیا اور رامین نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پیٹ لیا۔

"دل چاہتا ہے اس سادگی اور بھولپن پر تمہیں جوتے لگاؤں۔ منگیتر وہ تمہارے اور تم 1857ء کی شرمیلی ہیروئن کی طرح نت نئے کھانے پکا کران کا انتظار کررہی ہو۔"

"دراصل امی، پنکی، عاقب، ثاقب اور پاپا گئے ہیں مجھ سے بھی اصرار کیا تھا مگر پنکی نے منع کردیا تھا کہ وہ میرے منگیتر ہیں میرا جانا ٹھیک نہیں کیا سوچیں گی خالہ جانی۔" مناہل نے شرماتے ہوئے سادگی سے کہا۔

"اف...... مناہل کبھی نہ سدھرنا ہمیشہ کنوئیں کی مینڈک بنی رہنا دنیا چاند پر پہنچ گئی اور تمہیں ابھی تک

شرمانے سے فرصت نہیں۔ احمق لڑکی کیا میں پنکی سے واقف نہیں کس طرح قدم قدم پر تمہاری کاٹ کرتی ہے تمہیں ذلیل کرنے اور تمہاری ہر پسندیدہ چیز ہتھیانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی اور تم ہو کہ اس کی ہر بات مان لیتی ہو۔" رامین سخت غصے میں تھی۔

"دیکھو رامین تم خوامخواہ بدگمان مت ہوا کرو میرے منگیتر سے پہلے وہ اس کے سگے خالہ زاد بھائی بھی تو ہیں۔" مناہل نے رسان سے سمجھایا۔

"خوامخواہ۔" رامین کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔ "میں پنکی کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ آفت کی پرکالا یا تو تم سمجھنا نہیں چاہتیں، تمہیں انسانوں کی پہچان نہیں یا پھر تم بنتی ہو۔"

"رامین......" مناہل نے شکایتی نگاہ ڈالی۔ "تم بھی۔" اس کی نگاہوں میں شکوہ تھا اور رامین شرمندہ ہوگئی۔

"سوری سوری مجھے معلوم ہے تم نبی بنائی ہو۔" اس نے کان پکڑ کر گھبرانے کی ایکٹنگ کی پھر سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

"دیکھو رامین تم اس حقیقت کو جتنی جلدی تسلیم کرلو کہ پنکی تمہاری سوتیلی بہن اور صادقہ آنٹی تمہاری سوتیلی ماں ہیں تو تمہارے حق میں بہتر رہے گا۔"

"ایسا نہ کہو رامین۔" مناہل تڑپ کر بولی۔ "خدارا رشتوں کو سگے سوتیلے خانوں میں نہ بانٹو میرے لیے وہ صرف ماں اور بہن ہیں اس کے علاوہ میں نے کبھی نہ سوچا نہ سمجھا تم مجھے رشتوں کی نئی پہچان کرا کے اس خوشی اور احساس سے محروم نہ کرو جس کے سہارے میں زندگی کے بھلے برے دن گزار رہی ہوں۔ اگر سوتیلے رشتوں کا احساس میرے دل میں جاں گزیں ہوگیا تو کیسے گزار پاؤں گی میں زندگی؟ اور کیسے خوش رہ سکوں گی۔" وہ کھوئے کھوئے انداز میں غیر مرئی نقطے پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔

"ماما پاپا کی شادی کے ۱۰ سال بعد میں جب بڑی آرزوؤں اور ارمانوں کے ساتھ دنیا میں آئی تو میری بدنصیب ماں میرا چہرہ دیکھے بغیر ہی اس دنیا سے رخصت ہوگئی۔ ماما پاپا دونوں کا ہی کوئی قریبی رشتہ دار نہیں تھا صرف میرے نانا نانی تھے جنہوں نے میری بڑے لاڈ پیار سے پرورش کی لیکن میری ماں جوان کی واحد اولاد تھیں ان کی وفات نے ان کو زیادہ عرصے زندہ نہیں رہنے دیا اور آگے پیچھے دونوں ہی مجھے چھوڑ کر دار فانی سے کوچ کر گئے پھر مجبوراً پاپا کو میری خاطر دوسری شادی کرنی پڑی۔ اس وقت میری عمر صرف پانچ سال تھی۔ خالہ جانی میری سگی خالہ نہیں بلکہ موجودہ امی کی بڑی بہن ہیں، مگر وہ میری ماما کی بیسٹ فرینڈ بھی تھیں اور انہوں نے ہی یہ شادی پاپا کی اپنی چھوٹی بہن سے کرائی تھی اصل کہانی تو مجھے اس وقت پتہ چلی جب دس سال پہلے خالہ جانی نے مجھے طلحہ کے نام کی انگوٹھی پہنائی اور اس وقت انہوں نے مجھے بتایا کہ میرے ماما پاپا کلاس فیلو ہونے کے علاوہ ایک دوسرے کو پسند بھی کرتے تھے اور یہ بات خالہ جانی کو معلوم تھی لیکن وہ اس حقیقت سے لاعلم تھیں کہ میری موجودہ امی بھی پاپا کو پسند کرتی ہیں جب انہیں علم ہوا تو بہت دیر ہوچکی تھی اور ماما پاپا کی شادی ہوگئی تھی ویسے بھی میں جانتی ہوں وہ کس قدر دوست پرور وضع دار اور انصاف پسند خاتون ہیں انہیں معلوم ہو بھی جاتا تو وہ ہرگز بھی اپنی بہن کو دوستی پر ترجیح نہ دیتیں مگر جب دوست ہی نہ رہی تو انہوں نے اپنی چھوٹی بہن کی محبت کو دوام بخشا اور پاپا سے شادی کرادی۔" مناہل کی آواز سرگوشیوں میں ڈھل گئی اور گلا رندھ گیا۔

"تم جانتی ہو رامین...... جب میں اس دنیا میں آئی تو سب نے مجھے قدرت کا شاہکار قرار دیا مگر میری قسمت حسین نہ تھی، میرے سامنے تنہائی کا ایک لق ودق صحرا تھا جہاں آبلہ پائی میرا مقدر، میں سمندر میں تنکے کی مانند تھی یا ایسی کشتی جس کا ناخدا نہ ہوں ماں تو مجھے تنہا چھوڑ کر منوں مٹی تلے جاسوئی مگر میں نے شعور آتے ہی اپنی خوشیوں، تمناؤں اور آرزوؤں کو الوداع کہہ دیا کیونکہ پیار سے محرومی میری قسمت میں لکھ دی گئی تھی اور تم کیا جانو پیار سے محرومی انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتی' ماں کے بغیر میں کس طرح

بے اماں ہوئی کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ اس لیے ہر قدم پھونک پھونک کر رکھا کہ کہیں کوئی یہ نہ کہہ دے ماں نہیں ہے اس لیے ایسی ہے۔" اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"محرومی کا شکار محبت کے دو بولوں کے لیے ترستی ہوئی بچپن سے اس کوشش میں رہی کہ سب کی ضرورت بن جاؤں سب کی توجہ اور محبت مجھے مل جائے پھر حالات بھی ایسے ہوگئے کہ مجھے اپنی ہر خواہش کا گلا گھونٹنا پڑا۔ شادی کے ایک سال بعد جب امی کے جڑواں بیٹے ہوئے تو قدرتی طور پر سب کی نگاہوں کا مرکز بن گئے کہاوت ہے کہ "ماں نہ ہو تو باپ بھی سوتیلا ہو جاتا ہے۔" میں یہ نہیں کہتی کہ پاپا نے مجھے کبھی پیار نہیں کیا مگر نرینہ اولاد نے انہیں مجھ سے دور ضرور کردیا۔ پھر رہی سہی کسر پری وش نے دنیا میں آکر پوری کردی اور گھر کی ذمہ داری خود بخود میرے کاندھوں پر آگئی۔ ویسے بھی تم نے دیکھا تو ہے کس قدر پیاری ہے پنکی اس لیے اسے کوئی پری وش نہیں کہتا گھر بھر کی لاڈلی تو ہے ہی مگر میری تو اس میں جان ہے۔" مناہل کی آنکھیں اشک بار تھیں اور پنکی کی محبت روم روم سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔

"ہاں دیکھے ہیں میں نے تمہاری یک طرفہ محبت کے نظارے۔" رامین جل کر بولی۔ "پڑوس میں رہنے کا ایک یہی تو فائدہ ہے کہ میں ہر بات سے واقف ہوں کہ کس طرح پنکی تمہیں تضحیک کا نشانہ بناتی ہے بچپن سے دیکھتی چلی آرہی ہوں کہ جو چیز تمہیں پسند آئی اس نے قبضہ جمالیا قبضہ گروپ کی طرح، جس چیز پر تم نے ہاتھ رکھا اس نے اچک لی، مجھے اچھی طرح یاد ہے میرے سامنے انکل تم دونوں کے لیے سوٹ پیس لائے تھے اور آنٹی نے یہ کہہ کر کہ "چھوٹی بہن ہے" پنکی کو پہلے سوٹ پسند کروایا، جب تم نے دوسرے سوٹ کو یہ کہہ کر رکھ لیا کہ "پاپا مجھے یہی پسند ہے۔" تو پنکی نے جھٹ اسے جھپٹ لیا کہ میں اب یہی لوں گی، انکل نے پنکی کو ڈانٹا بھی کہ تم اپنی پسند کا لے چکی ہو لیکن تم..... " وہ دانت پیستے ہوئے منہ بنا کر بولی۔ "معصوم فرشتہ، نیکی کا پیکر، ایثار و قربانی کا مجسمہ، جھٹ خوشی خوشی اپنا

پسند اس کے حوالے کردی اس وقت میرا دل چاہ رہا تھا جما کے ایک ہاتھ دوں تمہیں۔"

"اففف ہو...... رامین کس قدر بکواس کرتی ہو تم بہن ہے وہ میری اس نے پہنا میں نے پہنا ایک ہی بات ہے۔"

"یہ ایک بات نہیں ہے۔" رامین نے غصے سے کاؤنٹر پر ہاتھ مارا پھر چوٹ لگنے پر سی سی کرنے لگی اور مناہل کی ہنسی چھوٹ گئی۔ "بند کرو بتیسی کل کو وہ تمہارے منگیتر پر بھی قبضہ کرلے گی اور تم منہ دیکھتی رہ جانا۔"

"ہاں تو کیا ہوا؟" مناہل ضبط کے تمام مراحل طے کرتی ہوئی بے بسی سے مسکرائی۔ "میری کون سی ابھی طلحہ سے شادی ہوئی ہے یا عہد و پیماں ہوئے ہیں۔" ایک لمحے کو اس کا چہرہ متغیر ہوگیا دل کی ایک بیٹ مس ہوئی۔ جس کی محبت اس کی سنسان اور ویران زندگی میں تناور درخت بن چکی تھی جس کے بارے میں سوچ کر وہ جی اٹھتی تھی، مانو سوکھے دھانوں میں جان پڑگئی۔ اس سے دستبرداری کا تصور روحانی موت تھی اس کی، مگر وہ کمزور پڑنا نہیں چاہتی تھی اسے اپنی محبت کا بھرم رکھنا آتا تھا، اپنی انا اور خودداری بھی عزیز تھی، وہ بے پروا بن رہی تھی لیکن تھی نہیں۔

"دل تو کرتا ہے شکل نہ دیکھوں تمہاری۔ تم جانتی ہو مناہل......" رامین نے پیار سے اس کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے کہا۔ "میری کوئی بہن نہیں اور وہ کمی تم پوری کرتی ہو۔ اس لیے تمہیں سمجھانا اور آنے والے خطرات سے آگاہ کرنا اپنا فرض سمجھتی ہوں۔ حالانکہ میں جانتی ہوں تمہیں سمجھانا بھینس کے آگے بین بجانے کے مترادف ہے کیونکہ جو مجھے نظر آرہا ہے وہ تمہیں نظر نہیں آرہا مگر تمہیں سمجھانا عبث، الفاظ کا ضیاع مگر وقت خود ہی تمہیں بتادے گا کہ میں کتنا صحیح تھی۔ اچھا چھوڑو۔" اس نے موضوع بدلا۔

"تم نے کیا تیاری کی آخر منگنی کے بعد پہلی مرتبہ خالہ جان تمہارے منگیتر کے ساتھ آرہی ہیں۔"

"خالہ جانی کے لیے کمرہ سیٹ کردیا ہے اور زبردست قسم کا مینو۔" وہ فریج میں پیالا رکھتے ہوئے بولی۔

"اف احمق لڑکی...... دل کرتا ہے ایک جھانپڑ رسید کروں۔ میں نے تمہاری تیاری کے لیے پوچھا تھا بیوٹی پارلر گئیں؟ فیشل کرایا، تھریڈنگ، پیڈی کیور، مینی کیور۔"

"بس...... بس۔" مناہل کو ہنسی ضبط کرنا مشکل ہوگیا۔ "تم جانتی ہو مجھے اس کا شوق نہیں۔"

"آئینہ میں شکل دیکھی ہے سر جھاڑ منہ پہاڑ۔"

"اف اللہ رامین محاورہ تو صحیح بول لیا کرو۔" مناہل نے اس کی بات کاٹی اور اسی لمحے گاڑیوں کی آمد کے شور سے گفتگو کا سلسلہ منقطع ہوگیا اور وہ دونوں باہر کی طرف دوڑیں۔ مناہل دوڑ کر خالہ جان کی بانہوں میں سما گئی۔ نرم نرم، پُر شفقت بانہیں، جذبات کی گرمی، ماں کی سی مانوس خوشبو اس کا دل بھر آیا، جذبات بے قابو ہوکر آنکھوں کے راستے بہہ نکلے۔ خالہ جانی بھی آبدیدہ ہوگئیں۔

"اب بس بھی کرو، آپا یہ کون سا رونے کا وقت ہے۔" پنکی تنک کر بولی تو مناہل اس کے ٹوکنے پر شرمندہ سی ہوئی نظر اٹھائی تو طلحہ کی شوخ و شریر نظروں کو خود پر مرتکز پایا وہ جھینپ گئی۔

"سبحان اللہ!" طلحہ نے دلچسپی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بے ساختہ کہا۔ "خالہ امی یہ دونوں آپ کی ہی بیٹیاں ہیں۔" اس کی حیرت سراسر مصنوعی تھی۔

"پاگل، تو نہیں جانتا کیا؟" خالہ جانی ہنس پڑیں۔

"اور آپ کی تعریف۔" طلحہ اب رامین کی طرف گھوما۔

"تعریف اس خدا کی جس نے ہمیں بنایا۔" رامین نے شوخی سے ہوائی کالر جھاڑے۔ "ویسے مجھے رامین کہتے ہیں دوست ہوں مناہل کی۔"

"آپ دونوں پڑھتی ہیں؟" طلحہ نے پوچھا اور پنکی جھٹ سے بولی۔ "میں آئی بی اے سے بی بی اے کررہی ہوں۔" سب لوگ ڈرائنگ روم میں آچکے تھے۔

"میری بیٹی مناہل مقامی کالج میں انگلش کی لیکچرار ہے۔" ابو مناہل کو پیار سے دیکھتے ہوئے شفقت سے گویا ہوئے۔ "اصل میں بیٹا طلحہ میری یہ بیٹی بڑی صابر اور گنوں والی ہے بڑی قربانی دی ہے اس نے اس گھر کے لیے اپنی

خواہشات کو قربان کیا' جب انٹری ٹیسٹ میں کامیابی کے بعد میڈیکل کالج میں داخلہ کا وقت آیا تو پنکی کی امی تمہاری خالہ بیمار ہوگئیں اور یہ تینوں بہن بھائی اس وقت چھوٹے تھے اسکول گوئنگ' میرے اصرار کے باوجود اس نے میڈیکل کا ارادہ ترک کردیا اور Msc کرکے کمیشن کا امتحان پاس کیا اور کالج میں جاب کرلی۔" پاپا کے لہجے میں اس کے لیے فخر اور مان تھا۔

"پتہ نہیں کس نیکی کے صلے میں خدا نے مجھے اتنی نیک اور قابل فخر بیٹی عطا کی ہے ہیرا ہے ہیرا میری بیٹی۔" مناہل کو ہمیشہ پاپا کی بے اعتنائی کا شکوہ رہا لیکن آج اسے اندازہ ہوا پاپا اسے کس قدر چاہتے ہیں۔ احساس تشکر سے اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

"آخر بیٹی کس کی ہے۔" خالہ جانی نے اس کا ماتھا چوم لیا۔ "تمہیں یاد ہوگا مناہل کی ماں ہانیہ بھی ایسی ہی تھی۔" وہ خلاؤں میں گھورتے ہوئے کھو سی گئیں۔ "ہانیہ میری بیسٹ فرینڈ جس کی چال میں شہزادیوں جیسا وقار تھا' سب کے کام آنے والی' محبت کے خمیر سے گندھی ہوئی' بے حد خوش مزاج اور خوش اخلاق' مناہل بالکل اپنی ماں کا پرتو ہے۔" مناہل جھینپ گئی مگر خالہ جانی کے منہ سے مما کی تعریف اسے اچھی لگ رہی تھی۔

"خالہ جانی اتنی تعریف نہ کریں مناہل کی' دماغ خراب ہوجائے گا اس کا۔" رامین شوخی سے بولی مناہل کو یوں سب کے سامنے مرکز نگاہ بننا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اس لیے گھبرا کر بولی۔

"خالہ جانی آپ فریش ہوجائیں میں کھانا لگاتی ہوں۔"

❀......❀......❀

خالہ جانی اور طلحہ کے آنے سے مناہل کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہوگیا تھا پھر بھی صد شکر کہ کالج میں چھٹیاں تھیں اوپر کے کام کے لیے تو ماسی آتی تھی لیکن کھانا پکانے سے لے کر گھر کی ساری ذمہ داری اس کے کاندھوں پر تھی۔ اس کا دل چاہتا گھنٹوں خالہ جانی کے پاس بیٹھ کر مما کی باتیں کرے کرید کرید کر ان کے بارے میں پوچھے مگر سر کھجانے کی فرصت نہیں ملتی تھی۔ پنکی کا زیادہ تر وقت طلحہ کے ساتھ گزرتا تھا۔ دونوں جانے کہاں کہاں گھومتے رہتے تھے اور مناہل عجیب سی بے چینی کا شکار تھی وہ دن بدن زود رنج اور حساس ہوتی جارہی تھی بات بات پر اس کے آنسو نکل پڑتے اور روتے روتے ہچکیاں سی بندھ جاتیں' دل کی خلش بڑھتی جارہی تھی رات کی تنہائیوں میں اس کا تکیہ آنسوؤں سے بھیگ جاتا۔ نیند تو جیسے اس کی دشمن ہوگئی تھی یوں لگتا تھا جیسے وقت کے بے رحم ہاتھوں نے اسے شہر آلام میں دھکیل دیا ہو اور پھر اچانک بہار کے جھونکے کی طرح رامین کی آمد ہوگئی۔

"تم اتنے دن کہاں تھیں؟" مناہل نے بیقراری سے پوچھا اور چولہے کا برنر بند کردیا۔

"لگتا ہے چولہے کی رانی کے ساتھ کوئی مسئلہ ہوگیا ہے۔" رامین بھی اڑتی چڑیا کے پر گننے والوں میں سے تھی۔

"کچھ نہیں۔" مناہل نے نظریں چرالیں۔

"طلحہ بھائی سے کوئی رابطہ بات چیت.....؟" اچانک پنکی کی آمد سے بات ادھوری رہ گئی۔

"آپا دو کپ کافی میرے اور طلحہ کے لیے۔" اس نے دروازے سے ہی حکم صادر کیا۔

"بائی داوے تم خود کس مرض کی دوا ہو بنالو دیکھ نہیں رہیں مناہل کھانا پکارہی ہے۔" رامین نے کھیرا منہ میں ڈالتے ہوئے بے پروائی سے کہا اور پنکی کو مرچیں لگ گئیں۔

"تم کس خوشی میں ہمارے درمیان بول رہی ہو۔" وہ تنک مزاجی سے بولی۔ "تمہارا اپنے گھر میں دل نہیں لگتا؟ جب دیکھو منہ اٹھائے چلی آتی ہو۔"

"پنکی!" مناہل نے تنبیہہ کی۔

"بولنے دو بولنے دو میں برا نہیں مانتی۔" رامین نے اطمینان سے جواب دیا۔ "البتہ پنکی سے یہ ضرور پوچھوں گی کہ وہ طلحہ بھائی کا نام کس خوشی میں لیتی ہے جبکہ وہ پنکی

سے دس بارہ سال بڑے ہونے کے علاوہ مناہل کے منگیتر بھی ہیں؟"

"مجھے یہ سب پسند نہیں وہ میرے صرف دوست ہیں اور بس۔ میں کسی رشتے کو نہیں مانتی اور تم تو اپنی چونچ بند ہی رکھو رامین باجی۔" اس نے باجی پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "آئندہ میرے معاملے میں دخل اندازی مت کرنا مائنڈ اٹ میں لحاظ نہیں کروں گی۔" اس نے وارننگ دی اور تن فن کرتی کچن سے باہر نکل گئی۔

"مناہل مجھے آثار کچھ اچھے نظر نہیں آرہے۔" رامین کے لہجے میں تشویش تھی اب مناہل اسے کیا بتاتی کہ کس طرح پنکی اور طلحہ کی بے تکلفی دیکھ کر وہ انگاروں پر لوٹ رہی ہے اور اس کو لگ رہا ہے زندگی کی یہ پہلی اور آخری خوشی بھی اس سے چھن جائے گی۔

❁......❁......❁

شام میں موسم بڑا خوشگوار تھا مناہل رامین کے اصرار پر بڑی مشکل سے جانے کے لیے تیار ہوئی۔ پنک سوٹ پر گہری پنک کڑاھی اس پر خوب جچ رہی تھی۔ لمبے گھنے بالوں میں کیچر لگا کر اس نے انہیں کمر پر کھلا چھوڑ دیا جس نے پوری کمر کو ڈھک لیا۔ سادگی میں بھی وہ غضب ڈھا رہی تھی اس کی معصومیت اور بھولا پن چہرے سے عیاں تھا وہ کمرے سے باہر نکلی تو خالہ جان نے بڑھ کر پیشانی چوم لی۔

"کتنی پیاری لگ رہی ہے میری بیٹی ایسے ہی رہا کرو تم نے تو وقت سے پہلے خود پر بزرگی طاری کرلی ہے نہ شوخی، نہ شرارت، نہ چلبلا پن، ارے بیٹا یہی تو عمر ہے اوڑھنے پہننے کی۔"

"خالہ جانی آپا ۲۶ سال کی ہوگئی ہیں مجھ سے سات سال بڑی ہیں اب میرے جیسے کپڑے تو پہننے سے رہیں۔" بھلا پنکی سے اس کی تعریف کیسے برداشت ہوتی۔

"جل ککڑی۔" رامین نے دانت پیسے اور سب ہنسنے لگے پنکی کا منہ بن گیا۔

❁......❁......❁

اس دن بھی پنکی اور طلحہ کہیں گئے ہوئے تھے اتوار کا دن تھا ماسی کی چھٹی تھی اس لیے مناہل کو اضافی کام کرنا پڑ رہا تھا۔ خالہ جانی اس کی خاموشی کو نوٹ کررہی تھیں۔

"صادقہ یہ مناہل اتنی خاموش کیوں رہتی ہے۔ میں نے تو اسے کبھی ہنستے بولتے نہیں دیکھا۔" انہوں نے چھوٹی بہن سے استفسار کیا۔

"ارے آپا کیا بتاؤں یہ شروع سے ہی ایسی ہے۔ ہم ہم نے اسے آپ ہیں تمن حالانکہ میں نے نہ سوتیلی اولاد سمجھا نہ سوتیلی ماؤں والا سلوک کیا مگر وہ خود ہی سب سے الگ تھلگ رہنا پسند کرتی ہے۔" صادقہ صفائی سے دامن بچا گئیں اور خالہ جانی کچھ کہتے کہتے خاموش ہوگئیں۔ جوں ہی طلحہ اور پنکی نے گھر میں قدم رکھا، مناہل نے کھانا لگا کر سب کو آوازیں دینا شروع کردیں۔

"یہ تم سارا دن اکیلی کیوں لگی رہتی ہو پنکی کو بھی ساتھ لگایا کرو۔" انہوں نے مناہل کو کچن اور ڈائننگ روم کے درمیان دوڑتے دیکھ کر ٹوکا۔

"آپا آپ بھی حد کرتی ہیں، پنکی کہاں کرسکتی ہے یہ سب I.B.A کی پڑھائی اتنی مشکل ہے کہ اسے سر کھجانے کی فرصت نہیں ملتی۔" صادقہ نے فوراً پنکی کی سائیڈ لی۔

"ٹھیک کہا مما آپ نے، روزانہ بیوٹی پارلر جانا شام کو دو گھنٹے جم پھر دوستوں سے لیپ ٹاپ پر چیٹنگ آئی پیڈ کی مصروفیت گھنٹوں فون پر دوستوں سے باتیں، ہائے ہائے پنکی کی مصروفیات۔" جاذب نے شرارت سے کہا۔

"بکواس مت کرو ابھی پنکی نے سن لیا تو قیامت آجائے گی۔" صادقہ جھڑک کر بولیں۔

"مما آخر آپ پنکی سے اتنا ڈرتی کیوں ہیں؟" ثاقب سنجیدگی سے بولا۔

"ہم دونوں بھی تو اسی یونیورسٹی سے بی بی اے کررہے ہیں، مگر آپ نے بلاوجہ اس کے نخرے اٹھا کر اس کا دماغ خراب کردیا ہے ہل کر پانی نہیں پیتی۔" پھر وہ طلحہ کی طرف گھوم گیا۔ "سچ طلحہ بھائی اس گھر میں آپا کا وجود نہ ہو تو سمجھئے اللہ ہی حافظ ہے اس گھر کا۔ یعنی ہر دکھ کا درماں، ہر مرض کی دوا اور ہماری ہر بیماری کا علاج ہماری آپا ہیں، یہ اتنے مزے

مزے کے کھانے انہی کے مرہون منت ہیں۔" اس کے لہجے میں مناہل کے لیے عقیدت اور پیار ہی پیار تھا۔

"اچھا بس اب زیادہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے ابھی پاپا آگئے تو وہ بھی شروع ہوجائیں گے۔" صادقہ جل کر بولیں۔ پنکی کو آتا دیکھ کر انہوں نے بات بدلی کھانا بہت لذیذ تھا سب نے دل کھول کر تعریف کی' پنکی کا موڈ سخت خراب تھا صادقہ نے محبت سے اس کی پلیٹ میں ماش کی دال ڈالتے ہوئے خوشامدانہ انداز میں کہا۔ "بیٹا آپ کی پسندیدہ دال خود آج میں نے اپنے ہاتھوں سے پکائی ہے۔"

"مجھے نہیں کھانا۔" اس نے بے دردی سے ماں کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"بیٹا ماں نے تمہارے لیے اتنے پیار سے پکائی ہے تو اس کی خوشی کے لیے ایک دو لقمے لے لو۔" پاپا نے بھی پیار سے سمجھایا۔

"کیا مصیبت ہے سب پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ نہیں کھانا مجھے کہہ دیا ایک مرتبہ' کیا اپنی مرضی سے کھانا بھی نہیں کھا سکتی۔" اس نے غصے سے کرسی پیچھے دھکیلی اور میز سے اٹھ کر چلی گئی۔ صادقہ کھسیانی سی ہوگئیں۔

"لائیے امی میں کھالیتی ہوں۔" ان کی خفت مٹانے کو مناہل نے پلیٹ پکڑلی۔

"رہنے دو تمہیں تو ماش کی دال پسند ہی نہیں ہے۔" شرمندگی نے آواز کا کرارا پن ختم کردیا تھا۔

"تو کیا ہوا آپ نے اتنی محبت اور محنت سے پکائی ہے تو کھانا تو چاہیے نا ایک بیٹی نہ صحیح دوسری بیٹی صحیح۔" وہ ہنس کر بولی اور دال کھانے لگی۔

"یہ تماشے ہمارے یہاں روز ہوتے ہیں خالہ جانی' آپ آرام سے کھانا کھائیں' پنکی کی خودسری اور بدتمیزیوں کے ہم عادی ہیں' تھوڑے دن میں آپ بھی ہوجائیں گی۔" جاذب نے کھانا کھاتے ہوئے کہا۔

❁ .... ❁ .... ❁

گھر میں سناٹا تھا' موقع غنیمت جان کر خالہ جانی نے بات شروع کی۔

"ایک بات کہوں صادقہ برا تو نہیں مانو گی؟"

"لو آپا میں نے کبھی آپ کی بات کا برا مانا ہے ویسے بھی میں جانتی ہوں آپ ہمیشہ حق اور سچ کی بات کرتی ہیں۔" صادقہ نے ہنس کر جواب دیا۔

"یہ تو بتاؤ کیا واقعی پنکی سے تمہیں محبت ہے؟"

"اے لو یہ کیا کہہ دیا آپ نے آپا پنکی میں تو میری جان ہے۔" وہ تڑپ کر بولیں۔ "سب جانتے ہیں میں کس قدر اس کو چاہتی ہوں۔"

"لیکن سلوک تو تمہارا سوتیلی ماں جیسا ہے۔" خالہ جانی کے انکشاف نے صادقہ کے ہوش اڑادیئے۔

"آپا......!" انہوں نے احتجاجاً آواز بلند کی اور شکایت نظروں سے ان کی طرف دیکھنے لگیں۔

"دیکھو صادقہ اس میں برا ماننے والی کوئی بات نہیں ہے جو میں دیکھ رہی ہوں' جو محسوس کررہی ہوں وہی کہہ رہی ہوں' دونوں بچیوں کی تربیت دیکھ کر لگتا ہے پنکی سوتیلی اور مناہل سگی بیٹی ہے' ہرفن مولا' گنوں میں پوری' ہر کام میں طاق ایثار و قربانی کا پیکر' شرم وحیا کی دولت سے مالا مال' وضع دار خوش مزاج اور خوش اخلاق' کون سی خوبی ہے جو مناہل میں نہیں' بولو کیا کیا اس کی تعریف کے لیے الفاظ استعمال کروں اور پنکی جو میری سگی بھانجی ہے اور اولاد کی طرح عزیز بھی کسی ایک خوبی کی مالک ہو تو بتادو۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑرہا ہے کہ تمہارے لاڈ پیار نے پھول نہیں کانٹے بچھائے ہیں اس کی راہ میں' یہ ڈھنگ ہوتے ہیں لڑکیوں کے' یا وہ دنیا سے کوئی انوکھی لڑکی ہے جو یونیورسٹی میں پڑھ رہی ہے' اپنی ذات کے علاوہ وہ کب کسی کو گردانتی ہے' نہ بھائیوں سے محبت' نہ گھر کا خیال' ادھر آئی' ادھر گئی' کھایا پیا اور یہ جا وہ جا اس کے علاوہ کوئی ہے اس کی زندگی کا مقصد' سچ بتاؤ دو اس دن تمہیں بخار رہا کتنی اس نے تمہاری خدمت کی' ایک دو گھڑی تمہارے پاس ٹک کر بیٹھی۔ دوا کھالینا ممّا۔" یہ حکم صادر کیا اور نو دو گیارہ اور مناہل کو دیکھو نوکری اور گھر داری کے ساتھ تمہاری تیمارداری میں

اس نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ کبھی سر دبا رہی ہے کبھی دوا کھلا رہی ہے اور تمہارے لیے پرہیزی کھانا پکا رہی ہے شاباش ہے اس کے حوصلے اور ہمت کو۔"

"آپا پنکی ابھی بچی ہے سر پر پڑے گی تو خود ہی کر لے گی۔" صادقہ نے پنکی کا کمزور سا دفاع کیا۔

"بچی ہے؟" خالہ جانی حیرت سے اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ "لوٹھا کی لوٹھا ہوگئی اور تمہیں بچی لگتی ہے اس عمر میں تو بچیاں مائیں بھی بن جاتی ہیں۔ ۱۹ سال کی عمر کچھ کم نہیں ہوتی، سگے سوتیلے کے چکر میں مناہل ہیرا بن گئی۔" خالہ جانی نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"کبھی کبھی ماں باپ کا بے جا لاڈ پیار بھی راہیں کھوٹی کردیتا ہے بڑے بوڑھے یوں ہی تو نہیں کہتے تھے کہ کھلاؤ سونے کا نوالہ اور دیکھو شیر کی نگاہ سے۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ پنکی نے گھر کا کوئی کام کیا ہو۔ دوسرے گھر جاکر یہ کیا کرے گی، عادتیں پختہ ہوجائیں تو آسانی سے نہیں بدلتیں، یہ کڑوا سچ ہے۔ مگر میں کہنے پر مجبور ہوں۔" انہوں نے ٹھنڈی سانس بھری پھر گویا ہوئیں۔ "میں تو چند دن رہ کر چلی جاؤں گی مگر تم پچھتاؤ گی، میری بات یاد رکھنا۔"

خالہ جانی تو دل کا بوجھ ہلکا کرکے اٹھ گئیں مگر صادقہ کو تفکرات کی اتھاہ گہرائیوں میں چھوڑ گئیں۔ سوچ کے در وا ہوئے تو آئینہ میں اپنی شکل نظر آنے لگی جو کبھی غلط نہیں کہتا۔ ان کو اپنی شکل واضح نظر آرہی تھی۔

❁......❁......❁
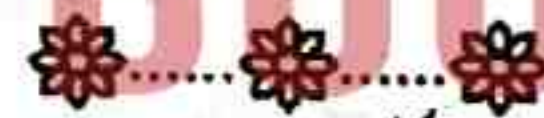
پنکی کی طلحہ سے بے تکلفی دن بدن بڑھتی جارہی تھی۔ مناہل کو طلحہ نے کوئی حسین خواب نہیں دکھائے تھے نہ پیار کی پگڈنڈی پر لے کر چلا تھا، مگر وہ اس دل کا کیا کرتی جو بچپن سے ہی اس کے نام کی مالا جپتا تھا۔ نرم احساسات نے جنم لیا تھا دل کے ہر گوشے سے مدھم مدھم آوازیں آتی رہتی تھیں۔ نیند اس کی دشمن ہوگئی تھی اور قسمت پر اسے اعتبار نہ تھا کیا تھا جو اس کی ماں زندہ رہ جاتی، دن بیتے جارہے تھے اور زندگی پر ایک جمود سا طاری ہوگیا تھا اس کی ذمہ داریوں میں اضافہ اس کی روح کو تھکا رہا تھا اور کالج بھی مکمل چکے تھے۔ وہ بہن کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دے سکتی تھی مگر دل بیقرار کو قرار نہ تھا۔ اس کی خزاں رسیدہ زندگی شکستگی کا شکار تھی کیف و طرب سے بیگانہ وہ جیتی ہوئی بازی خود ہار رہی تھی بغیر مقابلے کے بغیر سوچے سمجھے۔

❁......❁......❁

دور افق پر پھیلی سرخی اور گہری ہوچلی تھی اندھیرا روشنی کو نگل رہا تھا بلا مقصد اپنے کمرے میں ادھر ادھر جھانکتے ہوئے اسے کسی کی آہٹ کا گمان ہوا شام کے دھندلکے میں طلحہ کسی ہیولے کی مانند نظر آرہے تھے۔ وہ سینے پر ہاتھ باندھے نہ جانے کب سے کھڑے تھے۔

"بغیر اجازت اندر آنے پر معافی چاہتا ہوں۔" اس کی گھبراہٹ دیکھتے ہوئے انہوں نے معذرت کی۔

"کوئی بات نہیں، کوئی کام ہے آپ کو؟" مناہل نے گھبرا کر پوچھا۔

"کیوں کیا میں بغیر کسی کام کے آپ کے پاس نہیں آسکتا۔" طلحہ کے لہجے میں شوخی تھی۔

"میرا مطلب ہے پنکی تو یہاں نہیں ہے آپ اسی کی تلاش میں یہاں آئے ہوں گے۔" وہ ہکلا کر بولی۔

"میرے یہاں آنے سے پنکی کا کیا تعلق؟" طلحہ نے دلچسپی سے اس کے سراپا پر نظر ڈالی اور مناہل کنفیوز ہونے لگی، ان کے انداز، جذبے لٹاتی ہوئی نظریں، اسے حواس باختہ کررہی تھیں۔

"دیکھیے آپ کو جو بھی بات کرنی ہے صاف صاف کریں۔" مناہل اس آنکھ مچولی سے تنگ آچکی تھی۔

"کیا بات...... آپ وضاحت کریں گی؟" وہ شاید جان بوجھ کر انجان بن رہے تھے۔

"وہ میرا مطلب ہے......" مناہل کو کچھ کہنا مشکل ہوگیا یہ اس کی بدگمانیاں اور احساسات تھے مگر کیسے کہے اپنی انا عزیز تھی۔

"دیکھو مناہل رات تمہاری وجہ سے مجھے امی نے بہت ڈانٹا۔" طلحہ نے خود ہی بات شروع کرکے اس کی مشکل آسان کردی۔ "ان کا کہنا تھا کہ پنکی کے ساتھ میری بے

تکلفی تمہیں ناگوار گزرتی ہے اور تم زود رنج ہوجاتی ہو۔"

"یہ خالہ جانی نے کیسے سوچ لیا۔" وہ سلگ اٹھی اسے اپنے جذبات پر قابو پانے میں مشکل پیش آرہی تھی اور طلحہ کو مزہ آرہا تھا۔

"آفٹرآل آپ میری منگیتر ہیں آپ کو حق ہے۔"

"پنکی میری بہن ہے اور میں بخوشی اس حق سے دستبردار ہونے کو تیار ہوں۔"

"تم نہایت بے وقوف اور حد درجہ احمق ہو۔" طلحہ کو غصہ آگیا۔ "تم نے ایسا سوچ بھی کیسے لیا کہ میری زندگی کے بارے میں تم فیصلہ کروگی۔" طلحہ جھنجلا کر بولے۔

"اگر پنکی کی خوشی آپ ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

"واہ...... واہ مناہل واہ......" طلحہ نے زور سے تالیاں بجائیں۔ "کس قدر شوق ہے آپ کو اپنی تعریفیں کروانے کا' خود کو اتنا نیک پارسا اور دیالو نہ بنائیں کہ لوگ فرشتہ سمجھنے لگیں کیونکہ فرشتوں سے بہتر ہے انسان ہونا۔ آپ کی سخاوت اور دریا دلی کے ڈنکے بجیں یہی چاہتی ہیں نا آپ۔" وہ تلخی سے بولا۔

"آپ زیادتی کررہے ہیں میرے ساتھ۔ مذاق اڑا رہے ہیں میرے بے لوث جذبوں کا۔" مناہل کی آواز بھرا گئی۔

"زیادتی تو آپ خود اپنے ساتھ کررہی ہیں' اس لیے آپ کو آئینہ دکھانا ضروری ہے کیونکہ میرے خلوص اور محبت کی تو کوئی اہمیت ہی نہیں آپ کی نظروں میں' بچی سمجھ کر اس سے بے تکلف ہوگیا تو آپ غلط فہمی کا شکار ہوگئیں۔ اتنا کم ظرف' کم عقل' دل پھینک اور حسن پرست سمجھا ہے مجھے۔" طلحہ کے لہجے میں شکوہ تھا' شکایت تھی' پھر مناہل کو ہچکیوں' سسکیوں سے روتے دیکھ کر ان کا لہجہ خود بخود جذبات سے بھیگ گیا۔

"بیوقوف لڑکی کبھی عقل بھی استعمال کرلیا کرو' تم میرے لیے کیا ہوگیا یہ بتانا ضروری ہے۔ کچھ جذبے اظہار کے محتاج نہیں ہوتے' تمہیں مجھ پر نہیں تو اپنی محبت پر تو بھروسہ ہونا چاہیے۔" اتنے واضح اظہار پر مناہل جھینپ گئی چہرے پر نگاہوں کی تپش محسوس ہوئی تو گھبرا کر دزدیدہ نظروں سے دیکھا اور کچھ بولتی ہوئے شوخ و چنچل پیار کا امرت برساتی نظروں نے اسے نگاہیں جھکانے پر مجبور کردیا۔ دل سنبھالنا اور دھڑکنوں کو قابو کرنا مشکل ہوگیا' باہر نکلنا چاہا تو طلحہ کی باہیں راستے میں حائل ہوگئیں۔

"اب کہاں بھاگ رہی ہو پہلے تو بڑا بڑھ چڑھ کر بول رہی تھیں اب سٹی کیوں گم ہوگئی' آج تو موقع ملا ہے اپنے جذبات کے اظہار کا۔" وہ شرارت سے مسکرائے اور مناہل کا چہرہ شرم سے گلنار ہوگیا' طلحہ کے کھلے ڈھلے اظہار نے اسے دوڑنے پر مجبور کردیا۔ مناہل کو پہلی مرتبہ اپنے زندہ ہونے کا احساس ہوا طلحہ کے اظہار نے اسے سرتاپا بدل دیا تھا۔ وہ جی اٹھی تھی یہ پیار کا اعجاز تھا کہ پنکی کی تلخ باتیں' امی کا روکھا پن اور کام کا اژدھام اسے زود رنج نہ بناتا تھا اس کے انگ انگ سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی اور خود بخود بننے سنورنے کو دل چاہنے لگا تھا۔

❁......❁......❁

"یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں انقلاب زمانہ یا پھر کوئی حسین خواب۔" رامین کافی دن بعد گھر آئی تو آنکھیں پھاڑ پھاڑ مناہل کو دیکھنے لگی۔ "یا پھر طلحہ بھائی کی محبت کی جادوگری۔" اور مناہل کے سرخ چہرے اور شرمیلی مسکراہٹ نے راز دل عیاں کردیا۔

"چلو......!" وہ سر ہلا کر خوشی سے گویا ہوئی۔ "ہمارا کہا تو تم نے در خود اعتنا نہ جانا مگر طلحہ بھائی کی محبت نے تمہیں راہ راست دکھا ہی دی۔" جدید تراش خراش کے سوٹ اور ہلکے پھلکے میک اپ میں مناہل ہمیشہ سے زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی مگر اس کی نسوانیت اور مشرقیت اس جدت میں بھی نمایاں تھی۔ خالہ جانی نے کہہ دیا تھا کہ وہ پندرہ دن کے اندر اندر مناہل اور طلحہ کا نکاح کرکے کاغذات لندن لے جائیں گی اور پھر وہاں سے مناہل کا ویزہ بھجوادیں گی۔ کیونکہ طلحہ وہاں کا شہری تھا۔ پنکی کے دل میں جانے کیا تھا اور آج کل سرتاپا آگ ہی ہوئی تھی' گرجتی برستی اس کی

طنزیہ قہر برساتی نگاہیں مناہل کے دل میں چبھ سی جاتیں۔ اس کا دل سوکھے پتے کی طرح کانپنے لگتا کیونکہ اسے اپنی خوشیوں پر اعتبار نہ تھا۔ دونوں بھائی بے حد خوش تھے اور سارا دن اپنی آپا کا ریکارڈ لگائے رکھتے جس کا رامین بھرپور ساتھ دیتی۔

❁......❁......❁

بہار کا آغاز تھا ٹنڈ منڈ شاخوں نے سبز پیرہن سے اپنا تن ڈھانپ لیا تھا' سارے ماحول میں پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو رچ بس گئی تھی۔ فجر کی نماز کے بعد لان میں روزانہ ٹہلنا مناہل کا معمول تھا اس وقت بھی وہ خیالوں میں گم پھولوں کی مہک اپنے اندر اتار رہی تھی کہ اچانک اس کی نظر پنکی پر پڑی جو جانے کب سے خاموش کھڑی اس کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس کی نگاہوں میں جانے کیا تھا کہ وہ اندر تک کانپ گئی۔

"آؤ پنکی خیریت تو ہے تم اتنی صبح اٹھ گئیں؟" مناہل نے حیرت سے پوچھا۔

"میں تو ٹھیک ہوں تم اپنی سناؤ بہت خوش ہو......"

"شکر الحمدللہ میں تو ہمیشہ ہی خوش رہتی ہوں۔" مناہل نے اطمینان سے جواب دیا۔

"کسی خوش فہمی میں مت رہنا۔" پنکی کی برداشت نے جواب دے دیا۔ "طلحہ میرے ہیں اور میرے ہی رہیں گے' جانتی ہو بچپن سے جو چیز مجھے پسند آجائے وہ میں ہر قیمت پر حاصل کرکے رہتی ہوں۔"

"مگر پنکی طلحہ کوئی چیز نہیں جیتے جاگتے انسان ہیں اور یہ رشتہ بھی انہی کی مرضی سے ہو رہا ہے بہتر ہے تم یہ سب جا کر امی اور خالہ جانی کو بتاؤ لیکن اس معاملے میں مجھ سے کوئی توقع نہ رکھنا۔" مناہل نے بھی دوٹوک بات کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

"دیکھو آپا......" پنکی کا لہجہ خود بخود ملتجیانہ ہوگیا۔ "تم ہمیشہ دیالو رہی ہو کبھی مجھے مایوس نہیں کیا' بچپن سے تمہاری ہر پسندیدہ چیز پر میرا قبضہ رہا پھر آج اتنی خود غرض کیوں ہوگئی ہو بلندی سے پستی میں کیوں آگئی ہو تمہیں نہیں معلوم کہ میں طلحہ سے کس قدر محبت کرتی ہوں یا میری محبت تمہارے دل سے ختم ہوگئی ہے؟ بے شک وہ تمہارے منگیتر ہیں مگر کون سا تمہارے عشق میں پاگل ہیں یا تمہیں ان سے محبت ہے' مگر میں تو پور پور ان کے عشق میں ڈوب چکی ہوں' طلحہ میری چاہت' میری آرزو' میری تمنا ہیں' تم جانتی ہو میں نے کسی کے آگے جھکنا نہیں سیکھا مگر میں تم سے طلحہ کی محبت کی بھیک مانگتی ہوں پلیز آپا میرا پیار مجھے دے دو ورنہ میں مر جاؤں گی' میں جانتی ہوں پاپا نہیں مانیں گے' مگر تم خود انکار کرو گی تو وہ بھی راضی ہوجائیں گے' باقی سب کو میں منالوں گی' بس تم میرا ساتھ دو۔" پنکی نے باقاعدہ ہاتھ جوڑتے ہوئے مناہل کے سامنے رونا اور گڑگڑانا شروع کردیا یہ دیکھے بغیر کہ مناہل شعلوں کی زد میں ہے' سناٹوں نے دور دور تک بسیرا کرلیا تھا اور دل کی ویرانی حد سے سوا ہوگئی تھی۔ اس نے بڑھ کر پنکی کو گلے لگالیا۔

"تم بے فکر ہوجاؤ طلحہ تمہارے ہیں اور تمہارے ہی رہیں گے۔" یہ کہتے ہوئے جیسے مناہل خود سے بیگانہ ہوگئی۔

❁......❁......❁
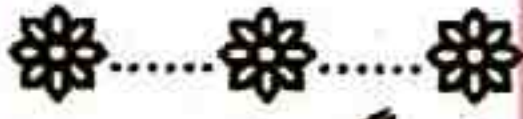
مناہل کے انکار نے گھر کے در و بام ہلا دیئے سب پوچھ کر تھک گئے مگر اس کی نا' ہاں میں نہیں بدلی' خالہ جانی کی التجائیں' بھائیوں کی خوشامد' پاپا کی خاموش شکایتیں اور رامین کی محبت بھری دھمکیاں اسے اپنے موقف سے ہٹانے میں ناکام رہے' البتہ پنکی بے حد خوش تھی اور صادقہ امی کی محبت اور عنایتیں جن کے لیے وہ ترسی ہوئی تھی برکھا رت کی طرح اس پر ٹوٹ کر برس رہی تھیں۔ مناہل نے کالج میں خود کو زیادہ ہی مصروف کرلیا تھا' امتحانی سینٹر میں صبح سے شام تک ڈیوٹی دے رہی تھی اور پھر شام کو گھر کے کاموں کے بعد تھک کر بستر پر لیٹتی تو انگ انگ دکھ رہا ہوتا' مگر نیند تو جیسے اس سے روٹھ گئی تھی' جوں جوں نکاح کے دن قریب آرہے تھے اس کا اضطراب بڑھتا جارہا تھا۔ اپنی خوشیوں سے دستبرداری کوئی آسان فیصلہ نہیں تھا مگر ماں کے پیار کے عوض یہ سودا مہنگا نہ تھا۔ طلحہ شہر سے باہر گئے

ہوئے تھے اور مناہل میں ان کا سامنا کرنے کی ہمت نہ تھی اس لیے ان کے آنے کی خبر سنتے ہی اس نے خود کو کمرے میں بند کرلیا۔

''یااللہ قسمت مجھے کس دوراہے پر لے آئی ہے ایک ایسی بند گلی جہاں نہ جانے کا راستہ نہ واپسی کی امید اللہ مجھے ہمت دے استقامت دے میرے پائے استقلال میں کوئی لغزش نہ آئے۔'' سوچوں نے اسے نڈھال کردیا تھا تب ہی بغیر دستک دیے آندھی اور طوفان کی طرح طلحہ کمرے میں داخل ہوئے۔

''کیا سوچ کر تم نے انکار کیا؟'' وہ غصے سے دھاڑے۔ ''میرے خوابوں کے جزیرے میں آگ لگا کر آپ یہاں آرام فرما رہی ہیں۔'' خود بخود ان کا لہجہ تلخ ہوگیا۔

''دیکھیں طلحہ.....'' اس نے کچھ کہنا چاہا۔

''بس.....'' طلحہ ہاتھ اٹھا کر غصے سے بولے۔ ''بہت ہوگیا مذاق تم اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہو کوئی اوتار کوئی دیوی یا پھر قربانی کا مجسمہ' کیا سوچ کر تم نے یہ فیصلہ کیا؟ کون ہوتی ہو تم انکار کرنے والی۔ بے شک اپنی زندگی کا فیصلہ کرنے کا تمہیں حق ہے لیکن میری زندگی کے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار تمہیں کس نے دیا؟'' وہ ڈپٹ کر بولے۔

''تم بھلے مجھ سے شادی نہ کرو لیکن پنکی سے شادی کرنا یا نہ کرنا یہ میری مرضی پر منحصر ہوتا ہے تم خدائی فوجدار ہو؟ تمہیں فرشتہ بننے کا شوق ہوگا مگر مجھے انسان رہنے دو۔''

''سنیں طلحہ'' وہ گڑگڑا کر بولی۔ ''اللہ شاہد ہے میں نے پوری زندگی اسی تگ ودو میں گزاری کہ سوتیلے کا لفظ مٹادوں۔ اس لفظ سے وابستہ تمام تلخ کہانیوں کو غلط ثابت کردوں' بے شک سوتیلی ماں نے محبت نہیں کی' بہن نے نہیں چاہا مگر ان کی بے رخی اور بے اعتنائی کے باوجود مجھے ان سے محبت ہے' میں ان کے لیے کچھ بھی کرسکتی ہوں۔ آپ جانتے ہیں طلحہ.....!'' اس کی آواز گلوگیر ہوگئی۔ آنسوؤں کی یلغار نے ہر چیز دھندلادی' پھر وہ ہمت مجتمع کرتے ہوئے گویا ہوئی۔

''مجھے کبھی محبت کی آسودگی نہ ملی' دو بول محبت کے لیے ترستی رہی' تڑپتی رہی اور اپنا آپ مٹاتی رہی کہ شاید کوئی میرے دامن میں محبت کی بھیک ڈال دے مگر کشکول سدا خالی رہا۔ مگر آج اس قربانی کی بدولت میرا دامن خوشیوں سے بھر گیا ہے' میں ماں اور بہن کے پیار میں بھیگ رہی ہوں' کوئی تشنگی' کوئی احساس زیاں نہیں۔'' اس کی آواز ڈوب گئی۔

''سبحان اللہ' کیا نادر خیالات ہیں یعنی اس ایک پیار کو پانے کے لیے آپ میری بے لوث محبت کو قربان کررہی ہیں؟''

''طلحہ پنکی آپ کے لیے پاگل ہورہی ہے' اگر آپ اسے نہیں ملے تو وہ مرجائے گی اور میں اسے دکھی نہیں دیکھ سکتی' آپ جانتے ہیں۔''

''میں تو اور بھی بہت کچھ جانتا ہوں کہ کوئی کسی کے لیے نہیں مرتا یہ اس کا بچپنا اور ضد ہے' بچپن سے وہ ہر چیز اپنا حق سمجھ کر وصول کرتی آئی ہے اس کو کسی نے یہ احساس ہی نہیں دلایا کہ اس کے بھی کچھ فرائض ہیں' وہ ہمیشہ اپنی خواہشات کی تکمیل دوسروں کے ارمانوں اور آرزوؤں کے مرقد پر کرتی رہی وہ بے حس' خود غرض اور مطلبی ہے' دیکھو مناہل......'' وہ پیار سے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے بولے۔ ''میں یہ نہیں کہتا کہ تم نہ ملیں تو میں گریباں چاک کرکے مجنوں کا جانشین بن کر جنگل کی راہ لوں گا لیکن تمہاری زندگی میں نہ رہا تو تمہاری زندگی میں باقی کچھ نہیں رہے گا میں تمہیں تم سے زیادہ جانتا ہوں' اپنی زندگی کی یہ واحد خوشی مت چھینو اور میری بھی زندگی کی اولین خوشی ہے اپنے ساتھ مجھے تو ویران مت کرو۔''

❀......❀......❀

دوسرے دن صبح جب مناہل بے دلی سے کالج جانے کے لیے تیار ہورہی تھی تو پنکی اس کے کمرے میں آ گئی وہ مضمحل اور خاموش سی لگ رہی تھی کھوئی کھوئی کچھ سوچتی ہوئی' اس نے آتے ہی مناہل کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

"آپا تم بہت بھولی، معصوم اور سیدھی ہو۔"

"یہ تمغہ کس خوشی میں لگایا جارہا ہے۔" مناہل زبردستی مسکرائی۔

"سچ میں دل سے کہہ رہی ہوں۔ تم نے سوچ بھی کیسے لیا کہ میں تمہاری خوشیوں پر شب خون ماروں گی یہ تو میری ایک دوست سے شرط لگی تھی اس کا کہنا تھا کہ سوتیلی بہن سوتیلی ہی ہوتی ہے اور میں تمہاری بے لوث محبت کی مثالیں دے رہی تھی بس پھر باتوں ہی باتوں میں شرط لگ گئی، طلحہ پر کہ میں تم سے کچھ بھی مانگوں گی تم انکار نہیں کروگی اور میں شرط جیت گئی طلحہ تمہارے ہیں اور تمہارے ہی رہیں گے مجھے ان سے کوئی عشق وشق نہیں۔"

"چنکی......!" مناہل کی آنکھیں صدمے سے پھٹ سی گئیں اور اس کا ہاتھ اس کے گال پر انگلیوں کے نشان چھوڑ گیا۔ "تم نے میرے پیار پر شک کیا، میرے پیار کی یہ قیمت لگائی۔ پوری زندگی میں نے تم سے امی سے اور اس گھر سے بے لوث محبت کی، کبھی سوتیلا نہیں سمجھا مگر دکھا دیا نا تم نے سوتیلا پن۔ یہ صلہ دیا تم نے مجھے، میری محبت میں کمی تھی یا میرا خلوص سچا نہ تھا اتنی بے مایاں اور حقیر تھی میں کہ تم نے اپنی دوست سے شرط لگالی وہ بھی ایک جیتے جاگتے انسان پر، انسانی جذبات واحساسات کی کوئی قیمت نہیں تمہاری نظر میں، مجھے تو خود پر شرم آرہی ہے کہ میں اتنی ارزاں اور بے مول ہوگئی، حقیر اور کمزور کہ تم میری محبت کو شرطوں کے ترازو میں تولو۔" مناہل پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"آپا جتنا چاہو مجھے مارو، کوسو، برا بھلا کہو میں اف نہیں کروں گی میں اسی سلوک کی مستحق ہوں مگر مجھے معاف کردو، ضمیر کی چبھن مجھے زندہ نہیں رہنے دے گی۔" وہ روتے ہوئے ایک مرتبہ پھر ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہوگئی، ندامت اور شرمندگی اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ مناہل نے بے اختیار اسے گلے لگالیا اور دونوں بہنیں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں اور چنکی سوچنے لگی۔

"آپا تم کیا جانو خود کو بہلانا اور خود سے جھوٹ بولنا کتنا مشکل ہے، شرط تو بہانہ ہے، ورنہ طلحہ کی محبت تو میری رگ رگ میں سما چکی ہے وہ تو امی اگر مجھے آئینہ نہیں دکھاتیں تو آج بھی میں اس خودغرضی کا شکار رہتی جو بچپن سے میرا شیوہ ہے اور امی بھی اگر اتفاقاً تمہاری اور طلحہ کی گفتگو نہ سن لیتیں تو ضمیر کی عدالت کبھی انہیں مجرم ثابت نہ کرتی، انہوں نے میری آنکھیں کھول دیں ورنہ ہم دونوں ساری زندگی خودغرضی کے اندھیروں میں گم رہتے۔"

"آپا اب فٹافٹ شادی کی تیاری کرلو کیونکہ اگلے ماہ میں امریکہ جارہی ہوں۔"

"لیکن کیوں؟" مناہل حیرت سے بولی۔

"تمہیں معلوم ہے B.B.A تو میں کرچکی ہوں میں نے M.B.A کے لیے اپلائی کیا تھا اور مجھے اگلے ماہ رپورٹ کرنی ہے۔"

"چنکی میری طرف دیکھ کر سچ سچ بتاؤ کیا واقعی تمہیں طلحہ سے محبت نہیں؟" مناہل مشکوک تھی۔

"پاگل ہو آپا" وہ نظریں چرائے ہوئے کھوکھلی ہنسی ہونٹوں پر لاتے ہوئے گویا ہوئی۔

"کہاں میں سیماب فطرت بے چین بوٹی، کہاں وہ سادگی اور اخلاق کا مرقع نہ بابا نہ ان کے لیے تو آپ جیسی شریک حیات ہی بہتر ہے۔" اس نے پیار سے مناہل کی ناک کھینچی اور تیزی سے باہر نکل گئی، مزید ٹھہرنا اس کے لیے مشکل تھا۔

خوشیوں نے ایک مرتبہ پھر مناہل کے دل پر قبضہ کرلیا تھا مگر اس دشمن جاں کو منانا بھی ایک مرحلہ تھا مگر مناہل کو یقین تھا بہاروں کی نوید اس کو زیادہ دیر ناراض نہیں رکھ سکتی تھی۔

❀

شب ہجر کی پہلی بارش

نازیہ کنول نازی

قسط نمبر 18

ساری بات تعلق کی ہے جذبوں کی سچائی تک
میل دلوں میں آجائے تو گھر ویرانے ہوجاتے ہیں
ہر ایک چیز بدل جاتی ہے عشق کا موسم آتے ہی
راتیں پاگل کردیتی ہیں دن دیوانے ہوجاتے ہیں

گزشتہ قسط کا خلاصہ

صمید حسن کے بلانے پر زاویار حسن وطن واپس آجاتا ہے سارا بیگم زاویار کی اچانک آمد پر حیران رہ جاتی ہیں اور اس سے جانے کی وجہ دریافت کرتی ہیں جس پر وہ کام کا بہانہ بنا کرٹال جاتا ہے تب سارا بیگم پرہیان کی لندن میں موجودگی کا بتا کر اسے حیرت میں ڈال دیتی ہیں ساتھ ہی پرہیان کی فون کال کا بھی بتاتی ہیں۔ سدید ڈوماری کی بلند وبالا چوٹیوں کے دامن میں پڑا زخموں سے چور چور ہوتا ہے اس وقت اس کا دل شدت کے ساتھ اپنی رجمنٹ میں پہنچنے کی خواہش کررہا ہوتا ہے۔ سارا صمید حسن سے زاویار اور مریہ رحمان کے متعلق پوچھتی ہیں جس پر صمید حسن چونک کر انہیں اسپتال میں موجود ہونے کا احساس دلاتے خاموش رہنے کا اشارہ دیتے ہیں لیکن سارا بیگم بضد رہتی ہیں صمید حسن زاویار کو کھونا نہیں چاہتے اس لیے وہ زاویار حسن کو مریہ رحمان سے بدظن کردیتے ہیں ان کی وضاحت سن کر سارا بیگم گہری سانس بھر کر رہ جاتی ہیں۔ دوسری طرف زاویار صمید حسن کا گھر پہ انتظار کرنے کے بعد آفس پہنچتا ہے تب صمید حسن اسے عائلہ سے نکاح کے لیے راضی کرتے ہیں یہ نکاح صرف دنیا کی نظر میں ہوتا ہے اور اس بات سے صرف صمید حسن اور زاویار واقف ہوتے ہیں۔ عمر عباس لندن میں مریہ رحمان سے کئی برسوں بعد ملنے آتا ہے اس وقت مریہ رحمان کو ایک مہربان دوست کی ضرورت ہوتی ہے لیکن پھر بھی وہ دل پر پتھر رکھتی عمر عباس کو لوٹا دیتی ہے جبکہ عمر عباس اس کے دکھ کی وجہ جاننا چاہتا ہے تب مریہ رحمان زاویار سے ملاقات کا بتاتی ہے۔ دوسری طرف آفس سے واپس پر درمکنون کی گاڑی خراب ہوجاتی ہے صیام پانی لینے کے لیے گاڑی سے اترتا ہے تب درمکنون بھی گاڑی سے اتر کر کھڑی ہوجاتی ہے تب ہی پستل کے زور پر دولٹرے اس سے گاڑی چھیننے کی کوشش کرتے ہیں اور ساتھ ہی درمکنون کو بھی ساتھ لے جانے کی کوشش کرتے ہیں، صیام یہ منظر دیکھ کر ان کی یہ کوشش ناکام بنادیتا ہے، تب ہی پستل سے گولی نکل کر صیام کے بازو کو چھو کر گزر جاتی ہے۔ دوسری طرف صمید' کرنل صاحب پرائیویٹ روم میں شفٹ ہونے کے بعد انہیں زاویار کا بتاتے ہیں ساتھ ہی زاویار اور عائلہ کے نکاح کا بھی کہتے ہیں، عائلہ کا نکاح بہت سادگی کے ساتھ زاویار سے ہوجاتا ہے عائلہ کے نا چاہنے کے باوجود اس کی رخصتی زاویار کے ساتھ ہوجاتی ہے۔ شہرزاد درمکنون پر صیام کی محبت کا انکشاف کرتی ہے درمکنون یہ سن کر ششدر رہ جاتی ہے کہ صیام اس سے محبت کرتا ہے دوسرے دن درمکنون صیام کے گھر جاتی ہے، جہاں اسے صیام کی بہن شگفتہ کا رشتہ طے ہونے کی خبر ملتی ہے۔ دوسری طرف زاویار عائلہ کو اپنے عتاب کا نشانہ بناتا ہے، جس پر عائلہ دکھ وصبر سے اس کی ہر بات برداشت کرتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

اداسی کچھ تو بولو ناں......

بھلا تم آج کیوں دل میں بنا دستک سمائی ہو

کسک بن کے......زخم بن کے

اداسی چارسو تم ہو

نجانے پھر بھی کیوں گم ہو

بھلا ڈھونڈوں کہاں تم کو

کسی اک سمت میں ہوتی تو تم کو ڈھونڈ ہی لیتی

تمہارے کان میں چپکے سے بس اتنا ہی کہہ دیتی

اداسی تم چلی جاؤ ابھی تو شام باقی ہے

اندھیرا شام کا چھا جائے تو

میری پلکوں پر سارے درد رکھ جانا

اداسی تم کہاں ہو میں کہاں ڈھونڈوں تمہیں بولو

مجھے لگتا ہے کہ تم دل کے بدلتے موسموں کے بیچ ٹھہری ہو

تبھی تو اتنی گہری ہو

❀......❀......❀
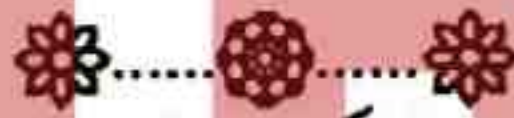
رات قطرہ قطرہ پگھل رہی تھی۔ سنگھار میز کے سامنے کسی بُت کی مانند کھڑی وہ یک ٹک اپنے حسین سراپے کو بغور تکے جارہی تھی۔ کتنا روپ آیا تھا اس پر دلہن بن کر، اگر سدید اسے اسی روپ میں دیکھتا تو اس کے کیا جذبات ہوتے؟

زاویار شاور لینے کے بعد سکون سے کمبل لے کر سو گیا تھا۔ عائلہ کی آنکھوں میں جیسے ساون کی جھڑی لگ گئی؟ اگر جو سدید ہوتا اور اسے خبر ہوتی کہ اس کی شادی زاویار صمید حسن کے ساتھ ہوئی ہے تو وہ کیا کرتا۔ کیا وہ یوں اتنی آسانی سے اسے اس شخص کی زندگی کا حصہ بننے دیتا' جس سے اسے شدید ترین نفرت تھی۔ جس کے ماتحت چند گھنٹوں کی جاب کرنا بھی اسے گوارہ نہیں تھا؟

آئینہ اس پر ہنس رہا تھا' عائلہ کا دل چاہا وہ اپنا چہرہ نوچ لے بھلا اتنا بھی ضبط کرتا ہوگا کوئی؟ شادی کے نام پر یوں ذلت کے ہار پہنتا ہوگا جیسے اس نے پہنا تھا۔ سسکیاں جیسے اس کے اندر گھٹ کر رہ گئی تھیں۔

نوچ نوچ کر سارا زیور اتارنے کے بعد اس نے ٹشو سے اپنا چہرہ بھی رگڑ ڈالا تھا۔ آئینے کو حق تھا کہ وہ اس پر ہنسے کیونکہ اس نے اپنی محبت جو گنوادی تھی۔ اچھی طرح چہرہ ٹشو سے رگڑنے کے بعد وہ کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح وہیں دیوار سے ٹیک لگا کر نیچے زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔ اس کی حالت اس وقت ایک ایسے بے بس پرندے کی مانند تھی جو اڑتا اڑتا دور کسی اجنبی ملک میں قید ہو جائے۔ کیسا امتحان تھا یہ تقدیر کا کہ وہ چاہنے کے باوجود خود کو ریزہ ریزہ ہو کر بکھرنے سے نہ بچا سکی تھی۔

❀......❀......❀

ہم جو ٹوٹے تو اس طرح ٹوٹے

جیسے ہاتھوں سے گر کر پتھر پہ

کوئی شفاف آئینہ ٹوٹے

جیسے پلکوں سے ٹوٹتا آنسو جیسے سینے میں اک کماں ٹوٹے
جیسے اَمن کی کرن کوئی برگ موسم میں ناگہاں ٹوٹے
جیسے آنکھوں میں خواب کی ڈوری وقت تکمیل سے ذرا پہلے
گردش وقت سے الجھ جائے
جیسے پہروں تلاطم میں رہ کے جیسے سر پر آسماں ٹوٹے
جیسے اک شاخ پر بھروسہ کیے اس پہ جتنے تھے آشیاں ٹوٹے
جیسے وحشت سے ہوش آ جائے
جیسے تا دیر میں دھیاں ٹوٹے
اب جو ریزہ ہوئے تو سوچتے ہیں
کس نے دیکھا ہے ٹوٹنا اپنا، ہم جو ٹوٹے تو رائیگاں ٹوٹے

بہت سالوں کے بعد اسے پہلی بار سدید کے بعد شدت سے اپنی ماں یاد آئی تھی۔ وہ بہت چھوٹی تھی جب اس نے اپنی ماں کو کھو دیا تھا، بے حد محبت کرنے والی، پیاری ماں کو...... اسے زیادہ یاد نہیں تھا مگر ماں کی ہلکی سی شبیہ اس کے حافظے میں موجود تھی۔ اس کے بابا بتایا کرتے تھے کہ وہ بہت شرارتی تھی۔ ایک منٹ کے لیے بھی اسے نچلا بیٹھنا نہیں آتا تھا، اکثر اس کی شرارتوں پر اس کے بابا کا پارہ ہائی ہو جاتا تو اس کی ماں لپک کر اسے اٹھا لیتی اور بابا سے دور لے جاتی۔

دن کے زیادہ گھنٹوں میں وہ اس کے ناز اٹھاتی اور اس کے منہ سے نکلی ہر فرمائش پوری کرتی۔ اگر جو کبھی بھولے سے بھی اس کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے تو وہ تڑپ اٹھتی تھی شاید وہ جان گئی تھی کہ اس کی ٹھنڈی چھاؤں سا وجود بہت زیادہ عرصے تک اس کی بیٹی کے سر پر نہیں رہے گا۔ عائلہ کو اپنی ماں کے سینے پر سر رکھ کر سونے کی عادت تھی اس کی ماں نے شدید بیماری کے دوران تکلیف میں بھی اس کی یہ عادت نہیں چھڑوائی تھی۔

گرمی کے سخت دنوں میں بھی وہ اپنی ماں کے بخار سے جلتے گرم وجود کے ساتھ لپٹ کر آرام سے سو جاتی تھی۔ ماں کی رحلت کے بعد جیسے کوئی اس کے ناز اٹھانے والا بھی نہ رہا، وہ بے سبب روتی رہتی مگر کوئی اسے پیار کر کے چپ نہیں کرواتا تھا۔ بابا کی اپنی مصروفیات اور صدمہ تھا۔ وقت جیسے جیسے آگے بڑھا، زندگی کی بساط پر بابا بھی تھک کر گر پڑے اور تب پہلی بار اس کی آنکھوں نے ایک نیا چہرہ دیکھا۔

کرنل شیر علی کا چہرہ...... جو اس کی ماں بھی بنے، بابا بھی اور دوست بھی بنے۔ عائلہ کے اندر سسک کر، گھٹ گھٹ کر روتے بچے کو جیسے قرار آ گیا۔ پہلی بار وہ اپنے گھر اپنے ملک کو چھوڑ کر آئی تو اسے ماں جیسی مشفق عورت مریرہ رحمان کی آغوش اور پیار ملا۔ سدید علوی جیسے حساس دوست کا ساتھ ملا، رفتہ رفتہ اسے ماں بھول گئی، ماضی بھول گیا۔ وہ آگے دیکھنے لگی، زندگی سے آگے دوڑنے لگی مگر...... وقت نے اسے اوندھے منہ گرا دیا۔

کچھ بھی نہیں رہا تھا اس کے دامن میں، کوئی ایک رشتہ تو دور، عزت نفس بھی نہیں رہی تھی۔ وہ جتنا روتی اپنے نصیب پر کم تھا۔

اگلے روز رات بھر جاگنے کے باوجود اس نے اپنی ذات کو تماشہ نہیں بننے دیا تھا۔ فریش ہو کر وہ یوں کمرے سے باہر آئی تھی جیسے اس کی زندگی کو کسی اذیت کا گرہن لگا ہی نہ ہو۔ صمید حسن نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا اور پھر بے ساختہ نگاہیں چرا لیں تھیں۔ ناشتے کے بعد وہ اسے ہسپتال لے گئے جتنے زاویار بے خبر سو یار ہا تھا۔

❀......❀......❀

اس روز وادی میں سترہ بچے اور پندرہ خواتین بھارتی فوج کی درندگی کا شکار بنی تھیں۔ مجاہدین کی تلاشی میں گھر گھر چھاپوں کے دوران انہوں نے متعدد خواتین کو اپنی ہوس کا نشانہ بنا کر غصہ ٹھنڈا کیا جبکہ توڑ پھوڑ اور مار پیٹ سے ہراساں بلکتے بچوں کے حلق میں بندوق کی گولیاں اتار دی گئی تھیں فاطمہ کا گھر بھی اسی قیامت کی زد میں آیا تھا۔
پوری وادی میں موت کا سا سناٹا تھا' کرفیو لگ چکا تھا مگر پھر بھی کشمیری متحرک تھے۔ عصمت دری کا شکار ہونے والی خوب صورت کشمیری خواتین اور ان کے لہو میں نہائے ہوئے بچے سڑکوں پر یوں پڑے تھے کہ فرعون کی فرعونیت کو بھی شرم آجائے مگر ساری دنیا میں جمہوریت کا راگ الاپنے والی بھارت سرکار کے سرکاری اہلکار اس وقت فرعونیت میں فرعون کو بھی مات دے چکے تھے۔
پاکستانی میڈیا نے اپنے فرائض سرانجام دیتے ہوئے جیسے مجبوراً اس خبر کو اپنے نیوز بلیٹن میں شامل کیا تھا مگر اس سے کشمیریوں کی تکلیف پر کوئی فرق پڑنے والا نہیں تھا۔ کسی بھی کشمیر سے بالاتر' دنیا سے انصاف کی قطعی امید نہ رکھتے ہوئے انہوں نے اپنا معاملہ پھر اللہ رب العزت کی عدالت میں پیش کردیا تھا۔ فاطمہ بنت اللہ یار کی آنکھوں سے جیسے لہو ٹپک رہا تھا کیونکہ اس روز کشمیر کی گلیوں میں بہنے والے لہو میں اس کی ماں بانو بیگم اور چھوٹی بہن عائشے کا خون بھی شامل تھا۔ فاطمہ اس روز بچ گئی تھی کیونکہ اس روز وہ اپنے گھر میں نہیں تھی' وہ اپنے چھوٹے بھائی طلحہ کو لے کر سیبوں کے باغات کی طرف گئی ہوئی تھی جہاں شبنم باجی کا گھر تھا۔ شبنم باجی ان کی دور کی رشتہ دار تھیں اور زندگی میں ہمیشہ ہر بُرے وقت میں انہوں نے اللہ یار کشمیری کے گھرانے کی مدد کی تھی۔ اب بھی ان کے شوہر ہی ان کے باغات کی دیکھ بھال کررہے تھے' فاطمہ مہینے میں ایک آدھ بار جب بھی پیسوں کی ضرورت ہوتی اُدھر کا چکر لگالیتی تھی۔
اس بار بھی اپنی بیمار ماں کے علاج کے لیے وہ پیسے لے کر گھر آئی تو جیسے اوندھے منہ گر پڑی۔ ٹوٹا ہوا دروازہ' گھر کے اندر بکھرا ہوا خون' کرچی کرچی برتن' بکھرے کپڑے اور بستر...... اسے لگا وہ جیسے کسی اور کے گھر آگئی ہے جہاں اس کی باعصمت ماں اور چھوٹی بہن خون میں لت پت پڑی تھیں۔
اس کا گھر تو ایسا نہیں تھا' طلحہ رو رہا تھا وہ چپ تھی۔ اس کی آنکھیں جیسے لہو پکار رہی تھیں' کیا قصور تھا ان کا؟ صرف آزادی کی خواہش...... مگر بدلے میں انہیں کیا دیا جاتا رہا تھا لہو اور درندگی۔ اس کا دل چاہا وہ اتنی زور سے چیخے کہ آسمان کانپ اٹھے' ٹکڑے ٹکڑے ہوکر زمین پر گر پڑے ساری دنیا فنا ہوجائے مگر...... وہ چپ تھی۔
اگلے کچھ لمحوں کے بعد اس نے طیب احمد کی رائفل لاکر طلحہ کے ہاتھوں میں تھمادی۔
''بس...... رونا نہیں ہے طلحہ...... بہت رولیے ہم' اب ہمیں ان غداروں کو یہاں سے نکالنا ہے۔ اپنی جنت سے نکالنا ہے' بےدخل کرنا ہے' جن کے جہنمی راجہ نے ہماری مرضی اور خواہش کے بغیر ان کے ساتھ ہماری جانوں کا سودا کیا تھا۔ دنیا میں بہت سی قوموں نے اپنے جلاد حکمرانوں کا قہر سہا ہے' ہم بھی سہہ لیں گے مگر اب روئیں گے نہیں رلائیں گے۔'' طلحہ کے آنسو پونچھتے ہوئے وہ بے حد مضبوط لہجے میں کہہ رہی تھی۔
لہو میں ڈوبی مقبوضہ کشمیر کی اداس وادی میں اس وقت ایک نیا سورج طلوع ہونے جارہا تھا۔

❀......❀......❀

مخملی بستر پر کروٹیں بدل بدل کر سارا بیگم نے آدھی رات آنکھوں میں کاٹ دی تھی مگر چین کسی صورت نہیں آرہا تھا۔ زاویار کی شادی عائلہ علوی کے ساتھ ہوجائے گی انہیں وہم و گمان تک نہیں تھا۔ جس لڑکی سے وہ خار کھاتا تھا' نفرت کرتا تھا' محض ذکر سے چڑتا تھا بھلا وہ اس کے ساتھ شادی کیسے کرسکتا تھا؟ آخر کن شرائط پر صمید حسن نے اسے راضی کیا ہوگا؟ وہ جتنا سوچتی تھیں اتنا ہی الجھتی جاتی تھیں جانے کیوں انہیں لگتا تھا جیسے عائلہ کی صورت مریرہ رحمان اس گھر میں واپس آگئی

ہو اور یہ بھلا وہ کیسے گوارہ کرسکتی تھیں؟ ایک عجیب سا خوف اور بے چینی انہیں ہراساں کیے ہوئے تھی۔
گزرے ہوئے وقت کے گڑھے مُردے ان کی سانسوں کو بوجھل کررہے تھے تبھی ان کے کانوں میں ان کی اپنی بیٹی پرہیان کے الفاظ بازگشت کی صورت گونجے تھے۔
"اللہ کا واسطہ ہے مما...... میرے سامنے ایسی اداکاری مت کیا کریں جیسے آپ کو کسی حقیقت سے آشنائی ہی نہیں۔ آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ میں کس حقیقت کی بات کررہی ہوں سالوں پہلے آپ نے دو محبت کرنے والے دلوں کے درمیان دراڑ پیدا کرکے ان کی زندگیوں میں زہر گھولا۔ ایک عورت ہوتے ہوئے بھی اپنے ہی جیسی ایک دوسری عورت کا گھر برباد کیا نہ صرف گھر برباد کیا بلکہ اس کے معصوم بچوں کو بھی تقسیم کردیا' ایک باپ کی محبت سے محروم ہوا تو دوسرا ماں کی کیوں؟ صرف اپنا گناہ چھپانے کے لیے' اپنی ناجائز اولاد کو ایک جائز نام دینے کے لیے۔" ایسا کس کرتماچہ مارا تھا ان کی اپنی بیٹی نے ان کے منہ پر کہ وہ بلبلا اٹھی تھیں مگر بپھری ہوئی ناگن کی طرح پھنکارتی ان کی بیٹی پر ان کی دھاڑ کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ ان کی دھاڑ کے جواب میں وہ بہت سفاکی سے بولی تھی۔
"چلائیں مت...... کیونکہ آپ کے چلانے سے حقیقت بدل نہیں جائے گی۔ آپ کا کردار بدل نہیں جائے گا' آپ نے وہ کیا ہے مما کہ آپ کو اپنی ماں کہتے ہوئے بھی شرم آرہی ہے ساری عمر اپنا گناہ چھپا کر جو اپنی ہی سگی اولاد سے جھوٹ بولتی رہی وہ میری ماں ہے جس کا کردار میرے لیے کسی گالی سے کم نہیں وہ میری ماں ہے۔ آج جس کے حوالے نے مجھ سے میری پانچ سالہ محبت چھین لی۔ وہ میری ماں ہے' نفرت محسوس ہورہی ہے مجھے آج آپ سے' خود اپنے آپ سے' یہ کس عذاب میں ڈال دیا ہے آپ نے مما کہ نہ جی پارہی ہوں نہ مررہی ہوں۔" وہ بہت اذیت میں تھی مگر سکون سے تو وہ بھی نہیں رہی تھیں اس کے چلے جانے کے بعد۔ آج تک عجیب سی گھٹن ہمہ وقت جیسے ان کا گلہ گھونٹتی رہتی تھی۔
انہوں نے اٹھ کر کھڑکی کے پٹ کھول دیئے' باہر لان میں زاویار کین کی چیئر سے ٹیک لگائے پلکیں موندے بیٹھا تھا۔ اس گھر کے مکینوں کے لیے سکون جیسے ناپید ہوگیا تھا۔ کیا ایسا ہوا تھا ماضی میں جس نے اس گھر کے در و دیوار پر ایک عجیب سی بے سکونی بکھیر کر رکھ دی تھی' وہ سب جانتی تھیں مگر یاد نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ زاویار کا لہجہ اب بھی ان کے دماغ میں سنسناہٹ بکھیر رہا تھا۔
"نہیں گھر سے تو میں ناراض ہوکر گیا تھا' میں سمجھتا تھا آپ دونوں نے مل کر میری مما کے ساتھ زیادتی کی ہے اسی لیے کتنے ہی دن تک میں اندر ہی اندر گیلی لکڑی کی مانند سلگتا رہا۔ میں نے سوچ لیا تھا میں پاپا کو اتنا مجبور کردوں گا کہ وہ آپ کو طلاق دے کر خود مما کو منا کر گھر لائیں گے مگر...... میں غلط تھا۔ حقیقت وہ نہیں تھی جو میں سمجھتا تھا بلکہ حقیقت وہ تھی جو پاپا نے مجھے بتائی۔" قدرت ان کا ساتھ دے رہی تھی۔
اگر جو صمید حسن اپنے بیٹے کے دل میں اس کی سگی ماں کے خلاف بدگمانی نہ ڈالتے تو قطعی بعید نہیں تھا کہ وہ ایسا ہی کرتا۔ ان کی سالوں کی ریاضت اور محبت اس کی سگی ماں کے آنسوؤں کے سامنے کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔
جب ان کی سگی بیٹی ان کے ناکردہ گناہ کو وجہ بنا کر ان سے دور جاسکتی تھی تو پھر وہ تو مریرہ رحمان کا بیٹا تھا اس مریرہ رحمان کا جس کی وہ مقروض تھیں۔ کیک بن کر جو اُن کے ضمیر کے ساتھ چمٹ کے بیٹھ گئی تھی۔ جس کی خاموشی اور قربانی نے ان کے اندر کی مفاد پرست عورت کو لہولہان کردیا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھیں زاویار کو کبھی بھی ان کی سچائی پتا چلے۔
ماضی کا وہ ایک باب جو سوائے اللہ اور ان کے کوئی نہیں جانتا تھا کبھی اس کی حقیقت زاویار یا صمید حسن کے سامنے آئے وہ نہیں چاہتی تھیں۔ جانے کیوں انہیں لگتا تھا جیسے عائلہ علوی اگر اس گھر میں مستقل رہی تو کبھی نہ کبھی ان کی حقیقت ضرور سب پر کھل جائے گی اور اگر ایسا ہوگیا تو اس بڑھاپے میں وہ کہاں جائیں گی ان کا تو کوئی اور ٹھکانہ ہی نہیں

تھا۔ مریرہ رحمان کے بعد اس گھر سے عائلہ جلوی کا نکل جانا بھی ضروری تھا وہ کھڑکی کے پٹ بند کرکے سوچوں کے بگولے میں گھر گئی تھیں۔

❀ ❀ ❀

اگلی صبح بے حد روشن تھی۔ زاویار ناشتے کی میز پر آیا تو عائلہ کو وہاں پہلے سے موجود دیکھ کر اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ رات وہ اس کے کمرے میں نہیں تھی، جانے کہاں سوئی تھی۔ جہاں بھی سوئی تھی زاویار کو جاننے میں قطعی دلچسپی نہیں تھی اس کے لیے یہی کافی تھا کہ وہ ایک رات کے لیے ہی سہی اس کے سامنے نہیں آئی تھی اور وہ سکون سے سویا تھا۔ صمید حسن عائلہ سے کچھ ڈسکس کررہے تھے زاویار کو دیکھ کر مسکرائے۔

''السلام علیکم برخودار...... صبح بخیر۔''

''وعلیکم السلام...... صبح بخیر پاپا۔'' کرسی گھسیٹ کر وہ ان کے مقابل ٹک گیا تھا تبھی صمید صاحب بولے۔

''آج سے عائلہ تمہارے ساتھ آفس جائے گی۔''

''کیوں؟'' چائے کی کیتلی سے کپ میں چائے انڈیلتے ہوئے ایک لمحے کے لیے اس کا ہاتھ رکا تھا، عائلہ خاموشی سے سر جھکائے لاتعلق سی بنی بیٹھی رہی۔

''کیونکہ اب یہ تمہاری ذمہ داری ہے۔''

''ذمہ داری نہیں پاپا...... صرف بیوی ہے وہ بھی کاغذوں کی حد تک، مجھے نہ پہلے اس کے وجود میں کوئی دلچسپی تھی نہ ہی اب ہے، بہتر ہوگا اگر آپ دوبارہ مجھ سے ایسی کوئی امید نہ رکھیں پلیز۔'' وہ بدلحاظ نہیں تھا مگر منہ پھٹ ضرور تھا۔ صمید صاحب کا چہرہ اس اہانت پر سرخ ہوگیا تھا جبکہ عائلہ سکون سے سر جھکائے ناشتا کرتی رہی۔

''تم واقعی اس کے لائق نہیں ہو زاویار...... مجھ سے غلطی ہوئی جو تم سے اچھے کی امید لگا بیٹھا۔'' وہ عائلہ سے شرمندہ تھے۔

زاویار نے مطلق پروا نہیں کی، قطعی بے نیازی کے ساتھ وہ اب توس پر جیم لگا رہا تھا۔ سارہ بیگم کے اندر جیسے سکون کی لہر اتر گئی مگر وہ خاموش رہی تھیں۔ فی الوقت صمید حسین کے ارادوں کو متزلزل کرنے کے لیے زاویار صمید ہی کافی تھا۔

❀ ❀ ❀

وہ کمپیوٹر پر نئے پروجیکٹ کی تیاری میں مصروف تھا جب عائلہ ہلکی سی دستک کے بعد اس کے کمرے میں چلی آئی۔

''ایکسکیوز می...... مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔'' اس کا لہجہ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ تھا۔ زاویار چونک کر قدرے حیرانی سے اسے دیکھنے لگا۔

''جی فرمائیے۔'' خشک لہجے میں کہتے ہوئے اس نے کمپیوٹر پر پھر سے نگاہیں جمادی تھیں۔ عائلہ بناء کچھ بھی محسوس کیے اس کے مقابل دھری کرسی پر بیٹھ گئی۔

''میں جانتی ہوں آپ میرے وجود سے الرجک ہیں، وجہ شاید میرے اور آپ کے درمیان جو دولت کا فرق ہے وہی ہے بہرحال آپ سے شادی سے پہلے اور آپ سے شادی کے بعد میرے دل میں بھی آپ کے لیے ایک رتی برابر کوئی جگہ نہیں ہے میرے سامنے اگر دو پرپوزل رکھے جاتے ہیں جن میں سے ایک آپ کا ہوتا اور دوسرا کسی بھکاری کا تو میں لازماً آپ کے پرپوزل پر اس بھکاری کے پرپوزل کو ترجیح دیتی مگر بدقسمتی سے آپ کی طرح میرے سامنے بھی کوئی راستہ نہیں تھا۔ پنجرے میں قید چڑیا کی طرح، میں بھی اپنے بابا کی خواہش پر قربان ہوئی، بہت چاہا تھا میں نے کہ کہیں بھاگ جاؤں مگر بابا کی حالت ان کی عمر بھر کی ریاضت، محبت اور تربیت میرے پاؤں کی زنجیر بن گئی۔ کوئی جس طرح اپنی موت

کے پروانے پر دستخط کرتا ہے میں نے آپ کے ساتھ اپنے نکاح نامے پر دستخط ایسے ہی کیے۔‘‘ زاویار مکمل توجہ سے سن رہا تھا اور وہ سنا رہی تھی۔

’’میرے نزدیک آپ کی چارمنگ پرسنالٹی‘ آپ کی دولت و جائیداد کوڑے کے ڈھیر جتنی اہمیت بھی نہیں رکھتیں کیونکہ میں نے اپنی زندگی میں ان چیزوں کو اہمیت دی ہی نہیں لہٰذا پہلے تو آپ اپنی یہ غلط فہمی دور کرلیں کہ میں نے آپ کے گھر میں ملکہ بننے کے لیے اپنے بابا کے تھرو آپ کے والد صاحب کو بلیک میل کیا ہوگا۔ نمبر دو میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے آپ بار بار اپنے مہربان باپ کا دل دکھائیں وہ جتنے بھی قصوروار سہی بہرحال آپ سے بہت محبت کرتے ہیں شاید اپنے آپ سے بھی زیادہ......‘‘ بولتے بولتے اس نے ایک لمحے کے لیے رک کر اپنا سانس درست کیا۔

زاویار خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ عائلہ نے اپنا پرس جو وہ ساتھ لے کر آئی تھی کھولا اور اس میں سے ایک تصویر نکال کر زاویار کے سامنے میز پر رکھ دی۔

’’یہ میرے فیانسی کی تصویر ہے‘ سدید علوی نام تھا اس کا ابھی کچھ روز پہلے وطن عزیز کی عظمت کے لیے جان قربان کی ہے اس نے۔ اسی کی جدائی نے میرے بابا کو اس حال تک پہنچایا ہے۔ اسی کے غم سے نکالنے کے لیے میرے بابا نے میرے نصیب کا فیصلہ آپ کے نام کے ساتھ جوڑا مگر میں آپ کو بتادوں سر...... میرے دل میں اس شخص کے سوا دوسرا کوئی شخص خواہ وہ کتنا ہی تیس مارخان کیوں نہ ہو‘ کبھی آباد نہیں ہوسکتا۔ میری ہر سانس کے ساتھ اس شخص کی محبت اور یادیں جڑی ہیں لہٰذا آپ کی ذات‘ آپ کا نام‘ آپ کا گھر اور آپ کا بیڈروم میرے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ امید ہے آئندہ آپ مجھ سے جڑے رشتے پر فضول کے وہم پال کر چراغ پا نہیں ہوں گے۔‘‘ اپنی بات مکمل کرنے کے بعد وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

زاویار کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے اسے مضحکہ خیز نگاہوں سے دیکھتا رہا‘ جیسے یہ ساری باتیں اس کے لیے محض ایک فضول تقریر سے زیادہ کوئی اہمیت نہ رکھتی ہوں۔ عائلہ کمرے سے نکلی تو اس نے اپنے سامنے میز پر پڑی ہر شے اٹھا کر فرش پر دے ماری تھی۔ مریہ رحمان اور اس کی بھتیجی کے چلن میں کوئی فرق نہیں تھا‘ اس کی نظر میں دونوں بدچلن‘ بدکردار تھیں۔ برسوں پہلے مریہ رحمان نے اپنے عاشق کے لیے اس کے جان سے پیارے پاپا کو چھوڑ دیا تھا اور آج اس کی بھتیجی اپنے عشق کی داستان سنا گئی تھی۔ اس کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ اس جرأت پر تھپڑوں سے اس کا منہ سرخ کردیتا۔

پتا نہیں یہ لڑکی اپنے آپ کو توپ چیز کیوں سمجھتی ہے؟ غصے سے اس کا دماغ جھنجھلایا تو اس نے انٹرکام بجا کر عائلہ کو طلب کرلیا۔ وہ جو دل کی بھڑاس نکال کر اب بچوں کی طرح زاروقطار آنسو بہا رہی تھی۔ اس اچانک بلاوے پر قدرے متوحش سی آنسو پوچھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس بار اس نے زاویار کے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے ناک کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ اندر کمرے کا حال اسے بہت کچھ سمجھا گیا تھا مگر پھر بھی اس نے حوصلے سے کام کیا۔

’’جی فرمائیے۔‘‘ زاویار کے سامنے کھڑی ہوکر اس نے خاصی بے باکی سے پوچھا تھا جواباً وہ سرد لہجے میں بولا۔

’’ابھی جو بکواس تم مجھے بلا تکان سنا کر گئی ہو اس کا مقصد؟‘‘

’’کافی سارے مقصد تھے اس بکواس کے جن میں سے ایک اہم مقصد یہ تھا کہ آپ کو اپنی ذات کے بارے میں جو ڈھیر ساری خوش فہمیاں لاحق ہیں ان کو دور کیا جائے۔ دوسرا مقصد آپ مجھ جیسی غیر دلچسپ سی بے ضرر لڑکی کے لیے اپنے گھر والوں کو تکلیف مت دیں۔‘‘

’’تمہیں کیا لگتا ہے مجھ پر تمہاری بکواس کا اثر ہوگا؟‘‘ وہ شخص آپ سے تم پر آگیا تھا۔ عائلہ کے لبوں پر پھیکی سی مسکان بکھر گئی۔

’’ضروری نہیں۔‘‘

’’ایک بات تم اچھی طرح اپنے دماغ میں بٹھالو عائلہ علوی...... جب تک تم میرے نکاح میں ہو میں کسی صورت برداشت نہیں کروں گا کہ تم اونچی آواز میں مجھ سے بات بھی کرو جہاں تک میرا اور میرے ڈیڈ کا معاملہ ہے تو یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے تمہاری اتنی اوقات نہیں ہے کہ تم عظمت کے جھنڈے گاڑ کر مجھے نصیحتیں کرتی پھرو آئی سمجھ ناؤ گیٹ لاسٹ فرام ہیئر۔‘‘ جتنا ذلت آمیز وہ اپنے لہجے کو کرسکتا تھا اس نے کیا۔

عائلہ کی آنکھیں چند لمحوں میں نمکین پانیوں سے بھر آئیں' ضبط کے کئی مراحل سے گزرتی وہ پلٹی اور پھر تیز قدموں سے چلتی اس کے آفس کی عمارت سے باہر نکلتی چلی گئی۔

❀......❀......❀

اس روز موسم قدرے خوشگوار تھا۔ سارا بیگم لان میں کچھ نئے پودے لگوا رہی تھیں جب عائلہ ہلکے پھلکے لان کے سوٹ میں ملبوس وہاں چلی آئی۔

’’السلام علیکم!‘‘

’’وعلیکم السلام! کیسی ہو آؤ بیٹھو۔‘‘ سارا بیگم نے اسے دیکھتے ہی کام رکوادیا تھا' عائلہ قریب چلی آئی۔

’’جی ٹھیک ہوں آپ مصروف ہیں؟‘‘

’’نہیں...... نہیں' میں تو بس یونہی وقت گزاری کے لیے ان پودوں کے ساتھ مصروف تھی۔ تم سناؤ کرنل صاحب سے بات ہوئی؟‘‘

’’جی ہوگئی تھی' میں ابھی تھوڑی دیر پہلے ان سے ہسپتال میں مل کر بھی آئی ہوں۔ الحمدللہ پہلے سے کافی بہتر طبیعت ہے ان کی۔‘‘

’’چلو اللہ کا شکر ہے اور سناؤ زاویار کا مزاج کچھ بہتر ہوا کہ نہیں۔‘‘

’’پتا نہیں' میں نے کبھی غیر ضروری بات ہی نہیں کی۔‘‘

’’ایسا کب تک چلے گا عائلہ...... تم اب اس کی بیوی ہو تمہیں اب اس کے ساتھ اپنا تعلق بہتر بنانا ہوگا۔‘‘

’’نہیں آنٹی...... فی الحال وہ شخص اس قابل نہیں ہے نہ مجھے ابھی ایسی کوئی ضرورت لاحق ہے۔‘‘

’’چلو جیسا تم بہتر سمجھو میں تو تمہارے بھلے کے لیے ہی کہہ رہی تھی۔‘‘

’’جی میں جانتی ہوں' مجھے آپ کے خلوص پر کبھی شک نہیں رہا۔‘‘

’’ہوں...... تو پھر کل سے باقاعدہ آفس جوائن کررہی ہو تم؟‘‘

’’نہیں' ابھی کنفرم نہیں ہے۔‘‘

’’اچھا' ایک بات پوچھوں عائلہ اگر تم برا نہ مانو تو؟‘‘

’’کیسی بات کررہی ہیں آپ آنٹی...... بھلا میں آپ کی بات کا برا کیونکر مناؤں گی؟‘‘

’’نہیں پھر بھی پوچھ لینا ضروری ہوتا ہے۔‘‘

’’آپ پوچھیں پلیز کیا پوچھنا ہے۔‘‘

’’کرنل صاحب نے کبھی تمہیں تمہاری پھوپو مریرہ رحمان کی بارے میں کچھ بتایا؟‘‘

’’ہاں' ان کی تقریباً ہر بات میں مریرہ پھوپو کا تذکرہ ہوتا ہے مگر انہوں نے ان کے ماضی پر کبھی روشنی نہیں ڈالی صرف اتنا بتایا کہ ان کی شادی شدہ زندگی ناکام ہوگئی تھی بعد میں وہ کہیں چلی گئیں' کہاں چلی گئیں یہ انہیں بھی نہیں معلوم۔‘‘

’’اوہ...... کبھی زاویار یا صمید نے بھی تذکرہ نہیں کیا؟‘‘

"نہیں...... کیا وہ جانتے ہیں ان کے بارے میں؟"
"شاید کسی حد تک۔" وہ بات چھپا گئی تھی عائلہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
"کیا تم اس شادی سے خوش ہو عائلہ؟"
"نہیں' یہ شادی صرف ایک کاغذی سودا ہے آنٹی...... جس کی قیمت میری زندگی ہے۔"
"وہ تو ٹھیک ہے مگر جب تک تم یہاں ہو تمہیں زاویار کا دل جیتنے کی کوشش تو کرنی چاہیے۔"
"مجھے اس کا دل جیتنے میں کوئی دلچسپی نہیں۔"
"وہ اچھا انسان ہے عائلہ...... اگر تم اسے سمجھو گی تو وہ......"
"میں اسے سمجھنا ہی نہیں چاہتی آنٹی...... وہ ایک خود غرض' خود پسند اور بدتمیز انسان ہے۔ بہتر ہے اسے اس کے حال میں خوش رہنے دیا جائے۔" عائلہ کے لہجے میں اکتاہٹ تھی۔
زاویار جو ابھی ابھی وہاں آیا تھا' اپنے لیے عائلہ کے خیالات سن کر اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ سارا بیگم کی نظر اس پر پڑی تو انہوں نے فوراً اسے پکار لیا۔
"کوئی کام تھا زی؟"
"نہیں' پاپا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں باہر جا رہا ہوں آپ ذرا ان کے پاس جا کر بیٹھ جائیں۔" قدرے خشک لہجے میں کہتے ہوئے وہ وہاں ٹھہرا نہیں تھا۔
سارا بیگم عائلہ کے ذمہ اپنا کام لگا کر صمید حسن کے کمرے میں چلی آئیں' جہاں وہ بستر میں پڑے خاصے تیز بخار میں پھنک رہے تھے۔ سارا بیگم نے آگے بڑھ کر ہاتھ ان کی پیشانی پر رکھا تو انہوں نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔
"اوہ...... آپ کو تو بہت تیز بخار ہے۔ زاویار نہ بتاتا تو مجھے تو پتا ہی نہیں چلنا تھا۔" وہ پریشان ہوئی تھیں صمید نے دوبارہ پلکیں موند لیں۔
"میں ٹھیک ہوں۔"
"آپ اپنا بالکل خیال نہیں رکھتے صمید...... ایسی بھی دشمنی نہیں ہونی چاہیے خود سے۔" الماری سے بخار کی ٹیبلٹ نکالتے ہوئے وہ قدرے خفگی سے بولی تھیں۔ صمید حسن کی آنکھوں کے گوشے بھیگ گئے۔
"میرا خیال رکھنے والی میری زندگی میں نہیں رہی سارا...... کیا فرق پڑتا ہے اب میں زندہ رہوں یا مر جاؤں۔" وہ دل برداشتہ ہو رہے تھے' شاید پھر مریرہ رحمان کی یادوں کا دورہ پڑا تھا۔ سارا بیگم کے اندر پھر سے سناٹا اتر گیا۔
"ایسا کیوں کہہ رہے ہیں آپ؟ کیا مریرہ رحمان کے علاوہ باقی لوگوں کی آپ کی زندگی میں کوئی اہمیت نہیں۔"
"میں نہیں جانتا' مگر میرا دل جیسے سلگ رہا ہے' تڑپ رہا ہے۔ وہ نہیں ہے تو جیسے کہیں کچھ بھی نہیں ہے۔ میں نے اس کے ساتھ بہت برا کیا ہے سارا...... بہت ظلم کیا ہے میں نے اس پر وہ کبھی مجھے معاف نہیں کرے گی صرف وہ کیا شاید اللہ بھی کبھی مجھے معاف نہ کرے۔ کالک مل دی ہے میں نے محبت کے منہ پر' خود اپنے ہاتھوں اپنی خوشیوں کو زندہ دفن کیا ہے میں نے کیسے سکون مل سکتا ہے مجھے اب؟" سالوں بعد وہ جذباتی ہوئے تھے' کبھی کبھی ان پر ایسا دورہ پڑتا تھا اور جب یہ دورہ پڑتا تھا وہ قطعی بھول جاتے تھے کہ مقابل بھی ایک عورت ہے جو ان کی بیوی ہے۔ سارا بیگم نے ان کی جذباتیت پر ہمیشہ کی طرح صبر سے کام لیا تھا۔
"میں آپ کے جذبات سمجھتی ہوں صمید...... مگر فی الوقت آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لہٰذا پلیز یہ دوا کھا کر سو جائیں۔" بخار کی گولیاں ان کے سامنے رکھتے ہوئے انہوں نے پانی کا گلاس بھی پیش کیا' صمید حسن نے چپ چاپ گولیاں نگل لیں۔

"کتنا گرا ہوا انسان ہوں میں، جس نے صرف اپنے مفاد کے لیے اس کے بیٹے کی نظروں میں اسے ذلیل کردیا۔ کیا سوچتی ہوگی وہ میرے بارے میں، اس کی میرے لیے نفرت کا گراف تو اور بھی بلند ہوگیا ہوگا ناں؟ کیسے معاف کرے گی وہ مجھے؟" وہ اس وقت بہت زیادہ دل گرفتہ ہورہے تھے سارا بیگم نے ان کا کمبل سیٹ کردیا۔

"میں آپ کا سر دباتی ہوں صمید..... آپ سونے کی کوشش کریں پلیز۔" وہ ان کی ہمسفر تھیں غم خوار نہیں تھیں۔ صمید حسن نے چپ چاپ پلکیں موند لیں۔ بخار تو شاید ٹھیک ہو ہی جاتا مگر روح کے اندر جو گھاؤ لگے تھے وہ شاید ہی مندمل ہونے والے نہیں تھے۔

❁......❁......❁

تمہاری یاد

فقط اک پھول

پرندے لوٹتے دیکھے تو یہ دھوکہ ہوا مجھ کو
کہ شاید جستجو میری یا کوئی آرزو میری
تیرے در سے پلٹ آئی
مجھے تنہا بیاباں سے گزرتے لگ رہا ہے ڈر
جدائی کے شجر کی اب حفاظت بس سے باہر ہے
یہ پانی آنکھ سے گرتا اگر سیلاب ہوجائے
یہ پیلی دھوپ، مہکی رُت سیراب و خواب ہوجائے
تو پھر اس تشنہ روش میں پھوٹتی کلیوں کے سب نغمے
سنانے کو ترستی خواہش ناکام ٹھہریں گی
مثال رفتگاں، جاتے ہوئے مہکے ہوئے لمحے
خزاں کے زرد پتوں کے لیے ہی قرض لے آؤ
مسلسل جو اداسی پر اداسی یوں برستی ہے
کہیں مرجھا نہ دے سرسبز اس شاخ محبت کو
تعلق کی بھی میری جان اک معیاد ہوتی ہے
پھر اس کے بعد ہر بندھن سے جاں آزاد ہوتی ہے
خزاں کی جیت سے پہلے ذرا یہ دھیان کرلینا
کہ سینے میں میرا دل ہے فقط اک پھول
تمہاری یاد نے سرمئی حویلی میں
راگ چھیڑا ہے
جھلمل جھلمل چاندنی پر
رقص ہوا کا جاری ہے
سوکھی چنبیلی کی بیل
خستہ ستون سے لپٹی پڑا ہے

اور تھرکتی لوکارنگ لے کر لاکھوں ننھے دیپ
دل کے اوطاق پر جل اٹھے ہیں
آئی جیسے......
تمہاری یاد!
گرفتاری کے یقین کے ساتھ ہی سدید نے پلکیں موند لی تھیں۔ پلکیں بند کرتے ہی سب سے پہلے اس کے تصور میں عائلہ کا آنسوؤں سے بھیگا چہرہ آیا تھا۔

''مجھے ایسا کیوں لگتا ہے سدید...... کہ جیسے اس بار تم پلٹ کر واپس نہیں آ ؤ گے۔'' وہ رو نہیں رہی تھی اس کا امتحان لے رہی تھی' سدید کی اذیت بڑھ گئی۔

''فضول کا وہم نہیں ہے سدید...... مجھے ایسا لگتا ہے جیسے کوئی چیز ہے جو مجھے اندر سے کاٹ رہی ہے۔ میرا اسانس گھٹ رہا ہے' مجھ سے کھل کے رویا بھی نہیں جارہا...... میں تمہارا انتظار کروں گی سدید......'' کتنی بے یقینی تھی اس لمحے عائلہ علوی کی آنکھوں میں' جیسے اس کے دل نے اسے پہلے سے جدائی کا سگنل دے دیا ہو۔

وہ ابھی انہی خیالوں میں گم تھا جب ہلکی سی چرچراہٹ کے ساتھ سیل کا دروازہ کھلا اور فوجی وردی میں ملبوس دو بھارتی اہلکار سیل کے اندر چلے آئے۔ سدید نے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا اور خود کو بھارت کی قید میں پا کر اس کی اذیت دو چند ہوگئی۔ آنے والے اہلکاروں نے سر سے پیر تک اس کا بغور جائزہ لیا تھا۔

سفید کاٹن کے سوٹ میں ملبوس وہ ظاہری حلیے سے کشمیری ہی دکھائی دے رہا تھا مگر پھر بھی وہ اسے بخشنے والے نہیں تھے۔

''کون ہو تم؟'' کڑک دار لہجے میں جو پہلا سوال کیا گیا وہ یہی تھا۔ سدید اتنی دیر میں خاصی حد تک خود کو کمپوز کر چکا تھا تبھی اس نے پُرسکون انداز میں جواب دیا۔

''عبدالکریم الٰہی بخش۔''

''کہاں کے رہنے والے ہو؟''

''چیوا۔''

''کشمیری ہو؟''

''ہاں جی۔''

''بارڈر لائن پر کیا کر رہے تھے؟''

''اپنا ریوڑ ڈھونڈنے گیا تھا جی' ابا جی صبح سے لے کر نکلے ہوئے تھے رات تک گھر نہیں آئے تو میں ان کی تلاش میں نکل پڑا۔''

''اپنا منہ کھولو'' اس کی فرضی کہانی نے جیسے انہیں متاثر نہیں کیا تھا تبھی وہ بولے تھے۔ سدید نے لب بھینچ لیے' انویسٹی گیشن کے دوران وہ ضرور یہ سوال کریں گے سدید جانتا تھا مگر اتنی جلدی یہ مرحلہ آجائے گا اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

منہ کھولنے کا مطلب تھا اپنا بھید دے دینا اور یہ اسے کسی صورت گوارہ نہیں تھا۔ پاک سپاہی کی حیثیت سے اپنی چھ ماہ کی مشکل ترین ٹریننگ کے دوران ایک عہد جو اس نے سینکڑوں بار خود سے دہرایا تھا وہ یہی تھا کہ مر جانا راز اگل دینے سے بہتر ہے۔ اپنے ملک اور ملک کے معصوم لوگوں کو نقصان پہنچانے اور ان کی بقاء کو خطرے میں ڈالنے سے کہیں بہتر تھا کہ وہ

ایک دشمن ملک کے اہلکاروں کے ہاتھوں بے بس چپ چاپ اپنی جان قربان کردیتا۔
پچھلے آٹھ ماہ سے اس کا پاکستان میں کسی سے بھی کوئی رابطہ نہیں تھا' سوائے اپنے ''باس'' (کنٹرولر) کے جو قدم قدم پر اس کے رہنما رہے تھے۔ وہی اس تک ہر بات پہنچاتے تھے اور اس کی خیر خیریت سے اس کے گھر والوں کو مطلع کراتے تھے۔
سدید جانتا تھا جو لوگ اپنی گردنیں اللہ رب العزت کے پاس رہن رکھوا دیتے ہیں وہ دنیا اور آخرت دونوں میں سرخرو ہوتے ہیں اس نے بھی اپنی گردن رہن رکھوادی تھی۔
مقبوضہ کشمیر آنے سے قبل اس نے نقلی داڑھ بھی لگوائی تھی' جو خاص پلاسٹک کی بنی تھی اور جس میں سائنائیڈ جو کنگ آف پوائزنز سے بھرا شیشے کے خول میں بند ایک کیپسول تھا۔ دنیا کے تمام جاسوسوں کی طرح ٹریننگ کے دوران اسے بھی اس کے افسران نے سمجھا دیا تھا کہ جب فرار کو کوئی راستہ باقی نہ بچے اور تشدد بھی برداشت سے باہر ہوجائے تو ایسے فیصلہ کن وقت میں وہ زبان کی مدد سے اس کیپسول کو نکال کر چبا لے۔
اپنے ملک کے راز اگل دینے سے' بہتر تھا کہ اس وقت وہ اپنی جان قربان کردیتا اور اس نے یہی کیا تھا مگر اس کے سامنے کھڑے اہلکار نے اس کی اس کوشش کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔
ان کا شک یقین میں بدل گیا تھا' لہٰذا ایک اہلکار نے فوراً پلاس کی قسم کے آلے سے اس کی تمام داڑھیں اور دانت باری باری چیک کرکے نقلی داڑھ کو آسانی سے باہر کھینچ لیا۔ اب فرار کی ساری راہیں مسدود ہوچکی تھیں۔ سامنے آگ کا سمندر تھا اور سدید کو اس سمندر میں کود کر اپنے ایمان اور جذبہ حب الوطنی کا امتحان دینا تھا۔

❀......❀......❀

سدید علوی دس سال کی عمر میں اپنے ماموں کے گھر سے فرار ہوا تھا۔ دس سال کی عمر میں کرنل شیر علی اپنی گاڑی سے ٹکرائے اس کے زخمی وجود کو ہسپتال سے اپنے گھر لے کر آئے تھے۔ ان دنوں وہ ایک سہما ہوا' احساس کمتری کا شکار بچہ تھا۔ جو رات میں اکثر خوابوں سے ڈر کر روتے ہوئے اپنی ماں اور باپ کو آواز دیتا مگر بہت دیر تک رونے کے بعد بھی اس کی ماں جب پاس نہ آتی تو اس کے اندر کا خالی پن مزید بڑھ جاتا۔
ایک شب کرنل شیر علی نے اسے نیند سے جاگ کر روتے ہوئے پایا تو وہ اسے اپنے ساتھ اپنے کمرے میں لے گئے اور پھر نو سالہ عائلہ علوی کی طرح وہ بھی ہر شب کرنل صاحب کے کمرے میں ان کے جہازی سائز بیڈ پر ان سے لپٹ کر سونے لگا۔
رفتہ رفتہ اس کے اندر کی ٹوٹ پھوٹ کو قرار آنے لگا۔ کرنل صاحب کی شفقت اور محبت کے ساتھ ساتھ عائلہ علوی کے ساتھ نے اسے ماضی بھلانا شروع کردیا تھا' وہ اب خوش رہنے لگا تھا۔ صبح عائلہ کے ساتھ اسکول جاتا' اسکول سے واپسی کے بعد ٹیوشن پھر مولوی صاحب کے گھر قرآن پاک کی تعلیم حاصل کرنے جاتا اور کہیں مغرب کے بعد دونوں پڑھائی سے فارغ ہوکر گھر کی راہ لیتے تب تک کرنل صاحب ان کا کھانا تیار رکھتے تھے۔
کھانا کھانے کے بعد عشاء کی نماز کا وقت ہوجاتا اور تب وہ وضو کرکے کرنل صاحب کے ساتھ ہی عشاء کی نماز کے لیے مسجد چلا جاتا۔ عائلہ البتہ عشاء کی نماز گھر پر ہی پڑھتی تھی۔ کرنل صاحب نے اسے گھر کے چھوٹے موٹے کام سکھا دیئے تھے لہٰذا ان لوگوں کے مسجد سے آنے تک وہ چائے تیار رکھتی اور پھر تینوں مل کر چائے پیتے۔
چائے کے بعد کرنل صاحب ان دونوں کو مختلف کہانیاں سناتے' کبھی تاریخ کے واقعات' کبھی اپنی سروس کے واقعات کبھی اپنے کسی ساتھی کی کہانی تو کبھی اسلام کی راہ میں شہید ہونے اور قربانیاں دینا والے اسلامی ہیروز کی زندگیوں کے

ایمان افروز واقعات......

عائلہ اور وہ دونوں ہی ہر روز بے چینی سے رات ہونے کا انتظار کیا کرتے تھے۔ اس رات وہ بہت افسردہ تھے سدید نے وجہ پوچھی تو انہوں نے طویل خاموشی کے بعد انہیں بتایا کہ وہ اپنے ایک شاگرد کی شہادت پر اس کی دائمی جدائی کی وجہ سے افسردہ ہیں۔ ان کے شاگرد کا نام احمد تھا اور وہ تقریباً دو سال پہلے بہت مشقتوں کے بعد "خفیہ والوں" میں شامل ہوا تھا۔ بے حد بہادر اور وطن پر جان نچھاور کرنے والا تھا مگر اس کے ایک غدار ساتھی نے دھوکے سے اسے دیار غیر میں پکڑوا دیا تھا۔

تین سال دشمن ملک کی تحویل میں بدترین سزائیں برداشت کرنے کے بعد بالآخر پچھلی رات اس نے جان جان آفرین کے سپرد کردی تھی۔ عائلہ اور سدید اس وقت "خفیہ والوں" کے نام اور کردار سے قطعی انجان تھے، تبھی انہوں نے پوچھا تھا۔

"خفیہ والے" کیا ہوتے ہیں بابا؟" اور تب کرنل صاحب نے انہیں بتایا تھا۔

"خفیہ والے اپنے ملک کی آنکھیں ہوتے ہیں بیٹا...... دنیا کے ہر ملک میں ایک مخصوص ایجنسی ہوتی ہے جس میں بہت سے لوگ فوجی اور غیر فوجی ہوتے ہیں۔ وہ اپنے ملک کی بقاء اور عظمت کے لیے کام کرتے ہیں ان کی کوئی شناخت کوئی گھر یا فیملی نہیں ہوتی۔ وہ کہیں کسی ملک میں خطرات کے درمیان خود کو خفیہ رکھ کر اپنے ملک کے لیے کام کرتے ہیں۔ مختلف روپ دھار کر کبھی کہیں تو کبھی کہیں پھرتے رہتے ہیں انہی لوگوں میں کچھ تربیت یافتہ ایجنٹ ہوتے ہیں جو اپنے ملک کے قیمتی رازوں کی حفاظت کے لیے دوسرے ممالک کے خفیہ راز چراتے ہیں۔ شناخت بدل کر ان میں رچ بس کر خود کو چھپا کر انہی ایجنٹس کو "خفیہ والے" کہا جاتا ہے بیٹے! ایک جاسوس ساری زندگی بے نام و نشان خاموشی سے کسی بھی دوسرے ملک میں تنہا اکیلا زندگی بسر کرتا ہے۔ صرف اپنے ملک کے لیے لیکن اگر وہ پکڑا جائے تو کوئی اس کی مدد نہیں کرتا۔ پکڑے جانے کی صورت میں جاسوس کے لیے صرف ایک ہی سزا ہوتی ہے موت کی سزا۔"

"کیوں بابا...... کیا یہ لوگ اپنے ملک کے لیے قیمتی نہیں ہوتے؟" سدید نے سوال کیا تھا۔ کرنل صاحب نے اپنا سر بیڈ کی پشت گاہ سے ٹکادیا۔

"ہوتے ہیں بیٹا...... بہت قیمتی ہوتے ہیں مگر ہر ملک کی مجبوری ہوتی ہے کہ وہ جاسوس کے سر پر ہاتھ نہ رکھے۔ اس کے وجود سے قطعی منکر ہو جائے کیونکہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں اس ملک کی بہت بدنامی ہوتی ہے خفیہ طور پر جاسوس کا ملک اس کی مدد کرتا ہے مگر کھلم کھلا کوئی اس کے وجود کو تسلیم نہیں کرتا اسے سپورٹ نہیں کرتا۔ ایک جاسوس کو پکڑے جانے کے بعد ساری زندگی جیل میں رہنا پڑتا ہے ایسے میں اگر کوئی ایجنٹ تشدد برداشت نہ کرتے ہوئے اپنے ملک کی قیمتی معلومات دوسرے ملک کی خفیہ ایجنسی کے سامنے کھول دے تو وہ غدار کہلاتا ہے کیونکہ اس کی اس حرکت کے بعد اس کے ملک کو بہت زیادہ جانی اور مالی نقصان اٹھانے پڑتے ہیں۔ ملک کی سالمیت اور ساکھ کو بھی نقصان پہنچتا ہے احمد (ان کا شاگرد) نے جان دے دی مگر ملک کی سالمیت اور ساکھ پر کوئی آنچ نہیں آنے دی۔"

"مگر ان کے دوست نے ایسا کیوں کیا بابا...... کیا وہ جاسوس نہیں تھا، کیا وہ تشدد برداشت نہیں کرسکا؟"

"نہیں میرے بیٹے...... ایسی بات نہیں تھی۔"

"تو پھر؟" وہ متجسس تھا جب کرنل صاحب نے اسے بتایا۔

"جو لوگ خفیہ ایجنسی میں بحیثیت جاسوس تربیت حاصل کرتے ہیں ان میں چند کالی بھیڑیں بھی کبھی پیدا ہو جاتی ہیں جو تھوڑے سے پیسوں کے لیے نہ صرف اپنے ملک کے قیمتی راز بیچ دیتے ہیں بلکہ اپنا ایمان اور آخرت بھی داؤ پر لگا دیتے

ہیں جیسے کہ شہید پائلٹ راشد منہاس کو تربیت دینے والا اس کا استاد غدار وطن تھا جیسا کہ احمد کو دھوکے سے پکڑوانے والا اس کا ساتھی غدار وطن تھا۔ جاسوس کی طرح غدار کی سزا بھی موت ہوتی ہے لیکن یہ اسی صورت ممکن ہے جب وہ پکڑا جائے۔"

"بابا...... جو غدار نہیں ہوتے اپنے ملک کے لیے جان قربان کردیتے ہیں ان کے جنازے میں تو بہت لوگ ہوتے ہوں گے ان کو سراہنے والے ان سے پیار کرنے والے......"

"نہیں میرے بیٹے...... خفیہ والوں کو جنازے کہاں نصیب ہوتے ہیں؟"

"کیوں بابا...... کیا انہیں دفن نہیں کیا جاتا؟" وہ الجھا تھا، کرنل صاحب کی پلکیں ایک لمحے کے لیے ہلکی سی نم ہوئی تھیں۔

"اکثر نہیں کیا جاتا کیونکہ اگر کسی پر جاسوسی ثابت ہوجائے تو اسے مار دیا جاتا ہے اور اس کی لاش کہیں بے نام ونشان جگہ پر دفن کردی جاتی ہے۔ سالوں جاسوس کے گھر والوں کو بھی اس کے بارے میں کوئی خبر نہیں ملتی بس اس کے ملک میں جیسے ہی اس کی فائل پر ٹاپ سیکرٹ کی مہر لگتی ہے جاسوس کا کردار بھی ختم ہوجاتا ہے۔ کسی کو اس کی قربانیوں کا پتا نہیں چلتا' ملک کی عوام ملک کے اصل ہیروز کے کردار سے بے خبر ہی رہ جاتی ہے۔" کرنل شیر علی کے لہجے میں گہرا رنج تھا۔

سدید کے دل میں ایجنسیز کے لیے محبت نے جڑ پکڑلی۔ جس روز وہ تعلیم سے فارغ ہوا اس نے بابا کی خواہش پر آرمی میں شمولیت کے لیے اپلائی کردیا اس کا ایک دوست بھی ساتھ تھا' اس کی قسمت اچھی تھی کہ وہ سلیکٹ ہوگیا اور اس کا دوست بھی۔ دونوں اکٹھے کیڈٹ بھرتی ہوئے تھے۔ چار سال کی بہترین کارکردگی کے بعد اچانک اس کا تبادلہ خفیہ والوں میں ہوگیا تھا۔ سدید کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ اسے تقدیر اس کام کے لیے چن لے گی' اس کا دوست بھی اس کے ساتھ ہی تھا۔ ایک جاسوس کی خصوصی تربیت حاصل کرنے کے دوران اس نے اپنے روابط قطعی محدود کردیے تھے' اسی تربیت کے دوران اسے پلاسٹک کی مصنوعی داڑھ لگائی گئی تھی۔

سب سے پہلا ہدف جو ایک جاسوس کی حیثیت سے اسے حاصل کرنا تھا وہ اپنے ساتھی دوست علیم کی خبر گیری اور رہائی تھی' جو اس کے ساتھ ہی فوج میں بھرتی ہوا تھا۔ علیم اپنے ایک ساتھی کی غداری سے بھارت میں گرفتار ہوگیا تھا اور سدید کو اس کا پتا لگانا تھا کہ وہ بھارت کی کس جیل میں ہے۔ اپنی جان پر کھیل کر بھی اگر اسے علیم کو دشمن کی قید سے رہا کروانا پڑتا تو وہ ہرگز پیچھے ہٹنے والا نہیں تھا۔ قدرت کی کرم نوازی سے وہ اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا مگر...... اسے منزل مقصود پر واپس پہنچنا نصیب نہیں ہوا تھا۔ تقدیر میں شاید ابھی بہت امتحان لکھے تھے' اس نے اذیت سے آنکھیں میچ لیں تھیں۔

❁......❁......❁

شگفتہ کی شادی کی تیاری شروع ہوگئی تھی۔ صیام نے جیسے دل پر پتھر رکھ کر آفس سے چھٹیاں لیں' شہزاد گاؤں گئی ہوئی تھی۔ درمکنون نے اسے صیام کی بہن کی شادی کا بتایا مگر وہ اب صیام سے کترانے لگی تھی لہٰذا اس نے شادی میں شرکت کرنے سے معذرت کرلی۔ درمکنون نے اپنی طرف سے شگفتہ کو بہترین فرنیچر اور کراکری کے تمام سامان کا تحفہ دیا تھا۔ صیام نے منع کرنا چاہا مگر اس کا دل نہ ٹوٹے یہی سوچ کر چپ رہا۔

شادی میں عبدالحنان کی شرکت بھی لازمی تھی مگر وہ شادی سے پہلے ہی تمام ضروری امور میں اس کا ہاتھ بٹانے میں لگا ہوا تھا۔ اس روز دونوں شاپنگ کے لیے مارکیٹ آئے تھے' صیام نے شگفتہ اور باقی گھر والوں کے لیے جوتے کپڑے اور جیولری خریدی تو بے ساختہ ایک بلیک سوٹ پر نگاہ پڑتے ہی درمکنون کے تصور نے چٹکی کاٹ لی۔

حتی المقدور اس نے عبدالحنان کی آنکھوں سے چھپ کر وہ سوٹ خریدا تھا مگر اس نے چوری پکڑلی تھی تبھی ہنس کر صیام

کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے شوخ لہجے میں کہنے لگا۔
"اچھی بات ہے تھوڑی سی شاپنگ تو بھابی کے لیے ہونی چاہیے۔"
"ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ جھینپ گیا تھا' عبدالحنان کھلکھلا کر ہنس پڑا۔
"کیا یار..... اب یاروں سے بھی چھپاؤ گے؟"
"تمہارا دماغ چل گیا ہے اور کچھ نہیں۔" وہ نظر چرا رہا تھا' عبدالحنان نے بے حد لطف لیا۔
"قسم سے یار اس وقت تم پرانے زمانے کی کوئی شرمیلی سی ہیروئن لگ رہے ہو جو دھک دھک کرتے دل کے ساتھ بمشکل آموں کے باغ میں اپنے محبوب سے ملنے آتی ہے۔ کم آن یار..... بندہ عشق کرے تو ڈنکے کی چوٹ پر کرے ویسے درمکنون میم واقعی اس قابل ہیں کہ انہیں تم جیسا ڈشنگ' نیک دل انسان چاہیے۔" وہ اس کے تمام رازوں سے واقف تھا۔ صیام کے لبوں پر ہلکی سی خوشگوار مسکراہٹ رینگ گئی۔
"پہلے مجھے صرف شک تھا کہ تم بہت کمینے ہو مگر اب یقین ہو گیا ہے۔"
"ہاہاہا..... بہت شکریہ اس عزت افزائی کا۔"
"ویسے کیا اُدھر بھی ایسے ہی حالات ہیں یا بے خبری چل رہی ہے ابھی تک؟"
"پتا نہیں' میں نے کبھی یہ نہیں چاہا کہ وہ بھی مجھے چاہے۔"
"تو پھر منزل تک کیسے پہنچو گے میرے یار؟"
"منزل صرف وجود کو پالینا ہی تو نہیں ہوتا۔"
"پھر بھی پتا تو چلے کہ وہ تمہارے جذبوں سے واقف ہیں یا نہیں' یہ نہ ہو تم عشق کی سولی پر ٹنگے رہو اور وہ کسی اسٹوپڈ سے لڑکے کی ڈولی میں بیٹھ کر یہ جا وہ جا۔ ویسے تم کہو تو میں بات کروں درمکنون میم سے؟"
"ہرگز نہیں۔"
"ٹھیک ہے پھر تم خود پتا کرو۔"
"کیسے.....؟"
"بہت آسان ہے' تم آفس میں کسی دوسری لڑکی کے ساتھ تھوڑی گپ شپ بڑھاؤ' خود ہی ان کے رویے سے پتا چل جائے گا کہ ان کے دل میں کیا چل رہا ہے۔"
"کیا یہ ضروری ہے؟"
"جی ہاں آج کل کے دور میں بہت ضروری۔"
"چلو دیکھیں گے۔" دونوں باتیں کرتے کرتے سڑک پر آ گئے تھے' صیام نے ٹیکسی روک لی۔ عبدالحنان کی باتیں اب دیر تک اس کی سوچوں کا پیچھا چھوڑنے والی نہیں تھیں۔

❁.....❁.....❁

مریرہ پاکستان پہنچ گئی تھی۔ عمر عباس بھی اس کے ساتھ ہی تھا' وہ دونوں اکٹھے ائیر پورٹ کی عمارت سے باہر نکلے تھے۔ زاویار اپنے کسی دوست کو ائیر پورٹ چھوڑنے آیا تھا جب وہ عمر عباس کے ساتھ باتوں میں مصروف اس کے قریب سے بنا اس پر نگاہ ڈالے گزر گئی۔ زاویار کو لگا جیسے وہ فنا ہو گیا ہو۔ کیا تھا اس شخص میں ایسا جس کے لیے اس کی ماں نے اس کے باپ جیسے آئیڈیل شخص اور اپنے بیٹے کو چھوڑ دیا تھا۔ برسوں گزر جانے کے باوجود بھی وہ شخص اس کی ماں کا سایہ بنا ہوا تھا۔ اسے بے حد غصہ آیا' اس کا بس نہ چلتا تھا کہ دونوں کو ایک ساتھ شوٹ کر ڈالتا۔

شدید آف موڈ کے ساتھ وہ ایئرپورٹ سے گھر آیا تو لاؤنج میں بیٹھی سارا بیگم جیسے اسی کی گھر واپسی کا انتظار کررہی تھیں۔ زاویار تھکے تھکے سے انداز میں صوفے پر گر کر ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔

"آج بہت تھک گیا میرا بیٹا؟"

"جی۔"

"کوئی پریشانی ہے؟" وہ اس کے لہجے سے اس کی بے کلی کا بھید پاگئی تھی۔ زاویار نے بمشکل اپنے جذبات چھپائے۔

"نہیں مما..... بس ایک الجھن ہے۔"

"کیسی الجھن؟"

"اپنی ماں کے ماضی کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں میں اگر میری ماں کسی اور میں انٹرسٹڈ تھیں تو انہوں نے پاپا کے ساتھ شادی کیوں کی؟"

"صمید کے ساتھ ان کی شادی کرنل شیر علی نے کروائی تھی۔"

"اوہ..... مطلب اس شادی میں ان کی ذاتی پسند شامل نہیں تھی۔"

"پتا نہیں صمید حسن مریرہ اور اپنی زندگی پر بہت کم کسی سے بات کرتے ہیں۔"

"انہیں تکلیف ہوتی ہے مما..... دل کے زخم ادھڑتے ہیں ان کے اگر آپ ان کی زندگی میں نہ آتیں تو شاید وہ ٹوٹ کر بکھر جاتے۔" وہ آزردہ ہورہا تھا' سارا بیگم نے خاموش رہنے میں عافیت جانی۔

زاویار نے طے کرلیا جو کچھ اس کی ماں نے اسے اور اس کے باپ کو دیا تھا وہ اس کا بدلہ ضرور لے گا۔ عائلہ علوی کو وہی دکھ دے کر..... حساب برابر کرنے میں ویسے بھی اس کا کوئی ثانی نہیں تھا۔

❀.....❀.....❀

عائلہ پودوں کو پانی دے رہی تھی جب ایک جاپانی گڑیا سی لڑکی کندھے پر سفری بیگ لٹکائے گیٹ عبور کرتی اس کے پاس لان میں چلی آئی۔

"السلام علیکم!" قطعی غیر شناسا سا پکار پر اس نے بے ساختہ چونک کر پیچھے دیکھا تھا تبھی جاپانی گڑیا سی وہ لڑکی دو قدم مزید آگے بڑھ آئی۔

"میرا نام ہوزان ہے' پریہان کی دوست ہونے کی حیثیت سے' اسی کی آفر پر یہاں آئی ہوں۔"

"اوہ.....! میں نے آپ کو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

"میں لندن میں ہوتی ہوں' اسی لیے اس سے پہلے کبھی ہماری ملاقات نہیں ہوسکی۔ کیا آپ پریہان کی سسٹر ہیں۔"

"نہیں..... یہ پریہان کی بھابی ہے' زاویار صمید حسن کی بیوی۔" سارا بیگم کب وہاں چلی آئی تھیں ان دونوں کو ہی خبر نہ ہوسکی۔ ہوزان کو لگا جیسے ایک دم سے اس کے پاؤں تلے سے زمین کھینچ لی گئی ہو۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ شمارے میں)

❀

بے سائبان شجر

ثمر قریشی

کسی سے ربط بہم استوار بھی نہ کیا
فرار بھی نہ ہوئے کھل کے پیار بھی نہ کیا
بہت اکیلی وہ بد نصیب ہے جس نے
تمام عمر کوئی انتظار بھی نہ کیا

شب کی سیاہی میں تیری یاد میں رویا
جو نکلا سورج تو پھر بے بات میں رویا
بزم تنہائی میں بھی جو نہ سنبھلا دل
تیری راہ سے گزرتے ہوئے سرِ عام میں رویا
یہ غمِ ہجر کی بارش بے بات تو نہیں
برستا آسمان مجھ پہ میرے حالات پر رویا
کہاں ممکن تھا دل کو تجھ سے جدا ہونا
بچھڑا تجھ سے تو پھر قسمت کے انصاف پر رویا

''یک طرفہ محبت میں ایک سزا ہے جو اذیت کے سوا کچھ نہیں۔ کاش...... کہ تم میری خاموش محبت کو سمجھ سکتیں۔ آج اسی خاموشی نے تمہیں مجھ سے چھین لیا۔ بھلا تم سے بچھڑ کر جینے کا کیا مقصد رہ جائے گا۔ تم اس شخص کی ہو جاؤ گی جو تمہیں بہت چاہتا ہے شاید مجھ سے بھی زیادہ...... نہیں عینہ نہیں، مجھ سے زیادہ تمہیں کون چاہ سکتا ہے؟'' درد کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر میرے سینے میں قید ہے۔ ''عینہ...... تم کو کھو رہا ہوں، کیسے یقین کرلوں۔ تم مجھ سے بچھڑ جاؤ گی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے، کیسے مان جاؤں۔ ان ہاتھوں نے کبھی کچھ اور نہیں مانگا، لبوں نے کبھی فریاد نہیں کی جب بھی یہ ہاتھ اٹھے ربّ سے تمہیں ہی مانگا لیکن میری دعائیں قبولیت کا درجہ نہ پاسکیں، زمین پر ہی بھٹکتی رہیں۔ کیا پتا تھا کہ میری دعائیں یوں بے اثر ٹھہریں گی، محبت کا درد بہت جان لیوا ہوتا ہے عینہ، میں کم ہمت ہوں، ٹوٹ کر بکھر جاؤں گا۔ پہلی بار اس دل نے کسی کو چاہا ہے، پہلی بار اس دل نے کسی کے ساتھ کی تمنا کی ہے ابھی تو میں نے سپنے دیکھنے شروع کیے۔ تمہیں میرا ہونا تھا، ایک خوب صورت بندھن میں قید کرنا چاہتا تھا شاید محبت مجھے راس نہیں آئی، محبت کا درد بہت بے درد ہوتا ہے۔ تمہیں کیا خبر میرے حالِ دل کی یہاں کیسا کہرام برپا ہے۔ میں قسمت سے لڑ تو نہیں سکتا ورنہ جان دے کر تمہیں خود سے جدا نہ ہونے دیتا۔ سونے دل کی یہی دعا ہے ربّ کائنات جہاں کی ہر خوشی تمہارا مقدر کرے اور میرا کیا شاید یہی حرماں نصیبی میرا مقدر ٹھہری ہے۔'' ڈائری بند کرتے ہوئے واصف کمال کی شفاف آنکھوں میں آنسو جھلملا

رہے تھے جنہیں گالوں پر لڑھکنے سے پہلے بے دردی سے صاف کردیا اس کی سوجن زدہ سرخ آنکھیں بے خوابی کی غماز تھیں وہ سارا دن دانستہ اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلا تھا' کمرے کی ہر چیز اس کی اصل جگہ پر سلیقے سے دھری تھی اگر کہیں بے ترتیبی تھی تو واصف کیانی کی ذات میں تھی۔

ہر آتی جاتی سانس درد سے پُر تھی دل مضطر کو کہیں بھی چین نہ تھا۔ ہزار طریقے سے دل کو سمجھا کے دیکھ لیا تھا مگر کم بخت کی ایک ہی ضد تھی۔

''عینہ تمہیں پانا اتنا محال نہیں تھا مگر قسمت نے مجھے مہلت نہیں دی' میرے دل کی دھڑکن ہو سانسوں کے آنے جانے کی ضمانت ہو۔'' سگریٹ کا دھواں ہونٹوں کی قید سے آزاد کرتے ہوئے عینہ کی تصویر سے مخاطب تھا والٹ میں لگی تصویر کو بڑی حسرت بھری نگاہ سے تک رہا تھا۔

❁......❁......❁

عینہ کی مایوں کی رسم تھی' پورا گھر برقی قمقموں سے روشن تھا' ہر سمت پھول ہی پھول' رنگین آنچل' چوڑیوں کی کھنک' مہندی و اُبٹن کی خوشبو ہر سو پھیلی ہوئی تھی۔ جمشید علی نے پورے گھر کو پھولوں سے سجا کر چار چاند بخش دیئے تھے۔ گلاب اور گیندے کے پھولوں سے سجا خوب صورت اسٹیج بہت ہی دلکش لگ رہا تھا۔ ہر طرف افراتفری کا عالم تھا۔ ہر کوئی کاموں میں الجھا دکھائی دے رہا تھا' عینہ کو بھی اسٹیج پر لاکر بٹھایا گیا تھا اس کے ہاتھوں میں کہنیوں تک لگی مہندی کا رنگ خوب کھل رہا تھا۔ زرد رنگ کا سوٹ پہنے' چہرہ میک اپ سے مبرہ پھولوں کا گہنا پہنے وہ انتہائی خوب صورت لگ رہی تھی۔ پھولوں سے سجے اسٹیج پر بیٹھی وہ خود بھی پھول کی مانند لگ رہی تھی۔ محفل عینہ کے حسن سے پوری طرح جگمگا بھی نہ سکی تھی کہ حماد سراپا حسن بنا آپہنچا۔

''عینہ......!'' ایک مدھم سرگوشی اس کے کان کے قریب ہوئی تھی۔ ''میری آنکھوں میں جھانک کر تو دیکھو عینہ...... تمہیں چاہنے کی حدیں تو دیکھو سمندر کی وسعتوں سے زیادہ وسیع ہیں اس دل کی حدیں۔ ذرا دیکھو میرے دل پر ہاتھ رکھ کے دھڑکنوں نے کیسا اُدھم مچا رکھا ہے۔ کیا خیال ہے آج ہی نہ رخصتی کروالی جائے۔'' محبت سے چور لہجے میں عینہ سے مخاطب تھا' اس کے حنائی ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیے شوخ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کی حدت سے اس کی پلکیں لرزنے لگی تھیں۔

''حماد میں بہت بہت خوش ہوں' اتنی کہ لگتا ہے خوشی کے مارے دل بند ہوجائے گا۔'' شرماتے ہوئے اس کی نگاہوں کی تپش سے بوکھلا کر بولی۔ خوشی اس کے روم روم سے پھوٹ رہی تھی۔ اس کے دل کی بے ہنگم ہوتی دھڑکنوں کو قرار نہ تھا' خوشی مسکراہٹ بن کر اس کے ہونٹوں پر چپک رہی تھی۔

اس شام وہ بہت خوش اور مطمئن تھی' کتنی خوشی دیتی ہے یہ محبت کون کہتا ہے کہ محبت میں درد ہی درد ہے' یہ چمک یہ رونق جو اس وقت تمہارے چہرے پر ہے۔ محبت ہی عطا کرتی ہے۔ وہ ستم گر دل آنکھوں میں رکھے ہونٹوں پر دلفریب مسکراہٹ سجائے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

انسان قسمت کے فیصلوں کو مانے یا نہ مانے مگر ہونا تو وہی ہے جو ہمارے مقدر کی کتاب میں لکھا جاچکا ہے۔ لکھنے والے نے عینہ کے ساتھ حماد اقبال کا نام لکھ دیا جب کہ عینہ کی محبت واصف کے دل میں ڈال دی۔ حماد اقبال عینہ کا پھوپی زاد جبکہ واصف تایا زاد تھا نہ جانے کب اور کیسے حماد اور عینہ ایک دوسرے کو تمام تر شدتوں سے چاہنے لگے' اتنا کہ ایک دوسرے کے بغیر سانس لینا بھی محال لگتا تھا۔ گزرتے وقت کے ساتھ دونوں کی وارفتگیوں میں مزید اضافہ ہوا تھا۔ دونوں ہر فکر و پریشانی سے

آزاد تھے آنے والے کل کو لے کر دونوں کو ہی کوئی نہ کوئی فکر...... وقت اپنی مخصوص رفتار سے رینگ رہا تھا اور دونوں ایک دوجے کے پیار میں پاگل ہوا ؤں میں اڑ رہے تھے۔ حماد نے اپنی والدہ محترمہ (آمنہ اقبال) کو اپنے دلی جذبات سے آگاہ کر کے انہیں اپنا ہمراز بنالیا تھا اس وعدے کے ساتھ کہ وہ جلد ہی عینہ کے والد جشید علی سے اس کے رشتے کی بات کریں گے جبکہ آمنہ اقبال کی بھی یہی دلی آرزو تھی تو وہ بخوشی آمادہ ہوگئی تھیں اور گھر والوں کو جب دونوں کی محبت کا علم ہوا تو کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوا اور بخوشی رشتہ طے پایا گیا۔

آخر وہ منع کرتے بھی تو کیوں؟ دونوں بھائیوں کی اکلوتی اور لاڈلی بہن آمنہ اقبال جب سوالی بن کر بھائیوں کے در آئی تو انہیں مایوس نہ کیا گیا اور پھر حماد میں وہ ساری خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں جو وہ اپنے ہونے والے داماد میں چاہتے تھے مگر واصف کمال کے خواب کرچی کرچی ہوکے بکھر گئے اس کی تمام خواہشوں کا خون ہوا تھا اس کی سب ہی معصوم آرزوئیں پامال ہوئی تھیں۔ نجانے کب سے وہ عینہ کو چاہتا تھا اسے خود بھی ٹھیک سے یاد نہیں۔ یاد تھا تو فقط اتنا کہ وہ ہی وجہ زندگی ہے' زندگی کے ہر موڑ پر سے اپنے ساتھ دیکھا۔ لمحہ لمحہ اسے اپنے آس پاس محسوس کیا تھا اور واصف نے بہت اچھے وقت کے لیے اپنے تمام جذبات کو دل میں قید کر رکھا تھا' وقت آنے پر ان کا اظہار کرنا تھا مگر وقت نے اسے مہلت نہیں دی۔

❀......❀......❀

شام ڈھل چکی تھی رات کی سیاہی نے اپنی جگہ لینی شروع کردی تھی۔ بارش تھی کہ کوئی طوفان صبح سے تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ کھڑکی سے ٹکراتی بارش کی بوندیں ماحول میں عجیب سا شور پیدا کررہی تھیں۔ کمرے میں اندھیرا کیے بیڈ پر چت لیٹا بازو

آنکھوں پر رکھے واصف کسی گہری سوچ میں گم تھا ہر گزرتے دن کے ساتھ یہ محبت گہری ہوتی جارہی تھی۔ محبت کے اس زندان سے رہائی عمر بھر نہ مل سکے گی' لگتا ہے تمہارے ہجر میں یونہی تڑپتا رہوں گا۔

''تم نے کبھی میری محبت کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی' یہ دل تو سدا سے تمہارے ہی نام پر دھڑکتا تھا عینہ...... تم نے میری دھڑکنوں کی صدا کیوں نہ سنی۔ اے دل...... تیرا بھی کیا کہنا تو ایسے سوگ منا رہا ہے جیسے اس نے تیرے سنگ زندگی گزارنے کا عہد کیا تھا اس بے خبر کو تو خبر ہی نہیں کہ اس دل میں کیا غم پل رہا ہے پھر تو کیوں اس سے شکوہ کناں ہیں۔ وہ تو میری خاموش محبت کو جانتی ہی نہیں تو پھر اس سے کس بات کا شکوہ اے دل۔'' اپنے کندھے پر کسی کا دباؤ محسوس ہوا تو اس کی سوچوں کا ارتکاز ٹوٹا اس نے بازو آنکھوں پر سے ہٹا کر دیکھا تو سامنے رضیہ بیگم (مما) کھڑی تھیں۔ متفکر نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''کیا بات ہے بیٹا؟'' بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

''کچھ نہیں مما۔'' کہنیوں کے بل اٹھتے ہوئے اس نے نظریں ملائے بغیر کہا۔

''مجھے لگ رہا ہے کہ میرا بیٹا مجھ سے کچھ چھپا رہا ہے۔'' رضیہ بیگم نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے استفسار کیا۔

''کچھ بھی نہیں مما جی...... ایسی کوئی بات نہیں۔'' لہجے میں بشاشت طاری کرتے ہوئے بولا اور بیڈ سے اٹھ کھڑا ہوا اس سے پہلے کہ وہ اس کی نظروں سے کچھ اور اخذ کر پاتیں وہ سامنے سے ہٹ گیا۔

''چلو اچھا جلدی سے ریڈی ہو کے نیچے آجاؤ' نہ جانے کیوں گم صم رہنے لگے ہو اب بھلا شادی کے گھر میں کوئی یوں تنہا پڑا رہتا ہے۔ باہر ہزاروں کام کرنے کو ہیں سب تمہارا پوچھ رہے ہیں بیٹا۔'' وہ شکوہ کناں نظروں سے دیکھتے ہوئے بولیں۔ ''عینہ بھی پوچھ چکی ہے تمہارا' پانچ منٹ میں آجاؤ اب۔'' وہ بیڈ سے اٹھتے ہوئے بولیں۔ واصف وارڈ روب سے کپڑے نکالنے آگے بڑھا تھا۔

عینہ کے نام پر قدم بے ساختہ رک سے گئے یک دم ہی دل میں درد سا ہوا تھا رضیہ بیگم کمرے سے جاچکی تھیں۔

''دل ٹکڑے ٹکڑے کردیا تب تو میرا حال نہیں پوچھا تم نے؟ اب کیوں عینہ...... اب کیوں میرا پوچھتی ہو؟'' مضطرب سا اٹھ کھڑا ہوا اس سے پہلے کہ دل نامراد کو ماتم کرنے کا بھرپور موقع ملتا' فریش ہونے واش روم میں گھس گیا۔

قدموں کی آہٹ پر واصف نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر دیکھا عینہ اپنے کمرے سے باہر نکل کر کچن کی طرف جارہی تھی وہ صوفے پر سیدھا ہو بیٹھا۔ صبح سے بے قرار نظریں اس دشمن جاں کو کھوجتی رہی تھیں اب جا کے دل مضطرب کو چین آیا تھا۔

''عینہ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں' دل و جان کی تمام تر شدتوں کے ساتھ...... میں ٹوٹ کے بکھرنا نہیں چاہتا لیکن میں کیا کروں دل کے ہاتھوں بے بس ہوں' یہ کم بخت سمجھائے نہیں سمجھتا' بہلائے نہیں بہلتا۔ یہ آنکھیں تمہاری چاہ کے خواب دیکھنے کے جرم میں تا عمر سلگتی رہیں گی۔'' دونوں ہاتھوں سے سر کو تھامے اس وقت وہ بہت بے بس دکھائی دے رہا تھا۔ آنکھوں سے چھلکتا دکھ کا آنسو چپکے سے گریبان میں گر کے گم ہو گیا تھا۔

❀......❀......❀

رضیہ بیگم نماز سے فارغ ہو کر تسبیح پڑھ رہی تھیں' واصف کو یوں گم صم بیٹھے دیکھ کر وہ بے چین ہو اٹھیں' کچن میں کھڑی عینہ چائے کپوں میں انڈیل رہی تھی پھر ان کی نگاہیں بے ساختہ واصف کے چہرے پر گئیں جہاں اس کے دل کا درد واضح طور پر دکھائی دے رہا تھا۔

"واصف......!" ان کی آواز پر بھی اس میں جنبش نہ ہوئی تو وہ گھبرا کر اس کے قریب آ گئیں۔
"کیا بات ہے میری جان......؟" دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ لیے تشویش بھرے لہجے میں بولیں۔ واصف یک دم صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے چہرے پر واضح پریشانی کی چھاپ تھی۔
"کچھ بھی نہیں مما۔"
"تم پریشان ہو؟" وہ ان کے سوال پر چونک سا گیا۔
"میں پریشان......نن......نہیں تو۔" واصف کو پہلی بار ان کے سامنے اس طرح جھوٹ بولتے ہوئے خود کو بڑی دقت سے سنبھالنا پڑا تھا۔
"تمہارے چہرے پر لکھا ہے کہ تم پریشان ہو۔" رضیہ بیگم کے لہجے میں یقین تھا۔
"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے میں بالکل ٹھیک ہوں مما بھلا مجھے کیا پریشانی ہوگی۔" اندرونی بے چینی چھپائے ہوئے ان سے نظریں ملائے بغیر کہا۔ اس سے قبل کہ وہ اس سے اور استفسار کرتیں شکستہ قدموں سے کمرے کی جانب لوٹ گیا البتہ اس کی آنکھوں میں پھیلتی نمی رضیہ بیگم سے چھپی نہ رہ سکی تھی۔ ان کا دل کھٹک گیا واصف کا عینہ کو یوں حسرت بھری نگاہ سے دیکھنا انہیں سب کچھ سمجھا گیا تھا۔ گہری سانس خارج کرتے ہوئے وہ صوفے پر بیٹھ گئیں۔
"آخر میں اتنی بے پروا کیسے ہوگئی میرا بچہ اکیلا ہی غم میں ڈوبا رہا اور میں بے خبر رہی اس کی آنکھوں میں ٹھہری نمی کو نہ دیکھ پائی۔ گم صم ہو کر کمرے میں پڑے رہنا آخر مجھے کیوں نظر نہ آیا۔ بیٹے کے سینے میں بہتا درد کا دریا مجھ پر کیوں نہ آشکار ہو سکا اب چاہوں بھی تو اپنے لخت جگر کی حسرتوں کو آرزوؤں کا لبادہ نہیں اوڑھا سکتی۔ عین شادی کے وقت بھلا کیا

ہوسکتا ہے کاش کہ پہلے کچھ پتا چل جاتا تو میں ایسے کبھی نہ ہونے دیتی اگر میرا بس چلتا تو میں اس کی آرزوؤں کو خاک میں نہ ملنے دیتی اور یہ پاگل لڑکا مجھ سے تو کہتا ایک بار وقت کی ڈور ہاتھوں سے نکل چکی ہے گزرا وقت کبھی لوٹ کر نہیں آیا۔ اب بھلا میں کیا کروں کہاں سے اپنے بچے کو چین و سکون لاکر دوں۔" آنکھوں میں اٹھ آنے والے آنسوؤں کو انگلی کے پوروں سے صاف کرتے ہوئے خود سے خفا ہو رہی تھیں۔

❁......❁......❁

لگا ہے گھاؤ دل پر بہت غمگین ہے دل
میرا محبوب ہی ہے میری آرزو کا قاتل

"کیا ہوا واصف بیٹا...... سوئے کیوں نہیں ابھی تک؟" وہ اپنے خیالوں کی دنیا میں بھٹک رہا تھا اس کی آنکھوں میں دور دور تک نیند کا شائبہ نہ تھا۔

"بس مما سونے ہی والا تھا۔" ایک گہری سانس لیتے ہوئے بھرآئے ہوئے لہجے میں بولا۔ اس کے آنکھوں کے گرد باقاعدہ حلقے پڑ گئے تھے مسکراتے لب آج ایسے جامد تھے جیسے یہ کبھی مسکرائے نہ ہوں آنکھوں میں رچی ہوئی لالی اس کے رتجگوں کا واضح ثبوت تھی اس کی حالت زار ہی اس کا راز افشا کرنے کو کافی تھی۔ وہ تو پھر ماں تھی اس کے دل میں پنپتے جذبے کو بھانپ چکی تھی بیٹے کو اس حالت میں دیکھ کر ان کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوئے جا رہا تھا۔

دکھ اور اذیت کا احساس ان کے دل کی رگیں چیر رہا تھا دل مایوسیوں کی گہری کھائی میں ڈوبا جا رہا تھا۔ اس تصور سے کہ وہ اپنے جان سے پیارے بیٹے کے لب و رخسار کو کبھی ہنستا مسکراتا نہ دیکھ سکیں گی محبت پاش نظروں سے تکتے ہوئے ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور وہ خود سے بھی لاتعلق بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگائے آنکھیں موندیں عمیق سوچوں میں غوطہ زن تھا۔

سامنے اس مہربان ہستی (مما) کو دیکھ کر درد کو سنبھالنا اور محال لگ رہا تھا اس وقت اسے گمان نہیں تھا کہ کوئی اس کے کمرے کا رخ کرے گا تب ہی بڑی شانِ بے نیازی سے غم دل منا رہا تھا۔

"ایک بار مجھ سے تو کہا ہوتا واصف......" اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بوجھل لہجے میں بولیں۔

"ضرورت ہی محسوس نہیں کی مما' سوچا تھا کہ آپ خود سمجھ جائیں گی اور عینہ بھی مگر......" وہ مغموم لہجے میں بولتا ہوا ماں کو شکوہ کناں نظروں سے دیکھنے لگا۔ وہ بے ساختہ نگاہوں کا رخ پھیر گئیں بلاشبہ وہ اس وقت درد کی کڑی منزل سے گزر رہا تھا۔ رضیہ بیگم واصف کی خفگی نگاہوں کی تاب نہ لاسکیں اور فوراً آنکھوں سے اشک بہنے لگے اس وقت دونوں ہی بے بس و لاچار نظر آ رہے تھے۔

"واصف کیا عینہ بھی تم سے محبت......؟" جواب وہ جانتی تھی کہ عینہ واصف سے محبت نہیں کرتی کیونکہ انہوں نے عینہ کو ہمیشہ حماد کے سنگ بہت مسرور دیکھا محبت دھنک رنگ اوڑھ کر اس کے چہرے پر ہر وقت سجی رہتی ہے اور یک طرفہ محبت کا درد انہوں نے واصف کمال کی آنکھوں میں روتا دیکھا تھا پھر بھی دل میں مچلتے سوال کو زبان پر لے آئیں شاید کوئی امید کی کرن نہیں آ جائے۔

"نہیں مما...... عینہ نے کبھی مجھ سے محبت نہیں کی۔" گہری سانس بھرتے ہوئے اس نے غمگین لہجے میں بولا۔ "پتا نہیں یہ محبت اتنا درد کیوں دیتی ہے کیوں اتنا خالی کر دیتی ہے۔ چاہو بھی تو جینا محال لگتا ہے۔" رضیہ بیگم کی گود میں منہ چھپائے رندھی ہوئی آواز میں بولا۔ ان کو لگا کہ ان کو کند چھری سے ذبح کر دیا ہو۔

"مما یاد ہے بچپن میں میں اور حماد ریس لگایا کرتے تھے اور ہمیشہ حماد ہار جایا کرتا تھا اور میں

جیت جایا کرتا تھا۔ کاش کہ میں جب ہارا ہوتا اور آج جیت جاتا۔ کاش...... کہ مجھے خبر ہوتی کہ بچپن کی جیت عمر بھر کی ہار کے عوض ہے تو میں کبھی بھی نہ جیتتا۔ وہ ہار کے بھی جیت گیا...... اور میں جیت کے بھی ہار گیا۔'' قدرت کی اس ناانصافی پر اس کے اندر کا احساسِ زیاں بہت شدت سے جاگا تھا۔ ''میں آپ کو بہت بُرا لگ رہا ہوں نہ مما روتے ہوئے؟'' اشکوں سے لبالب آنکھیں چہرے پر بلا کی معصومیت لیے وہ ان کے ضبط کو بھی ریزہ ریزہ کرنے کے در پر تھا اور وہ کسی بھی قیمت پر آج ٹوٹنا نہیں چاہتی تھیں۔ دل میں برپا ہوتے کہرام کو بہت حوصلے سے سنبھالے ہوئے تھی وہ کچھ توقف کے بعد بولی۔ ان کے لہجے میں غیر معمولی بات کا عنصر نمایاں تھا۔

''میرا بیٹا بہت بہادر ہے بلند ہمت و حوصلے والا ہے۔ تمہارا درد بے شک چیر دینے والا ہے اور محبت کا دوسرا نام اذیت ہے مگر میرے چاند اس طرح ٹوٹ کے بکھرنا خود کو درد کے دائرے میں سمیٹ کے رکھنا یہ تو غلط ہے۔ میرے چاند۔'' اس کے گال پر دستِ شفقت رکھتے ہوئے بولی۔

''بیٹا...... تمہاری ماں تم سے ایک التجا کرتی ہے کیا تم میری بات کو مان بخشو گے؟'' پُر یقین انداز میں سوال کیا۔ وہ بہت افسردہ ہوگئی تھیں اور ان کی آواز میں چھپی بے بسی کو محسوس کرتے ہوئے واصف سے رہا نہ گیا اور وہ پوچھ بیٹھا۔

''بولیں مما...... میں آپ کی ہر بات مانوں گا اور آپ حکم کریں مجھ نالائق بیٹے سے التجا ہرگز نہ کریں، آپ بس حکم کریں۔'' اس نے رضیہ بیگم کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بڑی محبت سے بولا۔

''میرے چاند...... مجھے معاف کردینا میرے بچے، میں اپنے بچے کے لیے کچھ بھی نہ کرسکی۔'' انہوں نے اپنے ہاتھوں میں موجود واصف کے ہاتھوں کو بھینچ کر اپنی آنکھوں سے لگایا اور وہ ان کے اس انداز پر تڑپ ہی تو گیا۔

''ایسا مت کہیں مما...... میں...... میں سنبھل جاؤں گا بس کچھ وقت درکار ہے۔ میں آپ کو کبھی تنگ بھی نہیں کروں گا۔ مما...... آئی ایم سوری۔'' اس نے خود میں بلند ہوتے نوحے کا گلا گھونٹ کر درد جگر کو پسِ پشت ڈال کر انہیں حوصلہ دیا۔

''اس محبت نے میرے بیٹے کو یکسر بدل کے رکھ دیا ہے، میں جانتی ہوں وہ بہت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے اس کے دل کا حال اس کی آنکھیں بتلا دیتی ہیں۔'' اور پگلا پھر بھی مجھے فریب دینے کی سعی کررہا ہے۔

''سب ٹھیک ہوجائے گا، پریشان نہیں ہو۔'' نجانے کس طرح وہ تسلی بھرے یہ دو بول بول پائی تھیں۔ واصف کو دلاسہ دیتے ہوئے اسے گلے سے لگایا۔ بے قرار دل ماں کا لمس پاتے ہی چیخ چیخ کے رونے کو مچلنے لگا۔

شدت سے خواہش جاگی کہ وہ مما کے آگے ہاتھ جوڑ کے عینہ کے ساتھ کی التجا کرے جیسے کہ وہ التجا کررہی تھیں مگر دل کو یہ صدمہ تو اٹھانا ہی پڑے گا کیونکہ قسمت کی کتاب میں عینہ کو آصف کی ہمراہی نہیں بلکہ جہاد کی ہمراہی نوازی گئی تھی۔ دل کتنا ہی ٹوٹ کے بکھرنا چاہے کتنا ہی شور مچالیتا مگر تقدیر کے فیصلے میں ردوبدل کرنے کی سکت وہ ہرگز نہیں رکھتا تھا۔

''یا اللہ...... میرے چاند کو زندگی کی سب خوشیاں عطا فرما اور جو تُو بہتر سمجھتا ہے وہ عطا فرما، آمین۔'' وہ اسے خود سے الگ کرتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں زیرلب بولیں۔

''واصف...... تم کل صبح کی فلائٹ سے اپنے ماموں کے پاس جارہے ہو اپنی تعلیم مکمل کرنے۔'' وہ چونکتے ہوئے ان کو دیکھنے لگا۔ ''میں جانتی ہوں

شادی کے موقع پر تمہارا یوں جانا سب کو چونکا دے گا اور میں یہ ہرگز نہیں برداشت کرسکتی کہ یہ راز کسی تیسرے فرد کو معلوم ہو۔ کچھ وقت کے لیے تمہارا یہاں سے چلے جانا ساری عمر آسودگی کے ساتھ گزارنے کے لیے ضروری ہے اور تم کیا چاہتے ہو یہ بتاؤ؟" لہجے میں اضطراب کی جھلک صاف محسوس کی جاسکتی تھی۔

"ٹھیک ہے مما...... جیسا آپ چاہتی ہیں ویسا ہی ہوگا۔" اندرونی بے چینی چھپائے آنسوؤں پر پہرہ لگائے خودکلامی کے انداز میں بڑی دقت سے جواب دے پایا۔ انہوں نے دانستہ طور پر واصف کی آنکھوں میں دیکھنے سے گریز کیا۔ رنج و ملال کے سب ہی رنگ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی صورت میں بہتے ہوئے دیکھنے کا وہ خود میں حوصلہ نہیں پاتی تھیں۔ کافی دیر تک واصف کے بولنے کی منتظر رہیں مگر وہ ہنوز لبوں پر خاموشی کا قفل ڈالے بیٹھا رہا۔ اس پر چھائی مایوسی اور شکستگی اس کے انگ انگ سے جھلک رہی تھی اسے یوں شکستہ حال بیٹھا دیکھ کر ان کا دل جیسے مٹھی میں آگیا تھا۔ افسردگی سے دیکھتی ہوئیں ضبط کو تھامے کمرے سے نکلتی چلی گئیں اگر آج ضبط کا دامن چھوڑ بیٹھتیں تو اپنے جان سے عزیز بیٹے کو ہمیشہ کے لیے کھو دیتیں۔ اس کی آہ و بکا انہوں نے جس دل سے سنی وہ رب جانتا تھا۔ اسے گمنام راہوں کا مسافر کیسے بننے دیتیں، تنہائی کے حوالے کرنے کا حوصلہ کیسے کرتیں؟ وہ جانتی تھیں اس کے درد کی حدیں بے شمار ہیں مگر...... وقت سب سے بڑا مرہم ہے۔

تنہا کمرے میں کھڑا وہ ہارے ہوئے جواری کی مانند لگ رہا تھا۔ ماں کی آنکھوں میں جلتی امید کی لو کو برقرار رکھنے کے لیے اپنے دل میں جلتے الاؤ کو مزید دہکا چکا تھا، آنکھوں سے بہتے اشک نجانے کون کون سے غم میں نڈھال ہوکر رواں دواں تھے اور بھلا اس دل پر ان آنکھوں پر کس کا اختیار تھا کم بخت بس ایک کام ہی کرنا جانتا ہے رونا...... رونا اور بس رونا۔ پھر بھی روح میں شامل بے چینی و اضطراب کسی طور بھی کم نہ ہو پاتا۔

زندگی اپنے معنی تو ویسے ہی کھوچکی ہے اگر مما کو لگتا ہے کہ میں یہاں سے دور جاکر بہل جاؤں گا تو یہ محض ان کا خیال ہے اس دل پر لگنے والی ضرب اتنا تو اثر رکھتی ہے کہ ساری عمر اشکوں کو اپنے اختیار میں کیے زخموں پر پھوار کی مانند یہ اشک برستے رہیں۔ زخم مندمل نہ ہوسکے اور تم سے بچھڑ کے نہیں مرا تو دور جاکے کیا مروں گا۔ تم کسی اور کی ہوگئیں تب بھی یہ سانس نہ تھمی تو دور جاکر کون سا یہ دل دھڑکنا بھول جائے گا۔ یہ جو درد یہاں سے لیے جاؤں گا وہ ساری عمر کے لیے کافی ہوگا۔ تقدیر کے لکھے کو کوئی نہیں مٹا سکتا اور میں ایسا خوش بخت بھی نہ تھا جو چاہتا وہ پالیتا۔

ڈائری اپنے الٹے ہاتھ میں لیے قلبی ڈائری کے سپرد کررہا تھا۔ یہ ڈائری واصف کمال کی محبت کی گواہ تھی، درد لفظوں کی صورت میں موتی بن کر ڈائری میں بکھرا ہوا تھا۔ وہ لفظ جو کبھی اس کے لبوں سے ادا نہ ہوئے تھے ان کے جذبے، زخمی دل کے شکوے گلے، ہر پل کی داستان سب ہی کچھ اس ڈائری میں رقم تھا۔ میں اتنا جانتا ہوں دل میں اٹھتی درد کی لہریں ساری عمر آنکھوں کے کنارے خشک نہ ہونے دیں گی۔

طلب مجھ سے نہ کر چھاؤں کی اے منزلِ مغموم
تپتے ہوئے صحرا میں بے سائباں شجر ہوں

دل گمراہ

شبینہ گل

ادھورا ہے ہر اک سپنا ہمارا
کبھی جھولے، کبھی ساون نہیں ہے
یہ مرجاتی ہے اپنی موت خود ہی
محبت کا کوئی دشمن نہیں ہے

عورت کا مترادف..... انتہا پسند
اس سے بہتر کوئی موازنہ نہیں ہوسکتا۔

یہ محبت کرے تو محبوب کو دیوتا بنادے جائز ناجائز سب بھلادے اور اگر نفرت کرنے پر آجائے تو پستیوں کی آخری حد کو چھونے میں مثل ابلیس ہوجائے۔ کبھی تو وفا میں جان دے دے اور کبھی بے وفائی میں کٹ مرے۔ دین داری اپنائے تو ولیہ بن جائے اور اگر کسی ضد میں دین کو چھوڑے تو سیدھی کفر کی سرحد پر جاکھڑی ہو۔ درگزر کی انتہا کرے تو قاتل کو بھی سینے سے لگالے اور جو انتقام کا جذبہ بھڑک اٹھے تو اس آگ میں خود کو بھی بھسم کرڈالے۔ میانہ روی پر چلتے عورت کو تو شاذ ہی دیکھا ہے۔

محبت ہو تو بے حد ہو جو نفرت ہو تو بے پایاں
کوئی بھی کام کم کرنا مجھے ہرگز نہیں آتا

افشین سعید اس شعر کی عملی تفسیر تھی اور اس تفسیر کا عنوان عثمان مسعود۔ افشین کی زندگی کا الف بھی وہی تھا اور یے بھی وہی۔ حالانکہ وہ تو اس قابل بھی نہ تھا کہ صفر سے ضرب دیا جاتا لیکن درحقیقت افشین بھی تو ایسے ہی شخص کے قابل تھی۔

نجانے زندگی کے سارے خسارے ساری کوتاہیاں ڈھلتی عمر میں ہی کیوں یاد آنے لگتے ہیں۔ نجانے جوانی میں انسان اتنا تیز کیوں چلتا ہے کہ وقت کو بھی پیچھے چھوڑ دینے کی کوشش کرنے لگتا ہے اور پھر اپنے عزم میں اتنا آگے نکل جاتا ہے کہ پیچھے دیکھنے کی خواہش کرنا یا پلٹنا ہی ناممکن ہوجاتا ہے۔ اس نے بھی جوانی اسی تیزی میں گزاری تھی اور ساتھ چلنے والوں سے ہاتھ چھڑا کر آگے بڑھی تھی۔ اپنی عقل کے عزم میں ساتھ چلنے والوں کا نہ چہرہ دیکھا نہ دل۔ نہ ان کو دیکھا جو پیچھے سے دامن پکڑے اسے روک رہے تھے نہ ان کو دیکھا جو دل ہاتھ میں لیے کرلا رہے تھے۔ بس ان کو دیکھا جو چہرے پر ملمع چڑھائے ہاتھ بڑھائے لفاظی کے جوہر دکھاتے رہے۔ وہ سطحی عورت تھی اس نے سطح پر ہی رہنا تھا۔ سطحی لوگ صرف ایک ہی بار گہرائی میں جاتے ہیں، صرف تب جب وقت زبردستی انہیں پاتال میں دھکیل دیتا ہے پھر وہ چاہیں نہ چاہیں ساری گہرائیاں واضح نظر آنے لگتی ہیں۔ گہرائی اور پاتال کا فرق سمجھ میں آنے لگتا ہے۔ پر کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

بے رونق زردی مائل چہرے پر بہت تیزی سے جھریاں اور چھائیاں نمودار ہوکر واضح ہونے لگی تھیں اس نے ڈریسنگ ٹیبل پر نظر دوڑائی۔ اس کے پاس امپورٹڈ کاسمیٹکس کا انبار تھا جن سے وہ بڑھتی عمر کی ایک ایک لکیر مہارت سے چھپالیتی تھی اور اس وقت بھی وہ یہی کر رہی تھی لیکن یہ تو وقتی عمل تھا نا۔ لکیریں چھپ سکتی تھیں ہمیشہ کے لیے مٹ نہیں سکتی تھیں۔ بس یہی سوچ اس کے دل کے بوجھل پن کو چہرے پر پھیلا دیتی اور پھر کوئی بیس بھی اس کے چہرے کو چمکا دینے کے باوجود گلاب سا کھلا نہیں سکتی تھی۔ اب گلاب سا کھلنے کی عمر بھی تو نہ رہی تھی ہاں یہ ایک تسلی تھی جو وہ خود کو دیتی اور میک اپ کی تہیں لگائی جاتی۔

وہ ایک ایک لکیر پر بیس لگاتی جارہی تھی۔ آنکھوں کے کناروں سے جڑی لکیریں بتارہی تھیں کہ کبھی وہ ہنستی بھی تھی اور ہونٹوں کے اطراف میں نیم دائرہ نما لکیروں کا جال بتا رہا تھا کہ اس کا چہرہ کثرت سے مسکرانے والوں میں شامل تھا اور تب مسکرانے سے صرف ڈمپل پڑا کرتے تھے لکیریں نہیں۔ اب لکیروں کے جال میں ڈمپل ڈوب سے گئے تھے۔ آنکھوں کے نیچے پڑے حلقوں کی سیاہی بتا رہی تھی کہ ان آنکھوں کا خیال نہیں رکھا گیا۔ یہ حلقے عرصے سے سیاہ ہیں اور کچھ ان میں دل کی سیاہی گھل گئی ہے اور اس کی تیزی سے چلتی انگلیاں ہر راز کھولنے والے نشان کو معدوم کرتی آرہی تھیں۔ یہ میک اپ بھی ایک دھوکا ہی ہے جو انسان بخوشی خود کو دیتا ہے اور اس دھوکے میں بلا کا سکون محسوس کرتا ہے۔ لیکن ہر تھوڑی دیر بعد اس سکون میں دراڑ پڑنے لگتی ہے تو پاکٹ مرد کی ضرورت بن جاتا ہے اور دھیرے دھیرے پرس بھی میک اپ کٹ میں تبدیل ہونے لگتا ہے۔

میک اپ مکمل ہوگیا تھا۔ نشانات چھپ گئے تھے جوانی کا ماسک چڑھ گیا تھا اس نے ایک مطمئن سی نگاہ آئینے کے سپرد کی اور ڈیزائنر بیگ اٹھا کر کاندھے پر ڈالا۔ سینڈل پہن کر ایک بار پھر آئینہ دیکھا۔ ڈھلتی عمر آئینے کا محتاج کر دیتی جاتی ہے ریک سے گھر کی چابیاں اٹھائیں تمام لائٹس چیک کیں اور اپارٹمنٹ لاک کرکے پارکنگ میں آگئی۔ سب کچھ تو تھا اس کے پاس ذاتی لگژری اپارٹمنٹ، ذاتی کار ہر سہولت پھر بھی دل کیوں خالی تھا؟ کیونکہ اس نے دل آباد کرنے پر کبھی توجہ دی ہی نہ تھی۔ ہمیشہ وقتی جذبے آباد کیے اور وقتی رشتوں کی پرورش کی۔ وقت گزر چکا تھا اب وہ تنہا تھی۔

❀ ...... ❀ ...... ❀ ...... ❀
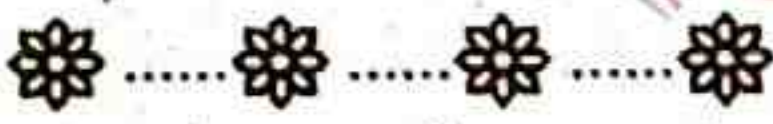
افشین سعید ایک بین الاقوامی اخبار کے ایڈورٹائزنگ سیکشن میں اسسٹنٹ منیجر کی پوسٹ پر فائز تھی اور عثمان مسعود منیجر تھا۔ آئے روز مختلف فائیو اسٹار ہوٹلز اور کلبز میں پارٹیاں ایگزیبیشن فیشن شوز یا مشاعرے ہوتے۔ کچھ فطرت آزادانہ تھی اور کچھ ماحول نے کام دکھایا۔ کچھ افشین ماڈرن تھی تو کچھ عثمان رنگین مزاج، آزاد کھلے ڈلے ماحول نے قربتوں کو تیزی سے پروان چڑھایا۔ ہوس زدہ جذبے یوں بھی جنگلی پودوں کی مانند پروان چڑھتے ہیں، تیزی

سے بے موقع اور بے ڈھب۔ جو گھر سے باہر کے اوقات کا ساتھی تھا۔ جلد ہی وہ چوبیس گھنٹوں کا سایا بن گیا۔

اس روز بھی میریٹ ہوٹل میں ڈیزائنر لان ایگزیبیشن تھی اور وہ دونوں انوائیٹڈ تھے۔ افشین بیش قیمت ڈیزائنر ویئر زیب تن کیے میک اپ کی تہوں میں چھپی عثمان کے ہم قدم تھی۔ اس کا تعلق اپر مڈل کلاس سے تھا لیکن انداز و اطوار اپنی جاب کی بدولت اسے ایلیٹ کلاس کا ظاہر کرنے لگے تھے۔ اگر اس کا عریاں بازو عثمان مسعود کی مستقل گرفت میں تھا تو اسے کوئی اعتراض نہ تھا اگر وہ ہر تھوڑی دیر بعد اسے اپنے ساتھ لگا لیتا تو بھی یہ کوئی انوکھی بات نہ تھی۔ عورت نفس پرست ہو جائے تو مرد کو بن مانگے آزادیاں دیتی چلی جاتی ہے وہ بھی یہی کر رہی تھی کیونکہ وہ اس کا باس بھی تھا دوست بھی اور شاید...... کچھ اور بھی۔

ہوتے ہیں کچھ مرد جن میں بظاہر تو کوئی خاص بات نظر نہیں آتی لیکن عورت ان کے آگے دعوت بنتی چلی جاتی ہے کیونکہ ان مردوں میں مردانگی ہو یا نہ ہو وہ دانہ ڈالنے کا طریقہ خوب جانتے ہیں۔ بس اسی ایگزیبیشن سے ان کی قربت بڑھی تھی اور لوگوں پر کھلی تھی کئی لوگوں نے اسے سمجھایا کہ عثمان مسعود ہر نئی ڈال کا بھنورا ہے لیکن عورت جب اپنی عقل کو اپنے پسندیدہ مرد کے پاس گروی رکھ دے تو وہ قیمت چکا کر بھی عقل واپس وصول نہیں پاتی وہ سب کو یہی کہتی۔

”اگر وہ بھنورا ہے تو مقابل بھی تتلیاں ہی آتی ہوں گی۔ سنجیدہ وہ بھی نہیں ہوں گی لیکن میں سنجیدہ ہوں جب میری نیت میں کھوٹ نہیں تو مجھے بدلے میں کھوٹ کیوں ملے گا۔“

اس کی نیت میں کھوٹ نہ سہی لیکن جذبوں میں تو تھا۔ ناجائز جذبے کھوٹے ہی تو ہوتے ہیں۔ افشین کی شامیں عثمان کے نام ہو گئیں۔ خواہ کوئی فنکشن ہوتا یا نہ ہوتا۔ ڈنرز، شاپنگز، آؤٹنگز...... وہ اس کی طلب بھڑکا رہا تھا۔ ہوس زدہ مرد کو صرف عورت سے مطلب ہوتا ہے، خوب صورت، بدصورت، نفیس، غلیظ، موٹی، دبلی۔ اسے فرق نہیں

پڑتا۔ اسے کون سا محبت نبھانی ہوتی ہے۔ سو افشین سعید اگر خود کو خوب صورت اور عثمان مسعود کو اپنی خوب صورتی کا دیوانہ سمجھتی تھی تو وہ غلطی پر تھی۔ وہ صرف وجود کے حصول پر یقین رکھتا تھا اور ٹھنڈا کرکے کھاتا تھا اسی لیے پرسکون تھا۔ وہ عورت کو اعتبار، محبت اور بھروسے کی اس سیڑھی پر لے آتا تھا جہاں وہ اس کی ہر ڈیمانڈ بلا چوں چرا آنکھوں بند کرکے مان لے اور افسوس یا شکوے کا ایک لفظ تک نہ کہے۔ اس کی ڈیمانڈ کو اس کی چاہ کا حق سمجھ کر حوالے کردے اور شانت رہے۔ وہ اکثر لوگوں کے الفاظ اسے بتاتی تو وہ دلکشی سے ہنس دیتا۔

"سب کہتے ہیں عثمان فلرٹ ہے۔"

"افشین کیا کہتی ہے؟" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نگاہوں میں خمار بھر کر پوچھتا تو وہ نہال ہوجاتی۔

"افشین کہتی ہے عثمان میرا ہے۔" اور عثمان ایک فلک شگاف قہقہہ فضا کے سپرد کرتا۔

"عثمان کیا کہتا ہے؟" افشین ناز دکھاتی تو وہ گہری مسکراہٹ سے اسے سرتاپا دیکھتا۔

"عثمان کہتا ہے افشین پر صرف عثمان کا حق ہے۔" پھر کون نہ لٹ جائے اس مخمور لب ولہجے میں کہے گئے استحقاق بھرے جملے پر۔ یہ جملہ اس کے گرد گویا نشے کا ایسا حصار بنالیتا جو دنیا کی کوئی شراب نہ بناپاتی۔ وہ خود ہاتھ بڑھاتی اور وہ اس کا ہاتھ تھام کر اپنی طرف کھینچ لیتا۔ یہی تو وہ دانہ تھا جس کے پیچھے وہ لپک کر آئی۔ وہ تو وجود کے حصول میں پاگل ایک مہذب گدھ تھا کیونکہ اس کی قربتیں ابھی نامکمل تھیں۔ شاید تربیت میں شامل حیا تھوڑی سی باقی تھی جو اس نے کچھ حدیں ابھی سنبھال رکھی تھیں ابھی پور پور نہیں لٹایا تھا اس لیے کشش ابھی باقی تھی۔ عثمان ٹھنڈا کھانے کا عادی تھا' شطرنج کا شیدائی تھا اسی لیے صبر وتحمل اس میں بلا کا تھا۔ اسے کریز بڑھانا آتا تھا۔

❀........❀........❀

پھر یوں ہوا کہ دن کا ساتھی شام کے بعد راتوں کا بھی ساتھی بن گیا۔ کیا ہوا جو پاس آنے نہیں دیتی تھی۔ وہ دور رہ کر بھی قربت کا مزہ لینا جانتا تھا آدھی آدھی رات تک اور کبھی پوری رات دونوں موبائل پر بات کرتے رہتے۔ وہ ماں باپ کی اکلوتی لاڈلی بیٹی تھی وہ اس پر اندھا اعتماد کرتے تھے اور اسے ہر طرح کی آزادی دے رکھی تھی نیند کی گولیاں کھا کر سونے والی ماں ساتھ والے کمرے میں ہونے کے باوجود آدھی رات کو جوان اور خوبصورت بیٹی کے کمرے سے ابھرنے والی مدھم آوازوں کے پس منظر سے بے خبر تھی۔

دن میں تو اس کی آنکھیں بھی کھلی ہوتی تھیں لیکن وہ تب بھی بیٹی کی چال ڈھال پر غور نہیں کرتی تھی اس کی ماں ان عورتوں میں سے تھی جو ساری زندگی اپنے آپ میں مست مگن رہتی ہیں اور جب پانی سر سے اونچا ہوجائے تو دنیا کو کوسنے دے دے کر ہمدردی سمیٹنے کی کوشش کرتی ہیں۔ وہ ایسی بے خبر ماں تھی جسے بیٹی کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹیں تبدیلی کا احساس دلانے سے قاصر تھیں وہ ایک عرصے تک جان نہ پائی کہ بیٹی کی نیند کی کمی اور آنکھوں کے گرد بنے حلقوں کی وجہ رات گئے تک کام کی زیادتی نہیں بلکہ ہوس کی پوجا ہے۔ چہرے پر ہوس کی قلعی پھر جائے تو قدرتی رونق اور معصومیت کو نوچ کر پھینک دیتی ہے۔ مردہ دلی چہرے سے عیاں ہوجاتی ہے چہرہ بیوٹی کریمز اور میک اپ کی تہوں کا محتاج ہوجاتا ہے۔

افشین اور عثمان بھی ساری رات ہوس کی پوجا میں مصروف شیطان کی خوشنودی کا سامان کرتے رہتے۔ اگر کبھی افشین کی بے خبر ماں اس کے کمرے کے باہر چند لمحے کھڑی ہوجاتی تو اسے صورت حال سمجھنے میں ذرا بھی وقت نہ لگتا لیکن وہ اپنے کمرے میں محو خواب رہتی۔ افشین کے کمرے کی تنہائی میں ابلیس کا رقص جاری رہتا اور جب دونوں کو نیند اور تھکن کا غلبہ آلیتا تو سلسلۂ کلام بند ہوجاتا۔

پانی پاکیزگی کا دوسرا نام ہے۔ ہر ایک کو پاک کردیتا ہے ہر گناہ دھو دیتا ہے۔ حیا اور پاکیزگی کبھی بھی پانی کے ساتھ ڈھل کر بہتی نہیں۔ چہرے پر ہمیشہ سجی رہتی ہے میک اپ ڈھل کر بہتا ہے تو چہرہ مزید مکروہ لگنے لگتا ہے لیکن پروا

کیے تھی؟ پانی وجود کو دھو دیتا ہے پاک کر دیتا ہے لیکن روح کو پاکیزدگی نہیں دے سکتا' خیالات کو دھو کر شفاف نہیں کر سکتا۔ اس معاملے میں پانی بے بس ہے۔ وہ سمجھتی تھی کہ وہ پاک ہوگئی شفاف ہوگئی لیکن اس کی روح دن بدن آلودہ ہوتی چلی جارہی تھی۔

❀ ❀ ❀

دن رات کے اس جھمیلے کو پہلا جھٹکا اس وقت لگا جب افشین کے رشتے آنا شروع ہوئے۔ رشتے تو پہلے بھی آتے تھے لیکن اس کے ماں باپ کو وہ اس کے قابل نہیں لگتے تھے اب اخبار کی جاب کے توسط سے بہت سے لوگ آنے لگے جن میں سے اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو اس کی اور عثمان کی دوستی سے واقف بھی تھے لیکن جس کلاس سے ان کا تعلق تھا وہاں ایسی دوستیاں عام سی بات تھی۔ مسئلہ اس وقت شروع ہوا جب دو تین لوگ اس کے بابا سعید احمد کو پسند بھی آگئے اور انہوں نے اس معاملے میں سنجیدہ رویہ اپنایا۔ تب اسے عثمان سے دو ٹوک بات کرنا پڑی۔

''بابا بے حد سنجیدہ ہیں اور پرپوزلز بھی ایسے ہیں کہ میں کوئی بہانا نہیں بنا سکتی۔'' عثمان کا چہرہ سپاٹ تھا۔

''تو نہ بناؤ بہانے چن لو کسی ایک کو۔'' اس نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے بے نیازی سے کہا تو افشین نے دکھ سے اسے دیکھا۔ مجروح لہجے میں بولی۔

''میں ایک کو چن چکی' اسی سے جواب مانگ رہی ہوں۔''

عثمان نے اپنی سیٹ سے ٹیک لگاتے ہوئے گہری نظر سے اسے دیکھا۔

''کیا چاہتی ہو تم؟'' افشین کا اعتماد پہلی بار ڈانوا ڈول ہوا۔

''میں چاہتی ہوں تم اپنا پرپوزل بھجواؤ۔'' عثمان نے پرسوچ نظروں سے اسے دیکھا پھر جیسے شطرنج پر اپنی اگلی چال چلی۔

''تم جانتی ہو میرا تعلق بروکن فیملی سے ہے۔ مام اور ڈیڈ میں سے کسی ایک کو بھی مجھ سے یا میری زندگی کے کسی بھی معاملے سے کوئی سروکار نہیں۔ میرے پاس ایسا کوئی رشتہ نہیں جو تمہارا ہاتھ مانگنے تمہارے پیرنٹس کے پاس جائے۔ میں خود ہی سارے معاملات طے کروں گا۔ اگر یہ بات گوارا ہے تو میں آج بلکہ ابھی چلا جاتا ہوں۔''

افشین سوچ میں پڑ گئی۔ اس کے چہرے پر چھائی سوگواری عثمان کو لطف دے رہی تھی۔ شادی کے لیے وہ کبھی بھی سنجیدہ نہیں تھا لیکن افشین کو پانا اور اس کے بغیر رہنا ممکن بھی تو نہ رہا تھا۔ وہ ہر پتا آزمانا چاہتا تھا کہ کس پتے پر افشین اس کی جھولی میں آتی ہے وہ کچھ دیر بے بسی سے انگلیاں چٹخاتی رہی پھر جیسے کسی نتیجے پر پہنچتے ہوئے بولی۔

''ٹھیک ہے۔ تم آج شام کو آؤ۔ بابا کے اعتراضات کو میں ڈیل کرلوں گی۔'' عثمان کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔ وہ جانتا تھا کہ وہ جتنی مرضی ماڈرن بن جائے لیکن اس کا باپ اپنی کلاس کی روایتوں سے کبھی نہیں نکلے گا' تب وہ اسے بغاوت پر اکسائے گا اور وہ خود ہی اس کی جھولی میں آگرے گی۔ وہ سوچ میں گم اس چلتی پھرتی قیامت کو نظروں ہی نظروں میں تول رہا تھا اور وہ اس کے احساسات سے بے خبر اپنی ہی ادھیڑبن میں الجھی تھی۔

شام کو حسب وعدہ وہ اپنی سحر انگیز شخصیت کے جلوے بکھیرتا ان کے ڈرائنگ روم میں موجود تھا۔ ساری دنیا مل کر بھی گدھ کو جنگل کا بادشاہ بنا ڈالے لیکن وہ شیر تو نہیں بن جائے گا۔ سعید احمد نے بھی سوٹڈ بوٹڈ نفیس شخصیت والے عثمان سعود کی نگاہوں کی گہرائیوں میں چھپے گدھ کو پہچان لیا۔ وہ اس سے بطریق احسن ملے' اپنے اعتراضات پر اس کے مہذب جوابات اور دلائل تحمل سے سنے اور عزت سے رخصت کردیا۔ لیکن اس کے بعد افشین کے سامنے دو ٹوک انداز اپنا کر جواز دیا۔

''خواہ تم اسے روایتی ڈائیلاگ سمجھو لیکن حقیقت یہی ہے کہ ماں باپ کے تجربے کے آگے تم جوانوں کے جذبات اور فیصلے سطحی ہوتے ہیں تم لوگ صرف وقتی

جذبات اور کشش دیکھتے ہو۔ ہم حقیقت پسندی سے اور دور اندیشی سے ہر پہلو کو پرکھتے ہیں۔ بے شک اس کے والدین کی علیحدگی میں اس کا کوئی دوش نہیں لیکن یہ ٹریجڈی اولاد کے مزاج پر بڑے منفی انداز میں اثر کرتی ہے اور وہ مزاجاً اتنا مستحکم نہیں ہوتا جتنا بحیثیت مرد اسے ہونا چاہیے۔ ماں باپ کے فیصلوں کی ہٹ دھرمی اس کے مزاج میں بھی در آئی ہے اور وہ ان ہی کے نقش قدم پر چلتا ہے۔ جس کے والدین کا بندھن ناکام رہا ہو اور بحیثیت والدین بھی وہ کوئی کردار ادا نہ کرتے ہوں تو ایسا شخص شادی کے بندھن کی اہمیت اور حرمت کو نہیں سمجھتا۔ وہ اس کے ٹوٹنے جڑنے کو بھی ثانوی درجے پر رکھتا ہے ایسا شخص متلون مزاج ہوتا ہے۔ میں اپنی اکلوتی بیٹی کی زندگی کو طوفانوں کی نذر نہیں کرسکتا۔ وہ بھی اس صورت میں جب بادِ مخالف مجھے ابھی سے چلتی نظر آرہی ہو۔ عثمان کی نگاہوں میں عزت نہیں ہے، حیا نہیں ہے یہ بات تمہارے لیے اہم نہ سہی میرے لیے ہے۔“

جن ماں باپ نے ساری زندگی اولاد کے کسی معاملے میں مداخلت نہ کی ہو اور ہر اچھا برا فیصلہ اولاد کے اختیار میں دیئے رکھا ہو وہ شادی کے فیصلے پر یوں میدان میں اتر آتے ہیں تو ان کے دلائل جائز اور مضبوط ہونے کے باوجود اولاد کو ناگوار گزرتے ہیں کیونکہ والدین نے انہیں اپنے فیصلوں کا عادی کبھی بنایا ہی نہیں ہوتا۔ یہی کیفیت افشین کی بھی تھی۔ اس کے ماں باپ نے اسے ایلیٹ کلاس کے حوالے کرنے کے بعد اب واپس مڈل کلاس سرکل میں کھینچنے کی جو کوشش کی تھی وہ اس کے لیے ناقابل قبول تو تھی لیکن باپ کے آگے من مانی کامیاب نہیں ہو رہی تھی۔ وہ اس کے ہر اعتراض کو رد کیے جارہے تھے اور اس کی ہر دلیل پر اپنے اعتراضات کا بوجھ لاد کر دبائے جارہے تھے زیادہ دبانے سے پھٹنے کا اندیشہ قوی ہوتا ہے وہ تجربہ کار ہو کر بھی ناسمجھی والی حرکت کررہے تھے۔

انہوں نے اپنے تئیں اس کا غم دور کرنے کے لیے عثمان مسعود کی ٹکر کا بندہ ڈھونڈ کر اس کی افشین سے ملاقات کا اہتمام کروادیا۔ حسن نوید ایک کروڑ پتی بزنس مین تھا۔ جاذب شخصیت اور نفیس عادات کا مالک تھا۔ اس کے ماں باپ فوت ہوچکے تھے لیکن وہ ایک بھرا پرا خاندان رکھتا تھا۔ سعید احمد نے اس کے بہن بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں سے ملاقاتیں کیں، چھان بین کروائی اور پھر اس کی افشین سے ملاقات کا وقت مقرر کر کے افشین کو بتا دیا۔ اس کے کوائف سن کر وہ مرعوب بھی ہوئی اور خائف بھی۔ میڈیا سے تعلق ہونے کی بناء پر کسی حد تک وہ خود بھی حسن نوید سے واقف تھی لیکن گہرائی سے نہیں۔ سعید احمد کی بتائی گئی تفصیلات اسے ہر لحاظ سے عثمان مسعود پر برتر ظاہر کررہی تھیں اس کے اعتراضات نہ چاہتے ہوئے بھی دم توڑتے چلے گئے۔ پھر جب اس سے تفصیلی ملاقات ہوئی تو وہ اپنے بابا کی چوائس کی دل سے معترف ہوگئی۔

عثمان مسعود نہ ہوتا تو وہ لمحہ نہ لگاتی اور حسن نوید کے حق میں فیصلہ دے دیتی۔ اب مسئلہ عثمان کا تھا جو حسن کا نام سن کر ہی بھڑک اٹھا تھا۔ اس کا صبر و تحمل لمحوں میں فنا ہوگیا۔ اسے محسوس ہوگیا کہ افشین والدین کے آگے مجبور ہونے لگی ہے اور اس کے ہاتھ سے یونہی جانے والی ہے تو اس نے بنا سوچے سمجھے اس پر اپنی اصلی صورت واضح کردی۔ افشین نے اسے کافی آزادیاں اور اپنے وجود تک کافی رسائی دے رکھی تھی لیکن اس کی خواہشات کی ہر حد عبور کرنے میں ساتھ دینا الگ معاملہ تھا اور افشین اس کے حق میں ہرگز بھی نہ تھی۔ اسے عثمان کے پینترا بدلنے پر دکھ ہوا اور یوں حسن نوید کے حق میں فیصلہ دینا آسان ہوگیا۔ اس نے جاب سے ریزائن کردیا اور شادی کی تیاریاں کرنے لگی۔ ریزائن تو اس نے ناکام محبت کی وجہ سے دیا لیکن گھر گرہستی اور شریک حیات کو توجیہہ بنا کر حسن سمیت سب کے سامنے پیش کیا اور دلوں میں گھر کرگئی۔ عثمان مسعود بھوکے شیر کی مانند پچھاڑیں کھاتا رہ گیا۔

......☆☆☆......

حسن نوید نے افشین سعید کو افشین حسن بنا کر شاندار زندگی دی۔ بے پناہ محبت چاہت آسائش عیش و آرام اور

اپنی بھرپور توجہ۔ اس کے سب بہن بھائی شادی شدہ اور اپنی اپنی زندگیوں میں مصروف تھے جن سے کبھی ویک اینڈز پر ملاقات ہوجایا کرتی تھی۔ زندگی کا محور بنانے کو حسن کے پاس افشین کے سوا اور کوئی تھا بھی نہیں۔ وہ شام کو وقت پر آفس سے آجاتا افشین اسے نئی سنوری فریش فریش ملتی وہ اس کے لیے بہترین ڈشز تیار کررکھتی کبھی ڈنر گھر پر کرتے کبھی باہر نکل جاتے ہنی مون کے لیے وہ اسے یورپ کے تمام خوبصورت ممالک لے کر گیا۔ زندگی بے حد حسین ترین ہوگئی تھی۔

حسن نوید کی محبتوں نے پچھلی محبت کے نقوش دھندلا دیئے تھے۔ اسے فرصت بھی نہ تھی کہ وہ یہ سب سوچتی لیکن جب فرصت ملی اور گھومنے پھرنے کے دن تمام ہوئے تو کبھی کبھی اٹھنے والے پرانے درد کی ٹیس کی طرح وہ گناہ آمیز محبت اس کے دل میں چٹکیاں بھرنے لگی۔ اس نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا کہ عثمان مسعود کا کیا حال تھا اب دل میں سوالات ابھرتے کہ کسی طرح اس کا حال معلوم ہو۔ اسے خوش فہمی تھی کہ وہ اس کے فراق میں آہیں بھرتا ہوگا۔

سوچیں جو بھی تھیں لیکن بہر حال وہ ایک جائز اور حلال رشتے میں بندھی تھی۔ جائز محبت نے اس کے متعفن وجود کو دھوکر پاک کردیا تھا اس کا چہرہ پاکیزہ محبت کے نور سے نکھر گیا تھا حسن اس پر ایسے ٹوٹ کر برساتھا کہ اسے خود پر پیار آنے لگا تھا وہ آئینے میں خود کو دیکھ دیکھ کر تھکتی نہ تھی۔ خدا نے اس پر رحم و کرم کی بارش کرڈالی تھی۔ نئی خوشخبری نے اس کے چہرے سمیت پورے وجود کو پرنور کرڈالا۔ حسن نوید کی اس سے محبت میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ وہ اسے پھولوں کی طرح سنبھال کر رکھتا۔ اس کا بس چلتا تو اس کا پاؤں زمین پر پڑنے نہ دیتا۔ وہ مہینوں اپنی ماں سے ملنے بھی نہ جاتی، اسے کوئی اور یاد آتا ہی نہ تھا پھر تو ماضی کی چٹکیاں بھی فراموش ہوگئیں وہ اپنے خوبرو اور آئیڈیل جیون ساتھی کے ہمراہ بس آنے والے مہمانوں کے استقبال کی تیاریاں کرتی رہتی۔ جب معلوم ہوا کہ وہ جڑواں بچیوں کو جنم دینے والی ہے تو حسن نوید دیوانہ ہوا تھا۔ اسے بچیوں سے بہت لگاؤ تھا اس کی دیوانگی میں اضافہ ہی ہوا۔ وہ ہر وقت نت نئی پلاننگز میں مصروف رہتا اور افشین ہنستی رہتی۔

"ہم سامنے والے روم کو اسٹڈی روم بنا لیتے ہیں۔ بچیوں کا ہم سے قریب رہنا اہم ہے اس لیے ساتھ والی اسٹڈی کو بچیوں کے لیے سیٹ کرلیتے ہیں۔ اس بیچ کے دروازے کو تڑوا کر انٹرنس تھوڑی بڑی بنوالیتا ہوں ٹوئن بیڈ کا آرڈر کردیتے ہیں بلکہ ایسا کرو کوئی تھیم ڈیزائن کرو سنڈریلا یا ایلسا یا کوئی اور۔ ہماری بچیوں کا روم پرستان سے کم نہ لگے۔" افشین محبت سے اسے دیکھتی پھر مسکرا کر کہتی۔

"ہماری پریاں جہاں بھی رہیں گی وہ جگہ ویسے بھی پرستان لگے گی۔" اور حسن نوید نہال ہوجاتا۔ دونوں نے مل کر ایک بہترین نرسری بیڈروم تیار کروایا اور جب پریاں دنیا میں آگئیں تو گویا ان کی زندگی کی تکمیل ہوگئی۔ حسن نے ان کے نام دعا اور دیا رکھے۔

دعا حسن اور دیا حسن۔

دعا حسن نوید کی کاپی تھی اور دیا بالکل افشین کا عکس۔ وہ دونوں انہیں دیکھ دیکھ کر نہال ہوتے۔ ایک ماہ تک فنکشنز چلتے رہے، پورا خاندان ان کی دیوانگی پر خوب ہنستا۔ حسن کی بڑی بہن شاہینہ کبھی کبھی نصیحت کرتیں۔

"دنیا کے سامنے اس قدر بھی دیوانگی ظاہر نہ کرو اچھی بری ہر طرح کی نظریں ہوتی ہیں، حاسدین کی نظر لگ جایا کرتی ہے۔" اور حسن نوید ہنس دیتا۔

"شانی آپا کیا پرانے زمانے کی عورتوں والی باتیں کرتی ہیں آپ بھی، میں خوش ہوں تو مجھے خوشی کے اظہار کا پورا حق ہے۔"

وہ خاموش ہوجاتیں۔ لیکن حسن نوید نہیں سمجھتا تھا کہ لوگ پرانے ہو جاتے ہیں لیکن باتیں کبھی پرانی نہیں ہوتیں۔ حاسد کبھی پرانے نہیں ہوتے۔

حسن نوید اس پر اندھا اعتماد کرنے لگا تھا کیونکہ پہلے وہ اس کی عزت تھی اور اب وہ اس کے گھر کی دو دو عزتوں کی امین اور نگہبان بن گئی تھی لیکن اندھا اعتماد اکثر نقصان پہنچاتا

ہے شاید اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اگلا شخص اس اعتماد سے ناجائز مارجن لینے لگتا ہے مارجن بڑھاتے بڑھاتے وہ ایک ایک کرکے حدیں توڑتا جاتا ہے اور ہر حد توڑنے پر اپنے محب کی محبت کو تاویل بناتا ہے یہ سوچ بنا کہ ہر حد ٹوٹنے پر وہ تاویل بھی کمزور پڑتی جاتی ہے یہی معاملہ افشین کے ساتھ بھی ہوا۔

☆☆☆

شادی کے بعد سے دعا اور دیا کی پیدائش اور پھر ابتدائی پرورش کے تمام سال اس کے بے حد مصروف گزرے۔ جب دعا اور دیا نے مونٹسری جانا شروع کیا تو وہ اچانک سے بالکل فارغ ہوکر رہ گئی سارا سارا دن اتنے بڑے گھر میں بولائی بولائی پھرتی۔ اس نے تنگ آ کر حسن سے جاب کرنے کی بات کرڈالی۔

"میں بہت بور ہوجاتی ہوں حسن اب بچیاں سمجھدار ہوگئی ہیں مکمل طور پر مجھ پر ڈپینڈ نہیں کرتی اگر میں جاب کرلوں تو میں بھی کچھ مصروف ہوجاؤں۔" حسن نے مسکرا کر اس کا ہاتھ تھپکا اور بولا۔

"مائی سویٹ ہارٹ وائف میں نے تمہاری جاب پر نہ پہلے کوئی اعتراض کیا تھا نہ اب کروں گا۔ تم مینج کرسکتی ہو تو ضرور کرو۔ بس اتنا ذہن میں رکھنا کہ میں اور بچیاں اگنور نہ ہوجائیں کام کاج کے لیے ملازم ہیں مسئلہ ہوا تو مزید بھی رکھ لیں گے لیکن بس مجھے اور بچیوں کو توجہ دینے کے لیے کوشش کرنا کسی ملازم کی ضرورت نہ پڑے۔" آخری بات پر اس نے آنکھ ماری تو افشین نے جھینپ کر اس کے کندھے پر مکا رسید کیا۔

"فضول نہ بولیں۔ ایسا کچھ نہیں ہونے لگا۔" وہ قہقہہ مار کر ہنس دیا اور بس ان کی خوب صورت زندگی کی خوب صورتیاں اسی فیصلے کے ساتھ تمام ہوگئیں۔

وہ ایک نامور بین الاقوامی نیوز گروپ کے ساتھ کئی سال منسلک رہی تھی اور ایک بہترین ورکر تھی اس لیے دوبارہ جاب کا حصول اس کے لیے چنداں مشکل نہ تھا لیکن اس نے اس بار دوسرے نیوز پیپر گروپ میں اپلائی کیا دوسرے گروپ کو جوائن کرنے کے پیچھے شاید یہ سوچ تھی کہ اس طرح عثمان مسعود سے سامنا نہیں ہوگا لیکن یہ اس کی بیوقوفانہ سوچ تھی۔

جاب کے محض پانچ ماہ بعد ہی ایک گرینڈ جیولری ایگزیبیشن میں وہ اس کے سامنے تھا۔ وہ جو یہ سمجھ رہی تھی کہ اس کا وجود اب شبنم بن چکا ہے دل کے کسی کونے سے ایک کرن سطح پر آ کر بھڑکنے والی ناکام محبت کی چنگاری نے اسے حیرت زدہ کردیا۔ یہ چنگاری اس کے پہلو میں لٹکتی اس ماڈل کو دیکھ کر ابھری تھی جہاں کبھی اس کی جگہ تھی وہ بلاشبہ ایک ناشکری عورت تھی جو دنیا کے بہترین مردوں میں سے ایک کی من چاہی بیوی ہونے کے باوجود ایک ناجائز تعلق کو رشک و حسد سے دیکھ رہی تھی۔

اسے دیکھ کر حیرت زدہ تو عثمان مسعود بھی تھا۔ اس کا نکھرا ستھرا پروقار روپ دیکھ کر۔ چنگاری شعلہ بن کر اس کے اندر بھی بھڑکی تھی لیکن یہ شعلہ محبت کا نہیں بلکہ حسد اور انتقام کا تھا۔ اسے حسن نوید سے شدید حسد محسوس ہوا تھا اور انتقام افشین سے لینا تھا۔ وہ تو ہر چکیلی ڈال کا بھنورا تھا حرام میں خوش رہتا تھا۔ وہ بھلا شادی کیوں کرتا لیکن افشین کے آگے اپنے اس عمل کو اس نے جوگ کا لبادہ اوڑھا کر پیش کیا۔ وہ ایک لمحے میں اس نیم عریاں ماڈل کو رخصت کرتے افشین کی طرف لپکا تھا اور کچھ ہی دیر بعد ڈنر کے دوران دونوں ایک ٹیبل پر تھے۔

"تم نے شادی کیوں نہیں کی؟"

"تم سا کوئی ملا ہی نہیں تو کیسے کرتا۔ تم میری زندگی کے سارے رنگ سمیٹ کر کسی اور کی دنیا رنگین کرنے چلی گئی تو اس بے رنگ وجود کو بھلا کون قبول کرتا۔ میرے تو تمام رنگ ہی تم سے تھے افشی۔"

فریش چہرے پر اس نے سوز و ملال کے سارے رنگ بکھیر کر آنکھوں میں درد بھر کر ایسے کرب سے یہ جملے کہے کہ افشین درد کی تصویر بن بیٹھی۔

نادان عورت نے لمحوں میں بھلا دیا کہ اس مکار شخص نے آخری لمحات میں اس کے ساتھ کیا سلوک کرنے کی

سعی کی تھی۔ اس کی نیت کیسے اس پر کھلی تھی یاد رہا تو بس یہ کہ اس نے عثمان کو دکھ دیا اور اس سے بے وفائی کر کے اپنی جنت آباد کرلی تھی تمام وقت عثمان مسعود نے ٹریجڈی رول اس خوبی سے پلے کیا کہ افشین احساس جرم کے سمندر میں پور پور ڈوب گئی۔

عورت جوگ لے تو مرد غرور سے ساتویں آسمان پر جا بیٹھتا ہے اور پھر ساری عمر نیچے اترنا پسند نہیں کرتا۔ مرد جوگ لے تو عورت احسان مندی کے ہاتھوں دنیا تیاگ کر اس کے قدموں میں داسی بن کر بیٹھ جاتی ہے اپنا آپ وار دیتی ہے اور پھر ساری زندگی نہیں اٹھتی۔ بالکل یہی..... افشین نے بھی کیا۔ وہ بھول گئی کہ اب وہ افشین حسین ہے دو کچی کلیوں کی محافظ۔ بیوی اور ماں کے منصب بھلائے وہ بس تتلی بن بیٹھی۔ عثمان مسعود کے جذبوں کے باغ کی خوشنما تتلی۔

عثمان مسعود کو اب وہ پہلے کی نسبت آسان ہدف لگی۔ کیونکہ اب وہ شادی شدہ تھی بولڈ ہوگئی تھی اس کے ساتھ بے تکلفی تو پرانی تھی صرف زنگ آلود ہوگئی تھی۔ پرانے زنگ اترے تو اس کے انداز میں بے ساختگی محبت میں روانی اور اظہار میں بے باکی نمایاں ہوگئی۔ عثمان مسعود کو مزا آنے لگا۔ وہ اس کی خونی رشتوں کی محبت کو تو جلا کر بھسم نہیں کرسکا تھا لیکن اب ازدواجی رشتے کو راکھ کرنا چاہتا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ جائز اور حلال محبتیں آگ میں تپ کر راکھ نہیں ہوتیں بلکہ کندن بن کر پہلے سے بھی زیادہ انمول ہوجاتی ہیں یہ حقیقت سمجھنے کے لیے ان دونوں کو ٹھوکر کی ضرورت تھی۔

❁ ...... ❁ ...... ❁ ...... ❁

ملاقاتیں بڑھیں تو فاصلے گھٹے اور اس بار تیزی سے گھٹے۔ حسن نوید کاروبار کو پھیلانے میں مگن اپنی زندگی کی بربادی سے بے خبر تھا۔ بچیاں اور گھر نوکروں کے حوالے تھے۔ ان دونوں کے بیچ حائل ہوکر بڑھتی ہوئی خلیج کا عکس رویوں میں در آیا لیکن اپنی مصروفیات اور اس پر اندھے اعتماد کی وجہ سے حسن اس کے بدلتے رویے کو کام کے بوجھ اور تھکن پر محمول کر کے مطمئن ہوجاتا۔ اندھا اعتبار جو تھا۔

یہ مصروفیات کے انبار پہلے پہل تو تمام بدصورتیوں پر بڑا خوبصورت پردہ ڈالے رکھتے ہیں لیکن جب یہ پردہ اٹھتا ہے تو ساری مصروفیات ترجیحات کی لسٹ میں آخری نمبر پر چلی جاتی ہیں حسن نوید کا بھی یہی حال ہونے والا تھا۔

عورت جذبات میں اندھی ہوجائے تو ایڑیاں رگڑتے ضدی بچے کی طرح اپنے دماغ میں وہ وہ تاویلیں بھر لاتی ہے کہ عقل ماتم کناں ہوجائے۔ افشین نے بھی اپنے ضمیر کو ایسے ہی دلائل دے دے کر تھپک رکھا تھا۔ حسن اس سے بے حد محبت کرتا تھا وہ مانتی تھی لیکن عثمان سے ایک بار پھر ملنے کے بعد وہ موازنے کے مرض میں مبتلا ہوگئی تھی اور اس مرض میں بندہ ہمیشہ اپنے دل کی بات کو زیادہ نمبر دیتا ہے اسے لگنے لگا تھا کہ حسن کی محبت میں وہ جنون دیوانگی اور پاگل پن نہیں تھا جو عثمان کی قربت کے محض چند لمحوں میں اس پر ظاہر ہوتا تھا۔ لیکن وہ یہ نہیں سمجھتی تھی کہ دیوانگی حرام اشیاء کا خاصا ہے۔ چونکہ گناہ کی کشش زیادہ ہوتی ہے اس لیے افشین کو بس یہی دلیل سب سے مضبوط لگتی۔

اب حسن نوید کی قربت اسے پھیکی اور بے رنگ لگنے لگی؛ وہ اس سے دامن بچانے لگی بچیاں پاس آتیں تو بھی خیالوں میں ڈوبی رہتی حسن نے کچھ کچھ محسوس کرنا شروع کردیا تھا۔

"تمہیں کیا ہوگیا ہے افشین، تھکنے لگی ہو؟ چھوڑ دو جاب۔" اس نے تو بے حد محبت سے اس کا ہاتھ تھام کر کہا تھا لیکن افشین کو جیسے کرنٹ سا لگا۔

"ایسی کوئی بات نہیں بس جاب کے کچھ مسائل ہیں۔" اس کا انداز حسن کو روکھا تو لگا لیکن اس نے زیادہ توجہ نہیں دی اور اسے اپنے ساتھ لگا کر مزید لگاوٹ سے بولا۔

"تو کیوں خود کو مسائل کے سپرد کر رکھا ہے تم میرے گھر کی کوئن ہو کوئن کو کوئن ہی لگنا چاہیے۔ اسے دوسروں کے لیے خود کو تھکانا زیب نہیں دیتا۔ تھوڑا بریک لے لو کہیں آؤٹنگ پر چلتے ہیں میں بھی تھک گیا ہوں۔ گھر اور

فیملی سے زیادہ اہم کچھ نہیں۔ ہمیں ریفریش ہونا چاہیے۔ بتاؤ کہاں کا پلان کریں۔"

افشین بری طرح غصے میں پڑ گئی۔ وہ اس کی لاتعلقی اور مصروفیت پر خوش تھی اسے نعمت سمجھ رہی تھی وہ بھلا کیوں چاہتی کہ وہ پھر سے اس کا وقت لیتا۔

"نہیں حسن آج کل کام کافی زیادہ ہے فی الحال ایسا کچھ پلان نہیں ہوسکتا۔"

"کیوں نہیں ہوسکتا یار تم ایگزیکٹو پوسٹ پر ہو کم از کم اتنا تو اختیار رکھتی ہو۔" وہ مزید بیزار ہوئی اور اپنا ہاتھ چھڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں ڈنر کا پوچھتی ہوں اکمل سے۔" حسن نے گہری نظروں سے اسے دیکھا پھر دھیرے سے بولا۔

"یہ میرا وہم ہے یا حقیقت؟" افشین جھٹکا کھا کر پلٹی، سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"کیا؟"

"تم بدل گئی ہو۔" افشین چند لمحے عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی پھر پلٹ کر کچن کی طرف چل دی۔ نہ تائید کی نہ تردید۔ یہی بات حسن نوید کو کھٹک گئی کیونکہ وہ ناراض نہیں تھی۔ وہ چھ سال سے اس کے ساتھ تھی، اتنا تو جانتا تھا وہ اسے تو پھر یہ گریز کیسا تھا۔ وہ بری طرح الجھ کر رہ گیا۔

❀.......❀.......❀.......❀

جب تک وہ غیر شادی شدہ تھی احساس جرم پر عثمان مسعود کی قربت کا نشہ حاوی رہتا تھا مگر اب...... اب احساس جرم وگناہ اسے الجھاتا۔ عثمان مسعود چڑ جاتا۔

"آخر یہ دوریاں یہ گریز کب تک؟ کب تم میری بنو گی؟ مکمل میری۔" افشین مزید پریشان ہوجاتی۔ اب اس سے بھی برداشت کرنا محال ہوتا جارہا تھا۔ روز روز کی کشمکش اور ذہنی اذیت سے تنگ آ کر بالآخر اس نے فیصلہ کرہی لیا۔ ہوس کی جیت ہوئی۔ وفا اور ممتا ہار گئی۔ اس نے فیصلہ کرتے ہوئے نہ اولاد کو دیکھا نہ اپنی خوب صورت راجدھانی کو۔ وہ شروع سے نفس پرست تھی۔

حسن نوید سے شادی کرتے وقت بھی اس نے اس کی دولت کو دیکھا تھا۔ اسٹیٹس سے مرعوب ہوئی تھی کیونکہ ہوس اس کے ہاتھ سے نکل گئی تھی اور اب ایک بار پھر لکشمی ہاتھ آرہی تھی۔

طلاق کا مطالبہ کرکے اس نے حسن نوید کے اندر کے اعتماد کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔ حسن ہر بات کی توقع کرسکتا تھا ماسوائے طلاق کے۔

"تم یہ سب کیوں کررہی ہو؟ کیا میری محبت میں کوئی کمی آئی ہے؟ کیا میرے متعلق کوئی غلط فہمی ہوئی ہے؟" حسن کا ٹوٹا لہجہ لمحے بھر کو اسے شرمندہ کرگیا لیکن وہ ڈھیٹ بنی رہی۔ حسن اس اچانک افتاد کو سمجھنے سے قاصر تھا جو اچانک تو نہ تھی بس وہی بے خبر تھا۔

"تمہیں مجھ سے محبت ہے ہی نہیں۔ تمہیں بس اپنے بزنس سے محبت ہے۔" وہ خود جانتی تھی کہ یہ بات کہتے ہوئے اس کا لہجہ کس قدر کمزور تھا وہ حسن سے نظریں بھی نہیں ملا پارہی تھی۔ حسن بے چین ہو اٹھا۔

"میں اپنی مصروفیات کم کردوں گا تم نے بھی تو جاب شروع کردی۔ مجھے احساس نہیں ہوا کہ تم اگنور ہورہی ہو۔ تم احساس دلاتی، گلہ کرتی۔ لیکن اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ میں پھر سے گزرے دن لوٹاؤں گا۔ ہم ایک دوسرے کو بھرپور وقت دیں گے۔" افشین نے بے حد اکتاہٹ سے اس کے ہاتھوں میں دبے اپنے ہاتھوں کو دیکھا اور پھر اپنا ہاتھ چھڑا کر رخ موڑ لیا۔ یکبارگی حسن کو احساس ہوا کہ یہ صرف مصروفیات اور نظر اندازی کا مسئلہ نہیں جو ان کے بیچ دیوار بن کر آ کھڑا ہوا ہے لیکن وہی اس کا اندھا اعتماد جو اسے دوسرے رخ پر سوچنے ہی نہیں دے رہا تھا۔

"اپنی بچیوں کے فیوچر کا سوچو افشی، بچیاں بڑی ہورہی ہیں۔" اس نے ایک اور جذباتی ضرب لگانے کی کوشش کی لیکن لوہا سخت تھا۔

"بچیاں تمہاری ہیں تم سنبھالو۔" اب کے یہ دوٹوک انداز حسن کی آنکھوں پر بندھی اعتماد کی پٹی کو کھینچ کر اتار گیا۔ اس نے سختی سے لب بھینچے۔ بہت سے ناگوار

مناظر نظر کے پردے پر تیزی سے گزرے، جنہیں اپناوہم جان کر اور کبھی تھکن کا مارجن دے کر وہ نظر انداز کرتا رہا تھا۔ تلخ حقائق کی کڑیاں خود بخود جڑنے لگیں۔ اس کے ماتھے پر ابھری موٹی سی رگ پھڑکنے لگی۔ افشین ہنوز رخ پھیرے کھڑی تھی وہ اس سے نظر ملانے یا چہرہ دکھانے کے قابل رہی بھی نہ تھی۔

''کیا یہ سب کسی کی شہہ پر ہو رہا ہے؟ اور کیا یہ سلسلہ شادی سے پہلے کا ہے یا اب تمہارا دل بدلا ہے؟'' یہ خیال اسے بہت دیر سے آیا تھا۔ افشین نے بے چینی سے پہلو بدلا اور تیزی سے بولی۔

''میں کسی بھی بات کے لیے جواب دہ نہیں ہوں۔'' اور بس...... سارے جواب مل گئے کئی لمحوں تک کمرے میں صرف خاموشی اور تلخی کا راج رہا حسن نوید کے اندر غصے کا ابال اٹھا اور اس کے اندر کے روایتی مرد کو جھنجوڑ کر جگا گیا۔

''میں طلاق نہیں دوں گا۔ بیٹھی رہنا تا عمر اپنی ناکام حسرتوں کی قبر پر دیئے جلائے۔'' افشین تیزی سے مڑی۔ سارے پردے ہٹ گئے تھے اس لیے بے شرمی سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

''میں خلع کا مقدمہ کردوں گی۔''

حسن نوید کے دل میں اس کی نفرت شدت سے ابھری۔ دل جلنے لگے کمرے کی فضا میں اجنبیت کا کہر چھانے لگا۔

✿......✿......✿......✿

اگلے چند روز بے حد خاموشی سے گزرے، حسن نوید کے لیے۔ وہ خاموشی تھی لیکن افشین اس خاموشی کا فائدہ اٹھا کر اپنا سامان اپنے ذاتی اپارٹمنٹ میں منتقل کرتی جا رہی تھی۔ اسلام آباد کے مہنگے ترین پلازہ میں یہ اپارٹمنٹ حسن نوید نے اسے بچوں کی پیدائش پر تحفے میں دیا تھا اور وہ اس قدر خود غرض اور نفس پرست تھی کہ اسی کے دیئے تحفے کو استعمال کرنے جا رہی تھی جسے وہ ایک استعمال شدہ ٹشو پیپر کی طرح رد کر چکی تھی۔ اس کا دلایا سامان بھی وہ پورا حق سمجھ کر ساتھ لے جا رہی تھی۔ وہ جتنا کچھ سمیٹ سکتی تھی اس نے تین چار دن میں سمیٹا۔ وہ اسے لاکھوں کی مالیت کے تحائف اب تک دے چکا تھا جن میں زیورات بھی شامل تھے۔ اس نے ایک ایک چیز سمیٹی اور ایک روز بچیوں کے اسکول اور حسن کے آفس چلے جانے کے بعد خاموشی سے اس کا گھر چھوڑ گئی۔ گھر چھوڑ کر جانے کے بعد پہلا کام جو اس نے کیا وہ عدالت کے ذریعے حسن کو خلع کا نوٹس بھجوانے کا تھا۔ حسن نوید کے لیے اب اس کا ہر اقدام متوقع تھا وہ جانتا تھا کہ جلد ہی نوٹس اسے ملنا ہے اس نے نوٹس ملتے ہی افشین کے والدین سے رابطہ کیا تھا۔

اس کی توقعات کے عین مطابق اس کے والدین لاعلم تھے اور وہ گھر چھوڑ کر ان کے پاس گئی بھی نہیں تھی وہ بیچارے سخت پشیماں تھے اس کی امی نے تو جھولی اٹھا کر اسے بددعائیں دینا شروع کردی تھیں۔ حسن نوید کے جاتے ہی انہوں نے افشین کو فون ملایا اور بات کا آغاز ہی بددعاؤں سے کیا۔

''میرے خون میں کون سا حرام قطرہ شامل تھا جو تو نے ایسی حرکت کی؟ تو کبھی زندگی میں سکون نہیں پائے گی فشی۔ حسن پیشی پر حاضر نہیں ہوگا خلع کے کاغذ سائن نہیں کرے گا میں نے اسے سختی سے منع کردیا ہے۔ تیری حرام آرزوئیں کبھی پوری نہیں ہوں گی میں سب سمجھ گئی ہوں یہ سب تو نے اسی حرام خور کی خاطر کیا ہے تو میری بات یاد رکھنا وہ تجھے نوچ کھسوٹ کے کھا جائے گا اور تیرے ہاتھ کچھ بھی نہیں آئے گا۔'' افشین نے بے حد ضبط کے ساتھ سب سنا اور پھر چبا چبا کر بولی۔

''مجھے اس کے سائن کی ضرورت بھی نہیں۔ وہ حاضر نہ ہوا تو قانون کے مطابق جج خود ہی مہر لگا دے گا میں آزاد ہو جاؤں گی۔'' اس کی امی کو مزید طیش آ گیا۔ وہ چیخ پڑیں۔

''شریعت میں ایسی خلع کا کوئی وجود نہیں۔ نکاح حسن نے کیا تھا جج نے نہیں جو وہ مہر لگائے گا تو اس کے سائن کی محتاج ہے۔ اپنی من مانی کرے گی تو نکاح پر نکاح کی گناہ گار ٹھہرے گی۔ شریعت کو اپنے ہاتھ میں لے کر اپنی

آخرت خوار نہ کر جا کر کسی مفتی سے پوچھ۔" وہ جو سکون سے لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی ٹی وی آف کرکے ریموٹ زور سے میز پر پٹخا اور چیخ کر بولی۔

"ان نام نہاد مولویوں اور مفتیوں نے ہی دین کو بیچ کھایا ہے۔ بدنام کرکے رکھ دیا ہے شریعت کو۔ اتنا سخت نہیں ہے ہمارا دین جتنا ان مولویوں نے بنا رکھا ہے۔ میں اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تو یہ میرا حق ہے کہ میں اس سے علیحدگی اختیار کروں۔" اس کے لہجے میں بولتا آزادی کا نشہ اس کی ماں کو بری طرح چبھا۔

"بے حیا۔ آج تو حرام زندگی گزارنے پر تلی ہے تو آئندہ حرام زندگی ہی گزارنا۔ اس مردود سے نکاح پڑھانے کے لیے کسی مولوی کو زحمت نہ دینا۔ چلی جانا یونہی اس کے پاس۔" ان کے سچ کی کڑواہٹ سے بلبلا کر افشین نے کال کاٹی اور پھر موبائل ہی آف کردیا۔

❀ ❀ ❀

دل گمراہ کو اے کاش یہ معلوم ہوجائے
گناہ دلچسپ ہے تب تک کہ جب تک ہو نہیں جاتا

حسن کسی پیشی میں حاضر نہیں ہوا اور پاکستانی قانون نے افشین کو آزاد قرار دے دیا۔ وہ ذہنی طور پر اس قدر پراگندہ ہوچکی تھی کہ اس نے عدت جیسی زحمت اٹھانا بھی گوارا نہیں کیا اور...... اسی رات اپنے محبوب کے ساتھ فتح مندی اور آزادی کی سرشاری کو صبح تک دل کھول کر منایا۔ وہ اتنے دن اتنی ٹینشن سے گزری تھی کہ عثمان مسعود کے آگے ایک بار بھی مزاحمت کرنے کی کوشش تک نہ کی۔ جیسے وہ ساری ٹینشن کو بہا دینا چاہتی ہو۔ اس نے ہر حد بھلا دی۔ ہر حسرت مٹا دی۔ ہر خواہش کو آگ لگا دی۔ خود کو بھسم کردیا۔ کئی دن تک وہ دونوں دنیا بھلائے اپنی ہوس زدہ محبت میں سے محبت کو راکھ کرکے سمیٹنے کی کوشش کرتے رہے لیکن راکھ بھی کبھی سمٹی ہے بھلا؟ وہ تو ایک پھونک سے فضا میں بکھر جاتی ہے۔

راکھ بکھری، بھوک مٹی، پیاس بجھی، کشش ڈھلی اور جنون تحلیل ہوا۔ ہوس میں ایک بات ہوتی ہے مرد اپنی ہوس پوری کرلے تو عورت میں اس کی کشش کم ہوتے ہوتے بالکل معدوم ہوجاتی ہے جب کہ عورت کی طلب بڑھ کر جنون بن جاتی ہے۔ جائز تعلق میں یہ معاملہ بالکل الٹ ہے کیونکہ اس میں کھو دینے کا خوف نہیں ہوتا۔ یہاں کھو دینے کا خوف افشین کے دل و روح پر اسی روز سے قابض ہوگیا تھا جس روز اسے آزادی کا پروانہ ملا تھا وہ ہر حربہ آزما کر عثمان مسعود کو خود سے باندھے رکھنے کی کوشش میں لگی رہتی۔

جنون کچھ تھما تو اس کے اندر کی عورت کو یاد آیا کہ اس نے تو یہ سب کچھ عثمان کو پانے کی خاطر کیا تھا عثمان سے بات کی تو اس کا جواب دو ٹوک تھا۔

"خلع کا فیصلہ سراسر تمہارا ذاتی تھا۔ میں نے تمہیں شادی کی آفر نہیں دی تھی جب مجھے ہر چیز ویسے ہی مل جاتی ہے تو میں کیوں راشن کی لسٹ میٹرنٹی کے بلز اور پیمپرز کے جھنجھٹ پالوں۔ تم بھی پاگل ہو۔ ہم یوں بھی تو مل رہے تھے اسی طرح ملتے رہتے۔ لیکن یہ تمہاری اپنی چوائس تھی۔ آگے بھی تمہاری اپنی چوائس ہے۔ میں حاضر ہوں۔ لیکن صرف پارٹ ٹائم۔" وہ خباثت سے کہتا باہر نکل گیا۔ پیچھے کیچڑ میں لتھڑا موتی رل کر بے مول ہوگیا۔ عثمان مسعود کا انتقام پورا ہوچکا تھا اور جنون بھی ڈھل چکا تھا اس لیے اصلیت کھولتے ہوئے اسے کوئی عار محسوس نہ ہوئی۔

واپسی کے راستے اسے لگژری اپارٹمنٹ تک لے آئے اس کے علاوہ وہ کسی راستے پر قدم دھرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ بہت تیزی سے عرش سے فرش پر آئی تھی کیونکہ اس کی راہ میں ماں کی بددعائیں، شوہر کی آہیں اور بچیوں کی سسکیاں حائل تھیں۔ اتنے دنوں میں پہلی بار اپارٹمنٹ میں قدم رکھتے ہوئے اسے اپنا کئی ایکڑ پر محیط محل یاد آیا جس کی وہ ملکہ عالیہ تھی۔ اور یہ انجام افسانوی نہیں حقیقی تھا۔

❀ ❀ ❀

اب گھر تھا، وہ تھی اور جاب تھی۔ گھر سے آفس، آفس سے گھر۔ درمیان میں پراجیکٹس، رپورٹنگ، میٹنگز، انٹرویوز

فنکشنز اور وہ تن تنہا۔ جسمانی طور پر وہ سب جگہ موجود ہوتی لیکن دماغ جیسے کسی پرانے منظر پر اٹک کر رہ گیا تھا۔ عثمان مسعود سے اب بھی سامنا ہوتا تھا لیکن وہ نظر انداز کر کے آگے بڑھ جاتی۔ دو تین بار کوشش کے بعد عثمان نے بھی خاموشی سے راہ بدل لی۔ وہ اس کا شوہر تو نہ تھا کہ اس کی غفلت نہیں کرتا وجہ پوچھتا اور منانے کی کوشش کرتا۔

آہ کیا کچھ یاد آ جاتا تھا

لیکن اب سب کچھ بے سود تھا۔ اب اس کی ویک اینڈ پر کوئی بکنگ نہ ہوتی وہ سب فنکشنز چھوڑ کر اپارٹمنٹ کی تنہائی میں وقت گزارتی تھی گزرے وقت کی فلم اپنے ذہن کے پردے پر چلاتی اور سارا دن وہی دیکھتی۔ اس فلم کے بیچ میں نہ کوئی اسٹاپ کا بٹن تھا نہ پاز کا۔ بس بنا رکے فلم چلتی۔ ہاں وہی راشن کی لسٹ میٹرنٹی کے بلز، پیمپرز کے اخراجات پھر بچیاں بڑی ہوتیں، اسکول کے اخراجات، ان کی فرمائشیں ضدیں اور کھلونے۔

لانگ ڈرائیو پر دونوں کی ایک ساتھ اگلی سیٹ کی گود میں بیٹھنے کی معصومانہ ضد اور پھر لڑائی۔ اس پر اس کی جھنجلاہٹ اور حسن کے قہقہے۔ اور اس فلم کی ریل پر سب سے زیادہ مناظر ان معصوم بچیوں کے ہی چلتے تھے اس پل پل تڑپاتے تھے اب کوکھ فریاد کرتی تھی تب وہ کاغذ پین لے کر بے ربط سے جملے لکھنے لگتی۔ بس لکھتی جاتی۔

''میری ماں نے ساری عمر رشتے ناطے، تعلق داریاں نبھانے میں مجھے نظر انداز کیے رکھا، مجھے اپنی زندگی پر بچپن ہی سے اختیار دیئے رکھا۔ میں کب سوتی ہوں کب جاگتی ہوں کس سے ملتی ہوں کہاں جاتی ہوں رات رات بھر کیا کیا کرتی ہوں ماں بے خبر ہی رہی۔ اس نے میرے لیے کبھی اخلاقیات کی ترجیحات ترتیب دیں ہی نہیں۔ بالکل اسی طرح میں بھی اپنی بچیوں سے بے خبر رہی۔ میں تو اکلوتی بیٹی تھی پر میرے سر پر اللہ نے دو دو بیٹیوں کی ذمہ داری ڈالی اور میں۔'' وہ لکھتے لکھتے رک گئی اور سر تھام لیا۔

''اف میرے اللہ۔ کیا میری بچیاں بھی میری روش پر میرے پیچھے پیچھے پاؤں دھریں گی۔

اس سوچ نے اسے دہلا دیا۔ اس کی راتوں کی نیندیں اڑ گئیں۔ وہ اپنی اولاد کو پانچ برس کا چھوڑ کر آئی تھی اور اب لگ رہا تھا کہ صدیاں بیت گئیں انگلیوں پر گنا تو معلوم ہوا دو سال بیتے ہیں۔

''سات سال......اف۔''

''تربیت کے اہم ترین سال انہوں نے کس کی آغوش میں گزارے ہوں گے؟ محض چند سالوں کی مسافت اور پھر وہ بلوغت کی دہلیز پر قدم دھر دیتیں۔ عثمان مسعود جیسے کئی گدھ قدم قدم پر گھات لگائے بیٹھے ہوتے ہیں۔''

اس کے اندر کی خود غرض ہوس پرست محبوبہ مری تو ماں جاگ اٹھی۔ اسے اپنا بچپن اور پھر جوانی یاد آ گئی۔ وہ پھر سے لکھنے بیٹھ جاتی۔

''میں بچپن ہی سے الیکٹرونکس کے سنگ پلی بڑھی۔ پہلے ڈش اور پھر کیبل ٹی وی یہی میرے ماں باپ تھے ان پر چلنے والے پروگرام میرے بہن بھائی، شروع شروع میں امی کہیں آتے جاتے مجھے بھی ساتھ چلنے کو کہتی، میں انکار کر دیتی۔ امی کی واپسی تک ٹی وی دیکھتی رہتی وہ ہر آئے گئے کو کہتیں۔

''میری اقشی تو اتنی بھولی بھالی اتنی فرمانبردار ہے جہاں بٹھا دو وہیں بیٹھی ملے گی خواہ میں کتنے گھنٹوں بعد بھی گھر آؤں مجھے پیچھے اس کی فکر نہیں ہوتی۔'' اور میں دل ہی دل میں ماں کی اس بات پر ہنستی۔ مجھے کیبل پروگرامز کا چسکا تھا۔ رشتوں ناطوں میں دلچسپی رہی تھی نہ گھر والوں میں۔ فحش پروگرامز نے وقت سے پہلے بڑا کر دیا۔ میں بڑی ہوئی تو جو پروگرامز گھر کی تنہائی میں لاؤنج میں دیکھتی تھی وہ اب کمرے میں دیکھنے لگی ماں سے ضد کر کے اپنے کمرے کے لیے الگ ٹی وی منگوایا اور پھر رات گئے بھی دیکھنے لگی۔ رات گئے ڈش پر لگنے والے پروگرامز اور موویز کی حقیقت سے کون واقف نہیں۔ لیکن میں آج تک سمجھ نہیں پائی کہ میری ماں کیوں جانتے بوجھتے لاپرواہی رہی۔ میرے لاشعور میں ہوس پرستی بھرتی گئی۔ مجھے لگتا کہ بس دنیا میں اسی ایک جذبے کا وجود ہے اور دنیا کچھ نہیں۔

کالج میں پہنچی تو لڑکیاں بھی ایسی ملیں جو کھلی ڈلی گفتگو کرتی تھیں۔ میں تنہائی پسند تھی دوستیں ملیں بھی تو خاموشی سے بس انہیں سنا۔ ٹی وی کی دنیا سے نکل کر پتا چلا کہ لوگ ان چیزوں کو حقیقت میں بھی اپلائی کرتے ہیں۔ لڑکیاں بوائے فرینڈز اور منگیتروں کی باتیں بتاتیں جوان سے ہر طرح کی گفتگو کیا کرتے تھے کالج فرینڈز سے مجھے انگلش ناولز کی لت لگی۔ رہی سہی کسر پوری ہوئی بہت کم عمری میں ہی مجھے کمرے کی تنہائی اور چاندنی راتیں ناگ بن کر ڈسنے لگیں۔ میری ماں کو کچھ خبر نہ تھی۔

یونیورسٹی کی تو ایک الگ ہی دنیا تھی۔ تقریباً ہر دوسری لڑکی کا بوائے فرینڈ تھا جس کے ساتھ وہ بہت سی حدیں پار کر چکی ہوتی۔ میں چونکہ شرمیلی فطرت کی تھی خود سے کسی لڑکے سے دوستی کرنا محال لگتا تھا۔ اس لیے میں ایک ایسے گروپ میں شامل ہوگئی جس میں تین لڑکیاں اور دو لڑکے تھے۔

سونیا' فرح اور شانزہ اور لڑکوں میں عابد اور حارث۔ سونیا منگنی شدہ تھی اور اس کا منگیتر دوسرے ڈپارٹمنٹ میں پڑھتا تھا۔ فرح عابد کے ساتھ شانزہ حارث کے ساتھ سیٹ تھی۔ میں ان کے گروپ میں آئی تو سونیا نے ہی مجھے ویلکم کیا اور اپنے ساتھ رکھنے لگی۔ فرح اور شانزہ' عابد اور حارث سے بہت حد تک فرینک تھیں اور جب اس کا مظاہرہ وہ میرے سامنے کرتیں تو میرے خون میں ابال اٹھنے لگتے۔

شانزہ چھٹیاں بہت کرتی تھی۔ جب وہ چھٹی کرتی تو اس روز حارث مجھ پر مہربان ہو جاتا۔ ایک روز اس نے مجھ سے پسندیدگی کا اظہار کیا تو میں دنگ رہ گئی۔

''مگر تم تو...... شانزہ......؟''

وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑا اور بولا۔

''ہاں وہ بھی مجھے پسند ہے لیکن اسے بھی میرے علاوہ کئی لڑکے پسند ہیں۔ اتنی چھٹیاں یونہی تو نہیں کرتی۔ یہ لائف ہے یہاں یہی سب ہوتا ہے۔ شادی اس نے آخر میں اپنے کسی نہ کسی کزن سے ہی کرنی ہے لیکن جب تک ہم آزاد ہیں تو لائف کیوں نہ انجوائے کریں۔ اسے میری پرسنالٹی پسند ہے۔ فرخ اس پر پیسہ لٹاتا ہے۔ اس کی وہ کوالٹی پسند ہے اور اسی طرح ہر ایک میں کوئی نہ کوئی خوبی ہے۔ شانزہ رومانٹک پارٹنر بہت اچھی ہے اور اس لیے مجھے اٹریکٹ کرتی ہے۔ تم بہت شرمیلی سی ہو لیکن تمہارا فگر بہت زبردست ہے۔''

اس نے یہ کہتے ہوئے میری کمر پر ہاتھ رکھا تو میرے وجود میں کرنٹ دوڑ گیا۔ ایسا اتفاق پہلی بار ہوا تھا۔ بس پھر اس لمس کا اثر تھا کہ اس کی باتیں عجیب لگنے کے باوجود مجھے بری نہیں لگیں اور وہ اس دلدل میں پاؤں رکھنے پر میرا ہاتھ تھامنے والا پہلا شخص ثابت ہوا۔''

وہ لکھتے لکھتے تھک گئی تو کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ اپنی زندگی کو قلم بند کرنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ عذابوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ خاص طور سے اس وقت جب اپنی زندگی میں شامل بہت سے باب سیاہی سے اٹے ہوئے ہوں۔ تب لکھتے ہوئے لگتا ہے ایک ایک لفظ پہ اپنے دل پہ پاؤں پڑ رہا ہے۔ ایک ایک لفظ دل کو کچلتا ہوا کاغذ پر رقم ہوتا جاتا ہے۔

❀ ...... ❀ ...... ❀ ...... ❀
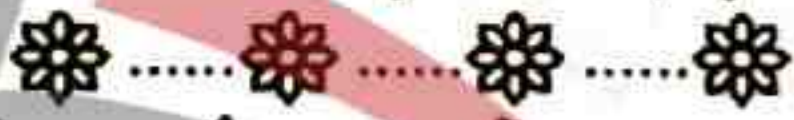
بچوں کو بہلانا آسان نہیں ہوتا۔ انہیں پالنا بھی اتنا مشکل ثابت نہ ہوتا جتنا ان کے سوالات کے جوابات دینا کٹھن تھا۔

''ممی کہاں چلی گئیں؟ ممی ناراض ہوگئیں؟ ممی کو گھر لائیں۔ نانا کے گھر ہوں گی؟ ممی آتی کیوں نہیں ہیں؟''

سوالات کی لمبی گردان تھی اور حسن نوید کے پاس انہیں دینے کو صرف خاموشی تھی۔ حسن کی شاہینہ آپا کے بچے بڑے تھے ان پر ذمہ داریاں قدرے کم تھیں تو ابتداء میں انہوں نے کافی وقت دعا اور دیا کے ساتھ گزارا۔ ان کے سوالات سے تنگ آ کر ایک دن وہ پھٹ پڑیں۔

''چلی گئی تمہاری ممی۔ اب کبھی نہیں آئے گی۔ تم کب تک خاموش رہو گے حسن' بتا کیوں نہیں دیتے؟''

بچیاں سہم گئیں۔ حسن نے لب بھینچ کر بہن کو دیکھا پھر

تحمل سے بولا۔

”بیٹا آپ کی ممی کو کینسر ہوگیا ہے۔ آپ کو پتا ہے کینسر کیا ہوتا ہے؟ یہ ایک بہت خطرناک بیماری ہوتی ہے جس کا علاج بہت مشکل اور لمبا ہوتا ہے۔ آپ کی ممی آپ کی نانو کے ساتھ امریکا چلی گئی ہیں علاج کروانے۔ آپ کو بتا کر جاتیں تو آپ دونوں بہت روتیں۔ آپ دعا کرنا ممی جلدی ٹھیک ہوجائیں۔ اب اپنے روم میں جائیں اور سونے کی تیاری کریں۔ پھوپو جانی ابھی آپ کے پاس آجائیں گی۔“

”کیا تم اسے واپس لے آؤ گے یا تمہیں لگتا ہے کہ وہ خود آجائے گی؟ کیا کہو گے بچیوں سے اگر وہ نہ آئی؟ اور اگر آگئی تو کیا تم اسے معاف کردو گے؟“ ان کے لہجے میں دکھ بول رہا تھا۔ حسن نوید کے چہرے کے تاثرات یک دم پتھریلے ہوگئے۔ اس نے سر اٹھا کر بہن کو دیکھا اور بولا۔

”وہ نہیں آئے گی۔ وہ امریکا میں علاج کے دوران مر جائے گی۔“ اس کا لہجہ اس قدر سرد تھا کہ شاہینہ آپا لرز گئیں۔

”میں اپنی بچیوں کی صحت مندانہ ذہنی اور اخلاقی تربیت پر کوئی سمجھوتہ نہیں کرسکتا یہی جواز بہترین ہے۔ میں نے سانپ پالا تھا۔ سنپولیے نہیں پروان چڑھا سکتا۔ زہر مارنے کا یہی طریقہ بہترین ہے۔“ اس کا لہجہ خطرناک حد تک سرد تھا۔

❀ ...... ❀ ...... ❀ ...... ❀

اور پھر حارث نے میرے اندر کی دبو اور شرمیلی لڑکی کو مار ڈالا۔ اس نے مجھے بولڈ اور پراعتماد بنادیا۔ اعتماد میری فیلڈ اور تعلیم کے لیے بہت ضروری تھا۔ ماس کمیونی کیشن میں ماسٹرز مکمل کرنے کے بعد جو انشین سعید ڈگری لے کر نکلی وہ کوئی اور ہی تھی۔

میں نے اخبار کے جاب سے اسٹارٹ لیا اپنے اسی اعتماد کی بدولت تیزی سے ترقی کی سیڑھیاں عبور کیں۔ بہت کم عمری میں منیجر کی پوسٹ حاصل کی اور وہیں عثمان مسعود سے میری ملاقات ہوئی جو اس وقت تک ملنے والے تمام مردوں میں سب سے زیادہ بولڈ، مسحور کن اور سحر انگیز شخصیت کا مالک تھا اور میں دنوں میں اس کی دیوانی ہوئی۔ حارث تو کب کا قصہ پارینہ بن چکا تھا اس کے بعد زینے کے طرح میں نے بہت سے مردوں کو استعمال کیا اور پھر عثمان مسعود کو منزل سمجھ کر پڑاؤ ڈال دیا۔ یہ سوچے بنا کہ میں بھی اس کی منزل ہوں یا ابھی اس کے زینے باقی ہیں؟“

تھک کر اس نے پین میز پر اچھالا اور سر پھر سے کرسی کی پشت سے ٹکادیا۔ زندگی کے اس موڑ کو لکھتے ہوئے اس کی پلکیں بھیگ گئیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ساون بھادوں......

اس کے بعد کے مناظر فاسٹ فارورڈ ہوکر چلے
حسن سے شادی، بچیاں اور پھر خلع
خلع......عدالتی خلع......
دماغ میں جھما کا سا ہوا
ماں کی باتیں یاد آئیں۔

کتنی عجیب سی بات ہے نا کہ ساری زندگی غفلت کے پردوں میں گزار کر جب ماں باپ کو اولاد کے قدم بھٹک کر قابو سے باہر ہوتے نظر آتے ہیں تب انہیں وہ شرعی احکامات یاد آجاتے ہیں جو انہوں نے اولاد کو کبھی پڑھائے ہی نہیں ہوتے۔ تب وعظ بے اثر ثابت ہوتے ہیں۔

اولاد کو بھی وہ سارے وعظ اسی وقت یاد آتے ہیں جب وہ سارے جہان کی ٹھوکریں کھا کھا کر تھک جاتے ہیں۔ غافلین کو اللہ ہمیشہ ضرورت کے وقت یاد آتا ہے۔ اب اس معاملے پر فتویٰ تو مفتی نے ہی دینا تھا۔ جہاں قانون اور شریعت کے بیچ ٹکراؤ پیدا ہورہا تھا۔ ایسے میں مفتی کی تلاش بھی ایک مسئلہ تھی۔

ساری زندگی ڈگریوں کے حصول کے لیے، اچھے سے اچھے برانڈ کے کپڑوں کے لیے اور اعلیٰ معیار کی ہر چیز کے لیے ہم ساری دنیا کی خاک چھان کر معلومات اکٹھی کرتے ہیں۔ ایک میچنگ کا دوپٹا تک دس دکانیں کھنگال کر خریدتے ہیں۔ اور دینی معاملات میں کسی بھی نیم ملا کے

فتوے کو یہ کہہ کر قبول کر لیتے ہیں کہ صحیح مستند عالم ملتے کہاں ہیں۔ دل میں کہیں یہ خوف پنہاں ہوتا ہے کہ زیادہ مستند عالم ڈھونڈا تو کہیں وہ ہماری مرضی کے خلاف فتویٰ نہ دے دے۔

اور جب ساری دنیا آپ کے خلاف فتوے دینے لگ جائے تب آپ ڈھونڈ ڈھونڈ کر چھان پھٹک کر اچھے سے اچھا مفتی نکال لاتے ہیں جو آپ کو کہیں نہ کہیں سے مطلوبہ گنجائش پیدا کر دکھائے ساری باتیں نیت کی ہیں۔

مولویوں اور علماء کے خلاف زہر اگلنے والی افشین آج ایسے ہی کسی مفتی کی تلاش میں تھی جو اسے یہ خوش خبری دیتا کہ آج بھی وہ حسن نوید کے نکاح میں تھی اور جلد ہی اسے یہ خوش خبری مل بھی گئی۔ اب اگلا مرحلہ حسن نوید سے ملاقات کا تھا۔ گھر یا آفس وہ طے نہیں کر پا رہی تھی۔ پھر فیصلہ آفس کے حق میں ہوا۔ کیونکہ گھر میں بچیوں اور کسی نہ کسی رشتے دار سے سامنا متوقع ہوسکتا تھا۔

❁......❁......❁......❁

حسن نوید نے بے حد خاموشی سے اسے اندر آتا دیکھا۔ اتنی ہی خاموشی سے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ میں دبے پرچے کو تھاما اور خاموشی سے ہی اس پر درج فتوے کو پڑھا پھر پرچا دوبارہ اس کی طرف کھسکا کر گہری اور سرد نگاہیں اس کے وجود پر گاڑ دیں۔ وہ بری طرح کنفیوز ہوئی۔ اس کا چہرہ پشیمانی کی ساری داستان سنا رہا تھا مگر ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا۔

''حسن، میں اس قابل تو نہیں کہ تم سے معافی مانگوں لیکن تمہارا ظرف اتنا بڑا ہے کہ میں ہمت کر کے یہاں آ گئی۔ مجھے بچیاں بہت یاد آتی ہیں اور احساس ہوتا ہے کہ ان کی تربیت کی ذمہ داری مجھ پر تھی جسے میں نبھا نہ سکی۔ میں خود کو اچھی تربیت کرنے کے لائق تو نہیں سمجھتی لیکن زمانے کی ٹھوکروں نے اتنے سبق دیئے ہیں کہ مجھے اپنی بچیوں کو ان ٹھوکروں سے بچانے کی فکر کھائے جاتی ہے۔ یہ تمہارا احسان عظیم ہوگا اگر تم صرف بچیوں کی خاطر مجھے معاف کر دو۔''

سرور فاطمہ ھنی

آنچل وحجاب پڑھنے والے تمام ہنستے بستے چہروں کو ھنی کی طرف سے پیار بھرا اسلام قبول ہو۔ جی تو میں نے سوچا کہ اپنا تعارف باسعادت آپ سے کروا ہی دوں۔ جی بہت رو لیا پردہ نشینی میں تو میرا قلمی نام ہے سرور فاطمہ ھنی...... ھنی میرا تخلص ہے (اجی شاعر جو ٹھہرے بھلے چھوٹے موٹے ہی سہی)۔ 24 ستمبر 1996ء کو دنیا میں تشریف لائے' ہم چار بہنیں اور دو بھائی ہیں' مابدولت سب سے بڑی ہیں۔ عالمہ ہوں اپنا مدرسہ چلا رہی ہوں ابھی پچھلے سال 2015ء کو کورس مکمل کیا ہے۔ جی تو بات ہو جائے پسند ناپسند کی تو کھانے ہر قسم کے کھا لیتی ہوں' کدو فیورٹ ہے۔ کلر سارے ہی پہن لیتی ہوں لیکن سی گرین' وائٹ اور اسکائی بلیو فیورٹ ہیں۔ سردی' بارش اور بہار کا موسم اچھا لگتا ہے۔ خوبی یہ ہے کہ کسی پر اعتبار نہیں کرتی' بہترین دوست اچھی راز داں ہوں۔ حد سے زیادہ حساس ہوں اور خودداری بھی مجھ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ غصہ مجھے بہت ہی کم آتا ہے' خامی یہ ہے کہ تھوڑی سست ہوں

''ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں میں ہر کام کرنے میں''

بچوں کے ساتھ بچی بنی رہتی ہوں (اب پتا نہیں یہ خوبی ہے یا خامی) مگر سب اسے خامی ہی کہتے ہیں۔ مجھے اپنی اساتذہ' دوستوں اور ساری فیملی سے بہت پیار ہے مگر اپنے مرحوم چچا امیر حیدر اور ماموں سید علی شاہ سے بہت پیار ہیں' او کے اب اجازت دیجیے' اللہ حافظ۔

بات پوری کرتے ہی اس نے ہاتھ جوڑ دیئے۔ حسن نوید کے چہرے پر عجیب تاثرات رقم تھے۔ اس کی آنکھوں کی سرد مہری ہنوز قائم تھی۔ جب بہت دیر تک وہ کچھ نہ بولا تو افشین نے ڈرتے ڈرتے سر اٹھا کر دیکھا۔ حسن کی آنکھیں سرخ تھیں۔ پھر وہ بولا۔

''کل تک طلاق تمہاری خواہش تھی۔ آج یہ میری

خواہش بن چکی ہے۔ تو چلو آج یہ مشترکہ خواہش پوری کروں۔ اسی ایک نشست میں تمہیں ایک ساتھ تین طلاقیں دیتا ہوں۔ میں جانتا ہوں یہ ناپسندیدہ عمل ہے لیکن میرے پاس اس کے سوا کوئی آپشن نہیں۔ سانپ کا سراغ مل جائے تو اس کا سر کچلنے میں لمحے کی بھی دیر نہیں کرنی چاہیے۔ اب آپ جاسکتی ہیں مس افشین سعید۔"

افشین نے منہ پر ہاتھ رکھ کر سسکیاں روکنے کی کوشش کی۔ وہ اسے تنہا چھوڑ کر آفس سے باہر نکل گیا۔ یہ باب بھی تمام ہوا۔

❀......❀......❀......❀

وہ ایک حقیقت پسند شخص تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ جو بات اسے اپنی اولاد کو بتانی چاہیے وہ انہیں دوسروں سے سننے کو ملے اور منفی انداز سے سننے کو ملے۔ گوکہ اس سارے قصے میں مثبت تو کوئی بھی بات نہ تھی پھر جب دعا اور دیا نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تب حسن نوید نے بے حد مناسب الفاظ کا چناؤ کرکے دونوں کو ان کی ماں کی حقیقت سے آگاہ کردیا۔ اس تمام عرصے میں دوبارہ افشین نے رابطہ نہیں کیا تھا۔ لیکن بیٹیاں جوان ہوجانے کے بعد وہ دعویٰ کرسکتی تھی اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے کردار کا سایا بھی ان دونوں پر پڑے۔ انہیں شاہینہ آپا نے بے حد محنت سے پالا تھا اور ان کی تربیت میں بہت ریاضت کی تھی۔ وہ ان کی تمام عمر کی ریاضت مٹی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اس کا خدشہ درست ثابت ہوا تھا۔

افشین نے ان کے کالج جاکر ان سے ملاقات کی تھی۔ دعا اور دیا دونوں اپنے عمر کے حساب سے خاصی سمجھ دار لڑکیاں تھیں۔ حسن نوید کی فرمابردار اور کالج اور خاندان میں نیک طبیعت مشہور تھی۔ حسن اور شاہینہ کا خلوص رائیگاں نہیں گیا تھا۔

افشین کی عمر کی تابناکی زوال کی طرف گامزن تھی۔ اس کے پجاری راہیں بدل چکے تھے۔ خود وہ بھی تھک کر غروب ہورہی تھی۔ وہ مداری سے بندر بن بیٹھی تھی۔ اسے اپنی گود کے ٹھکرائے چاند شدت سے یاد آتے تھے۔ لیکن کیا چاند کے ٹکڑے اب اسے اپنی ٹھنڈک میں سستانے کی اجازت دیں گے؟ یہ سوالیہ نشان لیے وہ اپنے وجود کے ان ٹکڑوں کے آگے ہاتھ جوڑ کر جا کھڑی ہوئی۔

"میری بچیوں! ایک میری ماں نے مجھے کہا تھا کہ سورج چمکتا ہوا دکھتا تو بہت بھلا ہے پر اسے چھونے کی چاہ صرف وجود کو جلاتی ہے۔ اس آگ کی تپش سے بچنا۔ میں نے ماں کی بات نہ مانی اور دیکھو میں جل گئی۔

دعا اور دیا نے اپنی بدقسمت ماں کو دکھ سے دیکھا پھر دیا بولی۔

"ہمارے ڈیڈی ہمیشہ کہتے ہیں۔ چڑھتے سورج کے پجاری تو سبھی بن جاتے ہیں۔ تم دونوں ڈھلتے سورج سے رعنائی لے کر کندن بننا۔ اور ہم دونوں ان کی ہر بات مانتی ہیں۔ ہمیں آپ سے ہمدردی ہے اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں کرسکتے۔" اتنا کہہ کر وہ دعا کا ہاتھ تھامے اٹھ کر چل دی۔

❀......❀......❀......❀

اور اب بس وہ دن سے رات کرتی اور رات سے پھر دن میک اپ سے چہرے کے شگاف بھرتی لیکن روح کے خلا نہ بھر پاتی۔ سب کچھ تھا اس کے پاس اور وہ ہر چیز خرید سکتی تھی سوائے محبت کے۔ گھر آسائشوں سے بھرا ہوا تھا لیکن دل خالی تھا۔ کیونکہ اس نے دل آباد کرنے پر کبھی توجہ دی ہی نہ تھی۔ اس کی ترجیحات میں ہمیشہ عارضی چیزیں شامل رہیں۔ اس کی زندگی کے آخری دور میں بس ایک ہی چیز دائمی تھی تنہائی۔

✡

قلب من ورق

حرا قریشی

> ہم کو تو عمر کھا گئی خیر ہمیں گلہ نہیں
> دیکھ تو کیا سے کیا ہوئے یاد کے خدوخال بھی
> اب کے فراز وہ ہوا جس کا نہ تھا گمان بھی
> پہلی سی دوستی تو کیا، ختم ہے بول چال بھی

''قلبی خانے چار ہوتے ہیں۔'' سنا تھا بعد ازاں انکشاف ہوا یہی سچ ہے۔ بڑی کاری ضرب لگی ہر خانے کی جائے وقوع پذیری پر...... کہ وسط میں' آغاز میں اور اختتام پر بس ''وہ'' عشق واحد بنا بسا تھا۔

ہجر کی بھٹی میں الاؤ کچھ اور تیز اس وقت ہوا جب اس نے کہا۔

''عشق ان پڑھ لوگوں کے بس کا کام نہیں' تو بس گھر کی صفائی کرتی ہے اچھی ہیر...... وہی کیا کر۔'' ہیر کی چشم نم سے سیال ٹپکا اور پھر اس بہاؤ میں تیزی آتی گئی' حتیٰ کہ دن کے اجالے کو شب نے مات دے دی۔ سر نیہوڑائے اکڑوں بیٹھے اس کی کمر تختہ ہوگئی تھی اور محبوب جاں رانجھا کو یاد تھی تو بس اپنی حیثیت' اپنا مرتبہ' اپنی وقعت اور وہ اپنے برابر ہی کی ہیر چاہتا تھا۔ حزیمہ ارقم تو محض نام کی ہیر تھی ایک فرسودہ زمانے میں رہنے والی جاہل لڑکی' آپ نے زمین پر گرے ستون سنگ اور شکستہ دیواریں تو ضرور دیکھی ہوں گی' ایسی ہی حالت تھی اس وقت ہیر کی' رانجھا ''راجا راہی'' بارہا ایسے حروف کے چھوکے لگاتا اس کے قلب و روح کو زخمی کرتا رہتا تھا تصور کے پردے پر وہ ان باتوں کو بارہا دہراتی' لفظوں کی پرچھائیوں سے تادیر لڑتی جھگڑتی' زخموں پر مرہم رکھتی' جھکی نگاہوں کے ساتھ روز بین کرتی' سسکیوں کو امید کی آغوش دیتی' دل کی گہرائیاں رقم کرتی دست محبت کی انگلی تھامے سرشار و مسرور چل دیتی' جس محبت کے تابوت میں بڑی گہری کیلیں ٹھونکی تھیں' جس کے باطن میں تلخیاں اور جس کا وجود ہلاکت خیز تھا۔ سحر سے چہرہ ہر طرح کے جذبے سے عاری تھا۔ نہ خوشی کی رمق اور نہ ہی غم کی کوئی جھلک تھی۔ روٹیاں پکانے کے بعد باورچی خانے کے اہم کام سمیٹنا' اس سے قبل کہ وہ پھر سے رونے کا شغل جاری کرتی۔ ہادی اس کا اکلوتا چھوٹا بھائی چہکتا' مسکراتا شرارت کی نیت سے آدھمکا۔

''یہ دیکھو...... چوڑیاں' کپڑے اور ہاں یہ زیور بھی' کتنی اچھی لگو گی تم دلہن بن کر' میں یقین سے کہہ سکتا ہوں پنڈ میں میری بہن سے زیادہ خوب صورت اور خوب تر اخلاق والی بیوی اور کہیں نہ ملے گی اپنے شہری بابو راجا راہی کو۔'' یہ کہتے ہادی کے چہرے پر کئی مسرت و نشاط کے

رنگ تھے۔ بطور اظہار محبت اس نے اپنے بازو اس کی نازک کانچ گردن کے گرد حائل کردیئے تھے۔ پہلی مرتبہ ہیر نے عشق کے اسرار کو اپنی ذات پر افشا ہوتے محسوس کیا تھا۔ چپلیوں کی شکستہ مورتی میں گویا جان پڑ گئی تھی۔ خارِ زبان کے بول شیریں جذبات کے پہلو میں پھول بن کر کسمسانے لگے تھے۔ عشق کا پلڑا آخر بھاری ہوگیا تھا۔

کیوں، کب اور یہ سب کیسے ہوا تھا اس نمانی جھلی رانجھے کی پیروکار ہیر کو اس امر سے کوئی سروکار نہ تھا۔ یاد رہا تو بس یہ کہ محبت فاتح بن چکا ہے۔ عشق کی سرحدوں پر جاں گسل تنہائی سے اسیری پاتے دل آتشیں جذبوں سے سرشار ہوچکا ہے۔ اس اندھے کی مانند جسے فی البدیہہ بصارت مل جائے...... اس فقیر کی صورت جس کا کاسہ ایک ہی بار میں سینکڑوں سکوں سے بھر جائے...... اس درد کی طرح جو رگ رگ میں اتر کر جسمانی و روحانی احساسات بیدار کر جائے...... اس درویش سا ملنگ بن جائے جو بس اسم محبوب پکارے جب جاگے جب سو جائے، جب عشق ہوجائے۔

ہیر کو لگ رہا تھا اس کے سارے وجود پر رانجھا چھا گیا ہے۔ جسد خاکی کے ہر ہر عضو سے بس وہی ظالم محبوب نمودار ہورہا ہے۔

اسے بھول گیا تھا کیسے اس کی تذلیل کرتے راجا نے اسے کیچڑ میں دھکا دیا تھا۔ کتنی ہی دفعہ زبان کی کاری ضربیں اس کے وجود پر لگائی تھیں۔ دل کتنی بار اس کی بے اعتنائی پر دھاڑے مار مار کر رویا تھا۔ اس کے بھاری ہاتھ کا لمس جو پچھلی شب ہی اس کا گال سرخ کر گیا تھا ایک وحشت انگیز تھپڑ کی صورت، سب فراموش ہوگیا تھا آخر کو بچپن کا ساتھ تھا آج نہیں تو کل عشق ہو ہی جانا تھا۔ اب وہ تخیل میں راجا کے پہلو میں بیٹھی ایسی دوشیزہ بن گئی۔ جو دف بجا بجا کر محبت کی کرم فرمائیوں سے لبریز مسلسل بغیر لکنت کے گیت گاتی جاتی ہے۔

شادی ہوگئی تو زیست کے مناظر کہر کی علامات لیے نمودار ہونے لگے۔ آغاز چاہتوں کی شدت لیے بھرپور تھا۔ شہر میں موجود عالیشان فلیٹ کے اندر خالہ نذیراں کے ساتھ رہتے جو اس کی ساس ماں کے درجے پر فائز تھیں اور اسے محبوب بھی بہت تھیں اُسے اپنا گاؤں بہت یاد آتا۔ ہرے بھرے کھیت، پھلوں سے لدی ڈالیاں، ننگ دھڑنگ بھاگتے دوڑتے شرارتی بچے ندی کے پانیوں کی ٹھنڈک، چہلیں کرتے گھونسلوں میں بیٹھے طائر، طلوع سحر کوئل کی سحر کن کو کو جیسے کسی مغنی کا دلکش بربط سکھ چین اور ٹالی کے درختوں پر سے گزرتے کائیں کائیں کرتے چالاک کوے اور خنک ہواؤں کا شور...... ہر ہر شے کی شکل آنکھوں میں عکس بن کر ابھر آتی۔ شب زفاف راجا راہی نے اپنے ہر برے عمل کی اس سے معافی مانگی اور ایک وعدہ بھی لیا گاؤں کبھی نہ دوبارہ جانے کا۔ عہد تو کرلیا ہیر نے کہ جینا مرنا اب یہیں تھا مگر چھٹی حس خطرے کا الارم دیتی رہی۔ ابھی تک تو کچھ بھی غیر معمولی نہ ہوا تھا سو ہیر قدرے مطمئن تھی۔ جب ہادی بہت اسے ساتھ لے جانے کی ضد کرتا تو ماں ڈھال بن جاتی وگرنہ تو اس کا دل شدت دکھ سے بھر جاتا۔ کتنے ہی سنہری لمحوں کی یادیں ہادی کے ساتھ وابستہ تھیں۔ ہر نیا پھل وہ اسے توڑ کر لا کے دیتا اور کچی کھٹی کیریوں میں تو اس کی جان تھی۔ جن کو دھو کر وہ خود ہی جھٹ پٹا مصالحہ لگا کر اسے پیش کرتا۔ جانے کیا راحت ملتی تھی اسے پر ہیر خوب مزے مزے لے لے کر کھاتی۔ ہادی کو صلح بھی نہ مارتی مگر ہادی خوش رہتا، بہت خوش...... جیسے وہ کوئی بہت پیاری جادوئی گڑیا ہو۔

جذبات کی کھینچا تانی میں دن گزر رہے تھے کہ سبک روی سے بہتے دریا کی روانی میں سنگ حائل ہوگیا۔ رانجھا دیر سے اب گھر آنے لگا تھا۔ اکثر تو رات کو بھی نہ آتا۔ شروع شروع میں تو ہیر نے باز پرس کرنا مناسب نہ سمجھا مگر پورا ماہ جب اس کھیل کی آنکھ مچولی چلتی رہی تو اس نے آواز اٹھائی۔

''مجازی خدا کے آگے بولتی ہے۔ چلا چلا کر سوال کرتی ہے۔ آئندہ ایک لفظ بھی تیری زبان سے نکلا تو اسے گدی سے کھینچ لوں گا۔'' طیش سے جنگلیوں کی طرح چیختے راجا

نے کس کر اس کے سنہری بال کھینچتے اسے سینے سے لگایا اور مغلظات بکتے دیوار کی جانب جھٹکے سے پٹخ دینے والے انداز میں پھینکا تھا۔ آفرین بھی محبتیں نچھاور کرنے والی خالہ پر جسے ہیر کو مار کھاتے دیکھ کئی ضروری کام یاد آگئے تھے۔ زور سے فلیٹ کا دروازہ بند کرکے ساتھ والے کمرے میں ڈیک پر تیز آواز میں موسیقی چلا کر وہ یہ جا وہ جا ہوگئی تھی۔ ہیر کی برداشت بس یہی تک تھی۔ سر دیوار پر لگی کسی لوہے کی شے سے لگا تھا۔ خون بھل بھل رواں ہوا تھا۔ مگر سمیٹنے والا کوئی نہیں تھا۔ رانجھا اسے زوردار ٹھوکر لگا کر کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ بے جان ہوتا جسم ٹھوکر لگنے سے ایک جانب لڑھک گیا تھا۔

بےدرد عشق تیری طرح داری پرواری......

سخت ہڈی بنا ہے نہ نگلا جاتا ہے۔ نہ ہی سٹکا جاتا ہے پھر ہضم ہو بھی تو کیسے...... کئی انجیکشن کے زیر اثر ہیر اسپتال کے بستر پر بے حس و حرکت پڑی ہے۔ بجلی اچانک غیر متوقع طور پر چلی گئی تو قریبی فلیٹ کی رہائشی سحر یوسف کو ساتھ والے گھر کی خاموشی از حد کھلی جو قدم ذرا آگے بڑھایا تو ہیر کے فلیٹ کا دروازہ بے ہنگم طریقے سے کھلا تھا۔ ہیر سے سحر یوسف کی بہت اچھی علیک سلیک تھی۔ گھر میں کوئی ذی روح نہ تھا۔ ہیر کا آڑھا ترچھا پڑا وجود مدد کا متمنی تھا۔ سحر یوسف نے اپنے بیٹے احسن کی مدد سے اسے ہسپتال پہنچایا تھا۔

"یہ وجود انسانی ہے یا کوئی پرستان کی شہزادی جو کسی ظالم دیو کے بے رحم رویے کا شکار ہوگئی ہو۔" کار میں ڈالتے نحیف سے نسوانی وجود کو وہ سوچ رہا تھا۔ "اپنا کوئی نمبر دو گاؤں کا' ہم تمہیں وہاں پہنچا دیں گے۔ اب تم یہاں نہیں رہ سکتی۔ جانتی ہو؟ ڈاکٹر نے کیا کہا ہے۔ تم حمل سے ہو۔ تمہیں اس ننھے کونپل سے وجود کو بچانا ہوگا۔ خون بھی بہت بہہ چکا ہے۔ وہ تو بروقت خون مل گیا ورنہ جانے کیا ہو جاتا۔ تم مجھے بیٹیوں کی طرح عزیز ہو۔ اللہ کا واسطہ اب واپس اس فلیٹ میں مت جانا۔" کہتے کہتے شدت گریہ زاری سے سحر یوسف رو دی تھیں۔

وہ تو عہد کی پاسداری پر گورکھ دھندے کی سی کیفیت میں تھی۔ ایک ہی شخص کی اتنی شکلیں اتنے بہروپ...... وہ اچنبھے میں تھی۔ کسی انسان کے لیے باوفا محبوب سے زیادہ کوئی تحفہ قیمتی نہیں۔ اگر یہ تحفہ شریعت کے مطابق مل جائے تو دل کے اوراق آب مصفا اور اس کی رگیں محض اس کے لیے چشمہ بن جائیں۔ مگر جب بے وفائی کی تخم تاثیر غلاظت کا طوق زیب تن کر لے تو گناہ بڑھ جاتا ہے۔ صفحۂ دل کے گدلے اور منہ آئینے میں کالا سیاہ دکھتا ہے جیسے وقت شب الاؤ میں دہک کر بھرتا کوئلہ۔

"راجا راہی ایک مشہور زمانہ طوائف کی محبت میں گرفتار ہو کر اس سے شادی کر چکا تھا۔ آپ کے لیے یہ طلاق نامہ بھجوایا ہے۔ قبول کیجیے۔" احسن کے ساتھ کھڑا وکیل پیشہ ورانہ انداز میں ہیر سے مخاطب ہوا تھا۔

ہسپتال سے ڈسچارج ہونے کے بعد سحر یوسف اسے اپنے ہی گھر لے آئی تھیں۔ بقول ہیر کے اس کا ذہن خالی اور اس کی یادداشت میں جمع یادیں سب مٹ چکی تھیں۔ اسے فون نمبر تو کیا اپنا گھر بھی یاد نہیں تھا۔" احسن ہیر سے پہلی نظر کی محبت میں مبتلا ہو چکا تھا۔ سحر یوسف کے دل کی بھی یہی آرزو تھی۔ یوسف احزم جوان کے شوہر کے منصب پر فائز تھے۔ ملک سے باہر دبئی میں کاروں کے وسیع شوروم کے مالک تھے۔ احسن ایم بی اے کے بعد جاب کی تلاش میں تھا۔ ویسے وہ پارٹ ٹائم مدریسی ادارے سے منسلک بھی تھا۔ وہ اسے زندگی کے مدارج پر واپس سبک روی سے لا رہے تھے۔ اس کی عدت پوری ہونے میں بس کچھ دن باقی رہ گئے تھے۔

☆☆☆......☆☆☆

"اماں...... بڑی بیقراری سی ہے۔ کسی پل چین نہیں۔ ہر گزرتی شب یوں لگتا ہے، جیسے تاروں کے بغیر آتی ہے اور چاند (کچھ توقف کے بعد پھر بولا) اور چاند تو جیسے جھانکتا ہی نہیں۔ مشعل (بیوی) کتنا یاد کرتی ہے ہیر کو، میری شادی پر بھی نہیں آسکی بیماری کے سبب۔ کیا وہ ابھی تک بیمار ہے؟"

"یہ محبت کی کون سی قسم ہے جس کا بخار اترتا ہی نہیں تو تجھی کہہ دیتی ہے ہر دفعہ اگلے ماہ چلیں گے اور پھر کتنے ماہ گزر جاتے ہیں۔ میں نے طے کر لیا ہے۔ سب ضروری سامان بھی تیار ہے۔ بس سورج طلوع ہوتے ہی ہوگا اگلی سحر کا، ہم نکل پڑیں گے سفر پر کوئی انکار نہیں سنوں گا اب ابا زندہ ہوتا تو شاید ایسا نہ ہوتا۔ روز دھی رانی کے گھر سوغاتیں لیے پہنچ جاتا۔" لہجے میں دکھ کے انبار لگے تھے۔

"جیسے تیرا دل چاہے تو کر۔" اماں بی بھی شدید تھکن زدہ لہجے بولی تھی، جیسے قرنوں کی مدت کا قرض ایک سطر میں چکا دینا چاہتی ہوں۔

بستر پر نیم دراز دیر تک چھت کو گھورتے ہیر کی آنکھیں نیند کی وادی میں کھونے لگی تھیں۔ خواب میں دیر تک وہ اماں بی سے راز و نیاز اور گلے شکوے کرتی رہی تھی۔ دن چڑھا تو سورج کے رنگ ڈھنگ شاہانہ تھے۔ گلیوں میں نونہالوں کی شرارتیں عروج پر تھیں۔ ذرا کھڑکی سے جو جھک کر دیکھا تو دور نکڑ سے احسن بچوں کو قلفیاں دلاتا ان سے داد و پیار وصول کر رہا تھا۔

"ارے یہ کیا۔" آنکھوں کو شدت سے مسلا...... جیسے حقیقت نہیں خواب کا کوئی منظر ہو۔ "اماں بی وہ بھی ہادی کے ساتھ...... یاالٰہی یہ معجزہ کیسے ہو گیا۔" قبل اس کے کہ وہ دونوں راجا راہی کے گھر کی طرف بڑھتے احسن نے انہیں راستے میں ہی تاڑ لیا کہ سامان اور حلیے میں واضح طور پر گاؤں کے رہن سہن کی جھلک تھی۔ ہیر نے کھڑکی سے ہٹ کر اپنے سراپے پر نظر ڈالی تھی۔

"بس کچھ مزید ماہ۔" ٹھنڈی سانس بھری۔ وہ لوگ اب گھر کے اندر داخل ہو چکے تھے۔ جانے کیا کہا ہوگا احسن بھائی نے الجھی لٹوں کو کان کے پیچھے اڑستے دل و دماغ دونوں ہی مضطرب تھے۔ سحر یوسف مشروب سے تواضع کرنے کے بعد اسے بلانے کمرے میں آئی۔

"ہیر فریش ہو کر جلدی سے آجاؤ، تمہارا بھائی اور والدہ تمہیں گاؤں واپس لے جانا چاہتے ہیں۔" یہ کہہ کر

جاتے ہوئے اس کی پیشانی پر وہ اپنے لبوں کا لمس بے اختیاری سے سونپ گئی تھی۔

”درحقیقت میری ہیر کو بچپن سے ہی بڑا لگاؤ تھا رانجھے سے کچھ ہم بھائی بہن بھی دونوں یہی چاہتے تھے کہ رشتے میں مزید پائیداری آجائے۔ سو اسی سوچ کے تحت چھوٹے ہوتے میں ہی ان کا نکاح کردیا تھا۔ رانجھا شہر چلا آیا تو اس کے اطوار بدلنے لگے۔ ہیر کی چاہت میں وہی والہانہ پن تھا۔ وہ کہتی تھی...... اماں بی! شہر والوں نے میرا رانجھا بدل دیا ہے۔ دیکھ اماں...... میرے دل کا صفحہ کیسا کورا کورا ہے جیسے محبت ہجر کی خشک سالی کی زد میں آنے والی ہو‘ بے شک رانجھے کا رویہ بدل گیا ہے مگر میں نمانی جھلی ہیر ہر دعا میں ابھی بھی رانجھے کی ہمراہی ہیر کے لیے مانگتی ہوں۔ میں نے بابا بھاول شاہ کے مزار پر منت کی چوڑیاں بھی باندھی ہیں بس اس عقیدے کے ساتھ کہ ہیر تو بنی بس رانجھے کے لیے ہے۔ ہمارے گاؤں کا یہ بابا بڑا ولی تھا ناں‘ میری دیرانیہ تمنا رد نہ ہوگی۔ ہے نا اماں...... کہہ دے نہ ایسا ہی ہوگا۔ میرے دل کے ورق کو محبت کی سیاہی ضرور ملے گی۔ اکثر نم آنکھوں تلے وہ یقین دہانی کے ساحل رکھ دیتی اور میں اس کے راست عقیدے پر ناامیدی کی مہر لگانے سے ڈر جاتی...... کہہ دیتی...... اللہ کبھی اپنے بندے کو مایوس نہیں کرتا۔ بس شر پر خیر کو ترجیح دینی چاہیے۔“

وہ رب لم یزل کب کسی کا برا چاہتا ہے‘ بس یہ انسان ہی ہے جو کہتا ہے میری ہر دعا دنیا میں ہی پوری ہوجائے۔ ابدی جہاں پر اس کا ادراک متزلزل ہی رہتا ہے۔ ایک دفعہ ہیر کے ابا رحیم بخش اسی سلسلے میں شہر گئے کہ ضروری رسومات طے کرکے گاؤں میں ہیر رانجھے کی شادی کا جشن رکھ لیا جائے۔ ساتھ گاؤں کا رکھوالا یاور بھی تھا جس کی عقیدت و محبت (جو گاؤں کے ساتھ تھی) سے ہر بڑا چھوٹا واقف تھا کہ گاؤں کی سرزمین نے اسے باپ بن کر پالا تھا‘ گاؤں کے سبزہ زاروں نے اس پر ہمیشہ سے ماں کی سی بھرپور ممتا لٹائی تھی۔ گاؤں کی ندیوں نے اسے بہنوں

> **صرف تیرے نام**
>
> تیری سوچ کی سب روایتیں
> کسی اور پر سایہ فگن رہیں
> لیکن پھر بھی
> میرے لفظوں کے سارے شہر
> صرف تیرے ہی نام ٹھہرے ہیں
>
> مشاعلی مسکان‘ قمر مشانی

کی نرم چھاؤں اور اس کے اشجار نے اسے بھائیوں کا سا تحفظ عطا کیا تھا۔ اس محبوب جگہ کی عظمت اس کے لیے مسجد کے تقدس کی طرح تھی۔ واپس آتے دونوں بری طرح حادثے کا شکار ہوگئے۔ تاریکی میں اچانک سامنے آجانے والے پتھر سے رحیم بخش غفلت برت گیا اور گاڑی الٹ گئی۔ یاور خوش قسمتی سے بچ گیا کہ سامان لے جانے کی ذمہ داری سمیت وہ گاؤں کی دور سے نظر آنے والی سرحدوں کو تاحد نگاہوں میں سموتے پہلے ہی اتر گیا تھا۔ سامان و دیگر اشیاء اماں بی کو تھماتے ایک المناک خبر اس کی منتظر تھی۔

اچانک ہونے والے اس حادثے نے رانجھا کو سرتاپا بدل دیا ہے۔“ یہ گاؤں کے لوگوں کا خیال تھا۔ مگر درپردہ مصلحت کے اسرار و رموز سے بس وہی واحد یکتا ذات واقف تھی۔ آب کا قطرہ ملتے ہی پل بھر میں قحط کا غم بھول جاتا ہے ہر ذی روح جیسے پیاس کے خشک موسم سے کبھی آشنائی نہ ہوئی ہو‘ ایسا ہی حال ہیر کا تھا اسے بھی رانجھا کی بے اعتنائی اور بے مروتی پل بھر میں بھول گئی تھی۔ پھر خود رانجھا کی ماں کا ان کے در پر آکر اصرار سے ہیر کو مانگنا من کے آنگن میں سرشاری کی کیفیت دوڑا گیا تھا۔ مگر کچھ تھا جو اماں بی کو عین سینے میں دل کے مقام پر باریک کنکری کی صورت چبھ رہا تھا مگر ہیر کے چمکتے دمکتے رخ روشن کی تاب نہ لاتے اوجھل ہوگیا تھا۔ لاکھوں کی رقم ہیر کے لیے رحیم بخش نے وصیت میں لکھی تھی۔ طلائی زیورات کی تو آن بان ہی اور تھی۔ یہی وہ ان حقائق کی کلید تھی جس کو

مدنظر رکھتے راجا راہی اور اس کی ماں نے منصوبہ بندی کر ڈالی تھی۔ شروع دن محبت کا ڈھونگ بڑے رنگین انداز میں رچایا جاتا رہا پھر جب زیست کی اوڑھنی انکشافات کی اوٹ میں کھولی تب معلوم ہوا شر مانگنا کیسا ہوتا ہے۔ خیر کا دریا کیسا ہوتا ہے؟

داستان سامنے آئی تو سب ہی کی آنکھیں اشکبار تھیں، سوائے ہیر کے، گویا دل کی کتاب بری طرح اجڑی تھی، ہر صفحہ ریزہ ریزہ ہوا تھا، سیاہ گھٹا ٹوپ شب کا عکس چڑھا ہوا تھا۔

رخصت کرتے سحر یوسف نے دبے دبے لفظوں میں اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا جسے سن کر اماں بی نے انہیں تسلی و تشفی کی ڈوری تھمائی تھی کہ انہیں اب کلیجے کے بکھرے ٹکڑوں کو یکجان کرنے کے لیے وقت درکار تھا۔

دس برس بعد

''معیف کے بچے...... آنے دو حزیمہ بھائی کو نہ تمہاری دھنائی کروائی تو میرا نام مومنہ نہیں۔'' ہادی کی بیٹی کے دھمکی دینے پر بھی معیف نے مکھن کی ساری ڈبیہ خالی کرکے اسے ایک دفعہ بھی صلح نہ ماری تھی اور اتنا ہی نہیں اسے منہ چڑھا کر یاور کی گود میں چڑھ گیا جو اس کا جگری یار تھا۔ دور سکھ چین کی مسحور کن ہواؤں کا مزہ لیتے درخت کے تنے پر نشست برخاست کیے احسن اور حزیمہ مسکرا رہے تھے۔ یہ منظر دیکھتے حزیمہ کو محمد رحیم بخش عرف ارقم کی بہت یاد آئی۔

''کبھی کبھی بڑا دکھ ہوتا ہے کہ راجا راہی نے تمہاری قدر نہ کی۔ مگر پھر احسان مانتا ہوں اس رب کائنات کا جس نے بن مانگے مجھے اتنی پیاری اور پرہیزگار بیوی عطا کردی۔'' احسن کی آنکھوں میں پیاس اور اپنی محبت سے دلی عقیدت کے دھنک رنگ نمایاں تھے۔

''حیرت ہوتی ہے مجھے اپنے عشق کے جنوں پر، بچپن سے ایک ہی مرد کو دیکھا تھا، ایک ہی مرد کو چاہا تھا، ایک ہی مرد کو پوجا تھا۔ اس کی ہر خواہش پر اپنی خواہشات و احساسات کا گلا گھونٹا تھا جسے مجھ سے برائے نام لگاؤ تھا، برائے نام محبت تھی۔ نہیں شاید اسے کبھی مجھ سے محبت نہ ہوئی تھی۔'' لہجے میں آنسوؤں کا گولا اٹکا تھا اور حزیمہ نے اس سیال مائع کو چھپانے کے لیے اس کے سینے پر سر رکھ دیا تھا۔

''میں نے اماں بی سے کہہ دیا ہے ماموجانی۔ شادی کروں گا تو بس مومنہ سے اور کسی سے نہیں۔ اُف اُف اُف......'' معیف منہ بسور کر بیٹھی مومنہ کو یوں چڑا رہا تھا گویا اس کی ڈھیر ساری شکایتیں لگا رہا ہو۔

ہیر نے یک دم چونک کر چہرہ باہر نکالا تھا۔ معیف کی بات سن کر اس کے چہرے پر آنے والے ہونق سے تاثرات دیکھ کر احسن کے لبوں پر مسکراہٹ در آئی تھی۔

''ابھی بمشکل آٹھ برس کا ہے اور اس کی باتیں سن رہے ہیں آپ۔''

''بچپنا ہے پیاری زوجہ بے فکر رہیں آپ جب تک دل کے ورق پر ایک دوجے کے نام تحریر نہ ہوں، دل نہیں ملا کرتے۔ معیف اور مومنہ کو محبت بھرا ماحول ملا ہے۔ ان کے دل جب شعور و آگہی کے زینے پر قدم رکھیں گے تو منازل کا تعین کرنا از خود سیکھ چکے ہوں گے۔'' احسن کے نرمی سے دیئے گئے جواب پر ہیر کے دل میں کئی گنا سکون اتر آیا تھا۔

آج ہم واپسی کے لیے پر تول رہے تھے۔ معیف کی شرارتیں بدستور جاری تھیں۔ مومنہ کے جلتے کڑھتے منہ کے زاویے دیکھ کر بھی لطف اندوز ہو رہے تھے۔

''اماں بی...... سب دعائیں ہیں آپ کی کہ خیر سے سبھی کام نپٹ رہے ہیں۔ پرموشن ہوگئی ہے احسن کی، گاؤں میں اسکول بنانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ جلد ہی پھر سے آئیں گے مومنہ کی سالگرہ بھی تو ہے نا اگلے ماہ۔'' ٹیکسی سے سامان اتارتے یاور بڑے جوش و جذبے سے تفصیلات فراہم کر رہا تھا۔ مومنہ نے اپنا نام سنتے شوخی سے آنکھیں مٹکائیں۔ معیف کی بھی رگ شرارت پھڑکی اس نے جھٹ سے دائیں آنکھ جھپکی۔

''تم جاتے جاتے بھی پٹو گے اماں بی سے۔'' مومنہ

مچل ہی تو اٹھی تھی اس کی حرکت پر۔ اسٹیشن پر یونہی گپ شپ کرتے وہ مطلوبہ ڈبے تک پہنچ چکے تھے۔ لیموں والا کٹھا آلو چنا، چائے والا بھائی چائے والا، تازہ تازہ کرارے گرما گرم نان کھوئے والی قلفی۔ ہر پھیری والا اپنی اپنی تان با آواز بلند کیے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی جدوجہد میں تھا۔ ریڑی والے بھی آگے پیچھے گزر رہے تھے۔ کسی مسافر کا سامان باوردی یونیفارم میں ملبوس قلی اٹھا رہا تھا تو کوئی خود اپنا سامان بصد مسرت سر اور کاندھوں پر اٹھائے سرعت سے چلا جا رہا تھا۔ کوئی سیل فون کان سے لگائے عزیز و اقارب سے محو گفتگو تھا تو کوئی اردگرد کے شور سے بے نیاز پیوند لگے کپڑوں میں بینچ پر آڑھا ترچھا لیٹا تھا۔ کچھ بوڑھے بابا حضرات تو فرش پر ہی چادر بچھائے محو استراحت تھے کچھ نے چادر بچھانے کی بھی زحمت نہ کی تھی۔ نفسا نفسی کا عالم چہار سو تھا۔

''ارے...... یہ یاور بھائی کہاں رہ گئے؟'' مٹھل نے ہادی کا کاندھا ہلا کر اسے اپنی جانب متوجہ کیا اور گردونواح پر بھی نظر ڈالنا مناسب سمجھی تھی۔

''ہاں...... ٹرین کے چلنے میں بھی بمشکل بیس منٹ باقی ہیں۔'' احسن وقفے وقفے سے آنے والی اپنی اماں جان کی کال پر انہیں تسلی دے رہا تھا کہ بس ٹرین چلنے والی ہے کہ اچانک کھوئے والی قلفیاں لے کر آتے اس کی یاور پر نظر پڑی تھیں۔ اس کے ساتھ منیف اور مومنہ بے صبروں کی طرح قلفی کھاتے بس ختم کرنے کے مراحل میں تھے۔

''لو وہ آگئے ہمارے قدیم نگہبان۔'' احسن کی صدا پر سب ہی اس سمت کی جانب متوجہ ہوئے تھے۔

''جزاک اللہ...... جگری یار، جس کی ختم نہیں ہو رہی، قلفی، بلا مزد اس کے لیے منیف کی خدمات حاضر ہیں۔'' منیف نے کھڑکی والی سیٹ ملتے یاور کا کاندھا دھیرے سے تھپکا تھا۔ اس کی بات کے جواب میں مومنہ نے دونوں ہاتھ سے ٹھینگا بنا کر اسے بھرپور چڑایا تھا اور وہ چڑ بھی گیا تھا اور اب فرضی ناراضی کا ناٹک کیے منہ موڑ کر

دسمبر تم نہ جانا......

ابھی لمحے نہیں بکھرے
ابھی موسم نہیں بچھڑے
میرے کمرے کی ٹھنڈک میں
ابھی کچھ دھوپ باقی ہے
میری ڈائری کے کچھ صفحے
ابھی کچھ کہہ نہ پائے
میرے آنگن کے سب پودے
ابھی گنگناتے ہیں
میرے بے جان ہونٹوں پر
ابھی مسکان باقی ہے......
کسی کے لوٹ آنے کا
ابھی امکان باقی ہے
دسمبر بات اک سن لو
سنو......
تم مان جاؤ ناں
کہ جب تک وہ نہیں آتا
دسمبر تم نہ جانا......
دسمبر تم نہ جانا......

جاذبہ عباسی...... دیوال مری

بیٹھ گیا تھا۔ اب سب الوداع کہتے ہاتھ فضا میں لہرا رہے تھے۔

''ماموں جانی...... لاہور کی فضاؤں کو میرا اسلام کہیئے گا اور ہاں میری سالگرہ پر وہاں کا پانی ضرور لے کر آیئے گا۔'' منیف نے جھٹ سے اسے ٹھینگا دکھایا تھا گویا حساب برابر کیا گیا تھا۔

''ہنہ......'' مومنہ نے گردن ہلا کر خفیف سا جھٹکا دیا تھا۔ ٹرین چلنے کی وسل بجی تھی اور ایک اخبار کا ورق ایک بوڑھی خستہ حال ناگفتہ بہ عورت، جس کی حالت حد درجہ قابل رحم تھی، نے زور سے اس کی ہتھیلی پر دے مارا تھا۔ حزیمہ احسن جو شرارتی منیف کا کھڑکی سے ہاتھ اندر

کر رہی تھی، نہ صرف اس عورت بلکہ اس اخبار کے صفحے کو دیکھ کر بھی چونکی تھی۔ جس پر جلی حروف میں نمایاں لکھا تھا۔

"سزا یافتہ مجرم راجا راہی کو پھانسی دے دی گئی ہے کئی دلوں کا سرعام سودا کرنے پر۔"

وہ عورت پاگلوں کی طرح چلا رہی تھی۔

"دیکھو دیکھو...... میرے بیٹے کی تصویر...... سو گیا ہے۔ جاگتا نہیں ہے۔ کب سے جگا رہی ہوں پر یہ میری پکار سنتا ہی نہیں ہے۔" وہ اب ہذیانی کیفیت میں چلا رہی تھی۔ حزیمہ احسن کی حالت ایسی تھی جیسے بدن کاٹو تو لہو نہیں۔ زیست اسے بغیر پہیوں کی ٹرین پر گھومتی محسوس ہو رہی تھی۔ ایک زوردار جھٹکا لگا اور ٹرین ٹھک کی آواز دیتی رکی تھی۔

"کوئی پاگل عورت آگئی ہے ٹرین کے نیچے کتنا روک رہا تھا قلی اسے مگر بضد تھی وہ عورت کہ مجھے اپنے بیٹے کے پاس جانا ہے۔ جانے دو...... مجھے جانے دو۔" ایک آدمی نے ٹرین کے رکنے کا سبب پوچھا تو دوسرے نے تفصیل بتائی تھی۔ حزیمہ احسن کا دماغ سن ہونے لگا تھا' اس کی حالت کے نشیب و فراز دیکھتے احسن نے اس کے گرد بازوؤں سے مضبوط حصار قائم کیا تھا۔ بالآخر اس کے دل حزیں نے اذیتوں کا مدوجذر پار کیا تھا۔ کچھ حالت سنبھلی تھی۔ جنہوں نے دکھ دیا تھا ان کے دلوں کے مرنے پر بھی دل دکھ رہا تھا' کیسے ورق (خانے) ہیں یہ دل کے......

"امو جان...... کون تھا یہ راجا راہی؟" بیٹا باپ کا پوچھ رہا تھا۔ مقام عبرت کا لاوا ابل پڑا تھا۔ اس شخص کے دل کے ورق کو گرہن لگ گیا تھا اور جس شے کو گرہن لگ جائے' وہ سسک سسک کر مر جاتی ہے۔ سو اس کا دل بھی تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

صدق عورت کے دل کے ورق پر جب محبت ثبت ہوتی ہے تو اس کے دل کے ورق ہنوز اس ایک محبت کی مالا جیسے سنجوگ لے لیتے ہیں کہ اس کا دل تو محبت کی چھوٹی سی کاپی کی طرح ہوتا ہے۔ جو سدا دل کی جیب میں رہتی ہے
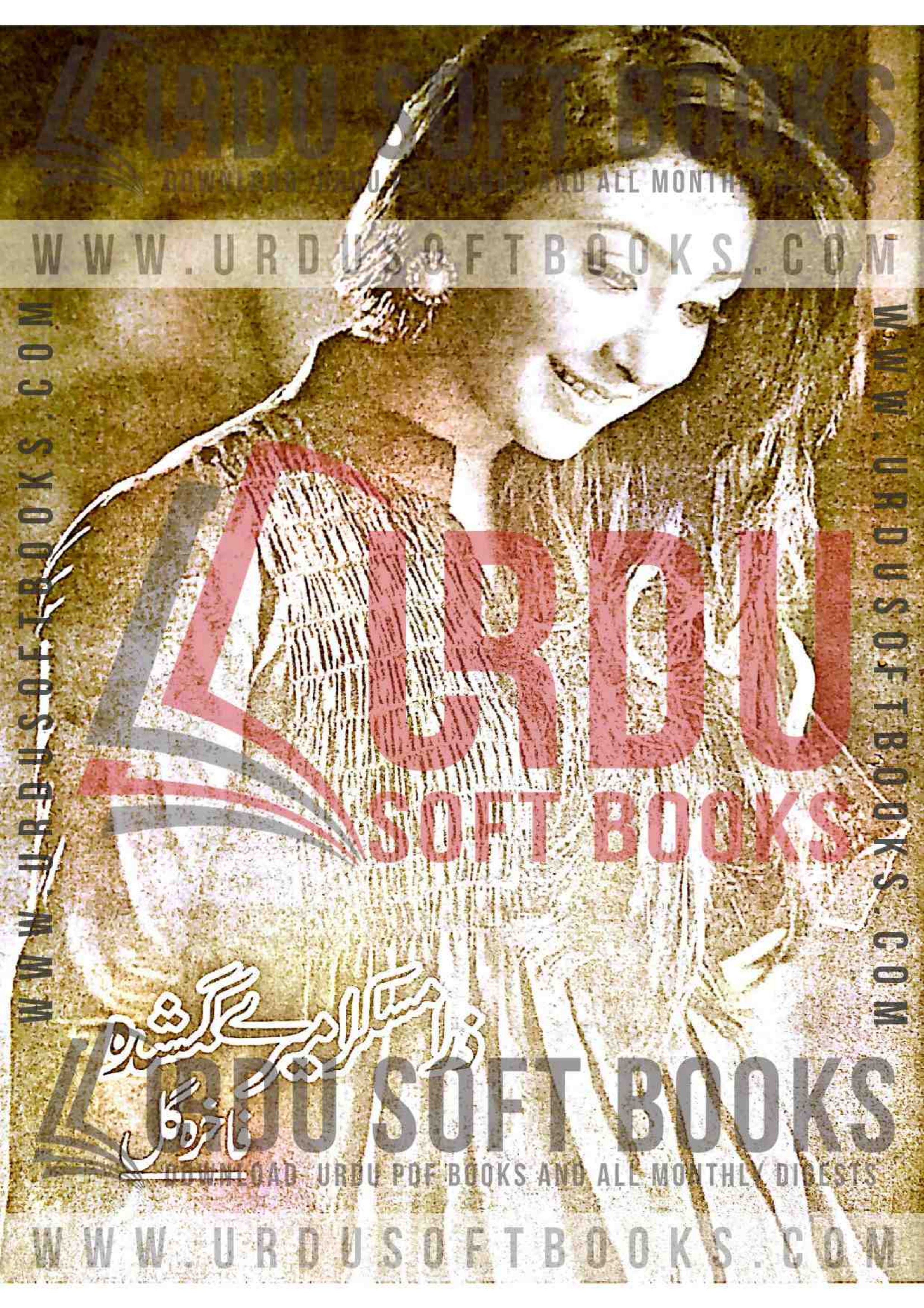
جبکہ مرد نامراد مرد بے وفا کے قلبی دستاویز پر کئی سیاہ نقطوں کے دستخط ہوتے ہیں۔ جن کے دل پر تحریر ہونے سے شانتی و ملاپ کا تصور ختم ہی اور گرہستی کی شب ویران اوراق پر ویران معبد کی صورت سجدہ ریز ہو جاتی ہے۔

دیکھ کر
تھوڑا صبر کر
نہ ابھی دھڑک
ہے اگر آتش عشق
نہ ابھی بھڑک
دل یار غار
خودکشی نہ کر
جو ہے فلک پر
اوج و بام و در
نہ تو اس سے لڑ
قلب و روح کو بچا
نہ دست لہو میں لتھڑ
ذرا ہوش کر
ہے جو یہ بحر و بر
بڑا کٹھن بڑا لمبا سفر
دل مہرباں
ذرا غور کر
نہ یوں تو بگڑ
کر نہ دے کہیں
جان عشق غرق
ہائے
قلب من ورق......!

ذرا مسکرا میرے گمشدہ

فاخرہ گل

اب یہ بھی نہیں ٹھیک کہ ہر درد مٹا دیں
کچھ درد کلیجے سے لگانے کے لیے ہیں
آنکھوں میں بھر لو گے تو کانٹے سے چبھیں گے
یہ خواب تو پلکوں پہ سجانے کے لیے ہیں

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

غزنیٰ تمام حقیقت جاننے کے بعد عجیب کشمکش کا شکار ہوتا ہے اسی عالم میں وہ صبح سویرے سکندر صاحب کو بتا کر گھر لوٹ آتا ہے حنین اس کے یوں اچانک چلے جانے پر بے حد خفا ہوتی ہے گھر پہنچ کر بھی وہ الجھن کا شکار رہتا ہے اس کی ماں اب جلد ہی غزنی اور اجیہ کے رشتے کی بات طے کرنا چاہتی ہیں اس بات کا خیال آتے ہی غزنیٰ اجیہ کی جاب والی بات اپنی ماں سے چھپا لیتا ہے اور خود ہی اجیہ کو رضا مند کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ فون پر اجیہ سے بات کرنا چاہتا ہے تاکہ اپنی والدہ کے رشتہ لانے کے حوالے سے اسے آگاہ کرتے اس کی رضا مندی جان سکے مگر دوسری طرف حنین سے بات ہوتی ہے اجیہ اسکول میں انٹرویو دینے جاتی ہے وہاں اربش کی ممی پرنسپل کے عہدے پر فائز ہوتی ہیں اور اس کی تعلیمی کارکردگی سے متاثر بھی ہوتی ہیں اجیہ کو اپنی قابلیت پر بھروسہ ہوتا ہے کہ جلد وہ یہ جاب حاصل کرلے گی ایسے میں غزنیٰ کی کال آتی ہے اور وہ رشتے کی بات کرتا ہے اجیہ کو یہی لگتا ہے کہ وہ اپنی اور حنین کی بات کررہا ہے وہ اس بات پر خوشی کا اظہار کرتے اس کی ہر بات پر رضا مند ہوجاتی ہے یہاں تک کہ کال سینٹر کی جاب چھوڑنے پر بھی آمادہ ہوجاتی ہے غزنیٰ کے لیے یہ صورت حال نہایت حیران کن ہوتی ہے۔ سکندر صاحب کی شادی ان کی مرضی اور پسند کے خلاف کی گئی تھی جب ہی وہ اپنی شریک حیات سے نہایت بیزار اور لاتعلقی کا اظہار کرتے ہیں اور اولین روز سے ہی دونوں کے درمیان اجنبیت کی جو دیوار حائل ہوتی ہے اسے سکندر صاحب کبھی گرانے کی کوشش نہیں کرتے جبکہ غزنیٰ کے والد کی شادی بھی ان کے ہمراہ ہوتی ہے اور وہ دونوں ایک خوشگوار ازدواجی زندگی گزارتے ہیں۔ اربش اپنی والدہ سے اپنی خالہ کا تذکرہ کرتا ہے جس پر وہ بتاتی ہیں کہ اسے بچھڑے ایک طویل عرصہ گزر گیا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے باپ کی فوتگی پر بھی نہیں آسکی تھی وہ اس کا ذکر کرتے نہایت افسردہ ہوجاتی ہیں ایسے میں اربش انہیں ڈھونڈنے کا ارادہ کرتا ہے، اجیہ کی والدہ کی رپورٹس کچھ اچھی نہیں آتیں ایسے میں اربش نہ چاہتے بھی یہ رپورٹس اجیہ کو دیتا ہے تاکہ وہ ازخود انہیں دیکھ سکے۔

(اب آگے پڑھیے)

❁......❀......❁

سر جھکا کر اپنے پرس میں کچھ ڈھونڈتی اجیہ نہیں جانتی تھی کہ سامنے بیٹھے اربش کے ذہن میں اسے دیکھنے کے ساتھ ساتھ کون سے خوش کن خیال تھے جو اس کے ذہن پر گلاب کی پتیوں کی طرح گر رہے تھے۔ کینٹین میں موجود لکڑی کی اس بینچ پر بیٹھے اربش کو لگا جیسے اس لمحے اردگرد بیٹھے تمام اسٹوڈنٹس سامنے نظر آتے درخت یہاں تک کہ تمام عمارت جیسے دھندلا چکی ہوں اور سامنے بیٹھی اجیہ زوم ہوکر اس کے سامنے یوں موجود ہو کہ اسے اردگرد سے کچھ نظر نہیں آرہا ہو۔ یہاں تک کہ وہ سیاہ لٹ بھی نہیں جو اجیہ کے گردن جھکانے کے باعث اس کے چہرے کے سامنے لٹک رہی تھی۔
نظر آرہی تھی تو خوب صورت اور مسکراتے چہرے

والی اجیہ اور بس......

وہ تو ابھی مزید جانے کتنی ہی دیر تک اسے دیکھتا رہتا لیکن اجیہ نے اپنے چہرے پر اس کی نظروں کا ارتکاز محسوس کرتے ہوئے سر اٹھایا اور اسے یوں گہری نظروں سے خود کو دیکھتا پا کر گڑبڑا گئی۔ اس کا خیال تھا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ اربش اس کا خالی والٹ دیکھ چکا ہے اور اس لیے یوں ٹکٹکی باندھ کر اسے دیکھ رہا ہے۔ اپنی ہی بات کے جواب میں ذہن میں ہی دلائل دیتے وہ بھی اسے دیکھے گئی۔ پھر ٹپٹا کر خود ہی بولی۔

''یہ تم اتنی دیر سے مجھے کیوں دیکھ رہے ہو؟''

''میرے سامنے تم بیٹھی ہو تو ظاہر ہے تم ہی کو دیکھوں گا نا' یا اِدھر اُدھر دیکھتا رہوں۔'' مسکراتے ہوئے وہ اس کی گھبراہٹ سے لطف اندوز ہوا' اس کا خیال تھا یہ گھبراہٹ اجیہ پر اس کے دیکھنے کی وجہ سے ہے جبکہ اصل وجہ سے تو وہ مکمل لاعلم تھا۔

''میرا مطلب ہے کہ کھانا کیوں نہیں شروع کیا اب تک؟''

''اس لیے کہ تم مجھے یہاں بٹھا کر خود پتہ نہیں اتنی دیر سے کیا ڈھونڈ رہی ہو...... میں انتظار کررہا ہوں اس وقت کا جب تمہارا یہ مشن مکمل ہوجائے۔'' اجیہ نے کچھ سوچتے ہوئے پرس کا کلپ بند کیا۔

''بائی داوے یہ بیٹھے بٹھائے کیا ڈھونڈنے لگ گئی تھیں؟'' اربش نے میز کے درمیان میں رکھی پلیٹ اور کولڈ رنک آگے سرکا کر اسے کھانے کا اشارہ کیا۔

''دراصل میں تمہارے اندر کچھ ایٹی کیٹس ڈھونڈنا چاہ رہی تھی' نہیں ملے تو سوچا شاید میرے پرس میں نہ آ گئے ہوں۔'' اس نے کولڈ رنک کا ایک گھونٹ لیا لیکن اربش سینڈوچ منہ تک لے جاتے جاتے رک گیا۔

''مطلب یہ کہ میرے نمبرز سب سے زیادہ آئے مجھے اتنی بڑی اسکالرشپ آفر کی گئی' تو ٹریٹ تو تمہیں دینی چاہیے تھی' مگر تم تو......''

''او ہو...... لیکن اجیہ ٹریٹ کی آفر تو تم نے خود کی تھی' میں نے تو ایک مرتبہ بھی تمہیں فورس نہیں کیا۔'' وہ حقیقی معنوں میں شرمندگی محسوس کررہا تھا۔

''ہاں...... ہاں...... مانا کہ آفر میں نے ہی کی تھی لیکن صرف اور صرف تمہیں احساس دلانے کے لیے کہ ایسے موقعوں پر دوستوں کی طرف سے ٹریٹ دینا بنتی ہے لیکن تم بھی ناں......'' منہ بناتے ہوئے اس نے سینڈوچ کھانا شروع کیا۔ اچانک ذہن میں آ جانے والا آئیڈیا مکمل طور پر فائدہ مند ثابت ہوا تھا۔

''او مائی گاڈ...... آئی ایم ریئلی سوری...... غلطی ہو گئی دراصل آج صبح سے میں کچھ اور ہی سوچ رہا تھا شاید اسی لیے دماغ میں نہیں آیا لیکن تم یہی سمجھو کہ یہ ٹریٹ میں نے ہی دی ہے اور اس کا بل میں پے کروں گا۔'' وہ جس قدر شرمندہ دکھائی دے رہا تھا اس سے کہیں زیادہ شرمندہ اس وقت اجیہ محسوس کررہی تھی لیکن وہ مجبور تھی کہ اس کے سوا اور کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔

''نہیں رہنے دو پیسے میں دے دوں گی۔''

''کہا ناں سوری...... بلکہ اب تو جرمانے کے طور پر تمہیں کہیں باہر بھی کھانا کھلاؤں گا۔''

''نہیں بس آج کی ٹریٹ تمہاری طرف سے ہوگئی اتنا ہی کافی ہے۔'' اس نے مسکرا کر اربش کو دیکھا اور سکون کا سانس لیا کہ اربش کے سامنے اس کی عزت رہ گئی ورنہ جس فراخدلی سے اس نے اربش کو ٹریٹ دینے کی آفر قبول کی تھی اس کے نتیجے میں اسے والٹ گھر بھول آنے والا بہانہ کرنا بھی اچھا نہیں لگا تھا۔

''لیکن اگر میں تمہیں کہوں کہ میرے لیے اتنا کافی نہیں ہے تو پھر؟''

''مطلب؟'' وہ جو یہ سمجھے بیٹھی تھی کہ بس ٹریٹ کا کام ختم ہوچکا ہے حیران ہوئی۔

''مطلب یہ کہ اگر میں تمہیں کہوں کہ میں تمہاری کامیابی پر تمہیں بلکہ نہ صرف تمہیں' آنٹی کو بھی مبارک باد دینا چاہتا ہوں تو......''

''تو یہ کہ مجھے تو مبارک باد مل گئی اور ان تک میں پہنچا دوں گی...... وری سمپل۔''

''نہیں اجیہ...... اتنا سمپل نہیں ہے یہ سب جتنا تم سمجھ رہی ہو۔'' وہ کچھ کہنے اور نہ کہنے کے بیچ کی کشمکش کا شکار تھا' جو کہنا چاہتا تھا وہ براہ راست کہتے ہوئے اس لیے ہچکچا رہا تھا کہ کہیں اجیہ اسے فلرٹ نہ سمجھے' ان لوگوں میں شمار نہ کرے جو لڑکی کے ساتھ دس منٹ گزارتے ہی

بچی محبت میں مبتلا ہو کر پرپوز کردیتے ہیں۔

''تم ایسی کون سی بات کرنا چاہ رہے ہو جو تمہیں اس قدر الجھن میں مبتلا کررہی ہے؟'' وہ خود بھی اس کی بات پرالجھ کررہ گئی تھی۔

''کیا تم سمجھتی ہو کہ ہم دونوں اچھے دوست بن سکتے ہیں؟'' اربش نے براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ جہاں اپنائیت اور اجنبیت یا حیرت کا دور دور تک نام نشان تک نہ تھا' اس کی بات پر نا سمجھی سے کندھے اچکا کر مسکراتی اجیہ کی طرف اس کا دل کیوں اس طرح کھنچتا تھا...... اور اس میں ایسا کیا تھا کہ اتنے کم وقت میں وہ اس کے ساتھ بہت سا وقت گزارنا چاہتا تھا۔ وہ بالکل سمجھ نہیں پارہا تھا۔

''میرا خیال ہے اسی لیے میں اس وقت تمہارے ساتھ یہاں کینٹین میں موجود ہوں' ورنہ اس سے پہلے میں نے کبھی کینٹین میں اپنا وقت ضائع نہیں کیا۔''

''ہمم......'' اربش چند لمحے کے لیے رکا۔ اس دوران ویٹر برتن اٹھانے آیا' اربش نے بل ادا کرتے ہوئے ٹپ بھی ساتھ ہی دے دی تھی۔ لہٰذا وہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے کہ اچانک اربش' اجیہ کا پرس دیکھ کر جیسے چونکا۔ اسے یاد آیا کہ یہی پرس اس نے کل دو تین مرتبہ کسی گاڑی میں شیشے کے بالکل ساتھ دیکھا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ کوئی بہت مختلف قسم کا پرس تھا اس لیے یاد رہ گیا بلکہ اسے ایک دو مرتبہ ایسا لگا تھا جیسے پرس کو اپنے چہرے کے آگے کیے بیٹھی وہ لڑکی اجیہ ہے جس کا تھوڑا سا چہرہ اسے نظر آسکا۔

''کل میں نے دو تین مرتبہ تمہارے پرس جیسا پرس دیکھا تھا۔'' ٹیبل پر سے اٹھتے ہوئے اس نے اجیہ کی کتابیں اپنے ہاتھ میں لے لی تھیں۔ چند صفحات فوٹو کاپی کروانے تھے اس لیے طے یہی پایا تھا کہ اپنے اپنے ڈیپارٹمنٹ کا رخ کرنے سے پہلے یہیں سے فوٹو کاپیز کروالی جائیں۔ باوجود اس کے کہ ڈیپارٹمنٹس میں بھی یہ سہولت موجود تھی لیکن کچھ وقت مزید ساتھ گزارنے کا بہانہ ہی سہی۔

''ایسا لگا پرس کے پیچھے تم ہو' پھر دل ہی دل میں خود کو جھاڑا بھی اور ہنسا بھی کہ یہ کیا کہ اجیہ اتنی حواسوں پر سوار ہوگئی ہے۔'' خود ہی بات کرکے وہ خجل آمیز انداز میں خود ہی ہنسا لیکن اجیہ چونکی کہ خود کو چھپانے کی کوشش میں وہ ناکام رہی تھی لیکن کچھ بھی کہنے کے بجائے اس نے خاموش رہنے کو ترجیح دی۔

''اور جس وین میں' میں نے اپنے خیالوں میں تمہیں دیکھا تھا' وہ بھی شاید کسی کال سینٹر کی۔''

''کال سینٹر کی؟'' وہ بہترین طریقے سے حیران ہوئی۔

''ہاں کیونکہ ڈرائیور کے سر پر جو کیپ تھی اس پر بڑا نمایاں کرکے کال سینٹر کا نام لکھا گیا تھا لیکن ظاہر ہے تمہیں کیا پڑی ہے رات کے وقت کال سینٹرز میں خوار ہونے کی۔''

''ہاں بالکل یہ تو ہے......'' اس نے چاہا کہ اربش کے ذہن میں اس کا جو تاثر بنا ہوا ہے وہ اسی طرح قائم رہے اور پھر کال سینٹر میں اس کی جاب کے متعلق تو کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔

''یونیورسٹی کس طرح آتی ہو؟ آئی مین ڈرائیور کے ساتھ یا خود؟''

وہ دونوں فوٹو کاپی کرنے والے کمرے کے سامنے پہنچ چکے تھے۔ جب اجیہ کو احساس ہوا کہ اب اربش کے ساتھ گزارے گئے وقت کا اختتام قریب ہے لیکن وہ ایسا چاہتی نہیں تھی کیونکہ اربش کی صورت میں اسے ایک دوست نظر آرہا تھا اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ کسی بھی صورت اس سے دور ہو یا اس کے گھریلو حالات جاننے کے بعد اس پر ترس کھائے اور ترحم آمیز سلوک کرے اور پھر ابھی اسے اربش سے ملے دن ہی کتنے ہوئے تھے کہ وہ جان پاتی کہ اربش کے نزدیک یہ روپیہ پیسہ مال ودولت کوئی اہمیت نہیں رکھتے بلکہ اس کے نزدیک اگر کوئی چیز اہم ہے تو صرف اور صرف محبت اور محبت سے بھرپور رشتے۔

''تم کیوں پوچھ رہے ہو؟'' جھوٹ سے بچنے کے لیے اس نے ستون سے ٹیک لگائی اور پوچھا۔

''وہ دراصل میں سوچ رہا تھا کہ اگر تم مناسب سمجھو تو میں تمہیں گھر ڈراپ کردیا کروں' ڈرائیور کو منع کردینا کہ وہ تمہیں نہ لینے آیا کرے۔'' وہ تمام فاصلے ایک جست

میں طے کرلینا چاہتا تھا لیکن اجیہ اپنے حالات کی وجہ سے احتیاط برتنے پر مجبور تھی۔ لہٰذا مسکرائی اور گوکہ اس نے اب تک اربش کو اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا لیکن اس کی شخصیت کا تاثر ہمیشہ دیکھنے والوں پر ایسا پڑتا کہ سب اسے کسی کھاتے پیتے گھرانے کا فرد سمجھتے' ایسا ہوتا ہے کہ بعض اوقات بہت امیر کبیر لوگوں کو متعارف کروائے بغیر کسی جگہ لا کھڑا کریں کوئی انہیں مڑ کر دیکھنا بھی نہ چاہے گا لیکن اس کے برعکس کسی مڈل کلاس کو ایسی سچویشن میں لا کھڑا کریں وہ خاموش بھی رہے تو لوگ اس سے بات کرنے اور بار بار دیکھنے کی خواہش کرنے لگتے ہیں۔ یہ سارا معاملہ شخصیت کا ہے اور اجیہ کی شخصیت کا تاثر بھی ہمیشہ ایسا پڑتا کہ دیکھنے والے اسے کسی اونچے گھرانے کا فرد سمجھنے لگتے۔

''تھینکس...... میں جس طرح پہلے جاتی ہوں آئندہ بھی اسی طرح جایا کروں گی۔ تم میری عادتیں خراب کرنے کی کوشش نہ کرو۔'' وہ مسکرائی کہ بات ٹل چکی ہے یعنی کہ بات کھلنے کے بجائے بات بن گئی ہے۔

''پہلے اور اب میں بہت فرق ہے...... پہلے میری تم سے ملاقات نہیں ہوئی تھی جبکہ اب......''

''اب......؟'' اجیہ نے اسے دیکھا۔ وہ ہر لحاظ سے مکمل وجاہت کا شاہکار معلوم ہوتا تھا۔ خوب صورت لباس' پُرکشش شخصیت اور روشن آنکھوں والا' اربش اسے کسی بھی طرح اجنبی محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

''اب میں چاہتا ہوں کہ تمہاری ساری ذمہ داریاں میں اٹھالوں...... شادی کرو گی مجھ سے؟''

یہ الفاظ تھے یا چار سو چالیس وولٹ کا کرنٹ جو ایک دم اجیہ کے جسم میں دوڑا تھا اور اس مرتبہ اجیہ کو ایسا لگا جیسے اردگرد تمام منظر دھندلے ہو کر صرف اور صرف اربش کو اس کے سامنے زوم کر دیا گیا ہو۔ اتنی بڑی بات وہ اتنی آسانی سے اور اتنے کم وقت کے ساتھ کے بعد کیسے کہہ گیا تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے ستون سے ہٹ کر سیدھی کھڑی ہوئی اور چند لمحوں بعد جب حواس بحال ہوئے تو دائیں بائیں گردن موڑ کر دیکھا کہ اربش کی کہی ہوئی بات کسی نے سن تو نہیں لی لیکن ایسا نہیں تھا سب اپنے اپنے کاموں میں لگے ہوئے تھے اور کسی کا بھی دھیان ان کی طرف نہیں تھا۔

''مجھے معلوم ہے اجیہ کہ تم سوچ رہی ہوگی کہ دو دن میں بھلا میں نے تمہیں شادی جیسے بڑے اور اہم فیصلے میں شریک کیوں کرنا چاہا اور اگر تم یہ بات مجھ سے پوچھو گی تو شاید میں تمہیں کوئی بھی جواب نہ دے پاؤں' کیونکہ میرے پاس کوئی جواب ہے ہی نہیں اور اس کی وجہ سمجھنے سے میں خود بھی قاصر ہوں۔ اینڈ پلیز ڈونٹ تھنک کہ میں بہت جلد باز ہوں۔ ایسا نہیں ہے لیکن...... تمہارے معاملے میں' میں بہت جلد باز ہو رہا ہوں اور واقعی ایسا ہی ہے۔'' اجیہ نے اسے دیکھا' وہ بہت بے بس دکھائی دیا۔ ایسے جیسے اسے خود پر بھی اختیار نہ ہو اور ابھی تو اجیہ اسے دوستی ہی کے رشتے میں ڈھال رہی تھی کہ وہ اس سے بھی ایک قدم آگے پہنچ گیا اور قدم بھی آخری' جس کے آگے اور کوئی گنجائش تھی ہی نہیں' بغیر اسے جانے پرکھے اتنا بڑا فیصلہ کرنے والا اربش جلد باز نہیں تو اور کیا تھا' اس بات پر اجیہ حیران تو ہوئی لیکن اسے برا نہیں لگا تھا۔

''مجھے واقعی ایسا لگتا ہے کہ اگر میری طرف سے ذرا بھی دیر ہوئی تو ایسا نہ ہو کہ بہت دیر ہو جائے...... آئی ہوپ یو انڈر اسٹینڈ......'' اربش نے اس کی آنکھوں میں دیکھا جن میں الجھن تو تھی لیکن خفگی نہیں تھی اور یہ تاثرات اربش کے لیے حوصلہ افزا ہی تھے۔

اجیہ نے البتہ کچھ بھی بولنے کے بجائے خاموشی اختیار کی۔ اسی دوران اربش کے گروپ کے دوست بھی وہیں آن پہنچے اور دانستہ طور پر وہ اجیہ سے قدرے فاصلہ اختیار کر کے ان کے ساتھ چلا گیا کہ کلاس کا ٹائم ہو گیا تھا اور اب اجیہ بھی کلاس لینے کی جلدی میں تھی لیکن جانے سے پہلے اربش نے اس سے فون پر بات کرنے کی اجازت ضرور لے لی تھی۔

''زمیں زادے چلو باتیں کریں شہر تمنا کی
یہاں تو شام سے پہلے ہی سورج ڈوب جاتا ہے
یہاں ہر خواب سے پہلے ہی نیندیں چونک اٹھتی ہیں
بہاریں یوں گزرتی ہیں کہ......!
جیسے وقت سے ان کی کوئی ازلی عداوت ہو
کوئی بادل نہیں رکتا' ہوائیں بے مروت ہیں

ہوئی صدیاں کہ آنکھوں میں کوئی سورج نہیں چمکا
کوئی شبنم نہیں اتری' کوئی موتی نہیں دمکا
چلو یہ تو ہماری کم نگاہی کی سزا ٹھہری
مگر ہم خواب نہ دیکھیں تو نیندیں بے ثمر اپنی
سماعت بے خبر اپنی' سزا نامعتبر اپنی
زمیں زادے چلو باتیں کریں شہرِ تمنا کی
یہ باتیں جو سکتی ہیں مگر کرتیں نہیں بنتیں
انہیں روشن اگر کر پاؤ تو کتنے ہی شہر و
مگر کیا کر سکو گے تم؟ مگر کیا کر سکیں گے ہم
کہ ہم اس شہر میں بے خواب راتوں کے حوالے ہیں
زمیں زادے زمیں پر بسنے والے' تھکنے والے ہیں"

وہ اپنی زندگی کی ان تازہ کروٹوں پر حیران تھی۔ اربش سے ملاقات' کال سینٹر اور پھر اسکول میں جاب غزنی کا حنین کے لیے رشتہ آنا اور اجیہ کو اربش کا پرپوز کرنا.....وہ گھر جانے تک انہی سوچوں میں گھری رہی تھی۔ اس کی اربش کے بارے میں جو بھی رائے ہو...... سکندر صاحب کبھی بھی اس رشتے کے لیے نہیں مانیں گے' یہ تو وہ بخوبی جانتی تھی لیکن فی الحال وہ خود بھی ایسی کیسی سوچ کی حوصلہ افزائی نہیں کرنا چاہتی تھی' جس سے گھر کے ماحول میں مزید طوفان برپا ہو' وہ فی الحال اپنی تمام تر ذمہ داریوں سے آگاہ تھی اور جانتی تھی کہ فی الحال وہ ان جھمیلوں میں پڑنا کسی طور بھی افورڈ نہیں کر سکتی۔

گھر پہنچ کر بھی اس کے ذہن سے اربش کی بات نہیں نکل پائی تھی اور خود کو ٹٹولنے کے باوجود وہ کسی طور یہ محسوس نہیں کر سکی تھی کہ وہ اربش کی محبت میں گرفتار ہو چکی ہے۔ ایسا کچھ تو تھا ہی نہیں وہ اسے ایک سلجھے ہوئے شخص کے طور پر جان پائی تھی لیکن محبت کا میدان ابھی اس سے آگے تھا۔ جس میں اس سے بہت پہلے اربش نے قدم رکھ لیے تھے اور اب اس کی خواہش تھی کہ اجیہ بھی اس کا ہاتھ تھامے اسی سرزمین پر پہنچے جہاں وہ خود کھڑا ہے لیکن اجیہ کے قدم اب تک حقیقتوں کے فرش پر چپکے ہوئے تھے محبت جیسی افسانوی مٹھاس ابھی اس کے ذہن میں اتری بھی نہیں تھی کہ وہ اسے حاصل کرنے کی بھی جستجو کرتی' ابھی اس کے سامنے مزید کئی پہاڑ تھے جنہیں سر کرنا لازم تھا اور ان میں سب سے پہلا کال سینٹر میں اپنی حیثیت کلیئر کرنی تھی۔

شرمین کے کمپیوٹر سے وہ اس دن شرمین کی ای میل حاصل کر چکی تھی' وہی ای میل جس میں اس نے دوسری کمپنی کو ان کے ریٹس بتائے تھے نہ صرف یہ بلکہ کمپنی کے جس نمائندے سے شرمین کا رابطہ ہوا تھا اس کا فون نمبر حاصل کر لینے کے بعد اس نے اس نمائندے سے شرمین کے طور پر ہونے والی اپنی اور اس کی بات اچھی طرح بھی ریکارڈ کر لی تھی اور ویسے بھی یہ جاب اب اس کی کمزوری نہیں رہی تھی' نیو لائٹ اسکول میں اسے جاب مل جائے گی یہ بات وہ اچھی طرح جانتی تھی' اس لیے اب وہ کال سینٹر میں کسی بھی مصلحت کا لبادہ اوڑھے بھی تو کس لیے؟ لہٰذا اس دن حسب معمول کال سینٹر پہنچی اور اپنی سیٹ پر بیٹھنے کے بجائے براہ راست اپنے باس کے دروازے پر دستک دی۔

"سر مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔" ان کی طرف سے اندر آنے کی اجازت ملنے پر وہ کھڑے کھڑے بولی تو انہوں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"بیٹھیے اور آرام سے بات کیجیے۔" کمپیوٹر کے کی بورڈ پر چلتی انگلیاں روک کر وہ مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"سر مجھے یہاں کام کرتے بہت زیادہ عرصہ تو نہیں ہوا لیکن پھر بھی میں آپ کی شکر گزار ہوں کہ آپ نے ہمیشہ میری صلاحیتوں پر بھروسہ کیا اور سراہا' باوجود اس کے کہ شرمین کی وجہ سے کچھ مسائل پیدا ہو گئے۔"

"مسائل پیدا کیے گئے یا ان کی نشاندہی کی گئی مس اجیہ؟" انہوں نے اجیہ کو بات کرنے کے دوران ٹوکا۔

"مسائل پیدا شرمین نے کیے تھے اور مسائل کی نشاندہی میں کر رہی ہوں کہ شرمین اس کال سینٹر کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔" اس نے اپنے الفاظ پر زور دے کر کہا' اس کے لہجے کی مضبوطی نے انہیں اس کے الفاظ پر سنجیدگی سے دھیان دیا۔

"مجھے نہیں معلوم کہ شرمین کو میری ذات سے کیا مسائل ہیں' لیکن میں اتنا ضرور جانتی ہوں کہ حسد نے اسے اس قدر اندھا کر دیا ہے کہ وہ کسی بھی طریقے سے مجھے آپ کی نظروں میں گرانا چاہتی تھی جو کہ اس نے
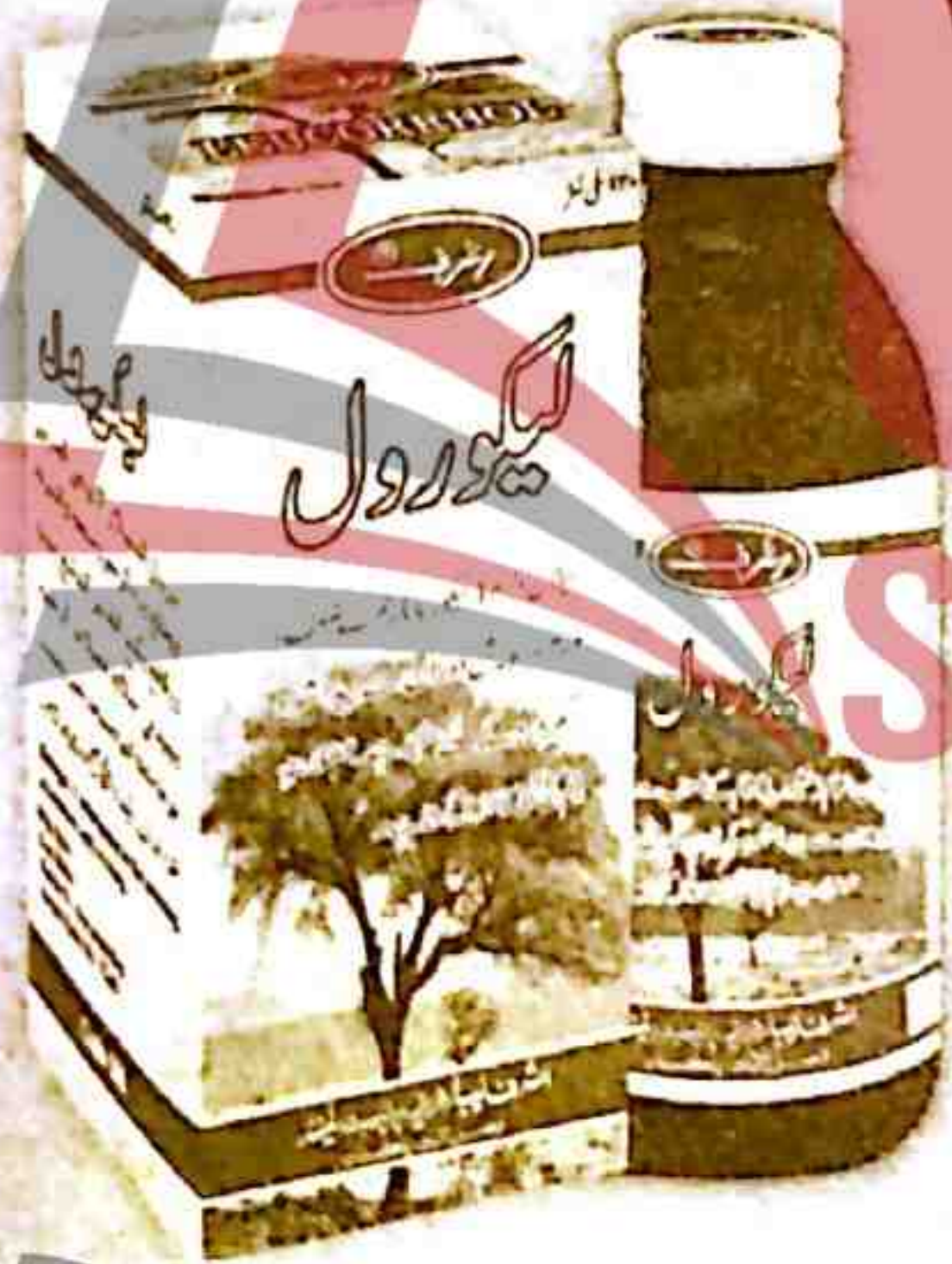
کیا..... حقیقتاً دکھ بھی اسی بات کا ہے مجھے۔'' رک کر اس نے گہری سانس لی۔

''میری جگہ اگر کوئی بھی ہوتا مس اجیہ تو اس کا رویہ بھی یہی ہوتا کیونکہ ادارے کے اندرونی معاملات کی خبر کسی ایسے ادارے تک پہنچنا جو مقابلے پر ہو' کسی طرح بھی قابل معافی عمل نہیں ہے۔''

''میں آپ سے معافی مانگوں گی بھی نہیں' کیونکہ میں نے ایسا کچھ کیا ہی نہیں' ہاں البتہ اتنا ضرور کیا ہے کہ جتنی دیر یہاں رہی ایک ایک منٹ کو ایمان داری سے استعمال کرتے ہوئے ادارے کی ساکھ بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کرتی رہی اور یہ جو کچھ بھی ہوا میری اسی ایمان داری کا انعام تھا' جس کے لیے اب میں حیران نہیں ہوں کیونکہ نیک نیتی سے کام کرنے والوں کے ساتھ دنیا میں یہی کچھ ہوتا آیا ہے..... آج سے نہیں شروع سے۔''

''شرمین پر الزام لگاتے ہوئے کوئی ثبوت ہے آپ کے پاس؟'' شاید انہیں اجیہ کا شرمین کے لیے بولنا اچھا نہیں لگ رہا تھا اسی لیے براہ راست بات کو آر یا پار کرنے کے لیے ثبوتوں کا مطالبہ کردیا اور ان کی اسی بات نے اجیہ کا دل مزید دکھایا تھا کہ شرمین کی طرف سے جب اجیہ پر الزام لگایا گیا تو انہوں نے بھی ایک مرتبہ بھی شرمین سے اجیہ کے معاملے میں کوئی ثبوت نہیں مانگا تھا بلکہ جو کچھ اور جو بھی شرمین نے کہا من وعن تسلیم کرلیا گیا۔ کاش وہ شرمین سے بھی ثبوت کا مطالبہ کرتے۔

''آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ بغیر کسی ثبوت کے شرمین پر الزام لگا کر آپ خود اپنی ہی ساکھ خراب کر رہی ہیں۔'' وہ چاہتی تو بحث کرسکتی تھی' اپنے خلاف بھی ثبوت لانے کا مطالبہ کرسکتی تھی لیکن وہ اس معاملے کو طول دینا نہیں چاہتی تھی اور وہ بھی خاص طور پر اس صورت میں جبکہ وہ جانتی تھی کہ ان کی تمام تر ہمدردیاں شرمین کے ساتھ ہیں۔

''سر وہ ادارے کبھی ترقی نہیں کرسکتے جہاں کے ملازمین کے ساتھ برابری کا سلوک نہ کیا جاتا ہو اور یہی کچھ یہاں ہورہا ہے' لیکن خیر یہاں کے قاعدے قوانین آپ کے اور یہ کال سینٹر بھی' اس لیے میں یا کوئی اور بھی کچھ کہنے کے مجاز نہیں۔'' پرس میں سے اسی میلو کے پرنٹ آؤٹ نکال کر اس نے ان کے سامنے میز پر رکھے اور بات چیت کی آڈیو ریکارڈنگ والی یو ایس بی بھی اور خود کھڑی ہوگئی۔

''یہ ہیں وہ ای میلو جو شرمین کی طرف سے کی گئیں اور جن میں ریٹ لسٹ' آفرز اور پیکجز کی تمام معلومات دوسرے کال سینٹر سے شیئر کی گئیں اور اس میں میری آڈیو ریکارڈنگ ہے جس میں میں نے شرمین بن کر ان کے مارکیٹنگ منیجر سے ساری بات چیت کی' اسے سنیں اور آپ کو یقیناً اس کے بات کرنے کے انداز سے محسوس ہوگا کہ وہ اور شرمین کس قدر بے تکلف ہیں اور کس طرح وہ ہمارے کال سینٹر کے تمام اندرونی معاملات سے آگاہ ہے۔''

''لیکن یہ سب......'' وہ حیران تھے اور میز پر موجود ای میلو کے پرنٹ آؤٹس کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہے تھے۔

''سر...... مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو بہت اچھا انسان سمجھا' مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو دیکھ کر یہ سوچا کہ کاش میرے بابا جانی بھی آپ جیسے ہوتے' کیونکہ جو شخص لڑکیوں کی ذرا سی بے تکلفی پر ان کی ہر سچی جھوٹی بات پر ایمان لے آئیں' ایسے لوگ کسی بھی طور آئیڈیلائز کرنے کے قابل نہیں ہوتے۔ میرے بابا جانی جیسے ہیں اسی طرح بہترین ہیں کیونکہ وہ کبھی لڑکیوں کے ساتھ وقت گزارنے کے بدلے دوسروں کے کردار پر انگلی نہیں اٹھاتے۔'' وہ بغیر سوچے سمجھے بولے جارہی تھی لیکن اتنا ضرور تھا کہ وہ اپنی بھڑاس نکال رہی تھی جو اس کے لیے بہت ضروری تھا۔

''میں نے یہاں جاب کی اس لیے کہ مجھے ضرورت تھی لیکن جب عزت نہ رہے تو ایسے روزگار میں برکت بھی نہیں رہتی' یہ کام یہ روزگار آپ کو مبارک' اللہ حافظ!'' انہیں مزید کچھ بھی بولنے کا موقع دیے بغیر وہ کمرے سے نکل گئی۔ اسے رکنا بھی نہیں تھا اور وہ چاہتی تھی کہ اب اس گھٹن زدہ ماحول سے جتنی جلد ہو نکل جائے' شرمین کے متعلق بات کرتے ہی جیسے انہوں نے فوراً ثبوت مانگے اس انداز پہ اس کا دل شدت سے دکھا تھا۔ اسی لیے کسی کو بھی اللہ حافظ کہے بغیر باہر نکل آئی تھی۔ اسے اپنی ذات پر بے اعتباری کا دکھ تھا' گھر میں سکندر

صاحب کسی طور اسے مان دینے کو تیار نہ تھے تو یہاں انتظامیہ نے اس کا مان توڑا تھا‘ ان کے لیے جس لگن سے اس نے کام کیا تھا‘ اس کے متعلق ہر شخص گواہ تھا‘ لیکن پھر بھی شرمین کی ذرا سی بات پر اسے کٹہرے میں لا کھڑا کیا گیا تھا۔ دل میں اس قدر گھٹن محسوس ہو رہی تھی کہ اس کا جی چاہا وہ زور زور سے روئے یا کسی سے بات کرے لیکن کس سے؟

یوں اس وقت اس کا کال سینٹر سے نکلنے کا کوئی ارادہ نہ تھا بلکہ اس نے سوچا تھا کہ آج وہ سینٹر کے اسٹاف کو اللہ حافظ کہہ کر آئے گی اور انہیں بتائے گی کہ آج اس کا ان سب کے ساتھ آخری دن ہے لیکن ایسا نہ ہوسکا‘ ان کی بات پر دکھی دل کے ساتھ اجیہ اپنی سیٹ پر جانے کے بجائے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

’’کیا بات ہے بیٹا خیر تو ہے؟‘‘ ڈرائیور چاچا حسب معمول باہر چوکیدار کے پاس کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ عمارت کے اندر چونکہ سگریٹ نوشی منع تھی لہٰذا انہیں جب بھی سگریٹ کی طلب ہوتی وہ باہر آجاتے‘ باتیں اور اسموکنگ کا لطف لینے کے بعد ہی پھر دوبارہ اندر جاتے۔ اسے خلاف توقع اس وقت باہر آتا دیکھ کر وہ فوراً اس کی طرف لپکے۔

’’چاچا میں نے جاب چھوڑ دی ہے۔ آپ مجھے کوئی رکشہ لادیں‘ تاکہ میں گھر چلی جاؤں۔‘‘

’’رکشہ اس وقت؟‘‘ وہ حیران ہوئے اور چوکیدار کو دیکھا۔

’’نہیں بیٹا اس وقت رکشے میں جانا مناسب نہیں اور پھر کسی پر اعتبار بھی نہیں کیا جاسکتا‘ ہم ایسے کیسے تمہیں کسی کے بھی ساتھ جانے دے سکتے ہیں؟‘‘ چوکیدار نے کہا۔

’’میں صاحب سے پوچھ کر آتا ہوں‘ پھر اسی گاڑی میں گھر چھوڑ آؤں گا..... آخری بار ہی سہی۔‘‘ ڈرائیور چاچا نے عجلت میں سگریٹ بجھایا۔

’’وہ کبھی بھی آپ کو اجازت نہیں دیں گے۔‘‘

’’اجازت دیں یا نہ دیں‘ چھوڑ کر تو میں اسی گاڑی میں آؤں گا‘ پھر جو ہوگا وہ دیکھا جائے گا۔‘‘ کہہ کر وہ اندر چلے گئے اور جب باہر آئے تو ان کے چہرے پر اطمینان تھا۔

’’آجاؤ بیٹا..... صاحب نے اجازت دے دی ہے۔‘‘ اسے معلوم تو تھا کہ وہ ایک اچھے انسان ہیں لیکن اب وہ ان کے متعلق کوئی بھی رائے قائم نہیں کرنا چاہتی تھی لہٰذا خاموشی سے گاڑی میں جا بیٹھی۔

❁......❁......❁

اماں آج سارا دن ضرورت سے زیادہ ہی خوش اور پُرامید رہی تھیں اور یہ امید تو چیز ہی ایسی ہے کہ کسی مرتے کے ہاتھ میں تھمادو تو وہ جینے لگتا ہے‘ جینے کی آرزو کرنے لگتا ہے اور زندہ رہنے کے لیے تگ و دو کرنے لگتا ہے۔ بھوکے کو کھانے کی امید چلتا پھرتا رہنے پر اکسانی رہتی ہے اور ایک ماں کو بھلا کس چیز کی امید ہوتی ہے‘ فقط یہی کہ ان کی اولاد بڑی ہو اور پھلتی پھولتی رہے خوش رہے۔

غزنی اجیہ کو پسند کرتا ہے اور یقینی طور پر اس کے ساتھ شادی کے بندھن میں بندھنا چاہتا ہے‘ اماں کو اس بات پر شک تو تھا لیکن اس شک کو یقین تک بدلنے میں معاون ثابت ہوتے..... غزنی کے وہ تاثرات جو ہمیشہ اجیہ یا اجیہ سے متعلق بات پر اس کے چہرے پر ابھرتے اور پھر ماں تھیں‘ اس کی پسندیدہ سبزی سے لے کر پسندیدہ رنگ تک جانتی تھیں تو یہ بات بھلا وہ کیسے نہ جان پاتیں‘ ویسے بھی ان کی زندگی کا مقصد و محور تو تھا ہی صرف غزنی..... ہر وقت اور ہر بات میں اسی کا خیال رہتا‘ اسی لیے انہوں نے آج ابا کو سکندر صاحب کی دکان پر جا کر اس معاملے میں ان کا عندیہ لینے کو کہا تھا تاکہ ان کی رائے کا تھوڑا بہت اندازہ کرلینے کے بعد اجیہ کا رشتہ مانگنے ان کے گھر جایا جائے اور اب انہیں بے تابی سے انتظار تھا کہ وہ جلدی سے واش روم سے ہاتھ منہ دھو کر نکلیں اور ساری بات تفصیل سے بتائیں۔ اسی جوش میں انہوں نے کھانا لگا دیا تھا اور غزنی کے ساتھ ان کے انتظار میں تھیں۔

’’آج آپ گئے تھے سکندر بھائی کی دکان پر؟‘‘ اماں نے ابا کے بیٹھتے ہی بے صبری سے پوچھا تو وہ غزنی کو دیکھ کر مسکرانے لگے۔

’’محترمہ اتنی بے تابی تو آپ کو آج تک کسی معاملے

میں ظاہر کرتے نہیں دیکھا۔" ابا جان بوجھ کر کچھ وقت لینا چاہ رہے تھے۔ اس لیے بڑے آرام سے یوں اپنی پلیٹ میں کھانا نکالنے لگے جیسے کوئی بات ہی نہ ہو جبکہ اماں کے لیے تو آج کل بات ہی بس یہی تھی۔

"ہاں تو جناب یہ معاملہ میری زندگی کا اہم ترین معاملہ ہے ناں، پوچھوں گی تو سہی کہ آخر جلدی سے بتائیں کیا جواب ملا؟ آپ کی بات سن کر بھائی صاحب کے کیا تاثرات تھے؟ اور ہاں میری ایک بات سن لیں...... اگر آپ نے مجھے جواب نہ دیا، یا اس بات کو مذاق میں ٹالنے کی بھی کوشش کی تو میں اس وقت تک کھانا ہی شروع نہیں کروں گی بس......"

"کیوں بھئی غزنی...... تم کھانا شروع کرو گے یا تمہیں بھی ہر صورت پہلے اس سوال کا جواب چاہیے؟"

"بھئی میں تو ہمیشہ سے اماں کے ساتھ ہوں تو اس معاملے میں بھلا انہیں اکیلا کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔" وہ بھی مسکرایا تو ابا نے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔

"کتنا پسند کرتے ہو اجیہ کو؟ اور کرتے بھی ہو یا پھر صرف اپنی ماں کا دل رکھنے کے لیے ان کی ہاں میں ہاں ملاتے جا رہے ہو؟" کھانے پر کسی کی بھی توجہ نہ تھی اماں نے ڈونگے کو دوبارہ ڈھکن سے کور کر دیا۔

"اماں کی پسند میری پسند، کیوں اماں؟" وہ ابا کے سامنے کھل کر اپنی پسندیدگی کا اظہار کرنے سے جھجک رہا تھا اس لیے اماں کی پسند کو اپنی پسند قرار دیا حالانکہ اس کی پسند ہی اماں کی پسند قرار پائی تھی۔ ابا نے دونوں کی پسندیدگی کو ایک بار پھر جانچنے کے بعد بالآخر دکان پر ہونے والی تمام بات چیت کی تفصیل بتائی۔

"سکندر کو غزنی اور اجیہ کے رشتے پر کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ میں نے اس کے چہرے پر بھی اس بات پر خوشی کی کرنیں پھوٹتی دیکھیں ہیں۔"

"بیٹیوں کے رشتے اپنے ہی بہن بھائیوں کے گھر میں ہو جائیں تو بھلا والدین کے لیے اس سے اچھی کیا بات ہوگی، نہ جانچ پڑتال کرنی پڑتی ہے نہ گھر والوں کا مزاج انجانا ہوتا ہے۔ سب کو سب کا مزاج معلوم ہوتا ہے اور پہلے سے پتہ ہوتا ہے کہ ہر ایک رشتے کی پسند ناپسند کیا ہے اور یہی سب کچھ لڑکے والوں کے لیے بھی ہے۔" اماں نے تشکر آمیز لہجے میں نہایت خوشی سے کہا۔

"تو بس پھر دیر کس بات کی ہے اجیہ کی یونیورسٹی کلاسز بھی ختم ہونے والی ہیں۔ بات طے کر آتے ہیں تاکہ شادی کی تیاریاں شروع کر سکیں اور جیسے ہی وہ فارغ ہو تو شادی کر دیں...... کیا خیال ہے غزنی؟" ابا نے براہ راست غزنی کو مخاطب کیا۔

"جیسے آپ کی مرضی...... اب ظاہر ہے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" غزنی فرماں برداری کے تمام ریکارڈ توڑتے ہوئے بولا۔

"ارے یہ کیا کہے گا، میں آج ہی جیولر کے پاس جا کر انگوٹھی لے کر آتی ہوں اور پھر جا کر اجیہ کو پہنا آئیں گے، نہ مانگنی کی اتنی چوڑی رسم کریں گے اور نہ انہیں تکلیف دیں گے، سارے ارمان ایک ساتھ شادی پر نکالیں گے۔ کیا خیال ہے؟" اماں نے اپنا ارادہ ان کے سامنے رکھا جس سے غزنی کے ساتھ ساتھ ابا نے بھی اتفاق کیا۔ اور ویسے بھی کوئی غیر تھوڑی تھے کہ پہلے رشتہ لینے جاتے پھر منگنی کرنے...... اپنا ہی گھر تو تھا اور ان کی رضامندی کا بھی پہلے سے پتہ تھا اس لیے سوچا گیا کہ بس جاتے ہوئے انہیں فون کر دیں گے کہ ہم آ رہے ہیں تاکہ سکندر صاحب بھی دکان سے گھر آ جائیں لیکن کوئی لمبا چوڑا اہتمام کرنے کا وقت نہ ہو آخر دونوں بھائی ہی تو تھے۔ اس لیے نہیں چاہتے تھے کہ ان کا خرچہ ہو، بس انہیں تو اپنے بیٹے کی خوشیوں سے مطلب تھا اور ان کے لیے اب انتظار کرنا بہت مشکل تھا۔

✿......❀......✿

"ہمیں ماتھے پہ بوسہ دو
کہ ہم کو تتلیوں کے
جگنوؤں کے
دیس جانا ہے
ہمیں رنگوں کے جگنو
روشنی کی تتلیاں آواز دیتی ہیں
نئے دن کی مسافت
رنگ میں ڈوبی ہوا کے ساتھ
کھڑکی سے بلاتی ہے
ہمیں ماتھے پہ بوسہ دو!

اجیہ رات کے کھانے کے بعد امی کے ساتھ کچن میں تھی۔ ابا عشاء پڑھنے گئے ہوئے تھے اور حنین حسب معمول اس وقت ٹی وی کے آگے بیٹھی ڈراموں کی دنیا میں مگن تھی۔ حنین کے منع کرنے کے باوجود اجیہ نے کچن سمیٹ کر رات کے کھانے کے تمام برتن دھو دیئے تھے۔ تب تک اماں اس کے پاس بیٹھی چھوٹے موٹے کام نمٹاتی رہیں۔ ساتھ ساتھ وہ دونوں مختلف موضوعات پہ باتیں بھی کرتی جا رہی تھیں۔ اجیہ برتن دھونے اور ریک میں لگانے کے بعد سلیب صاف کر کے مڑی تو امی نے اسے اپنے پاس بیٹھنے کو کہا۔

''میں سوچ رہی تھی کہ اگر غزنی نے تمہیں اس معاملے کے بارے میں بتایا ہے تو یقیناً اس کے اماں ابا نے تمہارے بابا سے بھی یا تو بات کر لی ہوگی اور یا کرنے والے ہوں گے۔''

''جی بالکل...... اور ویسے بھی امی یہ تمام معاملات طے تو بڑوں کے درمیان ہی پائیں گے ناں، وہ تو غزنی نے بس ایسے ہی میرا خیال ہے میری رائے لینے کے لیے مجھ سے بات کر دی اور بھلا مجھے کیا اعتراض ہونا، میں نے بھی اسے بہت خوشی سے کہا کہ ہاں مجھے اس شادی پر کوئی اعتراض نہیں بلکہ میں تو بہت خوش ہوں۔''

''تم واقعی خوش ہو ناں اجیہ بیٹا؟'' انہوں نے بغور اس کا چہرہ دیکھا جس پر حقیقی اطمینان نظر آ رہا تھا۔

''ارے امی...... آپ کو یہ پوچھنے کی ضرورت کیوں پڑی؟'' وہ حیران ہوئی۔

''کہیں اب نے یہ تو نہیں سوچا کہ شاید اجیہ یہ نہ سوچتی ہو کہ مجھ سے پہلے حنین کے لیے رشتہ آ گیا اور اس کی شادی ہو جائے گی؟'' اس کا سوال جس انداز پر مبنی تھا وہ سو فیصد درست تھا اس لیے انہوں نے سر جھکا لیا اور اجیہ نے مسکراتے ہوئے اپنی کرسی ان کے مزید نزدیک کرتے ہوئے ان کی ٹھوڑی کو اپنی شہادت کی انگلی سے اوپر کیا۔

''ذرا چہرہ تو دکھاؤ...... اور تھوڑا سا مسکراؤ......'' اجیہ کے گنگنانے پر امی بے اختیار مسکرانے لگی تھیں۔

''اے میری معصوم و حسین ماں! تو نے یہ سوچا بھی کیسے ماں...... تو نے یہ سوچا بھی کیسے؟'' اجیہ کے فلمی انداز پر امی نے ہنستے ہوئے اس کی کمر پر چپت لگائی۔

''یہ کوئی جواب نہیں ہے میرے سوال کا۔''

''ہمم...... یعنی اب مجھے آپ کے سامنے بھی اپنی حیثیت واضح کرنی پڑے گی؟'' وہ اب سنجیدہ ہوئی۔

''پہلی بات تو یہ کہ اگر میں کہوں کہ ہاں مجھے دکھ ہے اس بات پر کہ مجھ سے پہلے حنین کا رشتہ ہو رہا ہے تو مجھے بتائیں کہ اس معاملے میں پھر آپ کیا کریں گی؟'' اس نے جان بوجھ کر ان سے یہ سوال اس لیے کیا تھا تاکہ انہیں سمجھا سکے کہ آپ کا پریشان ہونا دونوں صورتوں میں انتہائی بے معنی ہے۔

''ہاں میرے اختیار میں تو کچھ نہیں اور یہ بات تم بھی جانتی ہو۔'' انہوں نے اعتراف کیا۔

''گڈ...... تو اس لیے آپ کا پریشان ہونا بھی نہیں بنتا اور دوسری بات یہ کہ غزنی کے ساتھ میرا رویہ آپ کے سامنے ہے، جس شخص کے ساتھ میں مشکل سے دس منٹ خوشی سے نہ گزار سکوں بھلا اس کے ساتھ کبھی بھی پوری زندگی گزارنے کی خواہش کروں گی؟'' امی نے اس کی بات سمجھتے ہوئے نفی میں گردن ہلائی۔

''میں نے زندگی میں آگے اور بہت آگے جانا ہے امی، غزنی کے ساتھ شادی کے بعد پھر وہی عمر بھر کے لیے مڈل کلاس زندگی گزارنے کی تو نہ مجھے خواہش ہے اور نہ میری ایسی کوئی حسرت ہے۔ زندگی میں ایک دفعہ شادی ہوئی ہے اور میں اس کے لیے کسی ایسے شخص کا انتخاب کروں گی جس کے ساتھ رہ کر مجھے ہمیشہ دو جمع دو چار کے حساب کتاب میں منہ پڑنا پڑے...... جس طرح بابا نے آپ کو اور ہمیں ساری زندگی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے ترسایا ہے، جس طرح رو رو کر آپ نے زندگی گزاری ہے میں نہیں چاہتی کہ کبھی بھی میں اس طرح کی زندگی کا انتخاب کروں...... اور شاید میں تو حنین کے لیے بھی کوئی بہتر اور کھاتے پیتے گھرانے کا رشتہ دیکھتی لیکن اگر مجھے غزنی کے ساتھ اس کی شادی پر کوئی بھی اعتراض نہیں ہے تو وہ صرف اور صرف اس لیے کہ غزنی اسے چاہتا ہے پیار کرتا ہے اور اسی محبت کی بنیاد پر اسے ہمیشہ خوش بھی رکھے گا۔ اس لیے اگر آپ میری وجہ سے

پریشان ہیں تو پلیز ریلیکس ہوجائیں کیونکہ غزنی میری منزل میرا خواب نہیں بلکہ اگر بابا بھی آپ سے غزنی اور حنین کے رشتے کے متعلق رائے لیں تو آپ میرا ذکر ہی بیچ میں نہ لائیں اور بڑی خوشی سے بابا کو کہیں کہ وہ ضرور اس رشتے کے لیے بغیر کسی جھجک اور پریشانی کے ہاں کردیں۔"

"کیا حنین بھی غزنی کو پسند کرتی ہے؟ تم نے کبھی پوچھا ہے اس سے؟" امی اس کی باتوں سے اب ہلکی پھلکی ہوگئی تھیں اور جو خدشات ان کے دل میں تھے اب سب ہوا ہوگئے تھے۔

"حنین سے کچھ بھی پوچھنے کی ضرورت ہے کیا ہمیں؟" وہ ہنسی۔

"ہاں بیٹا...... پوچھنا تو بنتا ہے ناں فرض کروا سے پسند نہ ہو اور میں تمہارے بابا کے سامنے کہہ دوں کہ ہاں رشتہ اچھا ہے اور حنین کے لیے بہتر رہے گا تو یہ غلط ہوجائے گا ناں۔"

"اے میری بھولی ماں...... کبھی حنین کے چہرے پر کھلتے گلاب نہیں دیکھے آپ نے جو غزنی کے آنے پر ہی نظر آتے ہیں؟ مجھے سو فیصد یقین ہے کہ اگر غزنی اسے چاہتا ہے تو پسند وہ بھی اسے کرتی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے اس بات کا اظہار بھی کرچکے ہوں۔" آخری جملہ اس نے کچن کے دروازے سے ٹی وی کے سامنے بیٹھی حنین کو دیکھ کر آہستگی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھا چلو جو بھی ہے تم حنین سے پوچھ تو لو میں ہاں ہوں مگر پھر بھی ذرا جھجک سی ہے تم اس سے پوچھو اور مجھے بتاؤ۔"

"جی بہتر...... جو حکم میرے آقا......" اجیہ نے مسکراتے ہوئے ان کے ہاتھ تھام لیے انہیں چوما اور آنکھوں سے لگایا' اسی وقت باہر ہوتی بیل سے بابا کی آمد کی اطلاع ہوئی' حنین نے جھٹ سے گیٹ کھولا۔

"بابا...... میرا فیورٹ ڈرامہ آرہا ہے' اس لیے آئی ایم سوری میں آپ کو نیوز چینل نہیں لگانے دوں گی۔ پلیز آپ صرف بیس منٹ انتظار کرلیں۔" حنین نے ان کے اندر آتے ہی التجا کی کہ اس سے پہلے کہ وہ ریموٹ پکڑتے' مسکراتے ہوئے گردن ہلانے لگے۔

"اچھا بابا اچھا دیکھ لو تم یہ ڈرامہ...... بلکہ میں بھی تمہارے ساتھ بیٹھ کر دیکھتا ہوں' مجھے ذرا اس ڈرامے کی اسٹوری بتاؤ۔" وہ صوفے پر بیٹھے تو حنین بھی ان کے ساتھ ہی آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی اور اسکرین پر نظر آتے کیریکٹرز کا بیک گراؤنڈ بتانے لگی۔ دلچسپی سے اس کی بات سنتے ہوئے لاشعوری طور پر انہوں نے گردن موڑی' سامنے ہی کچن میں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھی اجیہ اور امی پر نظر پڑی' اجیہ کسی بات پر مسکرا رہی تھی جبکہ امی اٹھ رہی تھیں۔

"چھوڑو سب کاموں کو اور ادھر بیٹھی رہو میرے پاس۔" کئی برس پہلے بالکل اسی انداز میں بیٹھی فرح اور لبنیٰ سکندر صاحب کے ذہن کے پردے پر ابھریں۔

※ ※ ※

انہیں ماسٹر صاحب سے کوئی کام تھا' اسی لیے دروازہ بجا کر اندر آئے اور سامنے بیٹھی ان دونوں بہنوں کو دیکھ کر چاہنے کے باوجود بھی وہاں سے نظر نہیں ہٹا پائے۔ کتنا خوبصورت منظر تھا' باہر جون جولائی کا حبس اور گرمی جبکہ اندر آتے ہی سائے اور ٹھنڈک کے خوبصورت احساس کے ساتھ ساتھ فرح کا مسکراتے ہوئے نظر آجانا...... بھلا اور انہیں کیا چاہیے تھا۔ گھڑی بھر رکنے کا ارادہ تھا لیکن بس ٹھہر ہی گئے۔ انہیں خیال ہی نہ رہا تھا کہ وہ اس وقت کسی اور کے گھر میں موجود ہیں' اور سامنے موجود پرائی لڑکیوں پر نظر جما کر کھڑے رہنا کتنی بری بات ہے۔ انہیں یوں کھڑے ہو کر اپنی طرف متوجہ دیکھا تو دونوں اپنے اپنے دوپٹے درست کرتی ہوئی جلدی سے دروازے کی اوٹ میں ہوگئیں اور سکندر صاحب کے لیے تمام منظر بے رونق ہوگیا۔ اسی دوران ماسٹر صاحب کمرے سے نکلے اور انہیں اپنے ساتھ بیٹھک میں لے گئے۔ سکندر صاحب ان سے حساب کتاب کے چند معاملات میں مدد لینے آئے تھے۔ اس لیے قلم کاغذ سنبھالا اور اپنا مدعا بیان تو کیا لیکن دل کی بے قراری تھی کہ اب ذہن کو اس طرف مائل ہونے ہی نہ دیتی تھی' ان کا گھر بھی ماسٹر جی کے گھر کے تقریباً سامنے ہی تھا۔ رات کو لبنیٰ اور فرح اپنے کمرے میں جاتیں تو وہ اپنی

کھڑکی کی جھری سے انہیں دیر تک دیکھا کرتے‘ گرمیوں کا موسم انہیں اسی لیے پسند تھا کہ ان کے کمرے کی کھڑکی کھلی رہا کرتی...... اور کھلی ہوئی کھڑکی کے اس پار لبنیٰ اور فرح اس بات سے قطعی بے خبر تھیں کہ سامنے والے گھر کی اوپری منزل پر بنے اس کمرے میں ہر وقت اندھیرا رہتا ہی اس لیے ہے کہ ان دونوں کو معلوم ہو کہ کمرہ خالی ہے اور وہاں کوئی نہیں ہے۔

جبکہ حقیقت میں وہ کمرہ سکندر صاحب کا تھا اور اندھیرا رکھنے کا مقصد صرف اور صرف فرح کو کھڑکی کی جھری سے دیکھنے اور دیکھتے رہنے کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ کیونکہ ادھر وہ اپنے کمرے کا بلب آن کرتے ادھر جھٹ سے لڑکیوں کے کمرے کی کھڑکی مضبوطی سے بند ہو جاتی‘ اور وہ اپنی چارپائی پر لیٹے تصور میں فرح کو اپنے ساتھ اسی کمرے میں دیکھتے اور اس وقت کو کوستے جب انہوں نے بلب آن کیا۔

نہیں نگاہ میں منزل تو جستجو ہی سہی
نہیں وصال میسر تو آرزو ہی سہی

لیکن آخر یہ وصال کی آرزو بھی کب تک رہتی؟ اب وہ فرح کے بغیر خود کو نامکمل محسوس کرنے لگے تھے اور اب بس یوں چھپ چھپ کر اسے دیکھتے رہنے سے ان کے دل کی بے چینی کو قرار نہیں ملتا تھا‘ وہ چاہتے تھے کہ فرح کو اپنے سامنے دیکھیں اسے بتائیں کہ وہ کب سے اس کی محبت میں گرفتار ہیں‘ وہ اسے بتانا چاہتے تھے کہ آج تک ان کے کمرے میں اندھیرا صرف اور صرف اسے دیکھنے کی آرزو میں رہا کرتا ہے۔ ورنہ وہ تو کب سے منتظر ہیں کہ اس کے آنے سے اس کی زندگی اور کمرے میں اجالا ہو جائے اور پھر آج کا زمانہ تو تھا نہیں کہ وہ خود ہی اپنے منہ سے اپنے والدین کو کہتے کہ میری زندگی فرح کے بغیر ادھوری ہے اس لیے آپ جلد از جلد میری اس سے شادی کر دیں۔ بس اپنے ہی دل میں ہجر و وصال کے خواب لیے بے چین سے پھرتے رہتے اور ان کے گھر کے آگے منڈلاتے رہتے۔ سرِ شام دیدارِ یار کی آرزو لیے جو کمرے میں آتے تو بس دیر تک اندھیرا کیے کمرے میں رہتے۔

فرح کے گھر جانے کا کوئی بہانہ بھی نہ تھا‘ ورنہ اگر ان کا کوئی بھائی ہوتا تو سکندر صاحب اس کو ہی اپنا دوست بنا لیتے اور نجانے کب تک یہ دن رات یونہی گزرتے جاتے کہ گھر کے باقی افراد کو ان کا یوں کمرے میں اندھیرا کرکے جاگتے رہنا کھٹکنے لگا۔ گھر پھر ہوئی سرگوشیاں کی گئیں اور آخر کار طے یہ پایا کہ ان کی شادی کر دی جائے لیکن اگر ان کی شادی کی جائے تو کس سے؟

اور یوں لڑکی دیکھنے کا مشکل ترین مرحلہ شروع ہوا۔ ان کی والدہ گھر گھر جا کر لڑکی دیکھنے کے بجائے گھر بیٹھے لڑکی کے والدین اور لڑکی کے مزاج کے بارے میں چھان پھٹک کرنے لگیں۔ بڑے بھائی کی نسبت تو پہلے ہی طے کی جا چکی تھی اور جب سکندر صاحب کو معلوم ہوا کہ والدین ان دونوں بھائیوں کی شادی ایک ساتھ کرنا چاہتے ہیں تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا اور اب جبکہ اتنے طویل سفر کے بعد منزل قریب تھی تو انہوں نے ایک رات کاغذ پر اپنی محبت کی ساری کہانی تمام تر شدت کے ساتھ تحریر کی اور جیسے ہی فرح اپنے کمرے میں آئی انہوں نے اپنی کھڑکی کھول کر اس کی کھلی ہوئی کھڑکی میں اپنا وہ محبت نامہ پھینک دیا۔ فرح جو اس وقت بڑے ہی فری انداز میں آئینے کے سامنے بغیر دوپٹے کے کھڑی تھی۔ اچانک کھڑکی کا کھلنا‘ وہاں سے رقعہ اپنے کمرے میں آنا اور پھر سکندر صاحب کا اپنی کھڑکی کے بالکل ساتھ لگ کر اسے گہری نظروں سے دیکھتے جانا۔

یہ سب فرح کے لیے انتہائی خلاف توقع تھا‘ اسے فوری طور پر کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ سب سے پہلے اپنا دوپٹہ ڈھونڈے‘ کھڑکی بند کرے یا کمرے سے نکل جائے۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس کے قدم زمین نے پکڑ لیے ہوں۔ چہرے پر خوف لیے وہ بس سامنے کھڑے سکندر صاحب کو دیکھتی ہی گئی کہ اچانک نیچے سے آتی آوازوں نے اسے جیسے کسی خواب سے جگا دیا...... اور خواب بھی کیسا وحشت ناک......

ان دنوں لبنیٰ ہفتے بھر کے لیے خالہ کے گھر گئی ہوئی تھی...... وہ ہوتی تو شاید فرح ساری بات اس کے سامنے بیان کرتی۔ سکندر صاحب نے اپنی کھڑکی سے اسے اشارہ کرکے وہ رقعہ پڑھنے کو کہا جو انہوں نے پھینکا

تھا اور خود کھڑکی بند کرکے واپس چلے گئے ان کے کمرے میں ایک بار پھر اندھیرا ہو گیا تھا۔ فرح نے تیزی سے آگے بڑھ کر اپنی کھڑکی بند کی اور دھڑکتے دل اور سرد پڑتے جسم کے ساتھ اس رقعے کو دیکھا جو اس وقت اسے کسی پھن پھیلائے سانپ کی طرح لگ رہا تھا۔

لیکن آخر اس میں تھا کیا؟

کافی دیر بعد چہرے پر آئے پسینے کو پونچھا اور کانپتے ہاتھوں سے پتھر کے ساتھ دھاگے کی مدد سے باندھے گئے اس رقعے کو کھولا۔

"میری جان فرح......

تمہیں شاید میرا اس طرح مخاطب کرنا برا لگا ہو لیکن یہی سچ ہے کہ تم میرے لیے میری جان ہی کی اہمیت رکھتی ہو۔ جس طرح جسم جان کے بغیر اپنا کوئی وجود نہیں رکھتا بالکل اسی طرح میرا بھی تمہارے بغیر نہ تو کوئی وجود ہے اور نہ کوئی اہمیت...... تم یقیناً اس بات سے لاعلم ہو گی کہ میں کب سے ان آنکھوں میں تمہارے خواب سجا رہا ہوں، میری کوئی رات ایسی نہیں جو تمہیں سوچتے ہوئے نہ گزری ہو۔ کوئی دن ایسا نہیں جو تمہارے خیالوں سے خالی ہو لیکن بس اب بہت ہو گیا...... میں تمہارے اور اپنے درمیان اس کھڑکی کے فرق کو مکمل ختم کرکے تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں...... بتاؤ، تمہیں میری محبت میرا ساتھ قبول ہے؟

تمہارے خوبصورت ہاتھوں سے لکھے پیار بھرے جواب کا منتظر رہوں گا۔

صرف اور صرف تمہارا سکندر"

یہ الفاظ تھے یا فرح کے جسم پر رینگتی چیونٹیاں۔ اسے لگا تھا جیسے اس کے پورے جسم میں سنسنی دوڑنے لگی ہے۔ کاغذ کے اس رقعے سے اسے ڈر لگنے لگا تھا۔ باوجود اس کے کہ یہ اس نے نہیں لکھا تھا پھر بھی وہ خوف زدہ تھی کہ اگر کسی نے یہ رقعہ دیکھ لیا تو کیا ہو گا؟

اور یہ ہمارے معاشرے کا المیہ نہیں تو اور کیا ہے کہ اگر رستے سے گزرتی لڑکی کو کوئی لڑکا چھیڑ جائے تو نظریں پھر بھی لڑکی کو ہی چھلنی کرتی ہیں، انگلیاں اس پر ہی اٹھتی ہیں اور یہی وجہ تھی کہ فرح ہراساں ہو گئی تھی۔ جیسے تیسے وہ رات گزری دوسرے دن وہ کمرے میں آئی تو اسے پھر اپنی چارپائی پر اسی طرز کا ایک اور رقعہ پڑا ہوا ملا۔ سامنے ہی کھڑکی میں سکندر کھڑا آنکھوں کے اشارے سے اسے رقعہ پڑھنے اور جواب لکھنے کا کہہ رہے تھے۔

اور تب اسے لگا کہ یہ سامنے کھڑا شخص کوئی انسان نہیں بلکہ ایک ڈراؤنا خواب ہے جسے دیکھتے ہی اس کا خون خشک ہونے لگتا ہے۔

ادھر فرح کی طرف سے مثبت جواب نہ ملنے پر سکندر کو اپنی مردانگی پر ضرب لگتی محسوس ہوئی کہ وہ خود کسی لڑکی کے سامنے اظہار محبت کریں اور وہ ان سے دور بھاگے یہ تو ان کی انا کے لیے بہت بڑا دھچکا تھا اور تب انہوں نے ایک روز ہمت کرکے خود اپنی والدہ کو ماسٹر صاحب کے گھر فرح کا رشتہ مانگنے کے لیے جانے کا کہا۔

تب تک لبنیٰ واپس آ چکی تھی اور عین اس وقت جب وہ دونوں سونے کے لیے لیٹیں تو سکندر صاحب کی طرف سے پھینکے گئے رقعے کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ تب تک وہ اس سارے معاملے سے لاعلم تھی، اور لاعلم تو سکندر صاحب بھی اس کی آمد سے تھے ورنہ یوں بلا جھجک اس کے سامنے رقعہ نہ پھینکتے۔ وہ اٹھ بیٹھی تھی۔ اس نے نیم اندھیرے میں فرح کو خوف سے کانپتے دیکھا۔

میری جان فرح......

تم آخر کب تک مجھ سے بھاگو گی، بات نہیں کرو گی؟ جواب نہیں دو گی؟ تم میری ہو اور آخر ایک دن میں تمہیں حاصل کرکے ہی رہوں گا۔ پرسوں اماں تمہارا رشتہ مانگنے آ رہی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ ماسٹر صاحب انہیں انکار نہیں کریں گے اور آخر مجھ میں کمی ہی کیا ہے جو وہ انکار کریں اور اگر تم نے انکار کرنے کی کوشش کی تو پھر یاد رکھنا کہ اگر تم میری نہ ہوئیں تو میں تمہیں کسی اور کی بھی نہیں ہونے دوں گا۔ صرف چار فٹ کے فاصلے پر تمہارا گھر ہے اور یہ فاصلہ میں دن یا رات کسی بھی وقت عبور کر سکتا ہوں، باقی تم خود سمجھدار ہو۔

صرف تمہارا سکندر"

رقعہ پڑھ کر فرح رونے لگی تھی اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔ اس ایک ہفتے میں جب تک وہ اکیلی تھی، بند

کھڑکی سے بھی جانے کیسے وہ کھڑکی کھلوتا اور رقعہ ہمیشہ فرح کو اپنی چارپائی پر پڑا ملتا' وہ خوف زدہ ہوگئی تھی لیکن لبنیٰ نے اسے تسلی دی۔ اسے گلے سے لگایا اور یہ احساس دلایا کہ وہ اکیلی نہیں ہے کہ کوئی بھی یوں خوامخواہ آئے اور اسے پریشان کرے۔ اپنے ابا سے کیا وہ تو ماں سے بھی اتنی بے تکلف نہ تھیں کہ اس طرح کی بات کرتیں لیکن بات کیے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ لہٰذا اشاروں کنایوں کے بجائے ساری بات ماں کے گوش گزار کی اور پھر جلد از جلد فرح کی شادی کرنے کی تجویز پر غور کیا جانے لگا اور یوں چٹ منگنی اور پٹ بیاہ کے طور پر فرح کا نکاح ماسٹر جی کے ایک شاگرد کے ساتھ راتوں رات یوں پڑھایا گیا کہ کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہوئی۔

سکندر کی طرف سے پھینکے جانے والے رقعوں کے متعلق ماسٹر جی کو لاعلم رکھا گیا تھا۔ ماں نے بس کس طرح سے بات بنائی یہ کوئی نہیں جانتا تھا لیکن اتنا ضرور تھا کہ رات کی رات میں ان دونوں بہنوں نے ماسٹر جی کے کندھے جھکے ہوئے اور انہیں ضعیف ہوتے دیکھا تھا۔

اور پھر بیٹی کا معاملہ تھا' وہ حق پر ہوتے ہوئے بھی کسی کے سامنے انصاف کے لیے معاملہ نہیں رکھ سکتے تھے کہ بے گناہ ہوتے ہوئے بھی ان کی بیٹی گناہ گار کہلاتی۔ بس انہیں تو اتنا پتہ تھا کہ اسی رات ماسٹر جی سے بات کی گئی اور وہ صبح تڑکے جو نکلے تو عین دوپہر کے وقت واپس آئے۔ پچھلے کمرے میں بیٹھ کر ساری صورت حال سے آگاہ کیا کہ آج رات فرح پرائی ہونے جارہی ہے۔ یوں ایک دم ایسے اچانک......

فرح ششدر تھی تو لبنیٰ پریشان۔ خود ماں باپ کی حالت بیچارگی کی تصویر بنی ہوئی تھی لیکن کیا کرتے کہ عزت اسی میں تھی ورنہ کل کو سکندر کوئی بھی غلط قدم اٹھالیتا تو وہ کیا کرسکتے تھے۔

''میرا تو کوئی بیٹا بھی نہیں ہے جو اپنی بہنوں کی عزت کا رکھوالا بن کر سامنے آئے اور سامنے والے کی نظریں جھک جائیں۔'' ماسٹر جی کے یہ الفاظ فرح نے سنے تو جیسے زہر سے بجھا کوئی تیر تھا جو دل میں پیوست ہوتا محسوس ہوا اور صرف وہی نہیں گھر کے باقی نفوس کے بھی گلے میں یہ الفاظ پھانس بن کر چبھے تھے۔

''یا اللہ...... تو میری بیٹی کا نصیب بلند کرنا آمین۔'' انہوں نے کبھی بھی نہیں سوچا تھا کہ یوں اچانک انہیں بیٹی کو کسی کے سپرد کرنا پڑے گا لیکن عزت دار اور شریف لوگ تھے جن کے لیے اگر کچھ ہوتا ہے تو زندگی کا اپنی عزت کا سب سے بڑا خوف ہوتا ہے اور پھر دروازے پر دروازہ تھا کوئی دور دراز کی بھی بات نہ تھی' اس پر سکندر کا جارحانہ مزاج' جو پورے محلے میں مشہور تھا اور خاص طور پر جس کی وجہ سے ماسٹر جی انتہائی عجلت میں یہ قدم اٹھانے پر مجبور ہوئے تھے اور اس رات جب فرح کو رخصت کرنے کے بعد لبنیٰ کمرے میں آئی تو اس کی خالی چارپائی پر پتھر پر لپٹا رقعہ موجود تھا۔ انتہائی نفرت اور غصے سے پہلے اس نے وہ رقعہ اٹھایا' سامنے کھڑے سکندر کو دیکھا اور کھلی کھڑکی سے اس کی طرف دیکھ کر تھوکتے ہوئے کھڑکی بند کردی۔ اگر اسے دنیا والوں کی باتوں اور والدین کی عزت کا خوف نہ ہوتا تو یقینی طور پر اسے کھری کھری سناتی لیکن وہ کچھ بول نہیں پائی تھی۔

اور کتنی ہی لڑکیاں صرف اور صرف والدین کی عزت کی خاطر اپنی عزت پر ہونے والے حملے کو خود سے بھی پوشیدہ رکھنے پر مجبور ہوتی ہیں۔ جان کر بھی انجان بنی رہتی ہیں' جیسے کچھ ہوا ہی نہیں' کسی نے کچھ کہا نہیں...... اور انہی باتوں سے مخالف جنس کو شیر بننے کا موقع ہاتھ آتا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہونا چاہیے والدین کو چاہیے کہ بچپن سے ہی اپنے بچوں اور خصوصاً لڑکیوں میں اس بات کا شعور پیدا کریں کہ اپنے اوپر ہونے والے کسی بھی ذہنی' جسمانی یا جنسی تشدد پر خاموش نہیں رہنا' والدین کا فرض ہے کہ وہ اپنی تمام اولاد اور خاص طور پر بیٹیوں کو اتنا اعتماد دیں کہ اگر گھر کے باہر یا گھر میں وہ کسی بھی طور ہراساں کی جائیں تو سب سے پہلے انہیں آکر بتائیں' بجائے اس کے کہ چھپن چھپائی میں مخالف جنس کا مزید حوصلہ بڑھے اور لڑکی کو خاموش' ڈری سہمی اور دبی ہوئی جان کر کسی کو کسی بھی طرح کی ذہنی' جسمانی اذیت دینے کا موقع ملے...... لیکن یہ والدین...... اپنے اور اپنے بچوں کے درمیان شرم وحیا اور ادب و آداب کا فاصلہ اتنا زیادہ رکھتے ہیں کہ کسی بھی طور سے جنسی ہراساں ہونے

کے بعد بچے خودکشی کا تو سوچ لیتے ہیں لیکن اپنا مسئلہ والدین سے بیان کرنے کا نہ تو انہیں کبھی خیال آتا ہے نہ حوصلہ ہوتا ہے۔

اور یہی صورت حال فرح کے ساتھ ہوتی رہی کہ وہ سکندر کے خوف کے مارے ذہنی طور پر انتہائی خوف زدہ رہنے لگی لیکن گھر میں موجود ماں کو ایک لفظ نہ بتا پائی۔

"جانِ من فرح......

کل اماں ابا تمہارے گھر تمہارا رشتہ مانگنے آرہے ہیں۔ ویسے تو مجھ میں ایسی کوئی خامی نہیں کہ وہ انکار کریں لیکن پھر بھی...... اگر انہوں نے ایسا سوچا بھی تو میں تمہیں اگلی رات اس گھر میں رہنے نہیں دوں گا۔

صرف تمہارا سکندر"

اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ رقعے کے ساتھ لپٹا یہ پتھر سکندر کے منہ پر مار آتی' لیکن ساتھ ہی اس نے شکر کیا کہ ماسٹر جی نے انتہائی درست فیصلہ کرکے فرح کو رخصت کردیا تھا' وہ نہیں جانتی تھی کہ سکندر پر تھوک کر جس غصے کا اظہار اس نے کیا تھا جواب میں وہی غصہ اب اسے تمام عمر بڑی خاموشی اور صبر کے ساتھ برداشت کرنا تھا۔ اپنی خوشی کو پس پشت ڈال کر اپنے والدین کی عزت کا بھرم رکھنا تھا۔ ان کا مان نہیں توڑنا تھا اور انہیں کسی کے بھی سامنے کبھی بھی شرمندہ نہیں ہونے دینا تھا۔

***

"بابا جانی...... یہ لیں ریموٹ اور سن لیں اپنی نیوز......" حنین نے ان کے ہاتھ میں ریموٹ تھمایا تو وہ چونکے۔

پتہ نہیں کتنی دیر سے وہ یونہی کچن کی طرف منہ کیے اپنے خیالات میں گم تھے جبکہ امی اور اجیہ اب ان کے قریب ہی لاؤنج کے صوفے پر بیٹھی تھیں۔ ماضی سے حال میں لوٹتے ہی سامنے انہوں نے ان دونوں کو دیکھا تو حلق تک کڑوا ہوگیا' دل چاہا تھا کہ یہی ریموٹ ان کے منہ پر مار کر وہاں سے اٹھ کر کمرے میں چلے آئیں' لیکن آج وہ ایسا نہیں کرسکتے تھے کیونکہ آج انہیں حنین اور غزنی کے بارے میں بات کرنی تھی...... گو کہ امی کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں تھی لیکن چونکہ وہ خود حنین سے اس کی مرضی معلوم نہیں کرسکتے تھے اس لیے انہیں اس معاملے میں امی کی مدد درکار تھی۔

"مجھے کچھ بات کرنی ہے تم سے......" امی کی طرف اچٹتی نگاہ ڈال کر انہوں نے کہا اور ریموٹ ایک طرف رکھ کر اٹھ گئے۔ جاتے جاتے انہوں نے اجیہ کو دیکھا جو ابھی تک گھر پر تھی ورنہ آج سے پہلے تو وہ اس وقت تک جاچکی ہوتی تھی۔

"بابا......" اجیہ نے انہیں پکارا تو جہاں وہ خود ٹھٹکے وہیں امی اور حنین بھی سکندر صاحب کا ردعمل دیکھنے کی منتظر نظر آئیں مگر وہ بولے کچھ نہیں' بس اپنے کمرے میں جاتے جاتے پلٹ کر اسے دیکھا انداز ایسا تھا جیسے بغیر کچھ کہے پوچھ رہے ہوں کہ ہاں بتاؤ کیا بات ہے؟

"بابا...... میں نے...... میں نے کال سینٹر کی جاب چھوڑ دی ہے۔" اجیہ کی بات پر سکندر صاحب نے چونک کر حنین کو دیکھا۔ شاید تصدیق کرنا چاہ رہے تھے۔ حنین نے بڑے پُرجوش انداز میں مسکراتے ہوئے جلدی سے گردن ہلائی تو انہوں نے سکون کا گہرا سانس لیا۔

"میری بلا سے......" کندھے اچکاتے ہوئے وہ اپنے چہرے کے تاثرات کے برعکس بولے تھے مگر یہ بات ان تینوں نے محسوس کی تھی کہ جاب چھوڑنے کے ذکر پر ان کے چہرے پر سکون اترا تھا جسے ظاہر کرنا شاید ان کی انا نے گوارا نہیں کیا تھا۔ اس لیے زیادہ دیر رکے نہیں اور اپنے کمرے میں چلے گئے' اماں نے بھی ان کی تقلید کی۔

"جاؤ تم دونوں بھی کمرے میں چلی جاؤ۔" امی نے جاتے جاتے کہا اور اشارے سے اجیہ کو حنین کی مرضی معلوم کرنے کا ٹاسک بھی یاد دلایا۔

***

رات کے کھانے کے بعد اربش ممی کے ساتھ ضرور کچھ وقت گزارتا تھا' بوا ان کے لیے چائے اور کافی لے آئیں اور اپنے لیے قہوہ لے کر ان کی دن بھر کی روداد سنتیں کچھ اپنی کہتیں اور پھر تینوں سونے کے لیے اپنے اپنے کمروں کا رخ کرتے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ تینوں ایک دوسرے کی دن بھر کی تمام روٹین

سے واقف رہا کرتے۔

"تم ان دو ٹیچرز کے جانے پر پریشان تھیں...... آج انٹرویو کے لیے کوئی ٹیچر پسند آئی۔" بوا نے امی سے پوچھا۔

"ہاں بوا...... ایک لڑکی ملی ہے' پُراعتماد بھی ہے' قابل بھی اور سب سے بڑی بات یہ کہ ضرورت مند بھی ہے...... شروع میں کم تنخواہ بھی دی تو خاموشی سے لے گی اور میں نے اس سے سال بھر کا کنٹریکٹ کرنے کی بات کی تو وہ اس پر بھی راضی ہے۔"

"چلو شکر ہے...... یہ تو مسئلہ حل ہوا۔"

"لیکن بوا مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میں نے اس لڑکی کو کہیں دیکھا ہے' ایسا لگتا ہے جیسے اس کے ساتھ بہت وقت گزارا ہے میں نے' لیکن کب اور کہاں یہ مجھے یاد نہیں آرہا اور اس بات پر میں اس کے سامنے بھی بہت الجھن کا شکار رہی۔" ممی نے چائے کا سپ لیتے ہوئے ہاتھ میں پکڑے فیشن میگزین کو بند کیا تو بوا کے بجائے اربش مسکراتا ہوا بولا۔

"تو اس میں کیا مسئلہ ہے' سادہ سی بات ہے کہ کل جب وہ آپ کو ملے تو اس سے پوچھ لیں' اگر آپ کو یاد نہیں تو اس کو تو یاد ہوگا ہی۔"

"یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ تمہیں اس میں کسی اور کی جھلک نظر آئی ہو اور تم اس کے ساتھ نہیں' لیکن اس کے جیسے کسی اور شخص کے ساتھ مل چکی ہو۔" بوا نے بھی اپنے ذہن کی بات کی۔

"ہوسکتا ہے ایسا ہی ہو' خیر اب تو اس نے اسکول آتے ہی رہنا ہے' ایک دو دن میں مجھے سمجھ آہی جائے گی' آپ یہ والا برائیڈل دیکھیں' کس قدر خوبصورت اور نفیس ہے۔" ممی نے فیشن میگزین قریب بیٹھے اربش کو دے کر بوا کو دینے کو کہا۔

"ہاں واقعی بہت بہترین ہے...... اسے تو کوئی معمولی صورت لڑکی بھی پہنے تو شادی والے دن شہزادی لگے گی۔" بوا نے میگزین اربش کے ہاتھ سے لے کر دلہن کا عروسی لباس دیکھا۔

"اربش کی دلہن کے لیے میں نے یہ ڈریس فائنل کرلیا ہے...... کیا خیال ہے؟"

"ہاں بالکل دلہن کا ڈریس تو مل گیا' دلہن بھی اللہ دے گا۔" بوا مسکرائیں۔

"ارے واہ ممی...... یہ کیا بات ہوئی یعنی دلہن میری اور اس کا ڈریس اور وہ بھی شادی کے روز پہننے والا ڈریس آپ نے اوکے بھی کرلیا اور مجھے دکھایا بھی نہیں۔" اربش نے صدائے احتجاج بلند کی۔

"وہ اس لیے کہ مجھے یقین ہے کہ میرا بیٹا کبھی بھی میری پسند کو ناپسند نہیں کرسکتا۔"

"وہ تو بات آپ کی ٹھیک ہے لیکن اچھا مجھے وہ پیج نمبر ہی بتادیں جس پر آپ نے اپنی ہونے والی بہو کا ڈریس پسند کرلیا ہے۔" ممی نے مسکراتے ہوئے اس کے انداز پر بوا کو اسے میگزین دینے کو کہا' وہ خود تو موبائل میں اس لباس کی فوٹو بنا ہی چکی تھیں۔

"کوئی لڑکی دیکھی بھی ہے یا ابھی صرف کپڑے ہی پسند کررہی ہو؟" بوا کے سوال پر خود اربش بھی ممی کی طرف کان لگا کر بیٹھا تھا جبکہ ظاہری طور پر وہ اس وقت میگزین میں مختلف ڈریسز اور پرفیومز دیکھ رہا تھا۔

"ایک دو لوگوں سے کہا تو ہے بوا' لیکن فی الحال کوئی لڑکی اس ڈریس کی طرح دل کو ایک دم اچھی لگی نہیں...... لیکن اب چونکہ تلاش شروع کرہی دی ہے سو جلد ہی لڑکی بھی مل ہی جائے گی۔"

"بس میں تو کہتی ہوں کوئی ایسی لڑکی ہو جو تم ماں بیٹے کے آپس کے پیار کی طرح اتنا ہی پیار اس گھر میں بانٹے اور اس گھر کو کسی کی نظر نہ لگے۔"

"حسن کی والدہ نے ایک دو لڑکیاں دکھائیں تھیں مجھے' تصویر میں تو ٹھیک ہی لگ رہی تھیں لیکن تھیں ذرا مڈل کلاس...... اور میں نہیں چاہتی کہ میرا بیٹا ان مڈل کلاس لڑکیوں کے جھمیلے میں پڑے' جس طرح کے ماحول میں پلا بڑھا ہے اگر اسی طرح کی لڑکی ہوگی تو نہ اسے ایڈجسٹ میں کوئی مسئلہ ہوگا اور نہ ہمیں اس کے ساتھ رہنے میں کوئی پرابلم ہوگی۔" ممی نے اپنا کپ خالی کیا تو اربش نے آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ سے خالی کپ لیا اور سامنے میز پر رکھ دیا۔

"ویسے لڑکی مڈل کلاس ہو یا اپر کلاس کی...... میں تو کہتی ہوں بیٹا کہ ان کلاسوں کو ذہن میں نہ رکھو' بس لڑکی سلجھی ہوئی اچھے مزاج کی ہو...... کیوں اربش؟" بوا نے

اربش کی تائید حاصل کرنا چاہی۔

"بالکل اور سو فیصد درست بات کہی ہے بوا آپ نے' بھلا ان کلاسوں میں کیا رکھا ہے بلکہ شاید آپ اسکول میں ہر وقت کلاس کلاس کا لفظ سن کر یہ الفاظ استعمال کرتی ہیں ورنہ مجھے پتہ ہے کہ آپ کے نزدیک بھی یہ سب چیزیں اہمیت نہیں رکھتیں اور آپ کی بھی سوچ وہی ہے جو بوا کی ہے۔" اربش نے بڑے لائٹ موڈ کے ساتھ بوا کی حمایت کی۔

ہاتھ خالی ہوں تو دانائی کا اظہار نہ کر
ایسی باتوں کا بڑے لوگ برا مانتے ہیں

اور واقعی ممی کو بوا کی بات بری لگی تھی۔ انہیں لیس مس سننے کی ایسی عادت پڑ چکی تھی کہ خلاف مزاج یا خلاف رائے کوئی بھی بات ہوتی تو مشکل سے ہی برداشت ہوتی لیکن چونکہ یہ بات بوا نے کی تھی' اور بوا کے لیے ان کے دل میں اپنی ماں جیسی عزت تھی اس لیے کچھ بولی نہیں تھیں لیکن ان کے چہرے سے ہلکا سا شائبہ ضرور نظر آتا تھا کہ انہیں یہ بات اچھی نہیں لگی۔

"مجھے مڈل کلاس لوگوں سے کوئی پرابلم نہیں' بلکہ میں خود ایک مڈل کلاس گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ معاشرے میں یہ رتبہ اور مقام تو اب آ کر ملا ہے' لیکن میرا مطلب وہ نہیں تھا جو آپ دونوں نے سمجھا۔" انہوں نے صفائی دینا ضروری خیال کیا۔

"ویسے اربش...... اگر تمہیں کوئی لڑکی پسند ہو تو ضرور بتانا' کیونکہ جس طرح میری کوئی بھی بات تمہارے لیے حرف آخر ہے اسی طرح تمہاری بھی ہر خواہش میرے لیے ہر صورت اہم ہے۔ یہ بات جانتے ہو ناں تم؟" ممی نے میگزین ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

"سوچ لو اربش بیٹا' موقع اچھا ہے پھر بعد میں نہ کہنا......" بوا بھی ہنسیں۔

"ہاں ویسے' ایک لڑکی ہے تو......" اس نے سر کھجاتے و مسکراتے ہوئے کہا تو خوشی کے مارے بوا اور ممی تو جیسے سانس لینا ہی بھول گئیں۔

"کون ہے وہ' کہاں رہتی ہے' دیکھنے میں کیسی ہے اور تم اسے کہاں ملے؟" وہ دونوں اتنی پُرجوش تھیں کہ ان کا بس چلتا تو رات کے اس پہر خود اس کے گھر جا کر اسے دیکھ بھی آتیں اور سارے معاملات بھی طے کر آتیں۔

"میرے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے' دیکھنے میں اتنی خوبصورت ہے' جتنی کہ ممی آپ خود۔"

"چلو ہٹو...... اب یہ مکھن نہ لگاؤ' ان تعریفوں کے بغیر بھی میں تمہاری پسند کو ہی اپنی پسند سمجھوں گی۔" انہوں نے لاڈ سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

"ارے نہیں ممی میں بالکل ہنڈریڈ پرسنٹ ٹھیک کہہ رہا ہوں' اس میں آپ کی مکمل مشابہت نہیں تو کچھ جھلک ضرور نظر آتی ہے مجھے۔" وہ انہیں یقین دلانا چاہ رہا تھا۔

"بیٹا...... دراصل تمہیں اپنی ماں سے اتنا پیار ہے کہ کہیں بھی محبت نظر آئے تو ماں کا تصور ذہن میں آ جاتا ہے...... لیکن پگلے اس لڑکی میں ماں کی شکل تک تو چلو ٹھیک ہے لیکن ماں کی محبت نہ ڈھونڈنے لگنا۔" بوا کے چہرے سے پھوٹتی خوشی ان کے الفاظ سے بھی عیاں ہو رہی تھی۔ اس لیے جان بوجھ کر اسے چھیڑا۔

"ارے بوا...... محبت کہاں...... آگ دونوں طرف برابر نہیں لگی ہوئی ہے۔" اس نے منہ بند کرتے ہوئے جمائی روکی۔

"کیا مطلب؟" اتفاق سے بوا اور ممی دونوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"بھئی اب آپ خواتین سے کیا پردہ کہ میں تو اسے آپ کی بہو بنانے کو تیار ہوں لیکن ابھی تک نہ تو اسے میرے ان عزائم کی خبر ہے اور نہ ہی مجھے معلوم ہے کہ وہ کسی اور کی بہو بننے کے لیے حامی بھر چکی ہے یا نہیں۔"

"اوہ مائی گاڈ اربش......" ممی کو حیرت ہوئی۔

"دیکھا ناں آپ کا بیٹا کتنا معصوم ہے۔" اس نے جان بوجھ کر معصوم بننے کی کوشش کی۔

"اور اگر اتنے ہی معصوم بنے رہے ناں تو وہ کسی اور کی بہو بن جائے گی اور تم اسی صوفے پر بیٹھ کر کہنا...... دیکھا ناں آپ کا بیٹا کتنا مظلوم ہے۔" ممی نے اس کا جملہ اسی کے انداز میں کہا۔

"ارے بھئی ایسی خوشی کے موقع پر کیوں بری بری باتیں منہ سے نکال رہی ہو...... اللہ نہ کرے بھی ہمارا

اربش مظلوم کہلوائے۔'' بوا نے ممی کو ٹوکا اور پھر اربش کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''یہ کیسی محبت ہے بھئی کہ اب تک اپنا آپ ظاہر نہیں کر سکی جبکہ اب تک تو تمہاری یونیورسٹی بھی ختم ہونے والی ہے۔

اور پھر اربش نے اجیہ سے ہونے والی پہلی ملاقات سے لے کر اب تک کی مختصر سی کہانی انہیں سنائی تو وہ دونوں گہری سانس لے کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگیں مگر اس نے اجیہ کو شادی کی آفر کرنا چھپالیا تھا۔

''اس کا سادہ سا حل یہ ہے کہ کل جب تم یونیورسٹی جاؤ تو اسے صاف صاف لفظوں میں بتادو کہ تم اس سے محبت کرتے ہو اور اس سے شادی کرنا چاہتے ہو۔'' ممی نے مسئلہ سلجھایا۔

''اور ساتھ ہی اس سے اس کے گھر کا پتہ معلوم کرو تاکہ ہم دونوں جائیں اور اسے انگوٹھی پہنا کر تمام حقوق تمہارے نام لکھوالیں۔'' بوا کو ممی سے بھی زیادہ جلدی تھی۔

''ویسے ممی ایک بات سچ سچ بتائیں کہ آپ کو پاپا نے کیسے پرپوز کیا تھا؟''

اربش نے تو ایک نارمل بات کی تھی لیکن ان کے ذہن میں اپنی شادی اور جن حالات میں شادی ہوئی تھی وہ سب گھوم گئے۔ والدین کی بے بسی، بہن کا پیار اور سب سے بڑھ کر کھڑکی کے اس پار موجود سکندر صاحب کا چہرہ...... وہ سب یاد آتے ہی انہیں جیسے جھرجھری سی محسوس ہوئی۔

''ہاں بھئی...... آج تو بتانا ہی پڑے گا۔'' بوا نے بھی کہا تو وہ افسردگی سے مسکرائیں۔

''میری شادی ذرا عجیب انداز میں اس لیے ہوئی تھی کہ نہ تو اس زمانے میں آج کل کی طرح لڑکے خود لڑکی کو پرپوز کرتے تھے اور نہ ہی مجھے کیا گیا، بلکہ خود میرے ابا نے تمہارے پاپا کو ایک شاگرد کے طور پر بہترین پایا تھا اس لیے خود انہیں کہا کہ میاں تمہاری شادی کی عمر ہے لہٰذا اگر تم آج کل شادی کے بارے میں سوچ رہے ہو تو مجھے خوشی ہوگی اگر تم میری فرزندی میں آجاؤ۔''

''واقعی؟'' بوا کو حیرت ہوئی تھی کہ ان کے والد نے خود اپنے شاگرد کو یہ سب کہا۔

ورنہ عام طور پر تو بیٹیوں والے اس طریقے سے اجتناب ہی برتا کرتے تھے اور پھر آج سے پہلے دو ڈھائی دہائیوں پہلے۔

''ہاں بوا ایسا ہی تھا اور تب اربش کے پاپا کے پاس رہنے کے لیے اپنا گھر بھی نہیں تھا مگر پھر ہم دونوں نے محبت تو کی لیکن اس کا ثمر وہ اپنی زندگی میں نہ دیکھ سکے۔''

''یعنی کہ بس اب میں کل اسے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بجائے شادی کا کہہ کر ہی آؤں گا۔'' اربش کو لگا تھا کہ ماحول بوجھل ہونے والا ہے اس لیے پھر سے باتوں کا رخ موڑ کر اپنی شادی کی طرف لے گیا۔ اجیہ سے جس طرح اسے محبت ہوئی تھی اسی طرح ممی اور بوا کے سامنے اس کی شادی کا بھی اپروول ہوگیا تھا۔ بغیر کسی باقاعدہ پلاننگ اور سوچ کے۔

اور یہ تو وہ پہلے سے ہی جانتا تھا کہ ممی اور بوا کو اس کی پسند پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ اب وہم تھا تو صرف اور صرف اجیہ کی طرف سے کہ وہ اسے کیا جواب دے گی۔

❁...... ❁ ......❁

محبت سچی ہو تو حاصل ہوکر ہی رہتی ہے اور آج حنین کو بھی اس بات پر یقین آ گیا تھا...... ورنہ اس نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ جو غزنی کے نام کی تسبیح کرتی پھرتی ہے جس کا چہرہ صبح شام اس کے دل ودماغ اور حواسوں پر چھایا رہتا ہے وہ واقعی اتنی جلدی اس کا ہوجائے گا اجیہ نے اس سے اس کی مرضی پوچھی اور بھلا وہ کیا کہہ سکتی تھی اس کے بس میں ہوتا تو سارے گھر میں اچھلتی کودتی پھرتی، دنیا والوں کو بتاتی، سارے جہاں میں اعلان کرواتی کہ لوگو دیکھو میں ہوں، وہ خوش قسمت جس نے اپنی محبت پالی۔'' اور خود اجیہ جانتی تو تھی ہی کہ وہ اس رشتے سے بہت خوش ہے مگر پھر بھی اس سے پوچھا اور اس کے چہرے پر بکھرتے رنگوں نے ساری کہانی کہہ دی اور عین اس لمحے اجیہ کو محسن نقوی کی لکھی یہ خوب صورت سی نظم یاد آئی۔

''سنا ہے زمین پر
وہ لوگ ملتے ہیں
جن کو کبھی آسمانوں کے اس پار

روحوں کے میلے میں
ایک دوسرے کی محبت ملی ہو“

اور اس کے ساتھ ہی اس نے انتہائی دل سے غزنی اور حنین کی محبت بھری زندگی کے لیے دعا کی کہ روحوں کے میلے میں ملنے والی یہ محبت دنیا میں بھی قائم و دائم رہے۔

***

غزنی صبح ہی اٹھ گیا تھا۔ اماں نے ناشتہ تیار کیا تو ابا کے ساتھ ہی بیٹھ کر ناشتہ بھی کرلیا‘ ورنہ عام طور پر ابا کے جانے کے بعد وہ ناشتہ کرتا اور پھر ذرا دیر سے اپنی ٹریول ایجنسی کے لیے نکلتا۔ اس لیے آج اس کا یوں جلدی اٹھ جانا دونوں میاں بیوی کے لیے ذرا اچنبھے کا باعث تھا۔ پہلے تو دونوں اشاروں کنایوں میں ایک دوسرے سے استفسار کرتے رہے لیکن کوئی بھی خاطر خواہ جواب نہ ملنے پر براہ راست غزنی سے ہی پوچھنے کا فیصلہ کیا۔

”کیوں بھئی بیٹا آج خیر تو ہے ناں‘ اتنی جلدی اور وہ بھی بغیر کسی کے جگائے‘ تم جاگ بھی گئے‘ ناشتہ بھی کرلیا اور اب تو ایسا لگتا ہے کہ تیار ہونے کے موڈ میں بھی ہو۔“ ابا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”بس ویسے ہی ابا‘ میں سوچ رہا تھا کچھ کام نمٹانے والے ہیں تو آج دفتر میں بیٹھ کر وہ کرلیے جائیں‘ ورنہ کتنے ہی دن گزر گئے ٹائم ہی نہیں مل رہا تھا۔“

”ہمم..... ایسا کون سا اہم کام ہے؟“

”اتنا بھی اہم نہیں ہے ابا..... بس کام تو سارے روٹین کے ہیں‘ پھر کچھ ممالک نے اپنے قوانین میں تبدیلیاں کی ہیں اور پاکستان سے آنے والوں کے لیے کچھ مزید سختیاں کردی ہیں۔ وہ سب ایک بار سکون سے پڑھنی ہیں پھر کلائنٹس کی ڈاکومینٹ آسان رہتی ہے اور اگر ان باتوں کا مکمل علم نہ ہو تو بار بار کاغذات کے مسترد ہونے کا خدشہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے ہماری ٹریول ایجنسی کی ساکھ بھی متاثر ہوسکتی ہے۔“ وہ ابھی تک رات کو پہنے جانے والے ٹراؤزر شرٹ میں تھا اور کپڑے تبدیل کرنے جا ہی رہا تھا جب ابا نے سوال جواب کرنے شروع کیے۔

”ویسے تو آج تک میں نے جس جس کے بھی کاغذات تیار کیے ہیں‘ کسی کے مسترد نہیں ہوئے۔“

”اگر اب تک نہیں ہوئے تو آئندہ بھی نہیں ہوں گے ان شاء اللہ۔“ ابا کو مکمل یقین آ گیا تھا کہ اس کا جلد بیدار ہونا صرف اور صرف اس کی اپنے کام سے لگن ہے اور اس کے علاوہ اس کی کوئی وجہ نہیں۔ لہٰذا خاموشی سے چائے پیتے ہوئے ان لوگوں کی بات چیت سنتی اماں کی طرف دیکھتے ہوئے ”آل کلیئر“ کا اشارہ کیا اور غزنی اپنے کمرے میں جانے کے لیے مڑا تو دونوں مسکرانے لگے۔ اسی دوران وہ ایک بار پھر پلٹا وہ کچھ کہنا چاہ رہا تھا لیکن شاید اسے مناسب الفاظ کے لیے چناؤ کا مسئلہ درپیش تھا۔

”بولو بیٹا..... کوئی بات کرنی ہے کیا؟“ اماں نے اس کی مشکل آسان کی۔

”جی اماں وہ..... دراصل بات تو کوئی اتنی خاص نہیں لیکن.....“ اس نے رخ موڑ کر ابا کو دیکھا۔

”لیکن.....؟“

”وہ میں کہہ رہا تھا کہ آپ نے کل کہا تھا ناں کہ آج اجیہ کے لیے انگوٹھی لینے جائیں گی اور پھر رات کو ان کے گھر جا کر انگوٹھی پہنا آئیں گی۔“

”ہاں کہا تو تھا.....“ اماں نے بڑی مشکل سے اپنی مسکراہٹ ضبط کر رکھی تھی۔ ابا کا حال بھی کم و بیش ایسا ہی تھا۔

”تو میں آج جلدی جاگ گیا ہوں ناں..... آفس کا کام بھی اس لیے جلدی نمٹالوں گا تو آپ تیار رہیے گا میں خود آپ کو جیولر کے پاس لے جاؤں گا۔“

یعنی اب آیا تھا اونٹ پہاڑ کے نیچے..... وہ دونوں تاحال اپنی اپنی مسکراہٹ ضبط کیے ہوئے تھے باوجود اس کے کہ اب غزنی کا جلد جاگنا اور اس کی وجہ سب کھل کر سامنے آ گئے تھے۔

”لیکن تمہارا جیولر کے ہاں جانا کچھ ضروری تو نہیں بیٹا..... تم اپنا کام مکمل دھیان سے کرو اور جیولر کے ہاں میں تمہاری ماں کو لے جاؤں گا۔“ ابا نے جان بوجھ کر اسے تنگ کیا۔

”ہاں وہ تو کوئی مسئلہ نہیں ہے بے شک آپ اماں کو لے جائیں گے لیکن دراصل آج کل کی لڑکیوں کی پسند

ذرا مختلف ہے ناں تو میں اس لیے سوچ رہا تھا کہ دیکھ بھال کر کوئی ایسی خوب صورت سی انگوٹھی لی جائے جو وہ ہر وقت ہاتھ میں پہنی رہے اور مٹھائی والا بھی جیولر کی دکان سے نزدیک ہی ہے آتے ہوئے اماں جتنی مرضی مٹھائی کہیں گی اس کی خوب صورت سی ٹوکری بنوالاؤں گا تاکہ آپ کو دوبارہ نہ جانا پڑے۔"

"واہ بھئی واہ...... غزنی بیٹا تمہیں تو میرا کتنا خیال ہے اللہ سب کو ایسے ہی بیٹے دے۔" اس کی بے تابی اور اجیہ کے لیے محبت ان دونوں کے دل میں پھول کھلا رہی تھی اور آخر یہی تو وہ دن تھے جنہیں دیکھنے کی حسرت وہ آج تک اپنے دل میں لیے ہوئے تھیں۔ لہٰذا اسے تنگ کرنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے مسکرائیں۔

"ٹھیک ہے تم ایسا کرنا بارہ بجے تک آ جانا میں تب تک کھانا وغیرہ پکا کر فارغ ہو جاؤں گی تو آرام سے چلیں گے ویسے بھی ہمارا زیادہ سے زیادہ گھنٹے بھر کا کام ہے مجھے گھر پر اتار کر تم دوبارہ آفس چلے جانا۔" اماں کے بنائے ہوئے پروگرام پر سب نے اوکے کی مہر لگائی۔

"مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ آفس میں تمہارا کام آہستہ آہستہ بڑھ رہا ہے تو تم اپنے ساتھ کسی ہیلپر کو کیوں نہیں رکھ لیتے؟" ابا نے پوچھا تو اماں کو یاد آ گیا۔

"وہ تمہاری کوئی یونیورسٹی کی دوست تمہیں اس دن فون پر کہہ تو رہی تھی ناں، جس کا تم نے مجھے بتایا بھی تھا' اسے کیوں نہیں رکھ لیتے' رات کی ڈیوٹی سے بھی اس کی جان چھوٹ جائے گی اور تمہاری ہیلپر بھی بن جائے گی۔" اماں کے کہنے پر اسے شرمین کی یاد آ گئی۔ اس دن ریسٹورنٹ میں ملنے کے بعد سے اکثر وبیشتر اس کے تو میسجز آتے ہی رہتے تھے البتہ میسج لکھنے میں سست طبیعت ہونے کی وجہ سے وہ اکثر ہی جواب گول کر جاتا۔ آج اماں کے کہنے پر اسے بھی محسوس ہوا تھا کہ اسے آفس میں کام کرنے کے لیے کوئی لڑکی تو رکھنی ہی تھی تو کیوں ناں شرمین کو رکھ لیا جائے۔

"بات تو آپ کی بالکل ٹھیک ہے، میں اسے آج ہی فون کر کے اپنے پاس کام کی آفر کرتا ہوں۔" غزنی نے کہا اور تیار ہونے کے لیے کمرے کا رخ کیا۔

❁......❁......❁

زندگی تیرے تعاقب میں کچھ لوگ
اتنا چلتے ہیں کہ مر جاتے ہیں

کال سینٹر سے استعفیٰ دے کر اب اجیہ کی زندگی ایک نئی ڈگر پر چلنے کو تیار تھی۔ پرنسپل کی طرف سے اجازت ملنے پر اسکول بس میں جانا ہوتا اور اس کے لیے اس پوائنٹ تک عین وقت پر ہی پہنچنا لازم تھا جہاں سے بس نے باقی اسٹوڈنٹس کو لینا ہوتا تھا۔ بابا نے آج دکان کے لیے سبزی اور فروٹ لینے کے لیے سبزی منڈی جانا تھا لہٰذا وہ صبح ہی نکل گئے تھے۔ وہ بھی اسکول کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ حنین نے آج اس کے لیے موسم کی مناسبت سے انگوری رنگ کا کرتا شلوار استری کر کے رکھا تھا اور ساتھ ہی اس ڈریس کے ساتھ متوقع طور پر پہنے جانے والی جیولری بھی رکھ دی تھی تاکہ ان میں سے جو بھی اسے اچھی لگے وہ پہن لے۔ بال بناتے ہوئے آئینے کے سامنے اچانک ہی ایک دم اسے اربش کا خیال آیا۔

"وہ دراصل میں سوچ رہا تھا کہ اگر تم مناسب سمجھو تو میں تمہیں گھر ڈراپ کر دیا کروں' ڈرائیور کو منع کر دینا' وہ تمہیں لینے نہ آیا کرے۔" اربش کا خیال ذہن میں کیا اترا اس کے ہونٹ آئینے میں خود کو دیکھ کر مسکرانے لگے۔

"پہلے اور اب میں بہت فرق ہے...... پہلے ہماری ملاقات نہیں ہوئی تھی لیکن اب......" اسے لگا وہ واقعی اس کے قریب ہے...... اور وہ اس وقت اس کا خود سے قریب ہونا محسوس کر رہی تھی۔

"اب میں چاہتا ہوں کہ تمہاری ساری ذمہ داریاں خود اٹھا لوں...... شادی کرو گی مجھ سے؟" کتنا خوب صورت احساس تھا اور کیسے دل میں اترنے والے الفاظ تھے کہ وہ اسے زندگی کے تمام مسائل ومشکلات سے نکال کر اپنانا چاہتا ہے اور اسے سب فکروں سے نجات دے کر تمام ذمہ داریاں خود اٹھانے کو تیار بھی تھا۔

یہ احساس اسے اس وقت تمام لوگوں سے ممتاز کر رہا تھا' باوجود اس کے کہ وہ اس سے اس طرح کی محبت نہیں کرتی تھی جیسی اربش اس سے کرتا تھا۔ اسے اس بات کا اعتراف تھا کہ اگر اربش معاشرے کے کسی کم حیثیت گھرانے کا فرد ہوتا تو وہ کبھی بھی اس کے متعلق اس طرح کے جذبات نہ رکھتی اور اگر وہ اب تک اربش کے ساتھ

ملنے اور بات کرنے سے گریز نہیں برت رہی تھی تو اس کی وجہ اربش کی محبت نہیں بلکہ وہ اسٹیٹس تھا جو اس کی شخصیت کے ساتھ جڑا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ پھر اس نے آئینہ دیکھا، لیکن اس مرتبہ اس کی نظریں اپنے چہرے پر نہیں بلکہ آئینے میں نظر آتی دیوار پر لگی وہ پینٹنگ تھی جو اجیہ کے دل سے انتہائی قریب تھی اور جس میں ایک پرندہ باقی سب پرندوں کو پیچھے چھوڑ کر اپنی اونچی اڑان میں مست تھا۔ وہ بھی اسی پرندے کی طرح ایک اونچی اڑان بھرنے کا خواب دیکھتی تھی۔ جس میں وہ اب تک کی تمام محرومیوں اور مایوسیوں کو پیچھے چھوڑ جائے۔

اور اب اربش کی صورت میں اسے ایک راستہ نظر آیا تھا جس کے ذریعے وہ اپنے تمام تر خوابوں کی تکمیل کر سکتی تھی تمام محرومیوں کا ازالہ کر سکتی تھی اور پھر اسے اربش کی آنکھوں میں اپنے لیے وہ محبت بھی نظر آتی تھی جس کی بنیاد پر وہ کہہ سکتی تھی کہ اب تک کی زندگی میں وہ جتنا محبتوں کے لیے ترسی تھی اربش کے پاس اس کے لیے اس سے کہیں زیادہ محبت موجود تھی اور اسے یقین تھا کہ اربش آج اس کا جواب سننے کے لیے کس قدر بے چین ہوگا' شاید اسی لیے رات کو دو مرتبہ اس نے فون بھی کیا تھا لیکن سکندر صاحب کی موجودگی کے باعث وہ اس کی کال اٹینڈ نہیں کر پائی تھی اور ویسے بھی اس کے سامنے کسی بھی طرح کا جواب دینے سے پہلے اس کے لیے امی کی رائے بھی اہم تھی۔ وہ جانتی تھی کہ امی بھی اس رشتے پر بہت خوش ہوں گی لیکن کل سارا دن وہ حسنین کے بارے میں سوچتے اور بات کرتے رہے لہٰذا وہ یہ بات ڈسکس نہیں کر پائی تھی اور اب اس کا ارادہ تھا کہ اسکول سے آ کر ساری بات امی کے گوش گزار کردے اور اس کے بعد ہی کوئی بھی فیصلہ کرے۔

❁......❀......❁

وہ بھی کیا دن تھے کہ پل میں کر دیا کرتے تھے ہم
عمر بھر کی چاہتیں ہر ایک ہرجائی کے نام
وہ بھی کیا موسم تھے جن کی نکہتوں کے ذائقے
لکھ دیا کرتے تھے خال و خد کی رعنائی کے نام
وہ بھی چاہتیں تھیں جن کی مسکراہٹوں کے فسوں
وقف تھے اہل وفا کی بزم آرائی کے نام

وہ بھی کیا شامیں تھیں جن کی شہرتیں منسوب تھیں
بے سبب کھلے ہوئے بالوں کی رسوائیوں کے نام
اب کے اپنے آئینوں کے سب شکستہ آئینے
بجھ زمانے کے لیے ہیں کچھ ہیں تنہائیوں کے نام

ممی اکثر اوقات تمام ٹیچرز سے پہلے اسکول میں موجود ہوا کرتی تھیں۔ ویسے بھی یہاں رہ کر انہیں اپنے شوہر خود سے زیادہ قریب معلوم ہوتے۔ شہر کے عین وسط میں ایک خوبصورت اور جدید علمی تقاضوں سے طالب علموں کی علمی پیاس بجھاتا یہ ادارہ ان کا خواب تھا جس کی تعبیر دیکھنے کے لیے وہ خود اس دنیا میں نہیں رہے تھے اور اب ان کے پاس صرف تنہائیاں رہ گئی تھیں جو کہ خالصتاً ان کا اپنا انتخاب تھیں ورنہ کتنے ہی لوگ تھے جنہوں نے انہیں دوسری شادی کے لیے قائل کرنے کی کوشش کی لیکن ان کی ایک ناں تھی جو ہاں میں نہ بدل سکی۔ اور یوں انہوں نے اپنی پوری زندگی اربش اور اس اسکول کے لیے وقف کر دی تھی۔

''گڈ مارننگ میم!'' قریب سے گزرتی ٹیچرز کو اجیہ نے دیکھا کہ وہ سب پرنسپل کو گڈ مارننگ کہہ کر گزر رہی ہیں' سو وہ بھی اسی رستے سے ہوتی ہوئی پاس آئی اور گڈ مارننگ کہا۔ ممی نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر سوچنے لگیں کہ واقعی ہو نہ ہو وہ اس لڑکی کو پہلے سے جانتی ضرور ہیں' لیکن چونکہ اساتذہ اور اپنے درمیان انہوں نے ایک مناسب فاصلہ قائم کر رکھا تھا' اس لیے کچھ بھی کہنے یا پوچھنے کے بجائے ذہن کو سوچنے کا ٹاسک دیا۔

وہ اس وقت اپنے آفس سے نکل کر گراؤنڈ کے ایک سرے پر کھڑی تھیں جہاں سے اسکول کے اندر داخل ہونے والے بچوں اور ٹیچرز کو وہ نظر آ رہی تھیں اور وہ خود بھی ان سب کو بخوبی دیکھ رہی تھیں اور ان کے پہلے آنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا تھا کہ تمام ٹیچرز وقت مقررہ پر نہ صرف یہ کہ پہنچ جاتیں بلکہ آنے کے بعد اسٹاف روم میں بیٹھنے کے بجائے ان کی طرح ہی گراؤنڈ میں نظر آتیں۔

''گڈ مارننگ میم!'' مس ماہا نے قریب آ کر کہا' انہوں نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔

مس ماہا ان کے اسکول کی ایک انتہائی قابل اور ایکٹو ٹیچر تھیں' اجیہ نے کل کا لیسن لینے کے بعد ان کے ساتھ

ہی وقت گزارا تھا۔ نئے آنے والی ٹیچرز کو وہ تمام قواعد وضوابط سے آگاہ کیا کرتی تھیں۔

"مس اجیہ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ اپنی ڈیوٹی اور سبجیکٹ کے ساتھ ساتھ بچوں کے لیے کیسی ثابت ہوسکتی ہیں؟"

"ویری ایکٹیو اینڈ انٹیلیجنٹ۔" مس ماہا نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد اپنی رائے دی۔

"اس لڑکی میں کچھ کرنے کا جذبہ محسوس ہوا ہے مجھے۔کل جس طرح مختلف موضوعات پر میں نے اس سے باتیں کی ہیں اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اپنے مضمون کے علاوہ بھی وہ بہت نالج رکھتی ہے اور میرا خیال ہے اگر آپ اسے اپوائنٹ کرلیتی ہیں تو یہ بلاشبہ نیو لائٹ اسکول کے لیے ایک بہترین اضافہ ثابت ہوگی اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ یہ جاب چھوڑے گی نہیں۔کم ازکم اگلے امتحانات تک تو ہمیں اس کی گارنٹی ہے کہ یوں ایک دم بیچ میں چھوڑ کر وہ جانے والی نہیں۔"

صرف اجیہ ہی نہیں بلکہ ہر نئی ٹیچر کے بارے میں وہ مس ماہا سے اسی طرح تجزیہ لیا کرتی تھیں اور کسی بھی ٹیچر کو تعینات کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ بڑی حد تک ان کے تجزیے اور دی گئی رائے پر بھی منحصر ہوتا تھا۔ ممی نے گردن ہلائی اور دور کھڑی اجیہ کو دیکھنے لگی جو شاید کچھ بچوں کو نظم وضبط کی خلاف ورزی کرنے پر سمجھا رہی تھی اور یوں بھی اس وقت اسکول کو ایک ٹیچر کی کم ازکم بہت سخت ضرورت بھی تھی جس کے لیے ان کی نظر میں اجیہ ایک بہترین چوائس تھی۔

❁......❁......❁

آفس پہنچ کر غزنی نے جو سب سے پہلا کام کیا وہ شرمین سے رابطہ کرنے کا تھا۔ اس کی بہترین کارکردگی کا ہی نتیجہ تھا کہ بیرون ملک جانے والے کئی خواہشمند خواتین وحضرات اس سے رابطہ کرنے لگے تھے۔ اس سے پہلے اب تک وہ خود ہی تمام معاملات دیکھا کرتا تھا لیکن بعض اوقات اس کے آفس میں آنے والی خواتین' آفس میں صرف اس کی موجودگی کی وجہ سے ہچکچاہٹ کا شکار معلوم ہوتیں اسی طرح فیملی کے لیے کاغذات اپلائی کرنے والے بھی اکثر کسی خاتون کے ہونے کا پوچھا کرتے۔ لہٰذا اب جبکہ وہ خود اپنی محنت اور کارکردگی کے بل بوتے پر خود کو مالی طور پر اتنا مستحکم سمجھ رہا تھا کہ کسی اور کو نوکری دے کر اسے بھی تنخواہ دے سکے تو پہلا خیال اسے بھی ایک خاتون ہیلپر کے رکھنے کا ہی آیا تھا جس کے لیے اس کی نظر شرمین پر ٹھہری تھی۔ مسلسل کئی بیلز جانے کے بعد دوسری طرف سے نیند میں ڈوبی آواز کے ساتھ ہیلو کہا گیا۔

"تم سو رہی ہو اس وقت تک؟" غزنی نے حیرت سے کہا۔

"جناب سو رہی تھی' اس وقت تو جاگ گئی ہوں بلکہ تم نے جگا دیا ہے مجھے اور وہ بھی بے وقت۔" شرمین نے موبائل کان سے ہٹا کر وقت دیکھا۔ "جب ساری رات جاگ کر جاب کرتی ہو تو اس وقت تو سونا حق بنتا ہے کہ نہیں؟"

"یعنی تم اب تک اسی کال سینٹر میں جاب کررہی ہو؟"

"نہیں آج رات میری جاب کی آخری رات تھی۔" کہنیوں پر زور ڈال کر اب وہ بیڈ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

"دیٹس گریٹ...... تو یعنی تم نے جاب چھوڑ دی...... لیکن کیوں؟" غزنی جو یہ سمجھ رہا تھا کہ شرمین اس کے پاس جاب ملنے کی وجہ سے پچھلی جاب چھوڑے گی اب مطمئن تھا کہ وہ پہلے ہی اپنی جاب کو خیر باد کہہ چکی ہے اور کل کو وہ اس پر کوئی بھی احسان نہیں جتائے گی کہ اس نے غزنی کے کہنے پر جاب چھوڑی تھی اور نہ ہی وہ اسے تنخواہ زیادہ دینے پر کہہ سکے گی۔

"گھر میں بھائی وغیرہ کو تو میں نے یہی کہا ہے کہ جاب میں نے خود چھوڑی ہے لیکن تم سے کوئی بھی بات چھپانا نہیں چاہتی۔" شرمین نے غزنی کو مختصراً ساری بات بتائی کہ کس طرح اجیہ کی وجہ سے اسے جاب سے نکالا گیا لیکن فرق یہ تھا کہ وہ اپنی سنائی گئی اس کہانی میں خود ہی مظلوم بنی تھی۔

"لیکن اس لڑکی کو تم سے کیا پرخاش تھی؟" غزنی نے پوچھا۔

"بس سر ہاشم کی نظروں میں بہترین ثابت کرنا چاہتی تھی خود کو...... اسی لیے میری ای میلز کے تمام پرنٹ

آرڈرز اور باقی ثبوت اور ثبوت بھی وہ جو اس نے خود بنائے تھے انہیں پیش کیے کہ وہ اس کے جاتے ہی آگ بگولہ ہوگئے۔ سارے اسٹاف کے سامنے نہ صرف میری بے عزتی کی مجھے برا بھلا کہا بلکہ اس کی تعریفیں کرتے ہوئے پچھتائے بھی کہ وہ ایک اچھی اور مخلص ورکر سے میری وجہ سے محروم ہوگئے...... بس اگلے آدھے گھنٹے میں انہوں نے میرا لیٹر ٹائپ کروایا بقایا جات ادا کیے اور مجھے آئندہ سے نہ آنے کے لیے بھی کہہ دیا۔''

''اوہ ویری سیڈ......'' غزنی نے کہا اور واقعی وہ سمجھتا تھا کہ اس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔

''لیکن تم دیکھنا غزنی میں اسے چھوڑوں گی نہیں...... سمجھتی ہے ناں کہ خود سب کی نظروں میں عظیم بن کر اس نے بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے تو یقین کرو میں بھی قسم کھاتی ہوں کہ اسے جب تک اپنی نظروں کے سامنے گرا ہوا نہیں دیکھوں گی، چین سے نہیں بیٹھوں گی۔''

''ہمم......تو اب ہے کہاں وہ؟''

''ارے جانے میری جوتی...... مجھے بتا کر تو نہیں گئی وہ لیکن معلوم میں کروالوں گی۔''

''اچھا تم یہ غصہ چھوڑو......اور اگر تمہیں واقعی جاب کی ضرورت ہے اور تم کوئی جاب کرنا چاہتی ہو تو میرے آفس میں آجاؤ...... تنخواہ بھی مناسب دوں گا اور وقت بھی وہی جو عام طور پر آفس جاب کا ہوتا ہے۔''

''واؤ......اندھا کیا چاہے دو آنکھیں، بھئی اور مجھے کیا چاہیے کہ جاب بھی مل رہی ہے اور تمہارا ساتھ بھی۔'' غزنی اس کی بات پر قہقہہ لگا کر ہنسا۔

''اور ویسے بھی یہ جاب تو سمجھو میرے لیے گھر والی بات ہوگی۔ تمہارے ساتھ کام کرنے کو میں نوکری سمجھ کر نہیں بلکہ اپنی ذمہ داری سمجھ کر کروں گی۔''

''یس...... یہ ہوئی ناں بات......تو پھر آ رہی ہو کل سے؟''

''نہیں بابا......کل سے کیوں میں آج ہی اگلے دو تین گھنٹوں بعد تمہارے پاس نظر آؤں گی تم بس مجھے اپنے آفس کا ایڈریس میسج کردو۔''

''ارے واہ...... تو بس ڈن ہے میں ابھی بھیجتا ہوں۔''

غزنی بہت خوش تھا کہ آج کل ستارے اس کے حق میں تھے اور ہر طرف سے بہتر ہوتا چلا آ رہا تھا۔ لہٰذا مسکراتے ہوئے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی اور اپنا ایڈریس میسج کرنے لگا۔

※......※......※

اجیہ اپنی نیو جاب پر جا چکی تھی اور اس وقت گھر میں حنین اور امی موجود تھیں۔ صبح جانے سے پہلے اجیہ نے امی کو حنین کی پسندیدگی کے متعلق بتا کر انہیں مزید ہلکا پھلکا کردیا تھا۔ وہ انتہائی خوش تھیں کہ ایک بیٹی کا فرض ادا ہونے والا تھا۔ وہ کچن میں دوپہر کے کھانے کی تیاری کر رہی تھیں جبکہ حنین گھر کی صفائی ستھرائی کرنے میں مصروف تھی۔ جب سکندر صاحب گھر آئے یہ ان کے گھر آنے کا وقت نہیں تھا اس لیے حنین تو گھبرائی ہی ساتھ امی بھی پریشان ہوگئی تھیں۔

''بابا جانی آپ اس وقت گھر آئے ہیں سب خیر تو ہے ناں؟'' حنین نے گیٹ کھولنے کے بعد ان کے ہاتھ سے فروٹ اور مختلف اشیاء ولوازمات سے بھرے شاپرز پکڑے۔ انہوں نے موٹر سائیکل باہر ہی کھڑی کی یعنی وہ رکنے کی نیت سے نہیں آئے تھے۔

''ہاں بیٹا سب خیریت ہی ہے، تم اپنی ماں کو بلاؤ اور خود یہ شاپرز کچن میں لے جاؤ۔ فروٹ دھو کر فریج میں رکھ دو اور گوشت بھی دھولو۔'' آج وہ خلاف توقع گھر کے کاموں کی ہدایات دے رہے تھے جس پر حنین الجھ گئی کیونکہ آج سے پہلے تک تو انہوں نے کبھی بھی گھر کے کام کاج میں کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کی تھی۔

''اوہو...... بابا جانی آپ یہ سب باتیں چھوڑیں یہ تو مجھے پہلے بھی پتا ہے لیکن آج مجھے صرف یہ بتائیں کہ آپ اس وقت گھر کیوں آئے ہیں؟'' وہ اپنی بات پر جمی ہوئی تھی اور جواب لیے بغیر وہاں سے ہٹنے کو تیار نہیں تھی۔

''اچھا تو کیا میں اپنے گھر میں بھی صرف ٹائم پر ہی آسکتا ہوں؟'' وہ مسکرائے۔ اسی دوران امی بھی وہاں آپہنچی تھیں اور وہی حیرت ان کے چہرے پر بھی ظاہر تھی۔

''نہیں میرا یہ مطلب تو نہیں ہے...... لیکن......''

”ارے بابا کی جان...... سمجھا کرو ناں...... جاؤ اندر پھر تمہاری ماں تمہیں ساری بات سمجھائے گی۔“ انہوں نے کسی طور اسے اندر بھیجا اور یہ الفاظ امی کی سماعت کے لیے انتہائی اجنبی تھے جب انہوں نے سکندر صاحب کو یہ کہتے سنا کہ ”اندر جاؤ پھر تمہاری ماں تمہیں ساری بات سمجھائے گی۔“

یہ انداز اور یہ الفاظ کتنی اپنائیت لیے ہوئے تھے لیکن آج تک یہ طرز تخاطب انہیں نصیب نہیں ہوا تھا۔ حنین شاپرز تھامے منہ بناتی کچن میں چلی گئی تھی جب سکندر صاحب نے لاؤنج کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے انہیں بھی آنے کا کہا۔ امی نے حیرانگی سے تقلید کی اور ان کے بیٹھنے کے بعد خود بھی بیٹھ گئیں۔

”رات کو میں نے تم سے غزنی اور حنین کے رشتے کی بات کی تھی‘ ابھی بھائی صاحب کا فون آیا تھا وہ لوگ رات کو باقاعدہ رشتہ لے کر آ رہے ہیں تم ایسا کرنا کہ رات کے کھانے کا بہت اعلیٰ قسم کا انتظام رکھنا‘ گوشت فروٹ دہی مصالحے وغیرہ میں سب لے آیا ہوں‘ کسی قسم کی کمی نہ ہونے پائے۔“

امی نے ایک نظر ان کے چہرے پر پھیلی اس آسودگی کو دیکھا اتنی خوشی اور یہ جوش تو آج تک انہوں نے سکندر صاحب کے چہرے پر نہیں دیکھا تھا۔

❁......❁......❁

”آپ کو آخر کہا کس نے ہے کہ وہ لوگ فرح کا رشتہ لے کر آ رہے ہیں؟“ ماسٹر جی نے گھر آ کر پچھلے کمرے میں بیٹھ کر اماں کو راز داری سے بتایا تو وہ پریشان ہو گئیں۔

”ابھی میں اسکول سے واپسی پر گھڑی دو گھڑی کے لیے اکرم پرچون والے کی دکان پر رکا تھا۔ اسی نے بتایا کہ آج وہ لوگ سکندر کے لیے ہماری فرح کا رشتہ مانگنے آئیں گے۔ پتہ ہے ناں‘ اس کی بیوی کا ان کے گھر کتنا آنا جانا ہے۔“

”وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن ہم انہیں کیا جواب دیں گے؟“ اماں روہانسی ہوئیں اور ایسا لگتا تھا جیسے وہ بات کرتے کرتے رو پڑیں گی۔

”ارے تم کیوں پریشان ہوتی ہو...... میں ہوں ناں سب سنبھال لوں گا‘ تم بس اتنا کرنا کہ ان کے آنے پر خاطر مدارات میں کوئی کسر نہ رہے۔“

”وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن پتہ نہیں اب کیا ہوگا میرا تو دل بیٹھا جا رہا ہے۔“

ماسٹر جی نے انہیں دیر تک سمجھایا جس کے نتیجے میں وہ کچھ سنبھل گئی تھیں اور جب وہ لوگ فرح کا رشتہ لینے آئے تو بہترین طریقے سے انہیں چائے بھی پیش کی اور ساتھ حسب استطاعت گھر میں بنائی ہوئی چند دوسری چیزیں بھی...... لیکن جب انہوں نے فرح کو بہو بنانے کی بات کی تو ماسٹر جی نے انتہائی قرینے سے انہیں ساری بات سمجھائی۔

”آپ کا آنا میرے لیے خوشی کی بات ہے کیونکہ سکندر کو میں بچپن سے جانتا ہوں کہ وہ ایک بہترین لڑکا ہے لیکن آپ جس مقصد کے لیے آئے ہیں مجھے افسوس ہے کہ وہ پورا نہیں ہو سکے گا۔“

”نہیں ہو سکے گا‘ کیا مطلب ماسٹر جی؟“ سکندر صاحب کی والدہ بولیں۔

”مطلب یہ ہے بہن کہ فرح کا نکاح ہو چکا ہے اور اب تو رخصتی بھی کر دی گئی ہے اور اب تو وہ اپنے سسرال میں ہے۔“

”سسرال میں؟ لیکن اس کی شادی کب کی ماسٹر جی؟ آج تک تو محلے میں کسی کو بھی اس بات کی بھنک نہ پڑی پھر ایسا کیا ہوا کہ آپ نے یوں خاموشی سے......؟“ سکندر صاحب کے والد نے حیرت سے پوچھا جس کے جواب میں ماسٹر جی کو مجبوراً جھوٹ کا سہارا لینا پڑا۔

کبھی کبھار جھوٹ بولنا بھی زندگی اور زندگی سے جڑے رشتوں کو بچانے کے لیے لازم ہو جاتا ہے اور وہ وقت ان کے لیے مشکل ترین وقت ہی تو تھا کہ جب انہیں یوں اپنی اور اپنی بیٹیوں کی عزت بچانے کے لیے ان سے جھوٹ بولنا پڑا۔

”نکاح تو اس کا کافی عرصہ پہلے ہم کر چکے تھے اور بتانے کی ضرورت اس لیے محسوس نہیں کی کہ کبھی کوئی ایسا موقع ہی نہیں آیا کہ یہ بات کرنی پڑتی...... پھر اب اس کا شوہر دوسرے شہر جا رہا تھا اسے بھی ساتھ لے

جانے کی خواہش ظاہر کی تو بھلا ہم کیسے انکار کرسکتے تھے۔ آخر وہ اس کی زوجیت میں ہے جب جی چاہے اسے لے جائے۔''

''ورنہ ظاہر ہے کہ دو قدم پر آپ کا گھر ہے اور ہمیں اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے تھا کہ ہماری بیٹی ہماری آنکھوں کے سامنے رہتی۔'' امی نے بھی ماسٹر جی کی بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے ان کی حمایت کی۔

''کوئی بات نہیں، یہ تو قسمت نصیب کی بات ہے اور ہم تو صرف یہ چاہتے تھے کہ سکندر ذرا کھلنڈرا سا ہے' مزاج میں بھی لاابالی پن ہے چلیں آپ کے گھر رشتہ ہوجاتا اور آپ کی محبت ملتی تو یقیناً اس کے مزاج میں بھی ٹھہراؤ آجاتا ورنہ تو وہ بس......'' انہوں نے ماسٹر جی کا مدعا کھلے دل سے تسلیم کرلیا تھا اور کسی بھی قسم کی ناگواریت کا مظاہرہ کیے بغیر اسی طرح اپنائیت اور محبت سے بات کررہے تھے جیسے آج سے پہلے دونوں گھرانے کیا کرتے تھے۔

''ویسے ایک بات کہنے کی جسارت کرنا چاہتی ہوں اگر ماسٹر جی آپ اور بہن آپ برا نہ مانیں تو۔'' ان کی بات پر ماسٹر جی اور ان کی بیگم نے ناسمجھی سے ایک دوسرے کو دیکھا' جس طرح ان کے تمام تر خدشات کے برعکس سکندر صاحب کے والدین نے ان کی بات سمجھی تھی اور نہایت احترام سے ان کی رائے کو عزت دی وہ رویہ ماسٹر جی اور ان کی بیگم کا اعتماد مکمل طور پر بحال کرچکا تھا۔

''جی جی بہن آپ کہیے کیا کہنا چاہتی ہیں؟''

''وہ دراصل یہ بات تو آپ بھی مانتے ہیں ناں کہ بیٹیاں سانجھی ہوتی ہیں اور ہماری نظر میں تو جو مقام فرح بیٹی کا تھا وہی محبت اور پیار لبنیٰ کے لیے بھی ہے...... اس لیے میں تو بس یہ چاہتی ہوں کہ آپ جیسے شریف النفس لوگوں کے ساتھ ہمارا تعلق قائم رہے...... تو...... اگر آپ مناسب سمجھیں تو اپنی دوسری بیٹی کے لیے ہمارے سکندر کو اپنی فرزندی میں لے لیجیے۔''

''جی...... یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟'' ماسٹر جی کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا' امی بھی چونکی تھیں۔ بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ اگر انہوں نے فرح کے لیے سکندر کو بہتر نہیں سمجھا تو لبنیٰ کے لیے سمجھ لیں' آخر وہ دونوں ان کی بیٹیاں تھیں اور ان سے انہیں برابر کی محبت تھی۔

''جانتی ہوں کہ چھوٹا منہ اور بڑی بات کررہی ہوں' لیکن میں آپ کو قسم دینے کو تیار ہوں کہ آپ کی بیٹی کو ہمارے گھر میں ایک بیٹی کا ہی پیار ملے گا اور میں وعدہ کرتی ہوں کہ اگر ایسا نہ ہوا تو یہ آپ کے جوتے اور میرا سر......'' انہوں نے فوراً سے اٹھ کر ماسٹر جی کے جوتوں پر ہاتھ رکھ کر انہیں بھلا بولنے لائق کہاں چھوڑا تھا۔ وہ بے چارگی سے کبھی اپنی بیگم کو دیکھتے تو کبھی سکندر صاحب کی ماں کو جو ان کے جوتوں پر ہاتھ رکھے بیٹھی تھیں۔ ان کا یہ طرز عمل سب کے لیے ہی حیرت کا باعث تھا اور اس فعل نے تو سب کو گنگ ہی کرکے رکھ دیا تھا کہ اچانک امی نے ان کے ہاتھوں کے نیچے سے جوتے ہٹائے اور انہیں دوبارہ اوپر بٹھا کر بولیں۔

''آپ نے تو ہمیں کچھ کہنے جوگا چھوڑا ہی نہیں...... لیکن اس سب کے بعد بھی اور باوجود اس کے کہ میں جانتی ہوں کہ وہاں آپ کے گھر میں میری بیٹی کو اسی گھر کی طرح ایک بیٹی کا ہی پیار ملے گا لیکن بہتر ہوگا کہ پھر بھی آپ پہلے سکندر سے مشورہ کرلیں کیونکہ زندگی اس نے گزارنی ہے۔''

امی کو یقین تھا کہ سکندر اس رشتے سے صاف انکار کردے گا کیونکہ وہ تو فرح سے شادی کرنا چاہتا تھا' اسی لیے انہوں نے خود پر کوئی بھی بات لینے کے بجائے سارا رخ سکندر صاحب کی طرف کردیا تھا لیکن کبھی کبھار غیر متوقع حالات بھی پیش آجاتے ہیں اور ان کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ سکندر صاحب نے اس رشتے کے لیے ہاں کردی' فرح کے ساتھ جو محبت انہوں نے کی تھی اور اسے اپنے ساتھ دیکھنے کے جو خواب انہوں نے سوتے جاگتے ہوئے اپنی آنکھوں میں سجائے تھے' انہیں توڑنے کی واحد ذمہ دار ان کی نظر میں لبنیٰ ہی تھی جس نے نہ صرف یہ کہ فرح کو ان کا ہونے نہ دیا بلکہ جس طرح نفرت کا اظہار کرنے کے لیے اس نے کھلی کھڑکی سے ان پر تھوکا تھا یہ ان کی مردانگی پر کاری ضرب ثابت ہوا تھا اور ان کا بس چلتا تو اسے نشان عبرت بناڈالتے لیکن اس کا طریقہ کیا ہوتا یہ ان کے خیال میں خود قدرت نے ان پر واضح کردیا تھا۔ لہٰذا دوبارہ سے والدین کو رشتے کے

لیے بھیجا گیا اور شادی کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔

فرح کو ڈھونڈنے کے لیے انہوں نے شہر کا کونہ کونہ چھان مارا تھا لیکن نہ اس نے ملنا تھا اور نہ ہی ملی۔ وہ اسے زندہ نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ اگر وہ ان کی نہیں ہوئی تھی تو اسے کسی اور کے ساتھ بھی دیکھنا نہیں چاہتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ جب وہ اسے ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئے تو شادی کے لیے ہاں کردی۔ ان کا خیال تھا کہ فرح اب اپنی بہن کی شادی پر تو ضرور آئے گی ہی اور تب وہ اسے واپس جانے کے قابل نہیں چھوڑیں گے خواہ اس کا نتیجہ کچھ بھی ہو۔ لیکن فرح ان کی شادی پر بھی نہیں آئی۔

اس دوران سکندر صاحب نے اپنا اعتماد جمانے کے لیے ماسٹر جی اور ان کی بیگم کے ساتھ محبت اور عزت کی جتنی اداکاری ہوسکتی تھی وہ کی ان کا خیال تھا کہ اس طرح وہ ان کا اعتماد حاصل کرنے میں مکمل کامیاب ہوجائیں گے یہاں تک کہ شادی سے پہلے لبنیٰ سے بھی بہانے بہانے سے گھڑی دو گھڑی مل کر اسے یہ ضرور جتایا کہ فرح کے لیے لکھے گئے رقعوں پر وہ دل سے شرمندہ ہے اور یہ کہ شاید وہ سب ایک جذباتی پن اور وقتی لگاؤ تھا۔ اسی لیے وہ معافی کا طلب گار ہے۔ لیکن یہ سب کچھ تب تک ہی ہوا جب تک کہ فرح کے آنے کی امید تھی۔

لیکن جب شادی کی کسی بھی رسم میں فرح نظر نہ آئی اور لبنیٰ سے یہ بات بھی کنفرم ہوگئی کہ وہ نہ تو آج آئے گی اور نہ ہی آئندہ کبھی آئے گی کیونکہ وہ سکندر سے سخت نفرت کرتی ہے اور اس کے خیال میں ماسٹر جی کی طرف سے سکندر اور لبنیٰ کی شادی ان کی زندگی کا سب سے غلط فیصلہ ہے تب سکندر صاحب کا مزاج اپنے حقیقی رنگ میں آنا شروع ہوا اور اتنے دنوں سے جو انہوں نے خود پر ایک بہت مہذب شخص کا خول چڑھا رکھا تھا وہ اتار دیا۔ بارات کے روز ہی ماسٹر جی سے بدتمیزی کرتے ہوئے انہیں اپنے گھر تک محدود رہنے کو بھی کہہ ڈالا۔ پھر لعنت ملامت کرنے پر معافی تو مانگ لی لیکن کس کام کی سب کے سامنے تو وہ انہیں بے عزت کر ہی چکے تھے۔ اور بس وہیں سے لبنیٰ کی زندگی کا مشکل ترین اور نہ ختم ہونے والا آزمائشی دور شروع ہوا۔ جس میں سکندر صاحب نے ان کی بے عزتی کرنے کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ شادی کے دوسرے روز ہی انہوں نے ماسٹر جی اور ان کی بیگم کے لیے اپنے گھر کے دروازے بند کردیے تھے۔ والدین نے لاکھ سمجھایا لیکن ان کی ایک ضد تھی جو ختم نہ ہوئی اور بالآخر انہوں نے گھر چھوڑنے کا اعلان کیا۔ ماسٹر جی کے سامنے امی نے اول روز سے ہی سکندر صاحب کا دفاع کیا تھا۔

جس وقت وہ گھر پر نہ ہوتے امی کھڑکی سے اپنی ماں سے بات چیت کرلیا کرتی دیکھ لیا کرتیں لیکن اس بات کی بھنک جیسے ہی سکندر صاحب کو ہوئی تو انہیں لیا اور ایک الگ گھر میں جا بسے ان کے والدین ماسٹر جی اور ان کی بیگم کے سامنے روتے معافیاں مانگتے اور ان کی بھی آنکھیں بھیگ جاتیں ماسٹر جی جانتے تھے کہ اس تمام معاملے میں ان کا ہرگز کوئی قصور نہ تھا لہٰذا وہ انہیں کسی بھی طور موردِ الزام نہ ٹھہرا سکتے تھے۔

نئے گھر جا کر سکندر صاحب نے ہر ممکن طریقے سے انہیں تنگ کیا صبح گھر سے نکلتے تو باہر سے تالا لگا جاتے اور آ کر خود کھولتے۔ انہیں ضد تھی کہ جس طرح انہیں فرح سے دور کیا گیا تھا وہ بھی انہیں سب سے دور کردیں گے۔ محلے والوں کو بھی تب معلوم ہوا کہ اس گھر میں کوئی عورت بھی ہے جب وہ اجیہ کی پیدائش کے وقت اکیلے ہونے کی وجہ سے دروازہ پیٹ رہی تھیں۔

پڑوس کی ایک خاتون اگر بروقت نہ پہنچتیں تو ان ماں بیٹی میں سے کسی ایک کی جان کو شدید قسم کے خطرات بھی لاحق ہوسکتے تھے۔ شام کو سکندر صاحب واپس آئے تو گھر میں موجود ننھی پری کو دیکھا اور دیکھتے ہی ٹھٹک گئے۔

وہ اپنے نین نقش میں فرح کی گہری مشابہت لیے ہوئے تھی۔ انہیں لگا کہ یہ ان کے سامنے خود ان کی بیٹی نہیں بلکہ فرح ہے جو ان پر ہنس رہی ہے اور تب بجائے اس کے کہ وہ آگے بڑھ کر اسے اٹھاتے پیار کرتے انتہائی نفرت سے منہ پھیر کر دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ اور پھر انہیں اجیہ سے چڑ ہونے لگی اسے دیکھتے ہی ان کے سامنے فرح آ کھڑی ہوتی وہی بڑی بڑی آنکھیں گوری رنگت اور ستواں ناک جیسے جیسے وہ بڑی ہورہی تھی اجیہ کے لیے ان کے دل میں نفرت بڑھ رہی

تھی انہیں اجیہ میں فرح نظر آتی تھی۔ وہ اسے تکلیف دے کر خوش ہوتے تھے بات بات پر اسے جھڑکتے اور اس کی آنکھوں میں آئے آنسو دیکھ کر ایسا لگتا جیسے انہوں نے فرح کو رلا دیا ہے۔ ماسٹر جی سے اجیہ کی پہلی ملاقات کا اس دن میں اس کے داخلے کے موقع پر ہوئی تھی اور وہیں امی کو پتہ چلا کہ ان کی ماں اب اس دنیا میں نہیں رہی تھیں۔

❁ ...... ❀ ...... ❁

''بھائی صاحب اور بھابی صاحبہ بس خود ہی ہوں گے اور دوسرے کسی بھی فرد کو وہ ساتھ نہیں لا رہے اور ہاں تو سمجھو میں انہیں کہہ ہی چکا ہوں یہ تو بس وہ لوگ شام کو انگوٹھی پہنانے آرہے ہیں بہترین طریقے سے کھانا وغیرہ تیار کرنا اور اگر مزید بھی کسی چیز کی ضرورت ہو تو یہ لو پیسے اور پڑوس کے بچے کو بھیج کر منگوا لینا۔'' سکندر صاحب نے پانچ سو روپے جیب سے نکال کر انہیں دیے تو امی جیسے ماضی سے حال میں لوٹ آئیں۔

''لوگ صرف اپنی ہی بیٹی کو بیٹی کا مقام اور رتبہ کیوں دیتے ہیں؟ دوسروں کی بیٹیاں جو اُن کے گھر ان کی بیویاں بن کر آئی ہوں ان کے لیے عزت احترام یا محبت کا پیمانہ الگ کیوں رکھا جاتا ہے؟ ان پر کسی بھی قسم کی ظلم وزیادتی کرتے ہوئے یہ کیوں نہیں سوچا جاتا کہ یہ بھی کسی کے دل کا چین کسی کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور کسی کی بیٹیاں ہیں یا پھر یہ سوچ ذہن میں کیوں نہیں لائی جاتی کہ آج جو کچھ ہم کسی کی بیٹی کے ساتھ کر رہے ہیں وہی اگر کل ہماری بیٹی کے ساتھ کوئی اور کرے تو ہمارے دل پر بھلا کیا بیتے گی؟ اور پھر بیویوں پر ظلم وزیادتی کی جائے وہ تو یہ بھی نہیں کہہ سکتیں کہ آج جو سلوک تم میرے ساتھ کر رہے ہو کل کو تمہاری اپنی بیٹیوں کے ساتھ ہو تو تمہیں اس کرب کا احساس ہو۔

''تم سن رہی ہو نہ جو میں کہہ رہا ہوں کسی قسم کی کمی نہ رہے۔''

''جی...... جی میں سن رہی ہوں آپ فکر نہ کریں حنین میری بھی بیٹی ہے اور میں کوشش کروں گی کہ تمام انتظام بہترین ہو اور سب ہنسی خوشی محفل برخاست کریں۔'' ان کی آواز پر امی چونکیں تھیں۔ وہ اٹھ کر چلے گئے جبکہ وہ کچن میں داخل ہوئیں اور حنین کو غزنی کے والدین کے آنے کے بارے میں بتایا تو وہ مسکراتے ہوئے ان کے گلے لگ گئی۔

اس کے چہرے پر بکھرتے جگنو ان کے لیے بھی خوشی کا باعث تھے سو دل ہی دل میں اسے بے شمار دعائیں دے ڈالیں۔

وہ کہتی ہے سنو جاناں! بہت خاموش رہتے ہو
نہ کچھ دل کی سناتے ہو نہ کچھ آنکھوں سے کہتے ہو
جو تم ہر پل میری جاں یوں اداسی اوڑھے رکھتے ہو
بتاؤ کون سا غم ہے جسے دن رات سہتے ہو
میں کہتا ہوں مجھے کچھ دن سے یہ احساس ہوتا ہے
کہ میری زندگی میں تو ابھی کچھ ہی ادھورا ہے
محبت مل نہیں سکتی جدائی ہو نہیں سکتی
بتاؤ کیا کبھی تم پر بھی یہ طوفان گزرا ہے؟

❁ ...... ❀ ...... ❁

ایک بہترین اور مطمئن دن اسکول میں گزارنے کے بعد وہ اسکول کی بس میں گھر جانے کے لیے بیٹھی تھی لیکن آج اس کا ارادہ تھا کہ گھر جانے سے پہلے اس جگہ اترے جو لیبارٹری سے نزدیک ہوتا تاکہ وہاں سے امی کی رپورٹس لے کر گھر جائے، پچھلے چند دنوں میں کچھ ایسے حالات بنے تھے کہ وہ چاہنے کے باوجود رپورٹس لینے نہیں آپائی تھی اسی لیے آج کلینک میں موجود اس لیبارٹری میں ان کی رپورٹ لینے پہنچی تو معلوم ہوا کہ اربش ان کی رپورٹس لے کر جاچکا تھا۔ یہ بات اسے وصول کنندہ کی جگہ پر اربش کا نام دیکھنے سے پتہ چلی۔ اسے حیرت تھی کہ اگر وہ رپورٹس لے کر جاچکا ہے تو اسے اب تک دی کیوں نہیں تھیں۔

''ہیلو اربش......'' اس نے وہیں کھڑے کھڑے اربش کو فون ملایا۔

''واہ بھئی! آج تو میرے نصیب بلند ہوئے کہ تم نے مجھے خود کال کی۔'' اس کی آواز سن کر وہ انتہائی ہشاش بشاش ہوگیا تھا اور اس کی آواز سے جھلکتی یہ خوشی اجیہ نے بھی محسوس کی اور مسکرانے لگی۔

''اب کال کرنے کا مقصد بھی پوچھو گے یا نہیں؟''

''میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ غیر متوقع طور پر

اس وقت تمہاری آواز سننے کو ملی بس مجھے اور کیا چاہیے۔''

''اچھا تم باتیں چھوڑو میں اس وقت لیبارٹری میں کھڑی ہوں لیکن یہاں امی کی رپورٹس نہیں ہیں؟ کب لے گئے تھے رپورٹس......؟ اور مجھے اب تک دیں بھی نہیں۔''

''اوہ ہاں سوری اجیہ...... رپورٹس لانے کا تو میں نے اس دن تمہیں بتایا تھا ناں لیکن بس تمہیں دینا یاد نہیں رہا اس کے لیے میں معذرت چاہتا ہوں۔''

''تمہیں پتہ بھی ہے کتنی اہم رپورٹس ہیں اور کتنی ارجنٹ چاہیے تھیں یہ مجھے۔''

''جانتا ہوں لیکن میں معذرت چاہتا ہوں آئندہ کسی کام میں تاخیر نہیں ہوگی بلکہ جو بھی تاخیر ہوئی وہ تمہاری طرف سے ہی ہوگی۔'' وہ اسے بتانا نہیں چاہتا تھا کہ اس نے جب رپورٹس دیکھیں تو اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ اسے کیسے بتائے کہ امی کس بیماری سے چپ چاپ لڑے جارہی ہیں اور اس لیے اس نے فیصلہ کیا تھا خود ان رپورٹس کے ساتھ اجیہ اور امی کو لے کر شہر کے قابل ترین ڈاکٹرز سے رجوع کرے لیکن اس کے لیے اسے اجیہ کے گھر تک جانا تھا جس کے لیے تاخیر خود اجیہ کی طرف سے بھی ہی لیکن اب اس نے سوچا تھا کہ اس معاملے میں اجیہ کی کوئی بات نہیں سنے گا۔

''میری طرف سے تاخیر......؟''

''تو اور کیا' اب یہی دیکھ لو میں اس وقت عین لیبارٹری کے سامنے گاڑی لے کر پہنچ چکا ہوں تم ہی باہر نکلنے میں دیر کررہی ہو۔''

''کیا مطلب تم یہاں ہو؟'' وہ حیران ہوئی اور فوراً قدم باہر کی طرف بڑھادیے۔

''بالکل جناب' جب تمہارا فون آیا تو ساتھ والی سڑک پر تھا تم نے بتایا کہ یہاں ہو تو گاڑی موڑ کر یہاں آگیا۔'' وہ باہر نکلی تو واقعی وہ عین سامنے گاڑی میں بیٹھا فون کان سے لگائے ہوئے تھا اسے باہر آتا دیکھا تو خود بھی گاڑی سے نکل کر اس کے قریب چلا آیا۔

''سرپرائز ناں......'' اس اچانک ملاقات پر وہ بہت خوش لگ رہا تھا۔

''جی بالکل...... سرپرائز بلکہ خوشگوار سرپرائز۔'' اس نے مسکراتے ہوئے اعتراف کیا۔

''آؤ تمہیں' تمہارے گھر چھوڑ دوں...... باقی باتیں گاڑی میں کریں گے۔''

''نہیں ارتش آئی ایم سوری...... میں خود چلی جاؤں گی۔'' اس نے معذرت کی تو ارتش اس کی گاڑی کی تلاش میں یہاں وہاں نظریں دوڑانے لگا۔

''گاڑی لائی ہو؟''

''نن...... نہیں نہیں...... ٹیکسی کرلوں گی' تم مجھے امی کی رپورٹس دو میں جلد از جلد انہیں ڈاکٹر کے پاس لے جانا چاہتی ہوں۔'' وہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی بھی اسے ارتش کے ساتھ گاڑی میں بیٹھا دیکھے اس لیے سہولت سے معذرت کرلی۔

''رپورٹس تو گھر پر ہیں' گاڑی واش کروائی تھی تو نکال لیں تھیں پھر یاد ہی نہیں رہا۔''

''تم اتنے لاپروا ہو ارتش؟ پتہ بھی ہے پہلے ہی خود میری وجہ سے امی کا چیک اپ کتنا لیٹ ہوگیا ہے۔''

''میں مانتا ہوں میری غلطی ہے' لیکن تم مجھے اپنے گھر کا ایڈریس بتاؤ میں ابھی دو گھنٹے میں رپورٹس تمہیں گھر دے آتا ہوں۔'' آسان حل تھا لیکن پتہ نہیں اجیہ کو اسے اپنے گھر کا پتہ بتانا کیوں گوارا نہ ہوا۔

''یا تم شام کو یونیورسٹی آؤ گی تو وہاں تمہیں دے دوں؟'' اس کی جھجک محسوس کرتے ہوئے فوری طور پر اس نے دوسرا حل پیش کیا۔

''لیکن آج گھر پر کچھ مہمان آرہے ہیں' اس لیے شاید میں یونیورسٹی نہ آؤں...... تم کل ہر صورت میں رپورٹس لے آنا میں تم سے یونیورسٹی میں لے لوں گی۔''

''اچھا وہ تو ٹھیک ہے لیکن ایک بات پوچھوں......؟'' اردگرد گزرتے لوگوں پر ایک اچٹتی نظر ڈال کر اس نے اجیہ کو دیکھا...... دھوپ کی تمازت سے اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔

''شام کو مہمان کس سلسلے میں آرہے ہیں؟ آئی مین...... میں بھی ممی کو تمہارے گھر لانا چاہ رہا تھا لیکن تم ہو کہ ابھی تک کوئی بھی جواب نہیں دے رہی ہو۔'' وہ چلتے ہوئے اب چھاؤں میں کھڑے ہوچکے تھے۔ اجیہ نے اسے دیکھا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں تھا کہ اجیہ

کو یقین تھا کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے اور وہی وہ شخص ہے جس کا ساتھ اسے زندگی کے تمام خواب پورے کرنے میں مدد دے گا۔ لہٰذا اسی لمحے کو فیصلے کا لمحہ جانا اور اپنے متعلق اس کی تمام تر غلط فہمیوں کو دور کرتے ہوئے سب کچھ صاف صاف بتادیا۔ اپنی جاب‘ اپنے بابا کی دکان کے ساتھ ساتھ اس نے واضح طور پر یہ بتادیا تھا کہ وہ کسی کھاتے پیتے گھرانے کی فرد نہیں ہے اور شہر کے ایک متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والی عام سی لڑکی ہے جو اپنی گاڑی یا ڈرائیورز کے ساتھ نہیں بلکہ بسوں میں دھکے کھا کر یونیورسٹی بھی جاتی ہے اور جاب بھی کرتی ہے نہ صرف یہ بلکہ اب وہ اسے اپنے متعلق سب کچھ تو بتا ہی چکی تھی اور اسے اس بات کا ہرگز بھی یقین نہیں تھا کہ وہ اتنا امیر کبیر ہو کر بھی اس جیسی متوسط طبقے کی اور عام سی لڑکی سے شادی کرنے کی خواہش کرے گا اسے اپنے گھر کا پتہ بھی بتادیا۔

یہ سب ایک دم یوں اچانک اس کے منہ سے نکلتا گیا تھا جیسے اچانک ان دونوں کی دوستی اور جان پہچان ہوئی تھی۔ وہ دراصل نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس کے پیچھے خوامخواہ خوار ہوتا پھرے اور گو کہ وہ اس کے ساتھ کی خواہاں تھی لیکن غیر یقینی کی اس صورت حال سے بچنے کے لیے اس نے اس تعلق کو آر یا پار کرنے کا فیصلہ بھی بالکل اچانک ہی کیا تھا۔ یہ سب جان کر بھی وہ اس سے شادی کرنا چاہے گا اور اس کے گھر والے مان جائیں گے؟ اس کے چانسز بھی اسے ففٹی ففٹی معلوم ہوتے تو بھی یہ نسبت اس کی حمایت میں کم ہو جاتی۔ اسی دوران سامنے سے اسے اپنے گھر کی طرف جاتی بس آتی نظر آئی تو اجازت چاہی۔

’’میرے اور تمہارے اسٹیٹس میں زمین آسمان کا فرق ہے اور مجھے نہیں لگتا کہ یہ سب جان کر بھی تم یا تمہارے گھر والے یہ رشتہ کرنا چاہیں گے‘ اس لیے دوستوں کی طرح ملتے رہیں تو یہی بہت ہے۔‘‘ وہ تو اسے اللہ حافظ کہہ کر بس میں بیٹھ گئی تھی لیکن نہیں جانتی تھی کہ اربش نے محبت اس سے کی تھی اس کے معیار زندگی یا اسٹیٹس سے نہیں اور یہی وجہ تھی کہ وہ آج ہی ممی کو ان کے گھر رشتے کے لیے لے کر آنے والا ہے۔ گاڑی

اسٹارٹ کرنے کے ساتھ ہی اس نے ممی کو فون ملایا‘ وہ ابھی اسکول میں ہی تھیں۔

’’ممی‘ آپ اپنی بہو لانے کے لیے بہت بے تاب ہیں ناں؟‘‘ بغیر تمہید کے اس نے بات کی۔

’’ہاں وہ تو میں ہوں لیکن یہ اس وقت اچانک کہاں سے یاد آ گیا تمہیں؟‘‘ وہ واقعی حیران ہوئیں۔

’’ممی اگر میں آپ سے کہوں کہ میں ایک ایسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں جو مالی طور پر ہمارے جیسے خاندان سے تعلق نہیں رکھتی لیکن میرے لیے وہ ان سب چیزوں سے بڑھ کر ہے تو آپ کا جواب کیا ہوگا؟‘‘ ان کی باتوں کا جواب دیئے بغیر وہ اپنی بات کا جواب چاہتا تھا اور ممی کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اس وقت نہایت سیریس ہے۔

’’اربش...... میری جان میرے لیے صرف اور صرف تمہاری خوشی اہم ہے‘ تم اگر مجھے میرے ملازم کے گھر جا کر بھی رشتہ مانگنے کو کہو گے ناں تو میں اس کے لیے بھی ایک منٹ کے لیے نہیں سوچوں گی۔ یہ بات تم جانتے ہو ناں۔‘‘ انہوں نے اربش کی توقع کے عین مطابق جواب دے کر اسے انتہائی مطمئن اور خوش کر دیا تھا۔

’’بس تو پھر...... میرے یونیورسٹی سے آنے تک آپ اور بوا تیار رہیے گا‘ آج میں آپ کو آپ کی ہونے والی بہو کے گھر لے کر جاؤں گا...... ڈن؟‘‘

’’بالکل ڈن...... اور مجھے کیا چاہیے اس سے بڑھ کر۔‘‘ ممی نے خوشی سے مسکراتے ہوئے جواب دیا تو تصور میں اربش نے اجیہ کو حیرت سے اسے اپنے گھر میں موجود پا کر مسکراتے دیکھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

رنگ رنگیلے

چندا چوہدری

جی اٹھے حشر میں پھر جی سے گزرنے والے
یاں بھی پیدا ہوئے پھر آپ پہ مرنے والے
ہے اداسی شب ماتم کی سہانی کیسی
چھاؤں میں تاروں کی نکلے ہیں سنورنے والے

بہت دنوں سے دل میں شدید خواہش انگڑائیاں لے رہی تھی کہ تم سے ملاقات کروں۔ شادی کے بعد تم تو اس قدر مصروف ہوگئی ہو کہ تمہیں اب کچھ ہماری خبر نہیں جاتی اور ہمیں کچھ تمہاری خبر نہیں آتی۔ کبھی جو بھولے سے کال کرلوں تو تمہاری حلق میں پھنسی ہوئی آواز سنائی دیتی ہے کہ سسرال میں ہوں، سسرال بلکہ سس رال پر اس قدر زور دیتی ہو کہ تمہارے گھر میں جہنم کی آگ دہکنے کا گمان ہونے لگتا ہے۔ میں تو تمہیں صبر کرنے کا مشورہ بھی نہیں دے سکتی۔ ہاں البتہ اس کا پھل بہت ہی میٹھا ہوتا ہے۔ کھانے کا اتفاق تو آج تک نہیں ہوا لیکن جب بھی کھایا تمہیں اس کے ذائقے سے ضرور آگاہ کروں گی۔ سنا ہے ساس اور قبر اپنا حساب لے کر چھوڑتی ہیں۔ قبر کا حساب تو واللہ عالم ساس کا حساب کتاب ذرا تفصیل سے لکھ کر بھیجنا۔

ویسے یہ بات تو میں بھی یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ دو سال تین ماہ بارہ دن آٹھ گھنٹے اور سترہ سیکنڈ سسرال میں رہنے کے بعد تمہاری طبیعت ناساز میں ساز ضرور آ گیا ہوگا۔ جو برتنوں کی تڑاخ پٹاخ کی صورت میں تمہارے سسرالی بھی خوب مزے لے لے کر سنتے ہوں گے۔ اب تو میرا بھی جی چاہتا ہے کہ ایک عدد سر سنگیت والی بھابی ہم بھی لے ہی آئیں۔ ذرا ہم بھی تو سنیں کہ وہ کون سے رنگیلے گیت ہیں جو سسرالیوں کے لیے چڑ کا باعث بنتے ہیں۔

ویسے دل میں پھدک پھدک کرتی تم سے ملنے کی خواہش کو میں نے آدھی ملاقات میں بدل دیا ہے کیونکہ

'تمنا تم سے ملنے کی تو پوری ہو نہیں سکتی'

یہ آدھی ملاقات میں آج ہی اپنے گنہگار ہاتھوں سے پوسٹ کروں گی۔ بشرطیکہ میرے پوسٹ کرنے سے پہلے اس کا پوسٹ مارٹم نہ ہوجائے۔ ویسے محترمہ یہ نمبر کس خوشی میں بند کر رکھا ہے؟ تمہارا نمبر ملا ملا کر تو میری انگلیاں بھی جواب دینے لگی ہیں اب ذرا شرافت سے خط ملتے ہی نمبر آن کرو اور مجھے اپنے خرچے پر کال کرنے کی زحمت بھی گوارا کرلو۔

اچھا چھوڑ ان باتوں کو یہ بتاؤ کہ تمہاری چنی منی سی گڑیا فاطمہ کی کیا مصروفیات ہیں آج کل؟ سنا ہے کافی شرارتی

ہوگئی ہے۔ تمہاری بیٹی کی شرارتیں تو تم ہی جانو مگر ہمارے ہاں کے ننھے منھے فرشتوں سے تو جنت سے نکالے جانے والا فرشتہ بھی پناہ مانگتا ہے۔ اتنی شرارتیں تو یونس بٹ نے اپنی کتاب میں رقم طراز نہ کی ہوں گی۔ جتنی یہ ہمارے گھر کے در و دیوار پر بیل بوٹوں کی صورت میں رقم طراز کردیتے ہیں۔ چیختے چلاتے رہو مگر مجال ہے جو کسی کے کانوں پر جوں تک رینگے‘ بھولے سے جو کبھی ڈانٹ دو تو امی سیسہ پلائی دیوار بن جاتی ہیں بالکل جنرل راحیل شریف کی طرح۔ وہ تو شکر ہے کہ ابھی تک بھائی کی شادی نہیں ہوئی۔ ویسے بھائی کی شادی کے ارمانوں کا سمندر تو دل میں ٹھاٹھیں مار رہا ہے مگر ’یہ نہ تھی ہماری قسمت‘

خیر چھوڑو...... اگر امی حضور کے پوتے پوتیاں بھی آجائیں نا تو یقیناً یہ گھر جنجال سے دھمال پورہ بن جائے گا۔ اب تمہیں کیا بتاؤں؟ کس حال میں ہوں؟ کس خیال میں ہوں؟ میرے متعلق کچھ نہ پوچھنا ہی زیادہ بہتر ہوگا۔ اردو میں ماسٹرز کرنے کے بعد سوچا تھا کہ پی ایچ ڈی کروں گی۔ اس خیال سے چند روپے بلکہ چند سکے جمع کرنے شروع کیے مگر منہ کی کھائی‘ دس سے پندرہ سکے جمع نہیں ہوتے کہ بھانجے بھانجیاں آدھمکتے ہیں۔ پیسے دینے سے انکار کرو تو سر پھاڑنے لگتے ہیں۔ مجبوراً پھر مجھے ہی بھیگی بلی بننا پڑتا ہے۔ ایسے میں تم ہی بتاؤ کہ پی ایچ ڈی کے لیے پونجی کہاں سے لاؤں؟ اور اسے جمع کیسے کروں؟ کبھی کبھی تو جی چاہتا ہے کہ چوراہے میں بیٹھ جاؤں۔

حسن نثار نے ملاقات کا شرف نہ بھی بخشا تو کم از کم دو چار روپے ہاتھ لگ ہی جائیں گے۔ مگر کیا کروں؟ چوراہے میں بیٹھنے سے بھی خوف آتا ہے۔ کہ کہیں دس عدد بھانجے بھانجیوں کا جنجال پورہ وہاں بھی مجھے کنگال کرنے نہ پہنچ جائے۔ اب ایسے میں تم ہی بتاؤ کدھر جاؤں؟ کس سے بات کروں؟ چوراہے کا نام سنتے ہی چھوٹے بھائی کی غیرت بھی طیش کھانے لگتی ہے اسے تو بلاوجہ کے ہول اٹھنے لگتے ہیں۔ موصوف فرماتے ہیں کہ چوراہے کی کمائی کا ففتی ففتی ہونا چاہیے۔ لو بھلا کوئی طریقہ ہے یہ اس طرح سے کرتے ہیں؟

پی ایچ ڈی تو دور کی بات انہوں نے میری موجودہ اردو کی حالت بھی اس قدر ابتر کردی ہے کہ اردو بھی مسکین سی شکل بنا کے کونے میں کھڑی مجھے تاڑتی رہتی ہے۔ آدھا تیتر آدھا بٹیر بنا دیا ہے انہوں نے مجھے۔ سچ پوچھو تو گھر کی رہی نہ گھاٹ کی۔ اردو اور ہندکو دونوں ہی مجھ سے روٹھی ہوئی ہیں۔ یہ منچلے مونث مذکر کی دھجیاں تو اس قدر سفاک طریقے سے اڑاتے ہیں کہ اردو کے ساتھ ساتھ میری بھی روح کانپنے لگتی ہے۔

اگر ایک ہاتھ میں چار انگلیاں ہیں تو پانچواں ان کے نزدیک انگلا ہے انگوٹھا نہیں۔ پورے گھر میں عجیب ہی دھما چوکڑی جمائے رکھتے ہیں۔ پلک جھپکتے میں پورا محلہ چھان لیں گے۔ محلے والوں کے گھر کی دیواروں کو چاک لے کر اس قدر رنگین کردیتے ہیں کہ اچھے اچھے مصور ان سے آنکھ بچانا چاہیں گے۔ اسکول میں خود تو پڑھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے مگر گھر میں رکھی کرسیوں اور میزوں کو ایک ایک حرف رٹانے کی تگ و دو کرتے رہتے ہیں۔ آسمان سر پر اٹھانا وہ بھی مغرب کے وقت ان کا محبوب ترین مشغلہ ہے۔ ڈر نام کی چیز تو انہیں چھو کر نہیں گزری۔ پرسوں کی بات ہے میں ماسک لگائے بیٹھی تھی تین سالہ عبداللہ نے جب مجھے اس حال میں دیکھا تو کہنے لگا کہ ’مجھے کچا چبا کھا جاؤ‘ مجھے ڈراؤ‘۔ اب ایسے بچوں کو تم ہی بتاؤ کہ کس سے ڈر آئے گا۔ ہے تو تین سال کا مگر اپنا حق جتلانا نہیں بھولتا۔ کھانے کی چیز دیکھ کر جھٹ سے کہہ دے گا کہ بھانجا ہوں میں آپ کا مجھے بھی دو‘ اٹکتا تو کسی بات میں نہیں ہے مجھے تو اس شاعر سے بھی سخت اختلاف ہے جو کہتا ہے کہ

جگمگ کرتی آنکھیں مجھ کو اچھی لگتی ہیں
قصہ لمبا کردیتا ہوں بچوں کی حیرانی پر

ان عمر کے کچے اور سوچ کے پکے بچوں کو جن بھوتوں والی کوئی کہانی سنانا شروع ہی کرو تو جھٹ سے ٹوک دیں گے کہ بچوں والی باتیں نہ کریں۔ ہمیں کوئی اچھی سی کہانی

سنائیں۔ اب اچھی کہانیاں کون سی ہوتی ہیں؟ اس بات سے میں قطعی لاعلم ہوں۔

موسم کا حال کیا لکھوں؟ چھتیں برسنے کا موسم ابھی نہیں آیا البتہ سوکھے پتوں کی بوچھاڑ سارا دن رہتی ہے۔

میں نے اپنی ڈائریاں جو زمانہ طالب علمی میں بڑے سلیقے اور قرینے سے سجا کر شیلف میں رکھی تھیں آج کل ان کے قیمتی صفحات کشتیاں اور جہاز بنانے کے کام آ رہے ہیں۔ اتنے تو صحن میں درختوں کے پتے نہیں گرے ہوتے جتنے یہ قیمتی صفحات پرچیاں بن کر ہوا میں اڑ رہے ہوتے ہیں اور بعد ازاں صحن کی زینت بن جاتے ہیں۔ میں نے بڑی محبت اور چاہ سے ایک چھوٹی سی ٹوکری بنا کر اس میں ربڑ کے بنے پھل سجا دیے۔ مگر دو سالہ میرب نور نے ایک ایک کو چبا کر خوب ذائقے چکھے ہیں۔ اگر کہو تو صبر کے پھل کا ذائقہ بھی اسی سے پوچھ لیتی ہوں۔ ویسے مجھے یقین واثق ہے کہ اس نے آج تک صرف میری ہی ٹوکریوں کے پھل کھائے ہیں صبر کے نہیں۔

دس رنگی زبان بولنے والے یہ بچے تو سچ مچ دماغ چاٹنے والے ہیں۔ باقی سب تو ماشاء اللہ سے بھانت بھانت کی بولیاں بول ہی لیتے ہیں مگر دو سالہ صفی اللہ صرف تین تین کرتا رہتا ہے۔ کبھی کبھی تو اس کی ماں بھی غصے سے پھنکارنے لگتی ہے کہ اس گلے 'توتلے' کی زبان میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ اب بھلا توتلے کی زبان اس کی ماں نہ سمجھے گی تو کون سمجھے گا؟

چھ ماہ کا محمد عیسیٰ اور پانچ ماہ کی نور عدن بھلے بولنے سے قاصر ہیں مگر غوں غاں اس قدر بہترین کرتے ہیں کہ پرندے بھی چپ سادھ لیتے ہیں۔ گلے کا ریاض بھی خوب کرتے ہیں۔ ایسے ایسے راگ الاپتے ہیں کہ پاپ سنگر بھی ان کی سامنے ہار ماننے پر مجبور ہو جائیں۔ نہ بولنے والوں کی بولیاں تو چھوڑو ذرا بولنے والوں کا حال سنو...... سات سالہ احمد اور دس سالہ حیدر نے پہلے ہی سے اپنا اپنا کمرہ الگ کر لیا ہے۔ ایک دن ان کی ماں نے شکوہ کیا کہ تم دونوں نے ہی ایک ایک کمرہ لے لیا ہے تو ہم والدین

کہاں جائیں گے؟ تو سات سالہ احمد نے جھٹ سے جواب دیا کہ کیوں کیا آپ نے مرنا نہیں ہے؟ گویا ہمارے عہد کے بچے کافی دوراندیش واقع ہورہے ہیں۔

تیرہ سالہ خولہ رحمان کوتو میں اپنے سائے کے قریب بھی پھٹکنے نہیں دیتی۔ میری ایک ایک چیز پر اس کی نظر ہوتی ہے۔ اس کا بس نہیں چلتا کہ میرا پورے کا پورا کباڑ خانہ جس میں، میں نے ہر قیمتی شے چھپا رکھی ہے اٹھا کے لے جائے۔ نقالی تو اس قدر بہترین کرتی ہے کہ بندروں کو بھی مات دے دے۔ پڑھائی سے تو اسے اللہ واسطے کا بیر ہے مگر فیشن کرنے میں اس کا کوئی ثانی نہیں۔ رہی کنزالایمان عرف مانو اسے پوری دنیا میں صرف اپنی ماں سے محبت ہے۔ کھاتی باپ کا ہے مگر نعرہ اکیلی ماں کا لگاتی ہے۔ اپنے گھر کے دروازے پر صبح سے شام تک دربان بنی بیٹھی رہتی ہے۔ چڑیا تک کو پر نہیں مارنے دیتی۔ دروازے کے اندر سے ہی آواز لگائے گی کہ ”میں کیا ہوتا ہے؟ اپنا نام بتاؤ“ اپنی چیز کسی کو بھی نہیں دیتی بھلے سرزمین پر دے مارو اور دوسروں کی چیز پلک جھپکتے میں ہڑپ کر جائے گی۔ چار سالہ کنزالایمان عرف مانو سے تو پچاس سالہ بوڑھے بھی پناہ مانگتے ہیں۔ بیچاری کشف الحورین، نہ ہم کسی کے نہ ہمارا کوئی۔ چلتا پھرتا موہنجوداڑو کا نادر نمونہ ہے۔ ایسے ایسے نوادرات ڈھونڈ کے لاتی ہے کہ ناقابل بیان۔ نو سال کی ہوگئی ہے جن دانتوں نے آئندہ کئی ماہ تک ہلنا بھی نہیں انہیں بھی پتھر مار مار کر توڑتی رہتی ہے۔

میری چار بہنوں کا یہ جنجال پورہ یقیناً مجھے ایک دن پاگل کردے گا۔ میری دادی ہمیشہ ابو کو دعا دیتی تھیں کہ خدا بچوں سے شہر کرے، مجھے آج اس دعا کی سمجھ آئی ہے۔ چلتا پھرتا یہ شہر مجھے اچھا تو بہت لگتا ہے مگر ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ کیونکہ اس شہر میں سب سے زیادہ میرا دماغ ہی کھپتا ہے۔ گھر کی کوئی ایسی چیز نہیں جو ان کے ہاتھوں سلامت رہی ہو مانا کہ ان بچوں کی وجہ سے گھر میں چوبیس گھنٹے گندگی کا ڈھیر ہوتا ہے۔ خزاں کو چار چاند لگانے میں بھی انہی کا ہاتھ ہوتا ہے۔ محلے بھر میں ان کی نعرہ بازی صف اول میں ہوتی ہے۔ مگر دعا کرو کہ ہمارے گھر کے آنگن میں کھلنے والی یہ کلیاں ہمیشہ یونہی ہنستی مسکراتی رہیں۔ ان رنگ برنگی تتلیوں کے رنگ بھی پھیکے نہ ہوں ان رنگ رنگیلوں کی شوخیاں بھی ختم نہ ہوں۔ جب تک یہ ہمارے گھر میں ہوتے ہیں ہمیں بھی زندگی کا احساس دلاتے رہتے ہیں ہمارے گھر میں آنے والی سب بہاریں انہی کی وجہ سے ہیں مگر جب یہ ننھے جنجالی اپنے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں تو ہمارے گھر کے کونے کھدروں میں اداسی کا چھلاوا چھوڑ جاتے ہیں جو انہی کی شرارتوں کی صورت میں پھدک پھدک کرتا رہتا ہے۔

اس آدھی ملاقات میں، میں نے خوب دل کی بھڑاس نکالی ہے کیونکہ آج کل مجھے انہی ننھے جنجالیوں سے شکوے ہیں۔ جو میں تمہارے گوش گزار کررہی ہوں اب سسرال میں تم نے کیا کیا صدمات اٹھائے ہیں؟ کتنے برتن توڑے ہیں؟ کون کون سے سر پھوڑے ہیں۔ ذرا تفصیل سے لکھ کر بھیجنا اور ہاں میرے خط کو اگر مضمون کا نام دے کر پھاڑا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا اور یہ بات تم اچھی طرح جانتی ہو کہ مجھ سے برا کوئی ہے بھی نہیں۔ اس سے پہلے کہ یہ ننھے جنجالی اس خط کا پوسٹ مارٹم کریں میں آج ہی اسے پوسٹ کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ دعاؤں میں یاد نہ بھی رکھو تو بھی میں نے تمہارا پیچھا نہیں چھوڑنا۔ چلو اب اجازت دے ہی دو...... اگر تم اجازت نہ بھی دو تو بھی میں تمہیں اب یہی کہوں گی کہ رب راکھا اللہ نگہبان۔

فقط تمہاری مخلص

ام ہانی

میں نے اس طرح چاہا تجھے

نوشین اقبال نوشی

کیسے ممکن تھا کسی شخص کو اپنا کرتے
آئینہ لوگ تھے کیا لوگوں سے دھوکہ کرتے
ہنستے پھرتے تھے سرِ بزم انا کی خاطر
ورنہ حالات تو ایسے تھے کہ رویا کرتے

وہ بہت مطمئن انداز میں آنکھیں بند کیے اس کے ہمراہ خوابوں کے سفر پر گامزن چلی جارہی تھی کہیں کچھ غلط نہ تھا' زندگی خوب صورت تھی' ہر لمحہ حسین یادیں رقم کرتا تھا' وقت اور زندگی دونوں مہربان تھے اس پر محبت اور یقین کے ساتھ وہ زندگی کے ایک ایک پل سے خوشیاں کشید کرتی جارہی تھی اپنے ہمسفر کے سنگ بہت خوش تھی کہ اچانک زندگی کا یہ تسلسل ٹوٹا تھا۔ نجانے اس کی خوشیوں کو کس کی نظر لگی تھی کہ وقت کی مہربان ہوائیں ناموافق سمت میں چلنے لگیں تھیں۔

وہ گھبرا گئی اچانک زندگی کا یہ روپ دیکھ کر آنکھیں جیسے یک دم خواب سے بیدار ہوئی تھیں۔

''تو کیا زندگی کا وہ خوشنما روپ خواب تھا؟'' اس نے خود سے سوال کیا۔

اور جواب جو ملا تھا وہ بہت تلخ حقیقت کی صورت سامنے تھا اور اس تلخی نے آنکھوں میں مرچیں سی بھر دی تھیں اسے پتہ بھی نہ چلا کہ کب ڈھیر سارے آنسو اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ بہنے لگے وہ رونا نہیں چاہتی تھی مگر کرنے لگی تھی اتنی شدت سے کہ وہ آنکھیں بند کر کے اس خود پر سے ہر اختیار ختم ہو کر رہ گیا تھا اس وقت' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ یاد ماضی کا دریچہ وا ہوا تھا۔

یہ ان دنوں کی بات تھی جب اس نے زندگی کی اٹھارہویں بہار میں قدم رکھا تھا' تب وہ اپنے آپ میں مگن زندگی گزار رہی تھی کہ اس کی زندگی میں آ گیا۔

''اویس چوہدری۔'' جو ہر طرح سے مکمل شاندار پرسنالٹی کا مالک تھا۔ وہ آیا تھا اور پارسا سلیمان کی پوری زندگی پر چھا گیا تھا۔

پارسا سلیمان شروع سے ہی بہت حساس اور خالص لڑکی تھی اس کی زندگی میں آنے والا وہ پہلا مرد تھا اور شاید آخری بھی' کیونکہ اس کے تمام جملہ حقوق اویس چوہدری کے نام محفوظ ہو چکے تھے' وہ دونوں عمر بھر کے لیے ایک دوسرے کے لیے شریک حیات بن گئے۔ وہ اب تک محبت کے جذبے سے ناآشنا تھی' مگر اب اویس چوہدری اسے اپنی محبت کے رنگ میں رنگ چکا تھا۔

پارسا روح کی گہرائیوں سے اویس چوہدری سے محبت

کی ہر بات پر یقین کرتی‘ وہ دن کو رات اگر کہتا تو اس کے لیے وہ رات ہی تھی‘ وہ پوری طرح سے پور پور اس کی محبت میں ڈوبی ہوئی تھی۔

اپنے محبوب شوہر کی محبت کے سنگ چلتے چلتے اسے لگا جیسے اب وہ تنہا ہوگئی ہو جیسے گھنی چھاؤں سے اچانک تیز دھوپ میں آگئی ہو وہ خود جیسی خالص تھی محبت میں اس نے اویس سے بھی یہی چاہا تھا کہ وہ بھی محبت میں کبھی ملاوٹ نہ کرے۔ پارسا کو یاد تھا شادی کی پہلی رات ہی جب اویس نے اپنی بے تحاشہ محبت اس پر لٹاتے ہوئے تمام عمر محبت سے ساتھ نبھانے کے وعدے کیے تھے تو تب اس نے بہت مان سے کہا تھا۔

”اویس میں زندگی میں آپ سے اور کچھ نہیں مانگوں گی بس میرے ساتھ مخلص رہیے گا‘ میں نے ہمیشہ اللہ سے یہی مانگا ہے کہ جو میری زندگی کا ہمسفر ہو وہ خالص ہو کر اس رشتے کو نبھائے‘ میں نے ساری دنیا میں صرف آپ پر اعتبار کیا ہے‘ میری ساری محبتیں مرتے دم تک آپ کے لیے ہوں گی اور بدلے میں صرف آپ سے یہی چاہوں گی کہ میرا اعتبار محبت قائم رکھیے گا‘ میرا یقین‘ میرا مان‘ کبھی توڑیے گا مت۔“ اور تب اویس چوہدری نے بہت محبت سے اس کے حنائی ہاتھوں کو تھام کر کہا تھا۔

”میں تمہارا اعتبار کبھی ٹوٹنے نہیں دوں گا‘ تم میری زندگی‘ میری خوشی ہو میں ہمیشہ تمہیں محبت سے سنبھال کے رکھوں گا۔“ مگر اب وہ بکھر رہی تھی تو وہ کہیں نہیں تھا۔

وہ دیکھ رہی تھی کافی دنوں سے اس کا بدلہ ہوا رویہ وہ اس کے ساتھ ہوتا تھا مگر محبت میں وہ پہلے سی گرم جوشی نہیں رہی تھی۔ اس نے ایک دوبار پوچھنے کی کوشش بھی کی مگر وہ ہنس کر ٹال جاتا۔

اور وہ چپ رہ جاتی مگر کہیں نہ کہیں کچھ غلط تو تھا سم تھنگ از مسنگ‘ پر کیا...... یہ راز ابھی کھل نہیں رہا تھا۔ اردگرد سے وہ لوگوں کی زبانی کافی کچھ سن رہی تھی مگر دھیان نہیں دینا چاہتی تھی۔

تھوڑا وقت اور گزرا گیا تبھی پارسا نے اس سے خود بات کرنے کی ٹھانی کہ معاملے کا پتہ تو چلے۔

اسے بہت خوش گمانی تھی کہ لوگوں کی کہی ہر بات کا وہ انکار کردے گا ہر الجھن کو سلجھادے گا۔ مگر یہ پارسا کی خام خیالی ثابت ہوئی وہ بولا تھا تو کیا۔

”پارسا ڈیئر میں خود تم سے بات کرنا چاہتا تھا‘ مگر سمجھ نہیں آرہا تھا بات کیسے شروع کروں‘ اچھا ہوا تم نے خود بات چھیڑ دی‘ دیکھو پارسا تم بہت اچھی لونگ اینڈ کیئرنگ ہو‘ مگر میرا دل اب کسی اور کی طلب کرنے لگا ہے‘ مجھے کوئی اور بھی اچھا لگنے لگا ہے‘ تم مجھے غلط مت سمجھنا میرے دل میں تمہارا جو مقام ہے وہ اور کسی کا نہیں ہوسکتا‘ تمہارا ساتھ بھی میرے لیے باعث راحت ہے‘ مگر میرا دل کسی اور کا ساتھ مانگنے لگا ہے۔ تم مجھے غلط مت سمجھنا پلیز ہم تینوں ساتھ رہیں گے‘ میں تمہیں چھوڑنا نہیں چاہتا مگر اسے بھی پانا چاہتا ہوں‘ تم مجھ سے بہت محبت کرتی ہوناں‘ میری اتنی سی بات مانو گی ناں؟“ التجائیہ لہجے میں بات کرتے ہوئے وہ اسے عجیب طرح کی مشکل میں ڈال رہا تھا۔

پارسا سلیمان حیرت زدہ سی سوچ رہی تھی کہ یہ اویس کے لیے ”اتنی سی بات“ ہے کہ وہ کسی اور کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کا فیصلہ کرچکا ہے کہاں گئی تھی اس کی محبت میں‘ کہ اویس کسی اور کے بارے میں سوچتا؟ وہ سوچوں میں ہی گم تھی کہ تبھی اویس چوہدری نے اسے مخاطب کرتے ہوئے مزید کہا۔

”دیکھو پارسا تمہاری محبت اپنی جگہ ایک مسلم حقیقت ہے مگر محبت میں تمہارا فلسفہ میرے فلسفہ محبت سے مختلف ہے‘ تم محبت میں بہت کنزرویٹو ہوکر سوچتی ہو اور میں محبت کو بہت آزاد معنوں میں لیتا ہوں‘ تمہاری میری سوچ میں بس یہیں سے اختلاف پیدا ہوتا ہے اور اسی اختلاف اسی سوچ نے مجھے خدیجہ کی طرف راغب کیا‘ وہ بالکل میری طرح سوچتی ہے‘ ہماری سوچ میں اختلاف آتا ہی نہیں ہے۔ تبھی میں نے اس کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔“

پارسا سلیمان پتھرائی سی نگاہوں سے بس چپ چاپ

اسے سن رہی تھی۔ اس میں اتنی سکت بھی نہ رہی تھی کہ اویس سے کچھ سوال جواب کرتی‘ جب اس نے فیصلہ سنا ہی دیا تھا تو پوچھنے کے لیے بچا ہی کیا تھا؟ سو چپ سادھ لی تھی۔ مگر دل پر شاک کی کیفیت طاری تھی‘ وہ یقین ہی نہیں کر پا رہی تھی کہ اویس ایسا کر سکتا ہے‘ وہ بے تحاشہ روئی تھی دکھ ہی ایسا تھا اور پھر بات یہاں تک رہتی تو وہ سمجھوتہ کر لیتی شاید زندگی سے حالات سے مگر کوئی آپشن ہی کہاں بچا تھا اب پارسا کے پاس‘ زندگی جیسے ایک کے بعد ایک انکشاف کر رہی تھی‘ اس پر اور وہ سلجھنے سے پہلے ہی اور بکھرتی جا رہی تھی۔ اویس چوہدری ایک بار پھر اس کے سامنے تھا۔

”پارسا وہ خدیجہ کہتی ہے تبھی مجھ سے شادی کرے گی جب میں تمہیں چھوڑ دوں...... مگر میں نے اسے کہہ دیا کہ میں تمہیں چھوڑ نہیں سکتا‘ تب اس نے یہ شرط رکھی کہ ٹھیک ہے نہ چھوڑو مگر الگ رہو صرف اس کے ساتھ رہوں۔ میں تم سے الگ بھی نہیں رہنا چاہتا پارسا مگر میری مجبوری کو سمجھو پلیز‘ خدیجہ کا ساتھ بھی میری خوشی ہے تم میری خوشی کے لیے ایسا کرو گی ناں‘ میں وعدہ کرتا ہوں بہت جلد تمہیں پھر سے اپنے پاس رکھوں گا‘ بس ابھی میں مجبور ہوں۔“ وہ اس کی کیفیت سے بے خبر اپنی ”مجبوری“ بتا رہا تھا۔

اور تب بس پارسا سلیمان کے اندر سب مر گیا تھا‘ ہر احساس‘ ہر جذبہ اس نے ایسا کبھی نہیں چاہا تھا‘ وہ محبت میں مجبوری کو لے کر آ گیا تھا اور مجبوری بھی کیسی کہ اس کا دل کسی اور کے ساتھ کا تمنائی ہو گیا وہ کسی اور کو بھی اس کے برابر لا کر کھڑا کر رہا تھا اپنی زندگی میں شامل کر رہا تھا یہ مجبوری تھی‘ مگر پارسا کے نزدیک محبت مجبوری نہیں ہوتی‘ وہ تو محبت کو دل کا رشتہ کہتی تھی جو ایک دل بہت محبت کے ساتھ دوسرے دل کو محبت سے جوڑتا ہے اور محبت کو بہت محبت سے آگے بڑھایا جائے‘ دل کی خوشی سے نبھایا جائے تبھی وہ محبت کہلاتی ہے‘ ورنہ تو بس ایک سمجھوتہ بن کر رہ جاتی ہے ایک مجبوری‘ ایک ایسا بوجھ جس کو نا چاہتے ہوئے بھی کسی کو ڈھونا پڑے۔

اور وہ محبت کو سمجھوتہ‘ مجبوری نہیں بننے دینا چاہتی تھی نہ محبت میں مجبوری کو آنے دینا چاہتی تھی سو جب وہ بولی تھی تو بہت ٹھنڈا اور پُرسکون لہجہ تھا اس کا‘ اویس چوہدری کی آنکھوں میں دیکھ کر اس نے فقط اتنا کہا۔

”آپ ہر فیصلے میں آزاد ہیں‘ میں رشتوں کو باندھ کر نہیں رکھ سکتی‘ نہ ہی کسی بھی رشتے کو باندھ کر رکھا جا سکتا ہے۔ ہاں اتنا ضرور کہوں گی کہ آج سے پہلے آپ سے محبت کرنا میرے لیے باعثِ فخر تھا‘ میں نے بہت ٹوٹ کر آپ سے محبت کی ہے‘ آپ سے محبت عبادت کی طرح کی ہے‘ مگر آج کہوں گی کہ کاش اتنی محبت اگر اللہ سے کرتی تو میں کبھی خالی ہاتھ نہ ہوتی‘ میرا دامن دل‘ جھولی سب بھرا ہوتا‘ جس طرح آپ نے میرا مان توڑا ہے‘ میرا اللہ کبھی میرا مان نہ توڑتا‘ میں نے گھاٹے کا سودا کیا اویس چوہدری۔“ اتنا کہہ کر وہ اس کے گھر سے تو کیا اس کی زندگی سے ہی نکل آئی تھی‘ شاید ہمیشہ کے لئے۔

✦……☆……✦

مکمل دو ہی دانوں پہ یہ تسبیح محبت ہے
جو آئے تیسرا دانہ یہ ڈوری ٹوٹ جاتی ہے
مقرر وقت ہوتا ہے محبت کی نمازوں کا
ادا جن کی نکل جائے قضا بھی چھوٹ جاتی ہے
محبت کی نمازوں میں امامت ایک کو سونپو!
اسے تکنے اسے تکنے سے نیت ٹوٹ جاتی ہے
محبت دل کا سجدہ ہے جو ہے توحید پر قائم
نظر کے شرک والوں سے محبت روٹھ جاتی ہے!

اویس چوہدری کی محبت بھی اس سے روٹھ چکی تھی‘ مگر ابھی اسے احساس نہیں تھا۔ وہ گھر آ کر ماں کے گلے لگتے ہی پھوٹ پھوٹ کر روئی اور ساری روداد کہہ سنائی تب ماں ہی اس کی ڈھارس بنی تھیں۔

شروع شروع میں وہ ہر وقت اویس کو یاد کرتی۔ اسے یاد آتا وہ ہر روز سونے سے پہلے پارسا کے ہاتھوں سے اپنے سر کی مالش کرواتا اور ساتھ ساتھ دن بھر کی باتیں کیے جاتا‘ وہ ڈھیرے ڈھیرے اس کے سر میں انگلیاں پھیرتی تو وہ بہت پُرسکون ہو کر سو جاتا اور کہا کرتا تھا تم سے جب تک

دن بھر کی باتیں نہ کرلوں اور سر میں مالش نہ کروالوں نیند ہی نہیں آتی۔

اب وہ سوچتی وہ کیسے سوتا ہوگا؟ کس سے باتیں شیئر کرتا ہوگا؟ وہ جتنا سوچتی الجھتی' روتی' تب اماں ہی اسے حوصلہ دیتیں اس کی ڈھارس بندھاتی تھیں۔ وہ روتے ہوئے اپنی اماں سے کہتی۔

"اماں زندگی میں صرف ایک شخص پر اعتبار کیا بہت شدت سے چاہا' خالص جذبوں سے گندھی محبت کی' اس کے سوا کبھی کسی کا خیال مجھے چھو کر بھی نہیں گزرا تو کیا یہی صلہ تھا میری بے لوث محبت کا کہ وہ مجھے چھوڑ کر کسی اور کا ہوگیا؟ میں نے کسی اور کے بارے میں سوچنا تک بھی گناہ سمجھا اور اس نے کیسے اپنی زندگی میں کسی کو شامل کرلیا اماں کیسے؟" وہ روتے روتے بے دم سی ہوگئی تو اماں اس کو ساتھ لگاتے ہوئے بولیں۔

"میری بچی مت رو اتنا' تمہاری محبت ضرور اثر کرے گی' جب تک تم پاس تھیں وہ تمہیں اپنی ملکیت سمجھتا رہا تھا تمہاری محبت کو اپنا حق سمجھ کر وصول کرتا رہا' مگر اب تم اس کے پاس نہیں ہو تو اسے تمہاری قدر ہوگی' دیکھنا وہ آئے گا تمہارے پاس' بس تم اپنا آپ اپنا ہر معاملہ اللہ کے سپرد کردو اس پر چھوڑ دو تو دیکھنا وہ کیسا انصاف کرے گا' تم صبر کرو بیٹا۔" پھر اماں کی باتوں کا ہی اثر تھا وہ مطمئن ہوتی گئی' اس نے اب نماز میں گڑگڑا کر اللہ کے آگے دامن پھیلا لیا تھا' وہ ہر لمحہ بس دعائیں مانگتی کہ جو اس کے حق میں بہتر ہو اللہ وہ کرے۔ مگر وہ سوچا کرتی کہ کبھی اگر اویس اس کی طرف لوٹ آیا تو کیا وہ اسے معاف کرپائے گی؟ بے شک اس نے اویس چوہدری سے بہت محبت کی تھی بہت شدت سے چاہا تھا اسے مگر اس نے پارسا کی محبت کی قدر نہیں کی' کسی کے لیے اس کی خالص محبت کو ٹھکرا دیا تھا۔

تو کیا اب اتنا کچھ ہوجانے کے بعد بھی وہ اویس کو معاف کرپائے گی؟ کیا اب بھی وہ اس سے ویسی ہی محبت کرپائے گی؟ وہ خود سے پوچھتی مگر کوئی جواب نہ ملتا۔ تب وہ اللہ سے مدد مانگتی دعا کرتی تھی۔

دو ماہ ہوچکے تھے اسے اماں کے گھر آئے ہوئے کچھ حد تک وہ سنبھل رہی تھی اب وہ اکیلے میں اللہ کے سامنے تو جی بھر کے روتی مگر سب کے سامنے نارمل تھی۔ پھر یہ کوئی تین ماہ بعد کی بات تھی۔ وہ ایک بار پھر اس کے سامنے تھا۔ نادم...... شرمندہ سا۔ وہ اس سے اپنی غلطی کی معافی مانگنے آیا تھا وہ چپ تھی بالکل چپ۔ تب وہ اس کو جھنجوڑتے ہوئے بولا۔

"پلیز کچھ تو بولو۔ کوئی سزا دو۔ میں نے تمہارے ساتھ بہت غلط کیا...... مگر دیکھو تو میرے ساتھ بھی کتنا برا ہوا' مجھے اللہ نے سزا دی پارسا...... شادی کے ایک ہفتے بعد ہی خدیجہ سے لڑائی جھگڑے ہونا شروع ہوگئے تھے۔ اس کی اصلیت مجھ پر کھلتی گئی اس نے محض دولت کی وجہ سے مجھ سے شادی کی۔ شادی کے بعد بھی وہ ہر طرح کی آزادی چاہتی تھی۔ وہ آدھی آدھی رات تک نائٹ پارٹیز میں جانے لگی' پھر بھی میں یہ سب برداشت کرتا رہا مگر اس کے ناجائز تعلقات کو برداشت کرنا میرے بس میں نہ تھا سو شادی کے ایک ماہ دس دن میں ہی وہ رشتہ ختم بھی ہوگیا۔ مجھے تمہاری قدر تبھی ہوگئی تھی جب تم گھر چھوڑ کے آگئی تھیں۔ میں تمہارا عادی تھا سوتے میں بھی آنکھ کھلتی تو تمہیں آواز دیتا تھا۔ میں مانتا ہوں مجھ سے غلطی ہوئی ہے بہت بڑی غلطی مگر پلیز پارسا...... مجھے معاف کردو اور میرے ساتھ گھر چلو۔ تم تو مجھ سے بہت محبت کرتی ہو ناں۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔ تبھی وہ ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولی۔

"ہاں میں نے آپ سے بہت ٹوٹ کر محبت کی ہے اتنی کہ بتا نہیں سکتی' میں آپ کی ہر خطا معاف کرسکتی تھی مگر آپ نے میری محبت کو میری خالص محبت کو میری تنگ نظری کہا۔ میری دقیانوسی سوچ کہا۔ مگر ہر انسان کی زندگی گزارنے کے اپنے اصول ہوتے ہیں آپ کے نزدیک یہ میری تنگ نظری ٹھہری کہ آپ صرف میرے ہوکر رہتے مگر پھر جب آپ کو آپ کی جیسی سوچ رکھنے والی آزاد خیال لڑکی مل گئی تو پھر آپ کو اس کے آزاد ہونے پر کیا

اعتراض ہوا؟ پھر وہ کیوں نہ چل سکی آپ کے ساتھ؟ آپ سے پھر کیوں اس کی آزاد خیالی برداشت نہ ہوئی؟ صرف اس لیے کہ وہ عورت ہے اور یہ آزادیاں صرف آپ مردوں کے لیے ہوتی ہیں آپ انہیں اپنے لیے جائز سمجھتے ہیں؟ خود آپ جو مرضی کریں اپنی شریک سفر تک کے ساتھ مخلص ہو کے نہ رہیں وہ کچھ نہیں آپ کی نظر میں اور جب عورت کسی کی طرف دیکھ بھی لے تو پھر آپ مردوں کی برداشت جواب دے جاتی ہے۔ غیرت جاگ اٹھتی ہے کیا آپ نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ جتنا خالص جتنی پاک باز آپ مرد اپنی بیوی کو دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہ کسی کی طرف کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے صرف آپ کی ہو کر رہے بالکل ویسے ہی ہم لڑکیاں بھی یہی چاہتی ہیں کہ جو اس کا شوہر ہو وہ بس اس کا رہے مگر عورت کی یہ خواہش اس کی تنگ نظری بن جاتی ہے فرسودہ سوچ کہلاتی ہے اور مرد کے لیے اس کی آزاد خیالی، بلند نظری ہے، کیا یہ آپ کی لبرل ماڈرن سوچ صرف اپنے لیے ہے؟ مجھے بہت دکھ ہوا...... میں آپ کو بتا نہیں سکتی کہ آپ نے میرا یقین، مان، اعتبار سب ختم کردیا۔" وہ بولی تو پھر بولتی چلی گئی اور وہ سر جھکائے شرمندہ سا سنتا رہا تھا۔ تبھی سر جھکائے سخت نادم لہجے میں بولا۔

"میں جانتا ہوں تم ٹھیک کہہ رہی ہو مگر میں بہت شرمندہ ہوں، میں اس محبت کے نام پر تم سے معافی مانگتا ہوں جو تمہیں مجھ سے ہے۔ میں ہاتھ جوڑ کر تم سے معافی مانگنے کو تیار ہوں، میں نے تمہیں واقعی بہت دکھ دیا ہے۔"

"آپ کو معافی مانگنے کی ضرورت نہیں ہے اویس مجھے اچھا نہیں لگے گا۔ پر میں یقین ہی نہیں کر پائی ابھی تک کہ آپ میرے ساتھ ایسا بھی کر سکتے ہیں۔ پلیز ابھی آپ چلے جائیں، میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔" اس کا لہجہ قطعی تھا۔ اویس چوہدری کو اس جواب کی توقع نہیں تھی وہ بھی پارسا سے۔ وہ تو اس کی ہر بات پر سر تسلیم خم کرتی آئی تھی اب تک۔ وہ تو بہت نرم دل تھی، اتنی سخت کیسے ہوگئی؟ وہ جیسے مایوس سا ہو گیا۔

اس نے دیکھا پارسا اب رخ موڑے کھڑی تھی، مطلب صاف تھا وہ جا سکتا ہے اور پھر اویس چوہدری اس کو منانے میں ناکام ہی رہا اور خالی ہاتھ واپس لوٹا تھا۔

☆......☆......☆

ان راستوں پر اب تم
کیوں آئے ہو دوبارہ؟
کہ میں تو ہوں اب خالی ہاتھ
جب گئے تھے تم کسی اور منزل کی طرف
تو سوچنا تھا اک پل کے لیے!
میرے بارے میں بھی
کہ میں ان راستوں پر بھی تمہارے ساتھ
پکڑ کر چلتی تھی تمہارا ہاتھ
اور تم سے کہتی تھی
کہ دیکھو یہ ہاتھ کبھی چھوڑنا نہیں
میں نے کیا ہے تم پر اعتبار!
اپنی ذات کو کیا ہے تمہارے نام
پھر کچھ یوں ہوا کہ!
میرے ہاتھوں سے چھڑا کر تم اپنے ہاتھ
ٹھکرا کر چلے گئے کسی اور راہ گزر پر
میں تنہا رہ گئی اس راستے پر!
میرے آنسو کے گواہ ہیں یہ دیوار و در......
اور یہ تنہائی میری ہمسفر
اب اگر لوٹ بھی آئے ہو تو کیا حاصل؟
جاؤ کہ اب میں
تمہیں ٹھکراتی ہوں......

اویس واپس تو آ گیا تھا مگر اب کسی پل سکون نہ تھا اسے۔ ہر لمحہ جیسے ایک بے چینی ایک احساس زیاں تھا جو تڑپائے دے رہا تھا۔ اسے اب احساس ہو رہا تھا کہ وہ پارسا کے بنا نہیں رہ سکتا۔ وہ محبتوں سے گندھی لڑکی جو بس محبت کرنا ہی جانتی تھی، کیسے توڑ پھوڑ دیا تھا اویس کے اس قدر برے سلوک نے۔ وہ حق دار تھا، اس سلوک کا مگر وہ دل کا کیا کرتا جسے اب پارسا کی محبت کا احساس اصل میں ہوا تھا اب ہی تو قدر ہوئی تھی صحیح معنوں میں اسے۔ مگر افسوس

اب شاید بہت دیر ہو چکی تھی‘ اویس چوہدری آج رو رہا تھا‘ بہت شدت سے‘ جو کہا کرتا تھا مرد روتے نہیں‘ کبھی نہ روتے ہوئے مرد اچھے لگتے ہیں۔ یہ رونا تو خالص زنانہ کام ہے‘ نازک اندام لڑکیاں جیسے آج اس کے سارے الفاظ اسی پر ہنس رہے تھے اور وہ رو رہا تھا مرد ہو کر بھی رو رہا تھا۔

ادھر پارسا کو بھی اویس کو خالی ہاتھ لوٹا کر کوئی دلی خوشی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ اس نے تو محبت کی تھی دل سے اس شخص سے وہ تو اس کے دل پر حکمران تھا‘ بلاشرکت غیرے..... مگر اویس چوہدری کو کبھی یہ محبت ایسے محسوس ہی نہیں ہوئی تھی۔ اس نے قدر ہی نہیں جانی تھی پارسا کی اتنی خالص محبت کی۔ یہی دکھ تھا یہی ناقدری کا احساس تھا جو ختم ہی نہیں ہو رہا تھا وہ ابھی تک بھول ہی نہیں پا رہی تھی اتنا کچھ ہو گیا تھا اور ہو کر گزر بھی چکا تھا مگر وہ اسی شاک اسی دکھ میں تھی‘ اماں نے اسے بہت سمجھایا تھا کہ اب وہ چلی جائے اویس کو معاف کردے‘ اسے احساس ہو گیا ہے مگر وہ عجیب سی کیفیت میں تھی‘ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی نہ کوئی فیصلہ کر پا رہی تھی‘ بہت الجھی ہوئی تھی وہ اب کیا کرے کیا نہیں۔ دل اویس چوہدری کی محبت میں ایسا ڈوبا ہوا تھا کہ اب بھی اس سے دستبرداری ناممکن لگتی تھی۔

اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود بھی دل اسی کے ساتھ کا تمنائی ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ کوئی اور خیال تک نہ چھو پایا تھا دل کو اور اگر وہ علیحدگی کا فیصلہ کرتی تو یہ سوچ کے ہی اس کی جان نکلنے لگتی۔ عجیب دوراہے پر کھڑی تھی وہ رو رو کر اس نے اپنا سارا معاملہ ہمیشہ کی طرح اب کے بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سپرد کر دیا تھا۔ نماز میں دعا مانگ کر اب وہ کسی حد تک پُرسکون تھی۔ اویس چوہدری کی حالت بھی یہاں اچھی نہیں تھی وہ دل کے ہاتھوں مجبور پھر معافی مانگنے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

”آپ کیوں بار بار چلے آتے ہیں اویس پلیز مجھے اور دکھ مت دیں‘ میرے زخم بھرے ہی کب ہیں جو آپ پھر ہرے کرنے آجاتے ہیں۔“ اور پارسا کی اس بات پر اویس تڑپ اٹھا تھا جیسے وہ تو دل کے ہاتھوں مجبور تھا اور وہ اس کو دکھ دینے کا اب تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا وہ تو تلافی کرنا چاہتا تھا‘ پہلے ہی جو کچھ وہ کر چکا تھا۔

”پلیز پارسا ایسا مت کہو۔ میں کیا کروں؟ میں سخت شرمندہ ہوں‘ مجھے بس ایک موقع دے دو۔ بس آخری بار معاف کردو۔“ وہ سخت نادم تھا اور ملتجی لہجے میں بول رہا تھا۔

”میں کیسے یقین کرلوں کہ آپ میرے ساتھ پھر کبھی ایسا نہیں کریں گے؟ مجھے کل پھر کسی اور کے لیے چھوڑ نہیں دیں گے؟ آپ نے جو میرے ساتھ کیا میری محبت کی توہین‘ ناقدری کی میں یقین ہی نہیں کر پاتی‘ آپ پلیز مجھے وقت دیں‘ میں سوچنا چاہتی ہوں۔“ وہ بولی اور اویس چوہدری کی آنکھوں میں جیسے امید کی کرن چمکی تھی۔

”پارسا میں تمہیں کیسے بتاؤں میں نہیں رہ سکتا تمہارے بنا‘ میں اپنے کیے پر بہت شرمندہ ہوں۔ مجھے ایک بار بس اس محبت کے صدقے معاف کردو‘ جو تمہیں مجھ سے ہے‘ مجھے اللہ کے نام پر معاف کردو۔“ وہ جیسے گڑگڑا رہا تھا اس وقت پارسا کے سامنے۔

اور پارسا جیسے اس آخری بات پر پتھرا سی گئی تھی وہ سن سی کھڑی رہ گئی تھی بس اور اویس چوہدری اس کی کیفیت سے بے نیاز بولے جا رہا تھا۔

”میں کیسے یقین دلاؤں تمہیں پارسا کہ میں اب صرف تمہارا بن کر رہوں گا تاعمر‘ تمہیں یقین نہیں ہے ناں ابھی تو ٹھیک ہے میں انتظار کروں گا تمہارا‘ ساری عمر بھی تمہارا انتظار کرنا پڑے تو کروں گا‘ مگر مجھے مایوس مت کرنا۔“ یہ کہہ کر اس نے جواب کے لیے پارسا کی طرف دیکھا تھا کہ وہ یہی کہہ دے وہ انتظار نہیں کرواسکتی اس کے ساتھ گھر چلے گی۔ مگر وہ جواباً کچھ نہیں بولی تھی چپ ہی رہی تھی اور اویس کی آنکھوں کی چمک امید کی کرن جیسے یک دم ماندی پڑی تھی۔ وہ بالکل جیسے مایوس ہو کر پلٹنے لگا تھا تبھی پھر سے گویا ہوا۔

”ہاں واقعی میں معافی کے قابل ہی نہیں شاید‘ تمہارا مجرم ہوں مجھے معلوم ہے میں نے تمہیں بہت دکھ دیا ہے مگر میں نے اللہ سے بہت دعائیں کی ہیں تمہیں مانگا ہے

تمہاری واپسی کی مناجاتیں کی ہیں میں مایوس نہیں ہوں پارسا! مجھے اللہ کی ذات پر یقین ہے تم نے مجھ سے بے تحاشہ محبت کی ہے اور تم کبھی مجھے بیشک معاف نہ کرو مگر مجھے چھوڑنا مت کبھی تاکہ اللہ کی ذات پر بھی میرا ایمان اور پختہ ہو جائے اور کامل کہ اس نے مجھے مایوس نہیں کیا۔ میں تمہارے فیصلے کا شدت سے منتظر رہوں گا پلیز تمہیں اللہ کا واسطہ مجھے مایوس مت ہونے دینا۔" یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گیا تھا۔

اور وہ فیصلہ جو اتنے عرصے سے پارسا نہیں کر پا رہی تھی وہ ایک لمحے میں ہو گیا تھا وہ لمحہ جب اویس نے اس سے اللہ کے نام پر معافی طلب کی وہ ساکت ہو گئی تھی بالکل ساکت اس نام پر آ کر ساری الجھن ختم ہو گئی جیسے اللہ نے فیصلہ کروا دیا تھا اس نے بھی تو سارا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا تھا اور اب اویس بھی یہی کہہ کر گیا تھا کہ وہ مایوس نہیں کرے اویس چوہدری نے پارسا کے ساتھ برا کیا تو اس کی سزا اسے مل گئی تھی اور اب وہ سچے دل سے محبت کے ساتھ اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا اب اگر پارسا کی محبت نے اویس کو واقعی روح تک اپنا اسیر کر کے بالکل بدل دیا تھا تو پارسا کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اللہ نے بھی اسے مایوس نہیں کیا خالی ہاتھ نہیں لوٹایا تو پھر اب کیسے ممکن تھا کہ وہ اویس کو مایوس ہونے دیتی۔

پارسا کو اس کے ساتھ گھر جانا ہی تھا مگر ابھی اس نے اسے جاتے ہوئے اس لیے نہیں روکا تھا کہ وہ اسے احساس دلانا چاہتی تھی کہ وہ کبھی پھر ایسا نہ سوچے جہاں تک معاف کرنے کی بات تھی وہ معاف کر چکی تھی اسی لیے اس نے معاف کر دیا تھا کہ محبت کرنے والوں کے دل بہت وسیع ہوا کرتے ہیں اور اس نے تو اویس چوہدری سے محبت نہیں اس کی عبادت کی تھی ٹوٹ کر چاہا تھا اسے سو اویس کے لیے اس کے دل کے دروازے کیسے بند ہو سکتے تھے۔ وہ آج بھی روز اول کی طرح اس کے دل پر بلا شرکت غیرے براجمان تھا اتنا کچھ ہو جانے کے بعد بھی مگر محبت کی ناقدری کرنے والوں کو دکھ دینے والوں کو کچھ تو احساس ہونا چاہیے نا اپنے کیے کا سو اویس کو اب احساس ہو گیا تھا مگر جس اذیت جس تڑپ میں وہ رہی جس قدر دکھ میں وہ جلی اس کی کچھ جھلک اس طرف بھی دیکھنا چاہتی تھی اب اس کا اتنا حق تو بنتا تھا ناں۔

اب وہ بس تھوڑا سا مزید انتظار اویس کو کروانا چاہتی تھی اتنی جلدی یہ فیصلہ اس کو نہیں سنانا اس نے مطمئن سا ہو کر آنکھیں موندیں اور پرسکون ہو کر لیٹ گئی۔ ادھر اویس چوہدری وہاں سے آ تو گیا تھا مگر بے چینی اور اضطراب کے عالم میں کتنی ہی دیر سے کمرے میں ادھر سے ادھر چکر لگائے جا رہا تھا سوچ رہا تھا کہ پارسا نے اگر اس کو چھوڑ دیا تو وہ کیا کرے گا؟ کیسے جی پائے گا وہ حیران تھا کہ یہ ایک دم اس قدر محبت کیوں آن سمائی تھی دل میں جب وہ ساتھ تھی اس کا خیال رکھتی تھی اتنی محبت کرتی تھی تب کیوں نہ وہ سمجھ پایا نہ احساس ہوا یہ سب کچھ ہونا کیا ضروری تھا اس نے کیسے پارسا جیسی ہیرا لڑکی کو چھوڑ کر ایک پتھر سے سر پھوڑا۔ یہ محبت یہ احساس پہلے کہاں تھا؟ مگر شاید کچھ لوگوں کو احساس دلانے کے لیے ٹھوکر کا لگنا لازمی ہوتا ہے۔ جب تک انہیں ٹھوکر نہیں لگتی وہ نہیں سنبھلتے اور اویس چوہدری کو بھی اب سمجھ آئی تھی کہ محبت تو شروع سے اسے پارسا سے ہی تھی مگر وہ بس جان نہیں سکا تھا اور اب جب جان گیا تھا تو شاید بہت دیر ہو چکی تھی اب پارسا کو یقین نہ رہا تھا اس پر۔ وہ جتنا سوچتا جاتا اتنا نادم و شرمندہ ہوتا۔ اب تو اللہ ہی تھا جو اس کا دل بدل سکتا تھا۔ فیصلہ اس کے حق میں کروا سکتا تھا کہ وہ واپس آ جاتی وہ اللہ جس نے اویس کو بدل دیا تھا احساس دلا دیا تھا۔ اب وہی ایک موقع تلافی کا اسے دے سکتا ہے۔ اس نے اللہ سے دعا کی میں اور پھر گاڑی کی چابی اٹھا کر نکل گیا۔

دن ایسے ہی بے کیف سے گزر رہے تھے۔ وہ زندگی کو اب بوجھل انداز میں جی رہا تھا امید کی جوت دل میں جگائے وہ ہر روز سیل فون پر پارسا کو میسجز کرتا تھا جس میں شاعری کی زبان میں اس کا حال دل رقم ہوا کرتا تھا مگر وہ اس کے کسی بھی میسج کا جواب نہیں دیتی تھی۔ اب بھی شام کو

وہ بالکونی میں بیٹھا بہت اداس سا تھا آج حد سے زیادہ وہ یاد آرہی تھی‘ اس نے سیل فون اٹھایا اور ایک اداس سا شعر حسب حال اسے سینڈ کردیا۔

میسج کیے ابھی تھوڑی دیر گزری تھی کہ اس کے سیل پر میسج ٹون بجی اس نے بے دلی سے فون اٹھایا مگر اسکرین پر روشن نام دیکھ کر وہ ایک دم حیرت زدہ سا رہ گیا۔ اسے بالکل بھی توقع نہیں تھی کہ پارسا اس کو میسج کرے گی اس نے میسج کھولا اور جوں جوں پڑھتا گیا اس کے چہرے کی چمک بڑھتی جارہی تھی۔ اس کے اندر ایک تازگی سرشاری بھرتی جارہی تھی۔ کچھ دیر پہلے والی اداسی جیسے اچانک ملنے والی خوشی میں بدل گئی تھی۔ وہ تیزی سے اٹھا اور فوراً گاڑی میں بیٹھ کر ریش انداز میں ڈرائیو کرتا پارسا کے گھر کی طرف جارہا تھا‘ اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اڑ کر یہ فاصلہ طے کرلے۔

گیا وقت جیسے پھر سے لوٹ آیا تھا۔ زندگی پھر سے گنگنا اٹھی تھی۔ دونوں ساتھ تھے‘ تو اب ہر شے جیسے مکمل ہوگئی تھی۔ اس وقت وہ دونوں اپنی بالکونی میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

”پارسا میں تمہارا بہت شکر گزار ہوں تم نے مجھے مایوس نہیں کیا۔“ اویس نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا‘ تب پارسا ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

”اویس‘ ہم دونوں کو اللہ نے مایوس نہیں کیا‘ شکر اس کا ادا کرنا چاہیے جو کچھ ہوا اس کو شاید ایسے ہی ہونا تھا۔ اب اس بات کو ہم نہیں کریں گے اور جو ہوا اس پر بات نہ کیا کریں پلیز میں بھول جانا چاہتی ہوں سب کچھ۔“

”میں وعدہ کرتا ہوں پارسا اب تم کو کبھی کوئی دکھ میری ذات سے نہیں ملے گا۔ اچھا سنو مجھے آج وہی نظم سناؤ نا جو اس دن جب تمہیں لینے گیا تھا تم نے سینڈ کی تھی۔ کتنی خوب صورت شاعری تھی نا اس کی بالکل تمہارے جیسی‘ ہماری محبت جیسی۔“ وہ دلکشی سے مسکراتا ہوا اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا۔

اور تبھی وہ نرمی سے گویا ہوئی اور سنانے لگی تھی اور اویس چوہدری کا ایک ایک عضو سراپا سماعت بن گیا تھا۔

میں نے اس طور سے چاہا تجھے اکثر جاناں
جیسے مہتاب کو بے انت سمندر چاہے
جیسے سورج کی کرن سیپ کے دل میں اترے
جیسے خوشبو کو ہوا رنگ سے ہٹ کر چاہے
جیسے پتھر کے کلیجے سے کرن پھوٹتی ہے
جیسے غنچے کھلے موسم سے حنا مانگتے ہیں
جیسے بارش کی دعا آبلہ پا مانگتے ہیں
میرا ہر خواب میرے سچ کی گواہی دے گا
وسعت دید نے تجھ سے تیری خواہش کی ہے
میں نے دنیا سے الگ تیری پرستش کی ہے!!

وہ سنا کر خاموش ہوگئی تھی مگر اویس کہیں دور کسی اور ہی جہاں میں پہنچا ہوا تھا۔ پارسا نے اسے پکار کر متوجہ کیا تو بے ساختہ چونکا۔

”کیا ہوا آپ کو؟“ پارسا نے پوچھا۔

”کچھ نہیں اس شاعری کے ایک ایک لفظ میں کھو گیا تھا‘ اس میں تو بالکل ویسی محبت ہے جیسی تمہیں مجھ سے ہے اور اب جیسی مجھے تم سے ہے۔ بہت مکمل لگی آج یہ نظم تم سے سن کر‘ اتنا خوب صورت اظہار‘ اویس نے جواب دیتے ہوئے اب اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔ پارسا زندگی اب جتنی مکمل لگنے لگی ہے تمہارے ساتھ‘ دعا ہے ہمیشہ ایسے رہے‘ میں تم اور محبت بس اب کبھی کوئی ہجر کا لمحہ کوئی دکھ ہمارے درمیان نہیں آئے۔ آمین اور پارسا نے سکون سے مسکرا کر اویس چوہدری کے شانے سے سر ٹکا دیا تھا۔ منظر مکمل تھا۔

زندگی مکمل تھی اور وقت مہربان سو اب ہر سو خوشی تھی‘ رنگ تھے‘ اب آگے زندگی کا سفر آسان تھا‘ راستے واضح تھے‘ روشن اور ان راستوں پر اب محبت ان دونوں کے ہمراہ تھی۔

ادھوری محبت

کائنات غزل

یوں مجھ کو نگاہوں کے ترازو میں نہ تولو
ہے شوق تو بے ساختہ آنکھوں میں سمولو
اب کے دل کو میں لایا ہوں ہتھیلی پہ سجا کے
اس حسن کے بازار میں کیا دام ہیں بولو

موسم غبار آلود تھا' چاروں جانب فضا میں دھول ہی دھول چھائی ہوئی تھی۔ وہ ہاتھ میں سگریٹ تھامے بوڑھے برگد سے ٹیک لگائے پارک میں کھڑا تھا۔ پاس ہی ایک چڑیا' چڑا تنکا تنکا جوڑ کر آشیانہ بنانے میں مصروف تھے۔ پھدکتی چڑیا پر سے ہوتی ہوئی اس کی نظریں ایک ضعیف کپل پر گئیں۔

ضعیف العمر صاحب وہیل چیئر پر تھے' ضعیف خاتون (جو شاید ان کی وائف تھیں) وہیل چیئر کو دھکیل رہی تھیں' ان کے چہرے پر تھکن کا شائبہ تک نہ تھا۔ محبت کے نور سے ان کا چہرہ چمک رہا تھا' بے اختیار وہ انہیں دیکھے گیا پھر جیسے اس نے خود کو وہیل چیئر پر محسوس کیا اور ارسہ کو بڑھی خاتون کی جگہ۔ وہیل چیئر کو دھکیلتے لیکن کسی صورت ارسہ وہاں اس منظر میں فٹ نہیں ہو رہی تھی۔ اسے لگا اسے پہلے کی طرح اب بھی اکیلے ہی وہیل چیئر دھکیلنی پڑے گی۔ وہ نازوں کی پلی' نخروں میں بڑھی کیونکر اس کی وہیل چیئر دھکیلے گی۔ ہاں فارحہ...... فارحہ اگر ہوتی تو لازمی منظر ایسا ہی ہوتا

تو کیا وہ سراب کے پیچھے بھاگ رہا ہے؟ کامیاب انسان تو وہی ہے جو اپنے مستقبل پر نظر رکھتے ہوئے اپنے حال کو سنوارے اور ارسہ کے زندگی میں آنے سے زندگی مکمل تو نہیں ہو سکتی۔ کتنی خلش' کتنی تشنگی باقی رہ جائے گی اور...... اور میری عینا' میری چڑیا' میری بلبل...... آہ اپنے نفس کے پیچھے بھاگتا میں کتنا آگے نکل آیا یہ بھی نہ سوچا کہ رستہ آگے صاف ہے یا نہیں۔ منزل آگے ہے یا بھٹکنا ہی مقدر ٹھہرے گا لیکن ارسہ کی آنسوؤں سے بھری آنکھیں...... سوالیہ نشان اس کے سامنے تھے۔

آخری بار یہیں تو ملی تھی وہ' اس کی نظر سامنے بنچ پر پڑی جواب ویران تھی۔

''عادل...... فاروق چچا میرا رشتہ اوکے کر رہے ہیں کچھ کرو پلیز۔'' اس کے وہ لرزتے لب...... جی چاہا اسے خود میں بھینچ لوں۔

وہ میری پہلی محبت' میرے بچپن کی محبت لیکن اس کے بھی تو قدم ڈگمگائے تھے۔ اس نے مجھے ٹھکرا کر

اپنے کلاس فیلو سے منگنی کرلی تھی اور مجھے ٹھکرادیا تھا محض اس بات پر جب میرا ایکسیڈنٹ ہوا تھا' یاد ہے' سب یاد ہے مجھے آج بھی اور ماما نے فاروق چچا سے بات کی تھی اور انہوں نے انکار کردیا تھا۔

ہا...... ہا زندگی بھی کیسے عجیب مذاق کرتی ہے پھر میری معذور زندگی میں فارحہ آ گئی' ٹٹ کٹ سی فارحہ جو دل میں چپکے چپکے مجھے چاہتی تھی' شرم وحیا کا پیکر' اس نے میری جی جان سے خدمت کی۔ میں زندگی سے مایوس ہوچکا تھا' دوغم یکجا ملے تھے ٹانگوں کی بے وفائی کے ساتھ ہی ارسہ کی بے وفائی۔

میں سمجھ چکا تھا کہ ناامید ہوکر اس نے مجھ سے جان چھڑائی لیکن خود کو وضاحت دیتے دیتے بھی تھک گیا تھا۔ فارحہ کی معصوم باتیں اور بے لوث خدمت سے میں زندگی کی طرف لوٹ آیا تھا۔ اب میں لائف میں سروائیو کرنے لگا۔ فارحہ ہر کام میں میری مدد کرتی یہاں تک کہ بزنس میں مدد کرتی' ایسے ایسے مشورے دیتی کہ میں حیران رہ جاتا۔ میرا بزنس جو تقریباً ٹھپ ہوچکا تھا' بہت جلد سیٹ ہونے لگا اور پھر ہماری زندگی عینا کی آمد سے مکمل ہوگئی۔

چند دن پہلے عینا نے اسکول جانا شروع کیا تو میں نے خاندان بھر میں مٹھائی بانٹی۔ فارحہ ایک بار پھر امید سے تھی' عینا کو اسکول چھوڑ کر میں قریبی پارک میں واک کے لیے آ جاتا اور زندگی کا ایک بند باب دوبارہ کھل گیا مجھے ارسہ ملی' ناکام ازدواجی زندگی گزار کر ایک بار پھر میری طلب گار تھی۔ اس کی دکھ بھری کہانی سن کر مجھے ایسا لگا' میں بہت پیچھے چلا گیا ہوں۔ اس کی آنکھوں میں ڈوب کر خود غرض بن گیا' احسان فراموش بن گیا۔

''سی......'' سگریٹ جل جل کر انگلیوں تک آ پہنچا' جسے میں نے جھٹکے سے پھینک کر اپنے جوتے سے مسل دیا۔

اور آج فارحہ جب عینا کو اسکول کے لیے تیار کر کے شوز پہنا رہی تھی' اسے کہہ آیا کہ میں ارسہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں' کتنی بے یقینی سے اس نے مجھے دیکھا تھا' میں نے نگاہیں چرالیں۔

''ٹھیک ہے پھر آپ عینا اور مجھ کو امی کے گھر چھوڑ آئیے گا۔''

کتنا وسیع ظرف تھا اس کا کہ اتنی آسانی سے اپنے حق سے دستبردار ہورہی تھی اور میں کم ظرف خاموشی سے عینا کی انگلی تھام کر باہر آ گیا تھا۔

''آہ......'' میں کیا کرنے چلا تھا' اپنی بیٹی کا بھی نہیں سوچا تھا' میرا ضمیر عدالت بن گیا۔

''اگر فارحہ کی جگہ عینا ہو تو...... نہیں...... نہیں......'' میرا دل کرلایا' میرا ضمیر گریبان پکڑ کر کھڑا ہوگیا۔

''پھر فارحہ کا قصور بتاؤ۔''

''یہی کہ وہ تم سے سچی اور بے لوث محبت کرتی ہے؟'' مجھ سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

میں نے درخت کی ایک ٹہنی توڑی اور چل پڑا' بعض اوقات آگاہی کا در اسی طرح کھلتا ہے انسان کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ ٹہنی پھینک کر فارحہ کے لیے پھول توڑا' ڈگمگانے سے پہلے میری سمت درست ہوگئی تھی۔ اپنے رب کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنے اصل کی طرف قدم بڑھا دیئے تھے۔

ہمارا معیارِ تعلیم

فہمیدہ غوری

بہا لے گیا سیلاب کشتیاں اور پھول
ہمیشہ ساتھ رہیں گی یہ آندھیاں اور پھول
مجھے خبر ہے بجھے دلوں کی خوشی
رکھوں گی میں بھی کتابوں میں پتیاں اور پھول

آج ہم بہت سنجیدہ اور اہم موضوع پر قلم اٹھا رہے ہیں' ہمارا معیار تعلیم۔ پاکستان بنے اتنا عرصہ ہوگیا ہے لیکن ہمارے ایجوکیشن کا سسٹم وہی پرانا اور فرسودہ حال ہے مانا کہ کافی حد تک زمانے کے ساتھ سائنس اور ٹیکنالوجی میں کافی ترقی ہوئی ہے لیکن اتنی نہیں جس کی ضرورت ہے۔ ہم تو اب بھی اپنے ہمسایہ ممالک سے (جو کہ خود بھی ترقی پذیر ہیں) کافی پیچھے ہیں اس کی وجوہات کیا ہے یہ سب کو پتا ہے سب سے بڑا مسئلہ تو ہمارا دہرہ نظام تعلیم ہے۔ انگلش میڈیم اردو میڈیم کی اصطلاح نے ہی سب سے زیادہ تعلیمی شعبے کو نقصان پہنچا ہے۔ ہمیں اس پر سنجیدگی سے سوچنے کی ضرورت ہے ابھی کل ہی کی بات ہے میں اپنے کچن میں چکن تندوری بناتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ کیا ہوگا ہمارے ملک کی تعلیم کے شعبے کا کہ اچانک موبائل کی ٹون سنائی دی۔ میں نے چکن تندوری کو تندور...... اوہ اُوون میں رکھا اور فون اٹھایا۔

''ہیلو......'' سلمیٰ آپا تھیں' ہماری خالہ کی نند کی بیٹی سلام دعا کے بعد مدعے پر آئیں کہنے لگی۔

''ایک کام کروگی' تمہاری تو اتنی پہچان ہے۔''

''جی فرمائیے سلمیٰ آپا۔''

''ارے تم تو جانتی ہو نا' میری چھوٹی بہن کی بیٹی طیبہ' اس کے لیے کوئی اچھا سا رشتہ بتاؤ۔''

''جی جی سلمیٰ آپا...... کوئی اچھا رشتہ ہوگا تو ضرور بتاؤں گی۔ کیا کرتی ہے طیبہ؟''

''ارے بہت پڑھ لکھ گئی ہے' بہت قابل بن گئی ہے۔ انگلش تو ایسی فرفر بولتی ہے۔'' سلمیٰ آپا جوش سے بولیں۔

''اچھا کتنا پڑھا ہے؟''

''ایف اے کے پیپر دیئے ہیں اور اب انگلش لنگویج کورس کررہی ہے' مستقیم انگلش اکیڈمی سے کمپیوٹر بھی چلانا سیکھ لیا ہے۔ فیس بک تو اسے ایسی آتی ہے کہ حد نہیں اور وہ کیا ہوتا ہے گل گل......''

''گوگل' سلمیٰ آپا۔''

''وہ بھی آتی ہے اسے چلانا' کوکنگ کے اتنے

سارے کورس کیے ہیں اور جھینگے کا حلوہ تو ایسا بناتی ہے کہ انگلیاں چاٹتے رہ جائے۔"

"واہ...... سلمیٰ آپا۔" ہم نے ابکائی روکتے ہوئے کہا۔

"اور سنو سلائی تو ایسی کرتی ہے کہ کیا عاصم جوفہ کرے گا۔ رضوان کی شادی میں جو نیلی نیلی شلوار اور سبز قمیص پہنی تھی نا وہ اس نے خود ڈیزائن کی تھی۔ ارے تم بھی تو تھیں نا شادی میں دیکھا تو تھا تم نے۔"

"جی...... جی۔" مرے مرے لہجے میں جواب دیا۔

"اچھا ذرا دھیان میں رکھنا اچھا لڑکا۔ ہماری کوئی ڈیمانڈ تو ہیں نہیں، بس اللہ کا بندہ ہو، تعلیم زیادہ نہیں ہو، جاب اچھی ہو اور کہیں باہر کا ہو تو کیا ہی کہنا کینیڈا جانے کا تو ہماری طیبہ کو اتنا شوق ہے۔ ارے وہ شاہ رخ خان کی فلم نہیں ہے جس میں وہ لڑکی کو لے کر بھاگ جاتا ہے کینیڈا، وہ تو میری طیبہ کی فیورٹ ہے۔"

"اُف او...... اچھا سلمیٰ آپا میں ضرور یاد رکھوں گی۔"

"ارے ارے سنو تو......"

بس اس سے زیادہ ہماری ہمت نہیں تھی اور ہم شاہ رخ خان کی اس فلم کو یاد کرنے لگے جس میں وہ لڑکی کو لے کر بھاگ جاتا ہے کینیڈا۔ تو یہ فلم بھی نا کہاں سے کہاں چلا جاتا ہے تو بات ہو رہی تھی تعلیم کی۔

کل ہی ایک مقبول ترین میگزین میں جو خواتین کے ساتھ مردوں میں بھی بے حد مقبول ہے، میں ایک بہت ہی مشہور نئی لکھنے والی مصنفہ کا انٹرویو پڑھ رہی تھی اور سر دھن رہی تھی، کیا کیا ٹیلنٹ ہے ہمارے ملک میں، کتنی ایجوکیٹڈ خواتین آ گئی ہیں اس شعبے میں۔

پہلا سوال: آپ کی زندگی کا یادگار لمحہ؟

میری زندگی کا سب سے یادگار لمحہ وہ تھا جب میری پہلی کہانی ماہنامہ شگفتہ میں چھپی تھی، میں وہ دن کبھی نہیں بھول سکتی اور میری پہلی کتاب چھپی "بھیگی پلکوں پہ مسکان"

سوال: آپ کی معروفیات؟

کچھ خاص نہیں فجر میں اٹھ کر بھینسوں کا دودھ دھوتے ہیں، جسے ابا جی لے جا کر شہر میں بیچ دیتے ہیں اس سے مکھن بھی بنتا ہے مگر مجھے مکھن پسند نہیں، آئی ہیٹ بٹر۔ مجھے اس کی خوشبو برداشت نہیں ہوتی، ہاں لسی پیتی ہوں اور پراٹھا انڈا، اچار۔ ناشتے کے بعد میں اسکول چلی جاتی ہوں، پڑھنے نہیں پڑھانے کیونکہ آئی ایم ٹیچر۔ گجر خان سے دو کلومیٹر دور ہے کوٹ امام دین وہاں پر میں کے جی ون کے بچوں کو پڑھاتی ہوں، آئی لائک اٹ ایجوکیشن۔ میرا اپنا کوچنگ سینٹر بھی ہے جہاں میرے گاؤں کے بچے پڑھتے ہیں، مجھے بہت خوشی ہے کہ میں اس ملک کے لیے کچھ کر رہی ہوں۔

"یہ تھیں محترمہ زرمشالہ ناز ظہور احمد صاحبہ۔ جی دیکھا آپ نے کیسے اچھے لوگ آ گئے ہیں اس شعبے میں۔" ہماری ایک فیس بک فرینڈ ہیں جو رسالہ "زمانے کو دکھانا" کی مدیرہ ہیں، ایسے ہی باتیں کرتے کرتے پوچھنے لگیں، آج کل آپ کی کیا معروفیات ہیں ہم نے کہا کہ کچھ خاص نہیں بس آج علی پور کا ایلی شروع کی ہے۔ اچھا اچھا مدیرہ صاحبہ بولیں بہت خوب بہت اچھے زبردست، جب بن جائے تو ایک پلیٹ مجھے بھی بھجوایئے گا، ضرور مزے دار ہوگی، نام بھی اتنا منفرد ہے اور مجھے اس کی ترکیب ضرور سینڈ کریئے گا میں بھی پکاؤں گی اور اب ہم بیٹھے بیٹھے سوچ رہے ہیں علی پور کا ایلی پک کر کیسی لگے گی۔

❁

معمولی لڑکی

انجم خان

ہر لمحہ میرے لیے اک امتحان
تو میرے پیار کو کہاں تک آزمائے گا
میں نہ کبھی تھکی ہوں نہ تھکوں گی
تو خیال کر اپنا تو تھک جائے گا

اماں کی پسند کی گئی لڑکی کو گھر کی بڑی تین بہوئیں دیکھ کر واپس آئیں تھیں۔ سرمد برآمدے میں چپ بیٹھا تھا۔ آس پاس گھر کے باقی تمام افراد بیٹھے تھے۔ کوئی خوش تھا تو کوئی بے تاثر...... بول سبھی رہے تھے۔ ایک ساتھ، ایک دوسرے کی بات کاٹ کر سبھی اپنی رائے اور خیال ظاہر کرنے میں شدت سے مصروف تھے۔ احمد نواز جو سرمد کے برابر ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ تنگ آ کر تھوڑا اونچی آواز میں بولے۔

"چپ کرو سب، یہ کیا طریقہ ہے۔ لڑکی نہیں لگتا ہے آٹھواں عجوبہ دیکھ کر آ رہے ہو۔" ان کی آواز سے سہمہ تو کوئی نہ تھا البتہ لمحہ بھر کو سب چپ ضرور ہو گئے تھے۔ مگر اس چپ کو ان کی آخری بات پر سب سے بڑی بہو سمیرا کی بے ساختہ چھوٹتی ہنسی نے توڑا تھا۔ جسے پر اماں نے ناگواری سے اور بڑے عقیل جو کہ ان کے شوہر تھے انہوں نے غصے سے گھورا تھا۔ نتیجتاً وہ خود کو روکتیں نظریں جھکا گئی تھیں۔ سرمد کو ان کی اس غیر اخلاقی حرکت پر حیرت ہوئی تھی۔ احمد نواز۔ بہو کی ہنسی کے جواب میں خاموش رہے۔

مگر اماں نے شوہر کو سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

"کچھ کہہ رہے تھے آپ؟"

"ہاں...... لڑکی کیسی تھی؟" انہوں نے شاید سرمد کی چپ ولا تعلقی کو دلچسپ رخ دینا چاہا تھا۔ جبھی ثمینہ بیگم کے سوال پر جواباً بیٹے کو دیکھ کر پوچھا تھا۔ سرمد سرسری سا انہیں دیکھنے کے بعد اماں کا جواب سننے کے لیے ان کی طرف متوجہ ہوا۔

"معمولی......" بے ساختہ جواب سننے کو ملا تھا۔ سب حیران ہوئے تھے۔ اماں کی ناگواریت بھی حد سے سوا ہوئی تھی۔ کیونکہ ان کے کچھ بھی بولنے سے قبل منجھلی بہو نے ٹکا سا، تمسخر بھرا جواب دے دیا تھا۔ جو اس وقت سرمد سمیت سب کو ورطہ حیرت میں ڈال گیا تھا۔

"منہ بند کرو اپنا، شرم تو نہیں آتی تمہیں۔" بیگم کا غیر مناسب و غیر متوقع جواب شعیب کو آگ بگولہ کرتا دھاڑنے پر مجبور کر گیا۔ ان کے غصے نے شہیلہ بھابی کو ضبط کے دہانے پر لا کھڑا کیا تھا۔ جیسا بے ساختہ جواب انہوں نے دیا تھا ویسے ہی اب آنکھیں بے ساختہ بے

عزتی پر پانی سے بھر آئیں تھیں۔ سرمد کی نگاہ انہی پر ٹھہری تھی اور نگاہ سے زیادہ ذہن ان کی بات پر رکا ہوا تھا۔

"شکل صورت ہی سب کچھ نہیں ہوتی۔" اماں نے بھی طنز کے نشتر چلائے تھے۔ دونوں بہوئیں کوفت کا شکار دکھائی دے رہی تھیں۔ چھوٹی بہو صائمہ جو ایسے ماحول میں سب سے زیادہ لطف اندوز ہوکر مصالحہ لگانے کا کام ہمیشہ سے کرتیں تھی، وہ اس وقت کمرے میں بیٹے کو سلانے گئی ہوئی تھیں۔ ورنہ وہ اس موقع کو ہاتھ سے کبھی نہ جانے دیتی۔ ساس اور جٹھانیوں کے درمیان طعنہ وطنز ان کے لیے انوکھی خوشی کا باعث بنتا۔

"ایسی خوب صورتی کو سراہنا بھی عذاب ہے جو اخلاق سے عاری ہو۔" ماریہ کا دل بھی بھرا پڑا تھا۔ بھابیوں کی چرب زبانی نے گھر کا سکون غارت کیا ہوا تھا۔

"میں نے اس گھر کے لیے انمول ہیرا تلاش کیا ہے۔ رنگ روپ نہ سہی مگر اخلاق، سمجھداری، سلیقہ شعاری، گھرداری وعزت میں اس کا کوئی ثانی نہیں۔ ایک معمولی لڑکی میں یہ سب کچھ نہیں ہوتا۔" ثمینہ بیگم نے اپنے الفاظ پر قدرے زور دیتے ہوئے آواز کو بلند کیا۔ احمد نواز کے چہرے پر طمانیت تھی۔ ماریہ بھی مسکرا رہی تھی۔ سرمد اماں کی بات پر سنجیدہ سا سب کو دیکھ رہا تھا۔

سمیر اور شہنیلہ کو گویا سانپ سونگھ چکا تھا جبھی لاپروائی سے چپ سادھی تھی۔ اپنے کمرے سے نکلتی صائمہ بھی ساس کی بات سن چکی تھی۔

"شادی سے پہلے ہر بہو بے عیب اور خوبیوں سے بھرپور ہوتی ہے۔ سسرال میں تعریفوں کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں مگر شادی کے بعد زندگی حقیقت کا روپ دھارتی ہے تو بہو میں دنیا جہان کی برائی اور پھوہڑ پن نظر آتا ہے۔ اماں بہتر یہ ہے کہ شادی تک کوئی امید نہ رکھیں یہ نہ ہو بعد میں اپنے الفاظ ہی رونے پر مجبور کردیں۔" بہت واضح و بے خوف لہجہ، بلند آواز وطنز یہ الفاظ تھے۔ صائمہ کے بقول یہ لہجہ وطریقہ اس کے صاف دل کی عکاسی کرتے تھے۔ وہ پیٹھ پیچھے نہیں ڈنکے کی چوٹ پر بات کرتی ہے۔

اس کے انداز دبے باکی پر سب کی ناپسندیدگی عروج پر پہنچی تھی۔ البتہ جٹھانیوں نے اس کی آمد سے اپنی سانس بحال کی تھی۔ سرمد اپنی ہونے والی بیوی کے متعلق سب کی الگ بلکہ اختلاف شدہ رائے سے پرے محض ایک لفظ معمولی پر اٹکا ہوا تھا۔ دل میں کوئی بیتابی یا اشتیاق نہ تھا، باقی جو جیسی بھی رائے دے رہا تھا اسے اس سے کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔

"تین بار رونے کے بعد ہی یہ فیصلہ کیا ہے۔ اب ٹھوکر لگنے کی نوبت نہیں آئے گی یہ گھر بھی سنبھل جائے گا۔" اماں نے بھی اسی کے انداز میں جواب دیا۔

یہ روز کا معمول تھا۔ لفظی جنگ کئی سال پہلے شروع ہوئی تھی جو اب جڑیں مضبوط کرنے کے ساتھ تینوں بہوؤں اور ساس کا دل ایک دوسرے سے متنفر کرچکی تھی۔ یہ بات سبھی جانتے تھے۔ مگر ثمینہ بیگم کے بیٹے عزت مٹی میں نہیں ملانا چاہتے تھے۔ جبھی تینوں چپ ہونے کے ساتھ بیویوں کی الگ گھر کی فرمائش پر سخت مؤقف رکھتے تھے کہ جب تک وہ خود ضرورت محسوس نہیں کرتے تب تک سب ساتھ رہیں گے۔

"دیکھا جائے گا۔" سمیرا نے بھی ہمت کی اور سپاٹ انداز میں کہا۔ ساتھ ہی سر جھٹکتی اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

شہنیلہ البتہ چپ تھی۔ صائمہ بھی جل بھن کر جا چکی تھی۔ سرمد بھی تنگ آچکا تھا۔ جبھی مزید وہاں بیٹھنے کا ارادہ ترک کیے خاموشی سے الجھے ذہن کے ساتھ اٹھ کر باہر نکل گیا۔ اماں ماریہ سے باتوں میں مگن ہوگئیں تھیں۔ محفل ادھوری ہی برخاست ہوگئی تھی۔ سبھی اپنے اپنے کام میں لگ گئے تھے۔

☆......۞۞......☆

احمد نواز اور ثمینہ بیگم کی چھ اولادیں تھیں۔ جن میں چار بیٹے اور دو بیٹیاں شامل تھیں۔ سب سے بڑا عقیل، دوسرے نمبر پر شعیب، تیسرے نمبر پر ساجد، چوتھے نمبر پر

بڑی تھی سنیعہ، اس کے بعد سرمد اور سب سے چھوٹی ماریہ تھی۔ بیٹوں کی شادی سے پہلے گھر میں مکمل سکون اور باہمی محبت بے شمار تھی۔ دکھ درد سانجھے تھے، خوشی ایک کی ہوتی تو مناتے سبھی تھے۔ زندگی پُرسکون تھی۔ بچے جوان ہوئے، برسر روزگار ہوئے تو ماں کو ان کی شادی کی خواہش جاگی۔ بچوں سے رائے لی، باری باری سبھی نے شادی کے لیے اپنی پسند ظاہر کی، تینوں نے خاندان سے باہر کی لڑکیاں پسند کی تھیں۔ جو اپنی اپنی جگہ بے حد خوب صورت تھیں۔ سرخ و سفید رنگت، پُرکشش نین نقوش والی۔ احمد نواز خاندان ہی میں بیٹوں کو بیاہنا چاہتے تھے مگر ثمینہ بیگم نے بیٹوں کی خوشی و خواہش کو اہمیت دی اور یوں ان کی پسند کی دلہنیں گھر میں خوشگوار اضافے کا باعث بنیں۔ سب ہی نے انہیں عزت و محبت دی۔ ثمینہ بیگم بھی روایتی ساس سے بالکل مختلف ایک شفیق و ملنسار عورت تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ گھر میں فضاء پُرامن و خوشیوں سے بھرپور تھی۔

پہلا سال ایک دوسرے کو اچھے طریقے سے جاننے اور قدم جمانے میں گزر گیا۔ وقت نے اپنی رفتار پکڑ لی تھی۔ موسم بھی بدل رہے تھے۔ صورت حال بھی رفتہ رفتہ بدلنے لگی تھی۔ اماں کی طبیعت خراب رہنے لگی۔ بیٹیاں پڑھ رہی تھیں۔ یوں صلاح مشورے کے بعد گھر کی ذمے داریاں بہوؤں پر منتقل کیں۔ جسے انہوں نے بادل نخواستہ قبول کیا۔ شوہروں کی توجہ الجھنوں و ذمہ داریوں کی وجہ سے کم ہوگئی۔ انہوں نے پہلے کی سی بے تابی و محبت کو کم کیا، ان کی خوبصورتی کے قصیدے پڑھنے بھی کم کئے۔ جس پر تینوں کو دکھ نے گھیرا۔ شروع سے الگ گھر کی فرمائش کی وہ بھی پوری نہ ہوئی، تو انہیں سختی دینے کے لیے ممکن طریقہ اپنایا۔ گھر میں بہوئیں ایک سائیڈ پر ہوگئیں۔ ہر نظام بے ترتیب ہوتا چلا گیا۔ ساس کی کسی بات یا صلاح کو کوئی اہمیت دینا وہ تینوں ضروری نہیں سمجھتی تھیں۔ گھر میں کوئی مہمان آتا تو مہمان نوازی کے تمام تقاضے ساس کے پلو سے لٹکائے بچوں کے بہانے کمرے میں جاتیں تو مہمان کے واپس آنے کے بعد ہی دوبارہ درشن کرواتیں۔ ثمینہ بیگم ان تینوں کے رویہ سے سخت بیزار ہوچکی تھیں۔ ان کا ضبط و نرم لہجہ، بہوؤں نے چار پانچ سالوں میں آزمایا لیکن بیٹوں کی محبت نے انہیں ضبط کی حدوں کو پار کرنے سے ہر بار روکے رکھا۔ مگر دو سال مزید گزرنے کے بعد انہیں اپنے دل میں شکست سی محسوس ہوئی۔ بہوئیں بھی سات سال اپنی خوب صورتی کا رونا رونے کے ساتھ ناک تک پک چکی تھیں۔ گھر کی ذمے داری کو بری طریقے سے نبھانے کے ساتھ جب بچوں کی بھی ذمہ داریاں تینوں پر پڑیں تو حرکات و سکنات کے ساتھ زبان نے بھی پھسلنا شروع کردیا۔ تب ثمینہ بیگم بھی ان کے پھوہڑپن اور خوامخواہ کی ضد سے تنگ آگئیں۔ اور سات سالوں میں پہلی بار انہیں روکا، ٹوکا، کبھی نرم تو کبھی سخت رویہ اختیار کیا، انہیں سمجھانا چاہا، گھر داری کی اہمیت کا احساس دلانا چاہا، گھر کے سکون کو برقرار رکھنے کی التماس تک کی مگر انہوں نے کسی ایک بات پر توجہ دینا اور عمل کرنا ضروری نہ سمجھا، الٹا شوہروں کو تنگ کرنے لگی تھیں۔ یوں وہ ان کے خوب صورت چہروں کے پیچھے چھپے اصل روپ سے آشنا ہوئیں اور فیصلہ کیا کہ سب سے چھوٹے بیٹے کے لیے نہ صرف لڑکی پسند کریں گی بلکہ شکل صورت کے بجائے اس کے اخلاق، سیرت اور باقی اوصاف کو اولیت دیں گی۔ اور اسی سوچ و فیصلے کو پختگی کے ساتھ دل میں لیے وہ سرمد کے لیے لڑکی پسند کرنے کے لیے نظر دوڑاتی رہتیں۔

کچھ ماہ مزید گزرے تھے۔ سنیعہ کی شادی پھوپی زاد سمیر سے طے ہوئی۔ شادی کی تیاریوں کے ساتھ اماں کی تلاش بھی برقرار تھی۔ جو سنیعہ کے ولیمہ والے دن انہیں باقاعدہ ایک سرا تھما چکی تھی۔ سمیر کی بہن کے ساتھ شاید اس کی سہیلی تھی جو تمام وقت اس کے ساتھ نظر آرہی تھی۔ انہوں نے وردہ کے ساتھ اسے پہلی بار دیکھتے ہی دلچسپی ظاہر کی تھی۔ وہ عام سی شکل و صورت کی مالک، گہری گندمی رنگت، نین نقوش بھی نہ زیادہ اچھے تھے نہ بہت برے۔

البتہ جب مسکرائی تب وہ انہیں مزید بھائی تھی۔ گھر واپس آنے تک وہ ثمینہ بیگم کی نگاہوں کا مرکز بنی رہی تھی۔ ساتھ ہی ذہن میں مسموم ارادہ بھی بنالیا تھا کہ اسے ہی سرمد کی دلہن بنائیں گی۔ شوہر کو بھی اس کے متعلق بتایا ساتھ ہی اپنی خواہش کا اظہار بھی کردیا۔

''جیسا مناسب لگے تمہیں مگر اس بار فیصلہ سوچ سمجھ کر کرنا۔'' انہوں نے جواباً کہا۔ پہلے تین تجربوں سے وہ بھی سخت نالاں تھے۔

''فیصلہ سوچ سمجھ کر ہی کروں گی۔ شکل صورت کا مجھے مسئلہ نہیں ہے۔ بس لڑکی اچھی اور عزت لینے و دینے والی ہو۔ اللہ پاک سے دعا ہے۔ کہ جو فیصلہ بھی ہو بہتری کے لیے ہو۔'' انہوں نے دعائیہ لہجے میں کہا۔

اگلے دن وردہ سے بھی بات کی۔ اس کے بارے میں پوچھا۔ تب ورده نے جو اس کے بارے میں بتایا تھا وہ ثمینہ بیگم کو گویا ہر فکر سے آزاد کرگیا۔ اس کا نام نمرہ تھا۔ ورده کی بہت اچھی دوست تھی اور سب سے بڑی بات باقی ہم عمر لڑکیوں سے بالکل مختلف، سمجھدار اور ان کی ہر سوچ پر مکمل طور پر اپنی خوبیوں سے پوری اتری۔ وہ خوش و مطمئن ہوگئیں تھیں۔

سرمد سے بھی پوچھا گیا، اس نے فیصلے کا سارا اختیار اماں کو ہی دیا۔ خواہش تو بہت تھی من پسند لڑکی کو دلہن بنائے۔ شروع سے خوب صورتی کا قائل تھا۔ خود بھی خوبرو وجاہت سے بھرپور تھا۔ شریک حیات کے لیے بھی خوب صورتی و نازک سی، پُرکشش نین نقوش والی چنچل لڑکی کی خواہش تھی۔ مگر اماں اور بھابیوں کے مابین بدمزگی کے بعد وہ اماں کو ان کی پسند کا بھرپور موقع دینا چاہتا تھا۔ سوان سے بناء کچھ کہے شادی کے لیے ہامی بھرلی تھی۔

یوں بات آگے بڑھی اور کچھ عرصے میں رشتہ نیک خواہشات کے ساتھ طے ہوا۔ اماں نے بہوؤں کو بھی نمرہ سے ملوایا، وہ جلی بھنی تھیں۔ ایک لفظ تعریف کا تو دور، الٹا گھر آکے سرمد کا دل متنفر کردیا۔ بار بار معمولی کی گردان الاپتی رہیں۔ بظاہر تو وہ چپ تھا ماں کی خوشی کو برباد نہیں کرنا چاہتا تھا مگر دل میں کوئی جذبہ و احساس پروان نہیں چڑھ رہا تھا۔ کوئی خاص خوشی ''معمولی'' لفظ نے محسوس کرنے ہی نہیں دی تھی۔ اندر ہی اندر الجھ بھی چکا تھا۔ اپنی چپ پر پشیمانی بھی ہونے لگی۔ مگر شادی ہونے تک ظاہر کرنے کی ہمت مجتمع نہیں کرسکا تھا۔

اس کی چپ اور ثمینہ بیگم کی خوشی شادی تک گہری ہوچکی تھی۔ ایک خوب صورت شام نمرہ سرمد کی دلہن بن اس کی زندگی میں شامل ہوگئی۔ دل میں ڈھیروں ارمان اور مستقبل کے لیے آنکھوں میں حسین خواب تھے۔ سرمد نے اسے دیکھ کر ایک لفظ بھی نہیں کہا، نہ تعریف کا نہ ستائش کا، بس خاموشی سے اسے رونمائی کا تحفہ تھمایا، دل میں آندھی سی چلنے لگی تھی۔ اماں کی پسند اس کے دل کو ایک آنکھ نہیں بھائی تھی وہیں اسی لمحے بیٹھے بیٹھے خود سے موازنہ کرنے لگا۔

اپنا اور اس معمولی لڑکی کا رشتہ بالکل بے جوڑ لگا۔ وہ اس کے بولنے کی منتظر تھی مگر اس نے ایک لفظ بھی نہ کہا۔ اس رات خود بھی دل کا ماتم کرتا رہا اور نمرہ کو بھی بری طرح الجھا گیا۔ نمرہ بھی اس کی چپ پر چپ ہوگئی تھی۔ نئی زندگی میں پہلا پڑاؤ چپ سے شروع ہوا۔ اسے دکھ بھی ہوا مگر سرمد کی بے اعتنائی نے اسے کچھ بھی بیان نہ کرنے دیا۔ یوں ایک چھت کے نیچے دو اجنبیوں کی طرح ان کی پہلی رات گزری تھی۔ اور اس پہلی رات کے بعد آنے والی ہر رات بھی۔ سرمد اس سے لاتعلق ہی رہا۔

نمرہ ششدر رہ گئی تھی۔ اسے سرمد نے اس تذلیل کی وجہ تک نہ بتائی تھی اور یہ بات اتنی عام نہ تھی کہ وہ کسی سے اس بارے میں پوچھ سکتی۔ دل پر جبر کرنا اس کے لیے مشکل تھا۔ اپنے ارمان سرمد کے پیروں تلے کچلے جانے پر افسوس تھا۔ دل کو کرب نے گھیر لیا تھا۔ خواب بھی تمام ادھورے رہ گئے تھے۔ چہرے پر باقی تمام افراد کے سامنے مسکراہٹ تو سجالی تھی مگر اس مسکراہٹ کا پھیکا پن کسک بن کر رہ گیا تھا۔ کسی سے کچھ کہہ ہی نہ سکی۔ ثمینہ بیگم زیرک خاتون تھیں۔ سرمد کی چپ اور نمرہ کا

اترا ہوا چہرہ انہیں دونوں کے درمیان تعلق کی نوعیت کا احساس دلا گیا تھا۔ وہ بیٹے سے سخت نالاں ہوئی تھیں۔ اپنی جگہ خفا بھی ہوئیں۔ مگر سرمد نے انہیں موقع ہی نہ دیا کہ وہ اسے کچھ کہہ یا سمجھا سکتیں۔ نہ نمرہ کی تشنگی و اداسی کو زائل کر سکتیں تھیں۔ البتہ بڑی تین بہوئیں جہاں سرمد کے نمرہ سے لاتعلق پر خوش ہوئی تھیں وہیں نمرہ کا صبر و خاموشی انہیں حیران کر گیا تھا۔ نئی نویلی دلہن کا شوہر کی بے اعتنائی و نظر انداز کرنے پر بھی کوئی گلہ شکوہ نہ کرنا ان تینوں کو حیران کر گیا تھا۔

نمرہ اپنے لیے جہاں ساس کی پریشانی محسوس کرتی وہیں جٹھانیوں کی طنزیہ نظروں میں اپنے لیے تضحیک و تمسخر دیکھتی۔ انہی سے سرمد کی خود سے دوری اور لاتعلقی کی اصل وجہ پتہ چلی، تبھی دکھ و حیرت نے اس کے دل کو اذیت ناک شکنجے میں جکڑ لیا تھا، اپنا ظاہری روپ تو اس نے کبھی سنوارنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔ جیسی تھی مطمئن تھی۔ البتہ سرمد کی سوچ پر دل درد سے بھر بھر جاتا، رونا بھی آتا، چھپ کر رو بھی لیتی۔ ساتھ ہی اللہ پاک سے دعا کرتی، سرمد کو اپنے حق میں اچھا کرنے کی، خود کو ثابت قدم رکھنے کی۔ بات ایسی تھی کہ گھر میں اپنے ماں باپ کو بھی نہیں بتا سکتی تھی۔ وردہ اس سے ملنے آئی، اس سے بھی اپنا دکھ چھپا لیتی، ماریہ نند تھی مگر بہنوں جیسا پیار اس کے لیے رکھتی تھی لیکن وہ کسی کو بھی کچھ نہ بتا سکی تھی۔ بس اپنی دعا مستجاب ہونے کی دعا کرتی۔ اس ابتدائی آزمائش میں اترنے کے بعد وہ ہارنا بالکل بھی نہیں چاہتی تھی۔ پہلے تو سرمد اس سے بالکل بھی بات نہیں کرتا تھا مگر پھر وقت گزرنے کے ساتھ کام پڑنے پر اس سے بات کرتا بھی تو انداز ایسا ہوتا جیسے اس پر احسان کر رہا ہو۔ خود کو سرمد سے متعلق ادھوری، اذیت بھری سوچوں سے نکالنے کے لیے اس نے جلد ہی گھر کے کاموں میں خود کو مصروف کر لیا تھا۔

باقی گھر والوں کے لیے، ساس سسر کے لیے دل میں کوئی میل یا گلہ نہیں تھا۔ ان سے اپنا حال چھپائے ان کی خدمت کرتی، ان سے بیٹھ کر باتیں کرتی، ان کے کھانے سے لے کر کپڑوں اور دیگر کاموں کا ذمہ بھی اپنے سر لے لیا۔ دن گزرتے جا رہے تھے۔ وہ اندر سے ادھوری تھی اور سرمد، ہنوز اماں کے فیصلہ کو ماننے پر پچھتا رہا تھا۔

ثمینہ بیگم سرمد کو وقت اور موقع دے رہی تھیں۔ نمرہ ان کی توقعات پر پورا اتری تھی۔ انہیں یقین تھا کہ یوں ہی وہ سرمد کے دل میں جگہ بنا لے گی۔ ان کی زبان پر ہمہ وقت نمرہ کے قصیدے رہنے لگے تھے۔ جس سے بڑی بہوؤں کی سانسیں اٹکی رہتیں اور جسے بحال کرنے کے لیے وہ تینوں اپنے ذاتی اختلاف بھلائے زیادہ تر وقت ایک ساتھ سر جوڑے نظر آتیں۔ جبکہ ان کے شوہر اماں کے آگے سر جھکائے بیٹھے رہتے، نمرہ کے آنے اور گھر سنبھالنے کے بعد بیویوں کے حق میں ان کے پاس بولنے کو کچھ بچا نہیں تھا۔

البتہ گھر میں ایک الجھی گتھی جسے سب چپ رہ کر، مکمل جائزہ لینے کے بعد بھی نہیں سلجھا پائے تھے کہ پہلی تین بہوؤں کو واقعی لاکھ کوششوں کے بعد بھی کھانا پکانا نہیں آتا تھا یا وہ دانستہ اتنا بدمزہ، بدذائقہ کھانا پکاتی تھیں کہ آئندہ انہیں اس ذمے داری کو سونپنے سے پہلے سو بار سوچا جائے۔ اماں نے اپنے تجربے کو بروئے کار لاتے ہوئے ان کے سر پر گھنٹی بھی بجائی، تینوں کو باریاں بھی دی گئیں۔ یوں کام تو بٹ گیا مگر ذائقے میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ بیٹوں نے ماں سے سخت سننے کے بعد بیویوں کو ہینڈل کرنا چاہا تھا مگر وہ اس معاملے میں بھاری نکلی تھیں۔

”سب اپنا اپنا الگ پکائیں۔ روز پندرہ بندوں کے لیے دیگچا چڑھانے سے خاک ذائقہ بنتا ہے۔“ مختلف طریقے سے سب کا ملا جلا جواب سامنے آیا تھا۔ یہ تو بھی جانتے تھے کہ ان تینوں کے دل میں شروع سے الگ گھر کی خواہش تھی جو کہ پوری نہیں ہوئی تھی اور نہ کسی طور پوری ہوتی نظر آ رہی تھی۔

لیکن نمرہ کے آنے کے بعد گھر میں ان تینوں کی چہ مگوئیوں نے تو زور پکڑا ہی تھا مگر کچن میں ذائقوں کی بھر

مارہو گئی تھی۔ کسی بھی قسم کا کھانا کیوں نہ ہوتا، وہ سب کچھ دل سے پکاتی، ذمے داری سے پکاتی، سب اس سے خوش تھے۔ ثمینہ بیگم کے دل میں اس کی قدر و منزلت مزید بڑھتی جارہی تھی۔ جس کا جب بھی موقع ملتا وہ سرمد سے ذکر کرتیں لیکن سرمد ان کی کسی بات کو دلچسپی سے نہ سنتا۔

اب تو کام سے واپسی کے بعد ثمیرا، شہیلہ یا صائمہ میں سے کوئی اسے اکیلا بیٹھا دیکھتی تو فوراً اس کے پاس بیٹھ جاتیں اور باتوں باتوں میں کسی نہ کسی طریقے سے نمرہ کا ذکر لے آتیں۔ جس پر وہ بوریت کا اظہار کرتا تو وہ آہستہ آہستہ سرمد کو ادھر ادھر سے خوب صورت لڑکیوں و نو بیاہتا جوڑے کے پرفیکٹ میچ کا حوالہ دیتیں۔ جس پر سرمد کی چپ انہیں گھنٹوں مسکرانے اور مذاق اڑانے کا موقع فراہم کرتی۔ وقت اپنی رفتار کے مطابق گزر رہا تھا۔

سرمد نے اپنے اور نمرہ کے درمیان دوریاں مزید بڑھا دی تھیں۔ الٹا اب ایسے دیکھتا کہ نمرہ کو اپنی تذلیل محسوس ہوتی۔ وہ دل برداشتہ ہو جاتی۔ ایک بار ثمینہ بیگم نے اسے روتے ہوئے بھی دیکھ لیا تھا، دل بہت دکھا تھا، سرمد پر بے تحاشہ غصہ بھی آیا لیکن انہوں نے نمرہ کے سامنے اپنے غصے کو چھپائے اسے گلے لگایا تھا۔

''بیٹا میں سرمد کے رویے پر شرمندہ ہوں جو بلا وجہ کٹھور بنا ہوا ہے۔ دل کا بہت اچھا ہے وہ۔ بس اسے تمہاری قدر نہیں ہوئی۔ اسے احساس دلانا بہت ضروری ہے۔ پھر دیکھنا کیسے معافی مانگے گا تم سے۔'' اسے دلاسہ دیا۔

''میں خود کو بہت مضبوط کر کے قسمت کے لکھے پر صبر کرنا چاہتی ہوں اماں لیکن اب ان کی وجہ سے مجھے اپنے معمولی چہرے سے چڑ ہو رہی ہے۔ میں خوب صورت نہیں ہوں مانتی ہوں مگر میرا دل صاف ہے۔ میں ان کے دل کی کیفیت بھی سمجھ سکتی ہوں۔ لیکن ان کا سرد لہجہ اور لاتعلقی اب اذیت بنتی جارہی ہے۔'' کئی مہینوں بعد وہ ضبط ہاری تھی۔ اماں کے کندھے پر سر رکھے رونے لگی۔ اسی لمحے باہر سے گزرتا سرمد اس کی آواز سن کر رکا تھا۔

''شکل صورت اتنی انمول نہیں ہوتی بیٹا جتنی سیرت و اخلاق ہوتا ہے۔ تمہارا دل خوب صورت ہے اور خوب صورت دل ہر دل پر راج کرتا ہے۔'' انہوں نے اسے چپ کرواتے ہوئے کہا تو وہ مسکرائی۔

''اماں میں اس گھر میں آپ سب کے ساتھ ہمیشہ رہنا چاہتی ہوں۔ سرمد سے گلہ اپنی جگہ مگر میں ان سے اپنا رشتہ ختم نہیں کرنا چاہتی۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''تمہیں اس گھر میں اسی لیے لائی ہوں بیٹا تاکہ اس گھر اور سرمد سے تمہارا رشتہ ہمیشہ برقرار رہے۔ جوان شاء اللہ برقرار بھی رہے گا اور وہ تمہارا ہر حق بھی ادا کرے گا۔'' انہوں نے اس کا ہاتھ تھام کر یقین دلایا۔ آنسو صاف کرتے ہوئے وہ مسکرائی تھی۔ سرمد چپ چاپ وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ نمرہ کی باتوں سے زیادہ اس کے سامنے اس کی روتی آنکھیں آرہی تھیں۔ جبھی پہلی بار اس نے اپنے رویے کے متعلق سوچا۔

''ایک لڑکی جو میرے لیے اپنا گھر بار، ماں باپ، سب رشتے چھوڑ کر آئی ہے محض اس کی شکل صورت معمولی ہونے پر میں نے آج تک اس سے بات نہیں کی، نہ اس کے بارے میں کبھی کچھ سوچا، وہ میری بیوی کی حیثیت سے اس گھر میں رہ رہی ہے اور بناء کسی حق کو وصول کیے۔ سب اس سے خوش ہیں سوائے میرے۔ جبکہ اس کے یہاں ہونے کی وجہ ہی میں ہوں۔'' وہ سوچوں میں شدت سے محو تھا۔ حیرانگی بہت بڑھ چکی تھی۔

اس نے کبھی مجھ سے رو کر یا حق جتا کر بات تک نہیں کی مگر وہ اندر سے ٹوٹی ہوئی ہے جبھی رو رہی تھی۔ کتنا کٹھور و سخت دل ہوں میں۔ آج تک ایک دن بھی میں نے اس کے بارے میں نہیں سوچا۔'' وہ اتنے عرصے میں پہلی بار بری طرح الجھا تھا۔ کہیں نہ کہیں شرمندہ بھی ہوا تھا۔ یقیناً یہ نکاح جیسے مضبوط رشتے کی طاقت ہی تھی۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ اپنی ندامت کو مٹانے کی کوئی راہ نکالتا صائمہ بھابی اس کے پاس آگئی۔

''سرمد۔'' آواز پر وہ سوچوں کی دنیا سے باہر نکل کر

حواس بحال کرنے لگا۔ پھر سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

"میں نے سوچا تمہیں ہانیہ سے ملوا دوں۔" جواباً صائمہ بھابی نے اپنے ساتھ کھڑی انتہائی خوب صورت نازک سی بہن کی طرف اشارہ کیا تھا جو مسکراتے چہرے و اشتیاق بھری نظروں سے سرمد کو دیکھے جارہی تھی۔ بھابی کے کہنے پر سرمد اس کی طرف متوجہ ہوا۔ سلام دعا کی۔

"میں نے کل اماں کو اس کے آنے کا بتادیا تھا۔ اصل میں میرے امی ابو عمرے کے لیے جارہے ہیں۔ گھر میں یہ اکیلی رہ گئی تھی۔ تو اسے یہاں لے آئی ہوں۔ ہانیہ ان کی واپسی تک یہیں رہے گی۔" انہوں نے تفصیل سے بتایا۔

"اوہ اچھا۔ آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔" جبکہ ہانیہ نے باقاعدہ اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے ایک ادا سے کہا تھا۔

سرمد نے بغور اسے دیکھا تھا۔

اس کی پُرشوخ آنکھوں میں اپنے لیے چمک دیکھی تھی۔ جو اسے اپنے حصار میں لینے میں بھی کامیاب ٹھہری تھی۔ ہانیہ نے اسے خود میں الجھتا دیکھ کر چہرے پر مسکراہٹ گہری کی۔ یہی تو وہ اور صائمہ بھابی چاہتی تھیں۔ سرمد اس کے روشن مسکراتے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے والی کیفیت سے وہ باہر نکل آیا تھا۔ ہانیہ اس سے مزید باتیں کررہی تھی۔ سرمد کو اسے سننا اچھا لگ رہا تھا۔ صائمہ بھابی بھی دونوں کو بھرپور موقع دیئے کام کے بہانے سے دونوں کو اکیلا چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔

☆......۞۞......☆

چند دن مزید گزرے تھے۔ ثمینہ بیگم کی فکر و پریشانی آسمان کو چھورہی تھی۔ ہانیہ کے آنے سے انہیں پہلے تو کوئی مسئلہ نہیں تھا مگر جب انہوں نے اسے بیٹے کے ساتھ باتوں میں محو پایا۔ تب ان کا ماتھا ٹھنکا تھا۔ اس سے زیادہ بیٹے پر شدید غصہ آیا تھا۔ نمرہ کی آنکھوں میں بھی تشنگی دبے بے بسی اُنڈ رہی تھی۔ سرمد کو اس کی ذرا برابر بھی پروا نہیں تھی۔ انہیں اپنا فیصلہ نمرہ کے حق میں شرمندہ کر گیا تھا۔ نمرہ کی خاموشی میں انہیں دکھ بھرے شکوے سنائی دینے لگے تھے۔ وہ گھر بھر کے کاموں میں خود کو مصروف رکھتی کہ کوئی لمحہ ایسا میسر نہ آئے کہ اس کا دل سرمد سے متنفر ہوجائے۔ ادھوری شادی کا قصہ وہ تمام نہیں کرنا چاہتی تھی۔ سرمد سے اپنا رشتہ اسے عزیز تھا۔

آزمائش اب تکلیف بھی دینے میں بے تکلف ہوچکی تھی۔ لیکن دعاؤں کو ہتھیار بنائے وہ ثابت قدم تھی۔ امید کا دامن اس نے نہیں چھوڑا تھا۔ دوسری طرف سرمد کی ہانیہ میں بڑھتی دلچسپی ثمینہ بیگم کو اس کے سامنے لے آئی تھی۔

"ڈرو اللہ کے خوف سے سرمد..... ایک لڑکی کی زندگی کو عذاب کیا ہوا ہے تم نے۔" ان کا لہجہ نرم تھا۔ وہ اسے احساس دلانا چاہتی تھیں۔

"اماں میں کیسے.....؟" سوالیہ انداز میں جواباً وہ بات ادھوری چھوڑ گیا۔

"کیوں انجان بن رہے ہو؟"

"اماں وہ اچھی ہے۔ اس گھر کے لیے مگر....."

"اس گھر کے لیے تو وہ انمول ہیرا ہے۔ تمہارے لیے بھی۔ بس تمہیں ابھی اس کی پہچان اور قدر نہیں ہوئی۔"

"اماں میں ہانیہ کو پسند کرتا ہوں۔" وہ ان کی بات کے جواب میں اپنے دل کا حال بیان کرگیا۔ نظر جھکی ہوئی تھی۔

"ہونہہ، محض چند دنوں میں اس کی ظاہری خوب صورتی تمہیں بھاگئی مگر وہ جو پچھلے کئی مہینوں سے تمہارے نام پر اس گھر میں ہے اس کا خوب صورت دل تمہیں نظر نہیں آیا۔ بہت افسوس کی بات ہے سرمد..... تم نے اپنے بھائیوں کی زندگی سے کچھ نہیں سیکھا۔ خوب صورتی اگر خوب سیرت نہ ہو تو اس کا ہونا بیکار ہے۔ شکل و صورت اللہ کی دین ہے۔ دنیا نے دکھاوا بنالیا ہے۔ دل کی خوب صورتی کو ٹٹولنا سیکھو۔ زندگی مطمئن، خوب صورت و سہل ہوجائے گی۔" وہ سنجیدہ ہوئیں۔ سرمد نے چپ رہنے پر اکتفا کیا۔

"ہانیہ سے شادی کی بات تم نمرہ سے کرو تو وہ تمہیں اس کی بھی اجازت دے دے گی۔ بیشک وہ بہت صابر

بچی ہے مگر خدارا اس کے صبر کو مزید مت آزماؤ۔ اسے اس کا حق دو۔ اس گھر کو سنبھال کر اپنا فرض کو تو وہ پورا کر رہی ہے۔ ایک دن بھی اس نے تمہارے رویے کا کسی سے ذکر نہیں کیا۔ نہ کبھی یہ گھر چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔ اگر وہ عام یا معمولی لڑکی ہوتی تو اب تک تمہاری عزت تار تار ہو چکی ہوتی۔ اسے اپنی توجہ و محبت سے محروم مت کرو۔ وہ ٹوٹی تو تم پچھتاوا سمیٹتے رہ جاؤ گے۔" وہ آج اسے خبردار کر رہی تھیں۔ لہجہ ہنوز آہستگی لیے ہوئے تھا۔

سرمد کو ان کی باتیں شرمندہ کرنے لگیں تھیں۔ ثمینہ بیگم اسے شرمندہ ہوتا دیکھ کر چپ نہیں ہوئی تھیں۔

"گھر میں رہنا، کھانا پینا، سونا، بجنا سنورنا اور بس زندگی گزارنا ہی سب کچھ نہیں ہوتا۔ یہ سب معمولی عورتیں با آسانی کر سکتی ہیں مگر گھر کو سمیٹنا، ایک کرنا سب کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ کوئی معمولی عورت کسی کو خوش کرنے کے لیے اپنی خوشیوں کا گلہ نہیں گھونٹتی۔ نمرہ کی قدر کرو بیٹا۔ وہ معمولی شکل صورت والی ایک غیر معمولی لڑکی ہے۔" انہوں نے آسان الفاظ میں سمجھانا چاہا۔ نمرہ کے لیے وہ افسردہ تھیں۔ اس کی زندگی میں خوشیوں کی بہار لا کر اسے حقیقی خوشی دینا چاہتی تھیں۔

سرمد نے بناء کچھ کہے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ بیٹے کی چپ پر وہ پُر امید ہوئی تھیں۔ وہ اسی چپ کے ساتھ سر ہلاتا باہر نکل آیا۔ دل اماں کی باتوں سے بوجھل سا ہو گیا تھا۔ ایک بار پھر اندر احساس نے انگڑائی لی تھی۔ ذہن میں نمرہ کا چہرہ نمایاں ہوا تھا۔ آج تک اس سے اپنا لاتعلق ہونا ندامت سے سامنا کروا گیا تھا۔ اپنے کمرے کی جانب بڑھنے لگا۔ ذہن سوچوں سے بھر چکا تھا۔ وہ الجھ چکا تھا۔

ایک لمحے کو ہانیہ کا خیال بھی آیا۔ جبھی کمرے کی جانب بڑھتے قدموں کا رخ صائمہ بھابی کے کمرے کی جانب گیا۔ یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ ہانیہ سے کیا کہنے جا رہا ہے مگر اس لمحے اس سے بات کرنا ضروری لگا تھا۔ بھابی کے کمرے کے نزدیک پہنچ کر وہ ایک لمحے کو رکا۔ ذہن میں الفاظ کے الجھے تانے بانے بنے۔ دستک کے لیے ہاتھ دروازے کی جانب بڑھایا مگر اگلے ہی لمحے اندر سے آتی آواز پر اپنے اٹھتے ہاتھ کو واپس گرا لیا۔

"ہانیہ تم اپنا ناٹک جاری رکھو۔ سرمد خوب صورتی پہ مرتا ہے۔ ایک بار تمہاری اس سے شادی ہو گئی تو اماں کو بھی سمجھ آ جائے گی کہ ان کا فیصلہ متاثر کن نہیں تھا۔" صائمہ بھابی ہانیہ کو سمجھا رہی تھیں۔

"بالکل خوب صورتی، سمجھداری اور گھر داری کے ہم پلہ ہوتی ہے۔" اب کہ سمیرا بھابی اترا کر بولی تھیں۔ وہ حیران ہوا تھا۔

"مگر آپی سرمد کی پہلی شادی......" جبکہ ہانیہ کی آواز میں عجیب سا تاثر تھا۔ وہ اس کی مکمل بات سننا چاہتا تھا لیکن صائمہ بھابی اسے ٹوک گئی۔

"اماں کو بڑا مان ہے نہ اس معمولی بہو پر، ہمیں سرمد کے ذریعے اس مان کو توڑنا ہے۔ یہ ثابت کرنا ہوگا کہ خوب صورتی ہی سب کچھ ہوتی ہے۔ گھر تو نوکرانیاں بھی سنبھال لیتی ہیں۔ بیوی خوب صورت ہونی چاہیے۔" ان کے لہجے میں اکڑ تھی۔ ناز تھا۔

"اور یہ اسی صورت ممکن ہو سکتا ہے جب سرمد ہانیہ سے شادی کرے۔" سمیرا بھابی نے کھل کر کہا۔

"اپنے شوہروں کے منہ بند کروانے کے لیے سرمد کو دوسری شادی کے لیے قائل کرنا بہت ضروری ہے۔" شہنیلہ بھابی نے بھی اپنا حصہ ڈالا تھا۔ نمرہ کے آنے کے بعد سے شوہر کے طعنے اسے زہر سے زیادہ کڑوے لگتے تھے۔

"قائل کرنے کے لیے صرف "معمولی" لفظ ہی کافی ہے۔" ہانیہ بھی معمولی پر زور دے کر ہنسی تھی۔ باقی تینوں نے اس کا ساتھ دیا تھا۔

"اور وہ بیچارہ تو پہلے ہی سے معمولی الجھے دھاگوں میں پھنسا ہوا ہے۔ اسے نمرہ سے متنفر کرنا مشکل نہیں ہے۔" صائمہ بھابی کا لہجہ تمسخر بھرا تھا۔ وہ ان سب کی باتوں سے ساکت رہ گیا تھا۔

"تو گویا ان سب نے اماں کو غلط ثابت کرنے کے

لیے شروع سے میرا استعمال کیا۔ مجھے شادی سے پہلے ہی نمرہ سے متنفر کیا اور میں بیوقوف ان کی باتوں میں باآسانی آبھی گیا۔'' اسے گہرے رنج نے گھیرا تھا۔

اپنی بیوقوفی پر بے تحاشہ غصہ بھی آیا تھا۔ دل چاہا ابھی کہ ابھی اندر جا کر سب کو منہ توڑ جواب دے لیکن خود کو روک لیا۔ ان کی چال کو بے نقاب کرنے سے زیادہ ضروری اس وقت اپنی شرمندگی وندامت کو کم کرنا تھا۔ جو نقصان اس نے اپنے حصے میں لکھنا چاہا تھا، اس کا ازالہ زیادہ ضروری تھا۔ چپ چاپ ضبط سے گزرتا، ہونٹوں کو سختی سے بھینچے وہ اوپر چھت پر چلا آیا تھا۔ ذہن میں اماں کی باتیں تھیں اور آنکھ کے پردے پر نمرہ کا روشن چہرہ۔

''اگر وہ معمولی لڑکی ہوتی تو اس گھر میں نہ ہوتی' میرے نام کا بھرم نہ رکھتی چپ نہ ہوتی۔ میرے ماں باپ سے مخلص نہ ہوتی' مجھ سے جڑا رشتہ میرے بدترین لاتعلق رویے کو وجہ بنا کر روا نہ رکھتی' مجھ سے لڑتی۔ گھر میں بھابیوں کی طرح۔ وہ واقعی ان جیسی نہیں ہے۔ اس کی سیرت واخلاق ان جیسا نہیں ہے۔ اس کا دل بھابیوں جیسا نہیں ہے۔ وہ معمولی نہیں ہے۔'' وہی ایک لمحہ تھا۔ اسے بھٹکی راہ میں ستارہ مل گیا تھا۔ دل تاریکی سے نکل کر اجالا سمیٹ رہا تھا۔ دماغ پر سے خوب صورتی کا خیالی تصور پل میں زائل ہو چکا تھا۔

پچھتاوا کرب میں لپٹنے سے پہلے ہی تلافی کی صورت نکال کر اسے حوصلہ دے گیا تھا۔ دل میں نمرہ کی اہمیت و محبت کا چراغ روشن ہوا تھا۔ کئی مہینے برباد ہو چکے تھے مگر فیصلہ کرلیا آئندہ تمام عمر اسے حصارِ محبت میں رکھے گا۔ اسے ہر حق دے گا۔ اپنا ہر فرض نبھائے گا۔ خود سے جڑے اس کے پاک رشتوں کو مضبوط پناہوں میں رکھے گا۔ اس کے خوب صورت دل میں اپنی محبت رقم کرے گا۔

طمانت بھری سوچ دل ودماغ کو ہلکا کر گئی تھی۔ وقت اس کے حق میں تھا راہ ہموار تھی۔ چھت سے اتر کر پہلے اماں کی طرف گیا۔ وہ سونے کے لیے لیٹی ہوئی تھیں۔ اسے دیکھ کر اٹھ بیٹھیں۔

''اماں میں آپ سے معافی مانگنے اور شکریہ ادا کرنے آیا ہوں۔'' وہ آہستگی سے کہتا ان کے قریب چلا آیا۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگیں۔

''معافی اس لیے کہ آپ کے فیصلے کو مانتے ہوئے نمرہ کو اس گھر میں تو بیاہ لایا مگر اس فیصلے کو دل سے تسلیم نہ کرسکا۔ نمرہ کو اہمیت نہ دے کر میں نے بہت سوں کو غلط سوچنے، بولنے اور میری زندگی کو غلط راہ پر ڈالنا کا موقع دیا۔ میں واقعی نمرہ سے اپنے رویے پر نادم ہوں۔ ازالہ بھی کروں گا اور شکریہ اس لیے کہ آپ نے مجھے سمجھایا، احساس دلایا۔ اماں اس میں کوئی شک نہیں کہ سیرت واخلاق، خوب صورت شکل وصورت سے زیادہ خوب صورت اور اہم ہوتے ہیں۔'' وہ سچائی سے بولا۔ تینوں بھابیوں کے بارے میں انہیں بتانا ضروری نہ سمجھا کہ یوں گھر میں کشیدگی بڑھ سکتی تھی۔

ثمینہ بیگم کے چہرے پر تشکر آمیز مسکراہٹ نے بسیرا کیا تھا۔

''شکر ہے تمہیں احساس ہوا، اب نمرہ کو خوش رکھنا۔ اللہ پاک تم دونوں کو ایک ساتھ آباد رکھے' آمین۔'' وہ دل سے بولیں۔ بیٹے کی باتوں سے پُرسکون ہو گئی تھیں۔ نمرہ کے لیے بھی خوش ہوئی تھیں۔ وہ تھوڑی دیر مزید بیٹھنے کے بعد باہر نکل آیا تھا۔

دل چاہا کہ بھابیوں کے پاس جائے، ان کو بتائے کہ وہ ان کی چال کو جان چکا ہے مگر پھر ارادہ منسوخ کیا۔ دل نے گواہی دی تھی کہ کل وہ اسے نمرہ کے ساتھ خوش ونارمل دیکھ کر خود ہی سب جان جائیں گی۔ منہ ماری یا الزام تراشی کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی۔ اسے اور نمرہ کو ساتھ دیکھ کر وہ ناکام تو خود بخود ہو ہی جائیں گی اور ویسے بھی اب جب وہ نمرہ کی سیرت، اخلاق و دل کی خوب صورتی کا قائل ہونے کے بعد اپنا دل اس کے لیے محبت سے بھر چکا تھا تو اتنا یقین ہو چلا تھا کہ آئندہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اسے کوئی بدگمان نہیں کرسکتا۔ وہ مطمئن سوچ کے ساتھ کمرے میں چلا آیا۔ کمرے میں آنے کے بعد نگاہوں کو نمرہ کے

تعاقب میں لگایا۔
وہ الماری کے پاس کھڑی اس کے استری شدہ کپڑے رکھ رہی تھی۔ وہ چند پل بنا کچھ بولے محویت سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ اگلے کچھ ہی لمحوں میں اس کی نگاہوں کی تپش محسوس کر چکی تھی۔ جبھی نروس سی ہوئی۔ کام ختم ہونے کے باوجود اپنی جگہ سے نہ ہلی۔
سرمد اس کے ساکن وجود کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ آج جذبات میں شدت تھی۔ وہ محبت جو نکاح کے ساتھ ہی دو دلوں کو ایک کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی اس پل اپنے تمام تر احساس سے اس کو اپنے حصار میں جکڑ چکی تھی۔ وہ اسے ہنوز اسی حالت میں کھڑا دیکھ کر اس کے قریب چلا آیا۔
”میں تمہارا گناہ گار ہوں۔ سزا کے لیے خود کو پیش کرنے آیا ہوں۔“ اس کے کان کے قریب اعتراف کیا۔
”میں شرمندہ ہوں۔“ وہ بے ترتیب دھڑکنوں کو سنبھالتی حیران ہوئی تھی۔ اپنی سماعت پر یقین تک نہ ہوا۔
”میں تو بھٹک گیا تھا لیکن تم نے کبھی کوئی کوشش کیوں نہیں کی۔ مجھے میری غلطی پر احساس بھی تم نے کبھی نہیں دلایا' نہ لڑی نہ اپنے حقوق کا کبھی مطالبہ کیا۔ بس شروع سے چپ رہی کیوں......؟“ سرمد اس کی چپ پر پوچھ رہا تھا۔
نمرہ کو آج اس کا لب و لہجہ مختلف و بدلہ ہوا بہت خاص لگ رہا تھا۔ وہ سنجیدہ مگر خوش تھی دعائیں مستجاب ٹھہری تھیں۔
”ہمارا رشتہ ایسا ہے جس میں، میں آپ پر کوئی زور زبردستی نہیں کر سکتی لیکن اللہ پاک کی ذات پر میرا یقین کامل تھا اور ہے۔ میں نے صبر کیا اس امید پر کہ اللہ پاک آپ کے دل میں میری گنجائش بنائیں گے۔ آپ کے دل پر میرا جائز حق ہے اور مجھ پر آپ کا۔ نکاح ایک مقدس رشتہ بنانے کے ساتھ کدورت و نفرت پر محبت کو غالب کر دیتا ہے اور جہاں محبت تمام تر جائز حقوق کے ساتھ غالب آجائے وہاں ناامیدی دم توڑ دیتی ہے۔“ وہ پہلی بار تفصیل و طمانت سے بولی تھی۔ لب و لہجہ پر یقین تھا۔
”میرے دل میں تمہارے لیے کدورت و نفرت نہیں تھی۔“ اس نے وضاحت دینی چاہی۔
”جانتی ہوں۔ محض ایک لفظ ”معمولی“ نے آپ کے قدموں کو جکڑ رکھا تھا۔ مجھے کوئی افسوس نہیں ہے۔ معمولی میں اب بھی ہوں لیکن آپ کی غیر معمولی عزت اور محبت چاہتی ہوں۔“ سرمد کو لگا جیسے نمرہ نے اس کی منتشر سوچوں کو سمیٹ کر اس کی تلافی کو مان دیا ہو۔ اس کے دل سے بوجھ اتر گیا تھا۔ نمرہ کے سوالیہ چہرے پر طمانت واضح تھی۔ وہ بھی پُرسکون ہونا چاہتا تھا۔ اپنائیت سے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔
”میں وعدہ کرتا ہوں تمہیں عزت اور محبت دونوں دوں گا۔“ پُر وثوق لہجے میں اسے یقین دلایا۔ اس نے مسکرانے پر ہی اکتفا کیا۔ جبکہ وہ دل سے بولا تھا۔
”اور تم معمولی نہیں ہو۔ اماں کہتی ہیں کہ تم اس گھر کا انمول ہیرا ہو۔ تم بہت خاص ہو، اس گھر کے لیے، میرے لیے اور میرے دل کے لیے۔“ اعتراف کرتا وہ دل کا حال بھی بیان کر گیا تھا۔
نمرہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ جو سرمد کے دل کی عکاسی بنی مبہوت سی اس کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ مسکرا دی۔
سرمد بھی آسودہ سا اس کے ساتھ مسکرایا تھا۔ محض ایک لفظ سے پھیلی کثافت پہلی ہی کوشش سے مٹ گئی تھی اور اب یقیناً آگے زندگی کی ہر صبح ان کے لیے بہار لانے میں محو ہوگی۔

زندگی

صباحت رفیق چیمہ

آج صبح سے ہی نجانے طبیعت پر کیسا بوجھل پن چھایا تھا کہ کسی کام میں بھی دل نہیں لگ رہا تھا۔ عصر کے بعد کا وقت تھا کہ میں دوسری منزل کی سیڑھیاں چڑھ کے سب سے اوپر والی سیڑھی پر بیٹھ گئی اور چہرے کے نیچے ہاتھ ٹکا کر خالی آسمان پر نظریں دوڑانے لگی اور سوچنے لگی کہ۔

''کیا زندگی ہے یہ؟ صبح اٹھو' یونیورسٹی جاؤ' اگر یونیورسٹی میں دن اچھا گزرے تو فریش موڈ کے ساتھ واپس آؤ اگر دن اچھا نہ گزرے' کسی سے نوک جھونک ہوجائے تو گھر آ کر کڑھتے رہو۔ بات بات پر گھر والوں سے بدتمیزی کرکے ان پر غصہ نکالو' گانے سنو' کھانا کھاؤ' فیس بک استعمال کرو اور پھر سو جاؤ۔'' میری کافی سال سے یہی روٹین چلتی آ رہی تھی۔

''کیا فضول زندگی ہے یہ؟ اس زندگی سے تو بہتر تھا میں اس دنیا میں نہ آتی۔'' میں نے چہرے سے ہاتھ ہٹاکے اس کا مکا بناکے غصہ سے دوسرے ہاتھ پر مارا تو مجھے لگا کہ میرے اندر کوئی بول رہا ہے کوئی کچھ کہہ رہا ہے۔ میں نے غور سے سنا تو وہ میرا ضمیر تھا جو مجھے ملامت کررہا تھا۔

''میں اس دنیا میں ہی نہ آتی یہ کہنے سے بہتر تھا کہ خود سے یہ سوال کرتی کہ تجھے میرے پیدا کرنے والے نے دنیا میں کیوں بھیجا؟ یہ بے مقصد زندگی گزارنے کے لیے تو ہرگز بھی نہیں بھیجا۔ تیرے مالک نے تو تجھے اس لیے پیدا کیا کہ تو اس کی عبادت کرے اس نے جو تجھے رزق دیا اس پر اس کا شکر ادا کرے اور اپنی آخرت کا سامان تیار کرے لیکن کیا تو نے اپنی آخرت کی تیاری کرلی؟''

''نہیں...... زندگی کے اٹھارہ سال تو یونہی بے مقصد گزار دیئے اور ان اٹھارہ سال میں بس ایک یا دو نیک کام کیے ہوں گے۔ ایک یا دو نمازیں پڑھی ہوں گی' موت تو تلوار کی طرح سر پر لٹکتی ہے' کب تلوار چل جائے کچھ پتا نہیں۔ اس زندگی کا کب کوئی بھروسہ ہے یہ تک نہیں پتا کہ اگلا سانس بھی آئے گا کہ نہیں۔'' میں نے خوف سے ایک جھرجھری لی کیوں کہ مجھے موت سے بہت ڈر لگتا ہے' میرا تو اندھیرے میں سانس بند ہوتا ہے تو قبر میں منوں مٹی تلے میرا کیا حال ہوگا؟ جب کہ میں تو ہوں بھی گناہ گار۔

''نہیں نہیں......'' میں موت کے خیال سے فوراً ہوش میں آئی اور اپنی گود میں رکھے اپنے ہاتھوں کو دیکھا جن پر نجانے کب سے میری آنکھوں سے بہنے والے آنسو گر رہے تھے۔ میں نے جلدی سے اپنی آنکھوں کو رگڑا اور ایک بار پھر آسمان کی طرف دیکھا جہاں سورج غروب ہورہا تھا میں فوراً اٹھی اور جلدی سے سیڑھیاں پھلانگ کر وضو کرنے چل دی اس سے پہلے کہ میری زندگی کا سورج بھی ہمیشہ کے لیے غروب ہوتا مجھے اپنے رب کو منانا تھا کیونکہ یہی میری زندگی کا اصل مقصد تھا۔

❁

ہومیو کارنر

طلعت نظامی

بریسٹ کینسر (چھاتی کا سرطان)

بریسٹ کینسر (چھاتی کا سرطان) پوری دنیا میں عام مرض ہے یہ مرض زمانہ قدیم سے ہی خواتین کو اندر ہی اندر کھا رہا تھا وجہ صرف لاعلمی اور اس مرض سے نمٹنے کے لیے مناسب اقدامات کا نہ ہونا تھا۔

خواتین کے امراض میں 25 فیصد خواتین صرف چھاتی کے کینسر میں مبتلا ہیں' امریکا میں دس فی صد خواتین اس بیماری میں مبتلا ہیں وہاں ہر سال 41 ہزار عورتیں اس مرض سے موت کے منہ میں چلی جاتی ہیں۔ پاکستان میں یہ بیماری نسبتاً کم ہے' زیادہ تر 40 سے 60 سال کی عمر کی خواتین اس مرض کا شکار ہوتی ہیں۔ یہ بیماری خاندانی ہسٹری سے بھی تعلق رکھتی ہے اگر کسی عورت کی دادی' نانی' ماں یا بہن کو یہ بیماری تھی تو اس صورت میں یہ خطرہ نسبتاً زیادہ ہوجاتا ہے تاہم وہ عورتیں جو اوائل عمری میں ماں بن جاتی ہیں اور بچوں کو اپنا دودھ پلانے والی خواتین اس مرض سے محفوظ رہتی ہیں اگر اس مرض کی شروعات میں ہی تشخیص ہوجائے تو دس میں سے 9 عورتیں صحت یاب ہوجاتی ہیں۔

چھاتی میں کئی قسم کے گومڑ ہوتے ہیں بعض ہلکی قسم کے ہوتے ہیں اور کچھ شروع سے ہی مہلک ہوتے ہیں' ہلکی قسم کے گانٹھ کئی سالوں تک بے ضرر رہتے ہیں اور کبھی یہ بے ضرر نظر آنے والی گانٹھیں اچانک مہلک صورت اختیار کرکے کینسر کی صورت اختیار کرلیتی ہیں۔

اس مرض کی فاسد کیفیت میں مقامی خرابی نہیں ہوتی بلکہ طبعی ہوتی ہے جس کی وجہ سے کینسر کا مادہ جسم کے اندر ایک جگہ مجتمع ہوکر زخم یا رسولی کی صورت اختیار کرلیتا ہے' کینسر کا مادہ ٹی بی کے مادہ کی طرح اندر ہی اندر مریض کے نظام پر قبضہ کرتا رہتا ہے بعد میں اس کی نمود ہوتی ہے۔

چھاتی کے کینسر کی نشوونما جوانی کے بعد ہوتی ہے۔

کئی ایک رسولیاں چھاتیوں میں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کی شکل وشباہت اور کیفیت کینسر کے ابتدائی شکل وشباہت کی سی ہوتی ہے۔ یہ رسولی عموماً غدودوں کے بڑھ جانے سے نمودار ہوتی ہے اس لیے ان کا انگریزی میں نام (Adenoid TumorsOr Adendele) ہے۔

ایک اور قسم کے گومڑ بھی عورتوں کی چھاتیوں میں ملتے ہیں جو بیرونی چوٹوں کا محرک ہوتے ہیں جن عورتوں کی چھاتی پر کوئی ضرب یا چوٹ پہنچتی ہے تو نازک ترین ریشوں میں سختی پیدا ہوجاتی ہے اور وہ سختی گردونواحی بناوٹ کو ماؤف کردیتی ہے اس سے گانٹھ یا رسولی پیدا ہوتی ہے۔

ایام رضاعت (Laetaion Period) میں دودھ کی نالیوں میں اجتماع دودھ ہوتا ہے تو وہ نالیاں سخت ہوجاتی ہیں اور ان کی سختی سے گردونواحی ریشے سخت ہوکر ایک خاصا گومڑ کی شکل اختیار کرلیتے ہیں اس گومڑ میں اتنی سختی ہوتی ہے کہ فوراً کینسر کا شک ہوجاتا ہے۔

علامات:۔ چھاتی کے گوشت بڑھ کر دودھ کی رگوں پر دباؤ ڈالنے کی صورت میں مریضہ پر گوشت وچربی کا غلبہ نمایاں ہوتا ہے۔

چھاتیاں بڑی ہوتی ہیں اور ان پر توانائی سرخی ہوتی ہے ان میں سے اکثر حالات میں دودھ کافی طور پر برآمد نہیں ہوتا اس سلسلہ میں بغیر کسی دوسرے سبب کی موجودگی کے پستانوں کی توانائی میں اضافہ ہوکر دودھ کا رک جاتا ہے جس کا نتیجہ ورم اور رسولیوں کی صورت میں نکلتا ہے۔

اگر ورم مزمن ہوگیا ہے تو تمام پستان سخت معلوم ہوتے ہیں جو ایک گرہ سے بڑھ کر بادام کے برابر ہوتے ہیں بعد میں بڑھ کر بطخ کے انڈے کے برابر ہوجاتے ہیں پھر اس میں درد' سوزش اور بے چینی ہوتی ہے۔ چھاتی کے سرطان کے گومڑ جلد کے نیچے حرکت نہیں کرپاتے جس میں تیر لگنے کے سے درد ہوتے ہیں۔

بریسٹ کے غدود کا سخت ہوجانا۔

نپل (Nipple) سے اخراج پیپ یا خون کا۔

بغلوں (Arm Pit) میں غدود کا درد ہونا۔

چھاتیوں کے سائز میں تبدیلی۔

چھاتیوں میں ڈنک لگنے والے درد' کبھی درد کا نہ ہونا بھی پایا جاتا ہے۔

ہنسلی کی ہڈی یا (Color Bone) میں درد۔

نپل میں درد' خارش' بے چینی' سوجن اور اخراج۔

یہ مشاہدات خود بھی کیے جاسکتے ہیں۔

یہ کینسر جسم کے مختلف حصوں کو بھی نقصان دیتے ہیں جیسے ہڈیاں، پھیپھڑے، جگر اور دماغ۔

تمام پستان سخت ٹیلگوں، ابھری ہوئی کمر بند والی جگہیں جب کمر بند ہٹائے تو خون بہنے۔

پستان کی جلد پر چھوٹے چھوٹے دانے اور ان میں سے مڑی ہوئی ہوجائے۔

تنفس میں دقت

کینسر کی جانب والے بازو کا مفلوج ہونا

اسباب:۔

بریسٹ کینسر سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں لیکن اس کے خطرے کو کم کیا جاسکتا ہے۔

ورم پستان کا مزمن (پرانا) ہونا

بچے کے سر کی چوٹ کا لگ جانا۔

حیض (Menes) کا قبل از وقت بند ہوجانا۔

وزن کا حد سے بڑھنا۔

حد سے زیادہ آرام طلبی۔

کسی ڈرگ (تمباکو، کیفین) کا حد سے زیادہ استعمال۔

اپنے بجائے مصنوعی طریقوں سے بچے کا دودھ پلانا۔

ماحولیاتی آلودگی

تابکاری اور شعاعوں کے بداثرات

خواتین کو چاہیے کہ اپنی بریسٹ کا ہر ماہ ایک بار ریگولر چیک اپ لازمی کراتی رہیں۔

یاد رہے یہ چیک اپ (Menes) کے دوران میں کرانا چاہیے کیونکہ اس دوران بریسٹ میں قدرتی طور پر گلٹی موجود ہوتی ہے حد سے زیادہ گرم تاثیر والی اشیاء کا استعمال۔

پرہیز و غذا:۔

ثقیل، بادی، گرم چیزوں سے پرہیز، سبزیاں، مونگ کی دال، بکرے اور مرغی کا گوشت کا استعمال کریں۔

علاج بالمثل

مرض کی شروع میں ہی تشخیص ہوجائے تو ہومیوپیتھی طریقہ علاج بہترین ہے جو مرض کو شروع سے ہی عمل جراحی (Operation) تک جانے سے روکتی ہے۔

ذیل میں سے چند ادویات چھاتی کے کینسر کے لیے بہت مفید ہیں۔

ایپس ملیفیکا

سخت گومڑ کھلے منہ والے کینسر جن میں ڈنگ دار دردیں ہوں۔

آرنیکا مانٹ

کسی بھی بیرونی چوٹ میں فوراً اس کا استعمال کرائیں۔

آرینسک البم

آگ کی سی جلن، بدبودار زخم، کینسر کی وجہ سے بے حد کمزوری، جلد پر پیلا پن، مریضہ دن بدن دبلی ہوتی جائے۔

بیلا ڈونا

کینسر کے گومڑ، زخم سے سرخ لکیریں ہر طرف دردیں یکایک ظاہر، تھوڑی دیر رہنے کے بعد ٹھیک ہوجائیں، حرکت سے بڑھ جائیں۔

برائی اونیا

کاٹنے والے جلن دار اور سکڑن کے درد جن کی زیادتی ماؤف جانب کے اعضاء کی حرکت سے ہو، مریضہ خاموش رہنا پسند کرے۔

اس کے علاوہ کلکیریا کارب، کیموملا، ہیپر سلف، کریازوٹ، مرکیوریس، کالونستھ، گریفائٹیس، لائیکو پوڈیم، پلساٹیلا، سیپیا، سلفر، فاسفوریس وغیرہ علامات کے مطابق استعمال کرانے چاہئیں۔

بریسٹ کینسر ڈے (Pink Ribbon)

پنک ربن (Pink Ribbon) بریسٹ کینسر سے آگاہی کی ایک بین الاقوامی علامت ہے۔ پنک ربن اور پنک رنگ شناخت ہے بریسٹ کینسر کے خلاف احتجاج کرنے والوں کا، یہ ربن بریسٹ کینسر کے قومی دن کے موقع پر اکثر سجا نظر آتا ہے تاکہ لوگوں میں اس مرض کی آگاہی اور شعور کو اجاگر کیا جائے کہ کس طرح عورت اس کے خلاف لڑسکتی ہے یہ دن اکتوبر کے مہینے میں پوری دنیا میں منایا جاتا ہے۔

بیاض دل

میمونہ رومان

لاریب ملک.....مخدوم پور
نہیں ملتی وفا اب ان پیار کے رشتوں میں
دنیا میں لوگوں کے بدل جانے کی رسم عام ہوگئی ہے
انشاء.....لاہور

دسمبر لوٹ آیا ہے
اب تم بھی لوٹ آؤ نا
حمیرا قریشی.....لاہور

حیات بھر حیات میں یہی سوچتے رہے
سوگوار ٹھہرا حیاتِ انتظار کیونکر؟
کوثر ناز.....حیدرآباد

چلو تم سے ایک عہد کرتے ہیں
تم جب بھی سچے ہوگے ہم تمہارے ہوں گے
فصیحہ آصف خان.....ملتان

عمر رواں لوٹ کے لے گئی ہر شے
چھوڑ گئی' دل میں تیری یاد کا خزانہ
سائرہ محمد خان.....ٹوبہ ٹیک سنگھ

مقدر میں جو سختی تھی وہ مر کر بھی نہیں نکلی
قبر کھودی گئی میری تو پتھریلی زمیں نکلی
صائمہ سکندر سومرو.....حیدرآباد سندھ

دسمبر جب بھی لوٹتا ہے میرے خاموش کمرے میں
میرے بستر پر بکھری ہوئی کتابیں بھیگ جاتی ہیں
سمیہ کنول.....بھیر کنڈ' مانسہرہ

خوش رنگ پیرہن سے بدن چمک اٹھے
لیکن سوال روح کی تابانیوں کا ہے
عائشہ رحمن ہنی.....دریالی مری

رکھ دے مرہم کبھی میرے زخموں پر جو ہنی
مقدر میں اک ایسا شخص چاہیے.....!
گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس.....مانسہرہ

محبت قسمت سے ملتی ہے مینا
یوسف نہیں ملتا زلیخاں نام رکھنے سے
عظمیٰ کنول.....ملتان

خزاں رکھے گی درختوں کو بے ثمر کب تک
گزر ہی جائے گی یہ رت بھی حوصلہ کرنا
پروین افضل شاہین.....بہاولنگر

میرا یہ وجود کم سے کم نہیں ریت پہ کسی نقش پہ
تو بنائے تو میں بنا کروں تو مٹائے تو میں مٹا کروں
میں تمام یاد کے موتیوں کو رکھے ہوں آنکھوں کی قید میں
تیرا حکم مجھ کو ملے اگر تو میں قیدیوں کو رہا کروں
فائزہ بھٹی.....پتوکی

آگے یہ بے ادائیاں کب تھیں
ان دنوں تم بہت شریر ہوئے
دلکش مریم.....چنیوٹ

وہ سلسلے' وہ شوق' وہ نسبت نہیں رہی
اب زندگی میں ہجر کی وحشت نہیں رہی
پھر یوں ہوا کہ ہوگیا مصروف بہت وہ بھی
اور ہم کو بھی یاد کرنے کی فرصت نہیں رہی
ثانیہ مسکان.....گوجرخان

یہ فقط عظمت و کردار کے ڈھب ہوتے ہیں
فیصلے جنگ کے تلوار سے کب ہوتے ہیں
جھوٹ تعداد میں کتنا ہی زیادہ ہو سلیم
اہل حق ہو تو بہتر بھی غضب ہوتے ہیں
لاریب انشال کھرل.....اوکاڑہ

اوروں سے بہت مختلف ہے میرے درد کی کیفیت فراز
زخم کا کوئی نشاں نہیں درد کی کوئی انتہا نہیں
زاہرہ فاطمہ.....نامعلوم

تمہارا نام لکھنے کی اجازت چھن گئی جب سے
کوئی بھی لفظ لکھتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
یاسمین کنول.....پسرور

ثمر حاصل ہمیں ہونے لگے ہیں
مگر کچھ سوچ کر رونے لگے ہیں

کھلا ہے آگہی کا بھید جب سے
بہت حساس سے ہونے لگے ہیں
مدیحہ نورین مہک...... گجرات

مزہ آتا اگر گزری ہوئی باتوں کا افسانہ
کہیں تم سے بیان کرتے کہیں سے ہم بیان کرتے
صبا زرگر زکا مزرگر...... جوڑہ

کتنے آنسو بہادیئے چار دن کی محبت میں
اگر سجدے میں بہاتے تو گناہ گار نہ ہوتے
نجم انجم اعوان...... کورنگی، کراچی

غیروں سے کیا گلہ کریں اپنے بھی آزمالیے
کانٹوں کی آڑھ میں نجم پھولوں سے زخم کھالیے
کائنات جعفری...... جلال پور، سیداں

تم سمندر کی بات کرتے ہو
لوگ آنکھوں میں ڈوب جاتے ہیں
ثانیہ جہاں...... ڈسکہ سیالکوٹ

کبھی غرور کا نشہ نہ سر پر طاری کر
مری بلا سے فقیری کر یا تاجداری کر
جازبہ عباسی...... دیول، مری

چاہا ہے خدا سے کچھ ایسا رشتہ ہمارا
میں تیری ذات کے پہلو میں گم ہوجاؤں
نہ کوئی کر پائے ہمیں ایک دوسرے سے الگ
میں اپنے آپ سے نکلوں تو تم ہوجاؤں
حنا کنول فرحان...... حویلی لکھا

میرے چہرے سے میرا درد نہ پڑھ پاؤ گے وصی
میری عادت ہے ہر بات پہ مسکرا دینا
فصیحہ الاسلام...... باغ آزاد کشمیر

سرخیاں امن کی تلقین میں مصروف رہیں
حرف بارود اگلتے رہے اخبار کے بیچ
کاش اس خواب کی تعبیر کی مہلت نہ ملے
شعلے اگلتے نظر آئیں مجھے گلزار کے بیچ
اریبہ نواز...... صبور شریف

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں

کچھ بھی پیغام محمد کا تمہیں پاس نہیں
شگفتہ یاسمین...... کراچی

سوچا تھا اس بار اس کو بھول جائیں گے
دیکھ کر بھی اس کو ان دیکھا کر جائیں گے
پر جب بھی سامنے آیا چہرہ اس کا ضدی دل نے کہا
اس بار دیکھ لیں اس کو اگلی بار بھول جائیں گے
کبریٰ مہتاب...... بوسال سکھا

اے دسمبر میری عمر رواں میں اب کبھی نہ آنا
تیری سرد شاموں میں کوئی بچھڑا ہوا بہت یاد آتا ہے
غزالہ شوکت...... نامعلوم

ہم نے خود میں تم کو پرویا ہے اک تسبیح کی طرح
یاد رکھنا اگر ہم ٹوٹے تو بکھر تم بھی جاؤ گے
شائستہ جٹ...... چیچہ وطنی

میری نمناک آنکھوں میں بہت درد باقی ہیں
مجھے دامن چھڑانے دو دسمبر بھول جانے دو
فائقہ سکندر سومرو...... حیدرآباد، سندھ

کچھ وقت کی روانی نے ہمیں یوں بدل دیا محسن
وفا پر اب بھی قائم ہیں مگر محبت چھوڑ دی ہم نے
شاء رسول ہاشمی...... صادق آباد

خوشیوں میں بھی رکھنا ہے شعلگی کا سماں
کہ اس کی آنکھ کا لہجہ خطاب ٹھہرا ہے
وہ درد جس کو کیا مدتوں نظر انداز
کتاب دل کا وہی خاص باب ٹھہرا ہے

biazdill@aanchal.com.pk

ڈش مقابلہ

طلعت آغاز

بوٹی اسٹک

اجزاء:۔

گوشت	آدھا کلو (چھوٹی بوٹیاں کرلیں)
آلو	آدھا کلو
مٹر	دو پیالی
ہری مرچ، دھنیا، نمک	حسب ذائقہ
گرم مصالحہ	ایک چمچ
سرکہ	ایک چمچ
اسٹک	ایک پیکٹ
انڈہ	ایک عدد

ترکیب:۔

گوشت میں نمک، مرچ، ہری مرچ اور دھنیا (پسا ہوا) گرم مصالحہ (پسا ہوا) ڈال کر ابلنے رکھ دیں، اتنا پانی ڈالیں کہ گوشت سارے پانی میں گل جائے، اب آلو اور مٹر الگ الگ ابال لیں آلو کو سخت رکھیں پھر اس کے چکور ٹکڑے کاٹ لیں گوشت میں سرکہ ملا دیں اب اسٹک لیں اس پر ایک بوٹی گوشت کی پھر آلو، پھر مٹر پرو لیں اس طرح پورا اسٹک بھر جائے اس طرح کافی ساری اسٹک بنا کر آپ فریز کر سکتی ہیں جب تلنا ہو تو ایک انڈہ لے کر اسے اچھی طرح پھینٹ لیں پھر اس میں اسٹک اچھی طرح ڈبو کر گھی میں ڈیپ فرائی کر لیں مزیدار اسٹک خود کھائیں اپنے ان کو اور خاص مہمانوں کو کھلائیں اور ہمیں دعائیں دیں۔

طلعت نظامی.....کراچی

ملیشین پراٹھا

اجزاء:۔

میدے میں ملانے کے لیے

مکھن	دو چمچ
میدہ	آدھا کلو
نمک	آدھا کھانے کا چمچ
انڈا پھینٹا ہوا	ایک عدد
دھنیا پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
بیکنگ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
انڈہ (اوپر لگانے کے لیے)	ایک عدد

بھرنے کے لیے

کالی مرچ	آدھا کھانے کا چمچ
انڈے (ابلے ہوئے)	چار عدد
پیاز (چوپ کیا ہوا)	ایک عدد
سبز مرچ	تین عدد
سبز دھنیا	حسب ضرورت
سرخ مرچ	حسب ذائقہ
نمک	حسب ذائقہ
ثابت خشک دھنیا	ایک چائے کا چمچ
آئل	تلنے کے لیے

ترکیب:۔

سب سے پہلے میدے کے اجزا کو آٹے میں گوندھ لیں اور اس کے چھوٹے چھوٹے پیڑے بنالیں ان کو بیل کر چکور کاٹ لیں اب بھرنے کے اجزا کو مکس کر کے ایک طرف باؤل میں رکھ لیں اور تھوڑا تھوڑا آمیزہ بیلی ہوئی چکور روٹی کے ایک طرف رکھ لیں اور انڈے سے ان کے کنارے ملا دیں اور پھینٹا ہوا انڈا اس کے اوپر لگا کر تل لیں رائتہ کے ساتھ پیش کریں اور اچھا سا گارنش کر لیں۔

اقرا لیاقت چدھڑ.....حافظ آباد

مزیدار چکن برگر

اجزاء:۔

مرغی کا گوشت (بغیر ہڈی کے)	ایک پاؤ
انڈا	ایک عدد
پیاز	ایک عدد
سرکہ	تین چمچ

سویا ساس، نمک	تین چمچ، حسب ذائقہ
سفید زیرہ پاؤڈر	آدھا چمچ
ثابت لال مرچ	آٹھ عدد
ہری مرچ	دو عدد باریک کٹی ہوئی
سلاد کے پتے	حسب ضرورت
بند گوبھی	ایک پیالی
مایونیز	چار چمچ
کیچپ	چار چمچ
برگر	ایک عدد

ترکیب:۔

مرغی کو دھو کر موٹا قیمہ تیار کرلیں اس کے بعد ثابت لال مرچ اور کالی مرچ بھون کر موٹی موٹی پیس لیں چکن میں ہری مرچ، پیاز باریک کاٹ کر نمک سرکہ سویا ساس سفید زیرہ اور انڈا ڈال کر اچھی طرح ملالیں اس آمیزے کو 20 منٹ کے لیے فریج میں رکھ لیں مایونیز میں بند گوبھی بھی ملالیں مایونیز میں کالی مرچ، نمک، چینی ڈالیں اس کو دس منٹ کے لیے فریج میں رکھ دیں قیمہ فریج سے نکال کر اس کے کباب بنالیں اور ہلکی آنچ پر تلیں برگر کو درمیان سے کاٹ لیں اور ہلکا سا تیل ڈال کر پنک لیں پھر اس کے اوپر بند گوبھی والی سلاد لگادیں اس کے اوپر کباب رکھ دیں اور اس کے اوپر سلاد کا پتا رکھ دیں برگر کا دوسرا حصہ اس کے اوپر لگادیں کیچپ اور آلو کے چپس کے ساتھ پیش کریں پسند آئے تو مت کھانا ہم زبردستی تھوڑی کرتے ہیں۔

فرزانہ محمد دین گڑیا...... چک کھاتاں

سنگھاپوری چکن

اجزاء:۔

چکن	ایک کپ
چکن اسٹوک	آدھا کپ
انڈے کی سفیدی	ایک عدد
کارن فلور	ایک چائے کا چمچ
تیل	آدھا کپ
سفید سرکہ	دو چائے کا چمچ
چلی گارلک سوس	دو چائے کے چمچ
نمک	حسب ذائقہ
کالی مرچ پاؤڈر	ایک چوتھائی چائے کا چمچ
مسٹرڈ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
لہسن پیسٹ	آدھا چائے کا چمچ

ترکیب:۔

چکن میں انڈے کی سفیدی کارن فلور چلی گارلک سوس ایک چمچ، نمک، کالی مرچ ملا کر آدھا گھنٹہ رکھیں آدھا کپ تیل گرم کریں چکن ڈال کر فرائی کریں پھر نکال لیں اسٹوک ڈالیں ساتھ چلی گارلک ایک چمچ کارن فلور کو پانی میں حل کریں پھر ڈالیں تلی ہوئی چکن ڈال کر دو منٹ پکائیں نوڈلز بوائل کر کے اس پر ڈال کر سرو کریں۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

آلو مٹر رائس

اجزاء:۔

آلو (دھو کر صاف کرلیں)	ایک کلو
نمک	حسب ذائقہ
سیاہ مرچ پاؤڈر	حسب ذائقہ
شکر	ایک چٹکی
مٹر	دو کپ
مکھن	دو کھانے کے چمچ
زیتون کا تیل	دو کھانے کے چمچ
ہری پیاز (سلائس کاٹ لیں)	پانچ یا چھ عدد

ترکیب:۔

سوس پین میں آلو ڈالیں اور اس میں اتنا پانی شامل کریں کہ آلو اس میں ڈوب جائیں اس کے بعد اس میں نمک اور شکر ڈال کر آلو کو درمیانی آنچ پر ابالیں۔ (آلو کو بہت زیادہ گلانا نہیں ہے) اس کے بعد پانی نتھار کر چھلکا اتارلیں اور ٹھنڈے پانی میں سے آلو کو دھولیں، اس کے بعد سوس پین میں مٹر اور پانی ڈالیں اس میں نمک اور شکر شامل کریں۔ تین منٹ تک درمیانی آنچ پر ابالیں اس کے بعد نتھار کر مٹر کو ٹھنڈے پانی سے دھولیں۔

ایک نان اسٹک سوس پین میں درمیانی آنچ پر مکھن اور تیل گرم کریں اس میں ہری پیاز ڈال کر تین منٹ تک فرائی کریں اس کے بعد آلو اور مٹر ڈال کر چمچ چلائیں اور پانچ منٹ تک فرائی کریں نمک اور سیاہ مرچ پاؤڈر شامل کریں، مزے دار آلو مٹر تیار ہے، سرونگ ڈش میں نکالیں اور ابلے ہوئے چاولوں کے ساتھ گرم گرم سرو کریں۔

نزہت جبین ضیاء...... کراچی

گرین پیس سوپ

اجزاء:

مٹر تازہ	ایک پیالی (دانے)
یخنی کے لیے گوشت	ایک کلو
گاجر	ایک عدد
شلغم	ایک عدد
پیاز	دو عدد
ادرک	ایک ٹکڑا
لہسن کے جوئے	چھ عدد
آلو	ایک عدد
سبز دھنیا	چند پتے
میدہ	ایک کھانے کا چمچ
گھی	آدھا کپ
پانی	دو لیٹر
دودھ	آدھا کپ
سیاہ مرچ، نمک	آدھا چائے کا چمچ
سفید زیرہ	آدھا چائے کا چمچ
دار چینی	ایک ٹکڑا

ترکیب:-

مٹر کے دانے ابال کر پیس لیں۔ میدہ اور دودھ کو الگ رکھ دیں۔ گوشت کے ساتھ پیاز، ادرک، لہسن، دار چینی، نمک، مرچ، آلو، شلغم اور سبز دھنیا کاٹ کر ڈال دیں اور دو لیٹر پانی ملا کر پکائیں دو گھنٹے بعد یخنی کو چھان لیں۔ ایک عدد پیاز کو گھی میں سرخ کریں اور اس میں دودھ اور میدے والا آمیزہ ڈال دیں۔ آخر میں پسے ہوئے مٹر ڈال کر مزید پندرہ منٹ تک پکائیں۔

صباء عقیل...... بھاگووال

ٹماٹو سلاد سوپ

اجزاء:

گوشت	ایک پاؤ
یخنی	ایک کپ
ٹماٹر	چار عدد
سلاد	ایک پیالی
نمک، زیرہ، سیاہ مرچ	حسب ضرورت
سرکہ	ایک کھانے کا چمچ
ریڈ چلی ساس	ایک چائے کا چمچ

ترکیب:-

گوشت کو ایک ساس پین میں ڈال کر اتنا ابالیں کہ گوشت پوری طرح سے گل جائے۔ ابلتے ہوئے گوشت میں سے ایک کپ یخنی نکال کر الگ کر لیں پکتے ہوئے گوشت میں ٹماٹر کاٹ کر ڈال دیں اور مزید جوش آنے دیں۔ یخنی میں سرکہ، نمک اور سیاہ مرچ مکس کریں اور ساس پین میں ڈال دیں۔ ساتھ ہی سلاد بھی شامل کر دیں لیجیے سوپ تیار ہے سوپ نوش کرتے وقت ریڈ چلی ساس ملا لیں۔ بے حد لذیذ سوپ تیار ہوگا۔

حنا اشرف...... کوٹ ادو

چکن کارن سوپ

اجزاء:

چکن	آدھا کلو (گوشت)
پیاز	ایک عدد
لہسن	پانچ جوے (پسا ہوا)
ادرک	آدھا کھانے کا چمچ
سرکہ	ایک کھانے کا چمچ
انڈے	دو عدد
مکئی کے دانے	ایک پیالی (پسے ہوئے)
کارن فلور	دو کھانے کے چمچ
سیاہ مرچ (پاؤڈر)	آدھا چائے کا چمچ

چینی	ڈھائی چائے کا چمچ
کوکنگ آئل	دو کھانے کے چمچ
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب:۔

ساس پین میں دس کپ پانی ڈالیں اس میں چکن کی بوٹیاں، پیاز، لہسن، ادرک اور نمک ڈال کر چکن کو ابالیں یہاں تک کہ پانی چار کپ رہ جائے گوشت اور یخنی کو الگ الگ کر لیں اور گوشت کے ریشے بنالیں ساس پین میں کوکنگ آئل ڈال کر گرم کریں اور مکئی کے پسے ہوئے دانے ڈال کر بھونیں پھر پانی ڈال کر کچھ دیر ان کو گلائیں باقی مکئی کے دانے نرم پڑ جائیں تو یخنی، چینی، کالی مرچ اور گوشت کے ریشے ڈال کر دھیمی آنچ پر آدھا گھنٹہ تک پکائیں۔ کارن فلور کو ہلکا سا بھون کر شامل کر دیں۔ سوپ گاڑھا ہونے لگے تو انڈوں کی سفیدی پھینٹ کر ملا دیں۔ بہترین مزے دار سوپ تیار ہوگا۔ دسمبر میں گرما گرم سوپ کا لطف اٹھائیں۔

اریبہ منہاج......کراچی

گرین ویجی ٹیبل سوپ

اجزاء:۔

پالک	ایک کپ (کٹی ہوئی)
بند گوبھی	ایک کپ (کٹی ہوئی)
سلاد	(ایک گٹھی)
سبز دھنیا	آدھی گٹھی
سبز پیاز	دو عدد
آئل	ایک کھانے کا چمچ
مارجرین	ڈیڑھ کھانے کا چمچ
یخنی	ایک پیالی
سویا سوس	ایک کھانے کا چمچ
کوکنگ آئل	دو چائے کے چمچ

ترکیب:۔

تمام سبزیوں کو اچھی طرح سے دھو کر ایک ساس پین میں پانی ڈالیں اور اس میں کٹی ہوئی سبزیاں ڈال کر پندرہ منٹ تک ابلنے دیں جب سبزیاں گل جائیں تو بلینڈر میں ڈال کر بلینڈ کر لیں ساتھ مارجرین شامل کریں اس آمیزے کو نکال کر ساس پین میں ڈالیں اب اس میں یخنی، سویا ساس اور تیل ڈال کر سوپ کے پیالے میں انڈیل دیں۔

سائرہ شاہین...... ہیرووال

عربی مچھلی

پمفرٹ یا کوئی بھی ثابت مچھلی	ایک کلو (کٹ لگا کر نمک لگا دیں)
ادرک	ایک انچ کا ٹکڑا
لہسن	چار جوئے
ہری مرچ	ایک عدد

(ادرک، لہسن اور ہری مرچ کو پیس لیں اور اس میں دھنیا، زیرہ، مسٹرڈ پاؤڈر چٹکی بھر نمک ملا کر پیسٹ بنا لیں)

سفید زیرہ	آدھا چائے کا چمچ
دھنیا پسا ہوا	آدھا چائے چمچ
مسٹرڈ پیسٹ	آدھا چائے کا چمچ
پودینہ (کٹا ہوا)	ایک کھانے کا چمچ
کری پتے	چھ عدد
ہرا دھنیا (کٹا ہوا)	ایک کھانے کا چمچ
سویا سوس	دو کھانے کے چمچ
لیموں کا رس	دو کھانے کے چمچ
مکھن	ایک چھوٹی ٹکیہ
پیاز (آٹھ ٹکڑے کر لیں)	ایک عدد
ٹماٹر (آٹھ ٹکڑے کر لیں)	دو عدد
شملہ مرچ (آٹھ ٹکڑے کر لیں)	ایک عدد
بڑی مرچ (ثابت رکھیں)	ایک عدد
تیل	آدھا کپ

ترکیب:۔

نمک لگی مچھلی کو فرائی کر لیں۔ اب اس میں پیسٹ والا مسالا لگالیں اور بیکنگ ٹرے میں رکھیں۔ اب سویا سوس لیموں کا رس اور اجینو موتو والا کیچپ پیاز شملہ مرچ اور ٹماٹر کو لگا

دیں اور مچھلی کے برابر میں گارنش کی طرح رکھیں۔اب مچھلی پر کری پتے اور مکھن کی ٹکیہ لگا کر اوون میں بیک کریں تقریباً آدھا گھنٹہ تک۔اس مچھلی کو کھانے/سرو کرنے سے پہلے بیک کریں پہلے سے بیک کرنے پر اس کا مزہ خراب ہوسکتا ہے۔

شہزادی فرخندہ......خانیوال

کلرفل رائس اینڈ اسپیگیٹی

اجزاء:

اسپیگیٹی	ایک پیالی (ابال لیں)
چاول	دو پیالی
گوشت	آدھا کلو (ابال لیں)
میٹھا زرد رنگ	ایک چٹکی
میٹھا سرخ رنگ	ایک چٹکی
مکھن	دو چمچ
لہسن	ایک چمچ (پسا ہوا)
ادرک	آدھا چمچ (پسا ہوا)
کالی مرچ	آدھا چمچ (ثابت)
لونگ	دو عدد
ٹماٹر کا رس	ایک چوتھائی پیالی

ترکیب:

گوشت ابال کر چھوٹی چھوٹی چوکور بوٹیاں کرلیں مکھن گرم کریں۔اس میں لہسن، ادرک، لونگ، کالی مرچ اور ٹماٹر کا رس ڈال کر گوشت ڈال دیں آنچ ہلکی رکھیں۔ایک پیالی چاول زرد رنگ ڈال کر ابال لیں۔پھر ایک پیالی چاول سرخ رنگ ڈال کر ابال لیں۔چاولوں کی ڈش میں ایک طرف سرخ چاول رکھیں دوسری طرف زرد چاول اور تیسری طرف اسپیگیٹی رکھیں۔اوپر سے گوشت ڈال دیں ہرے دھنیے کے پتوں سے سجائیں اور ساسز کے ساتھ پیش کریں۔

ہالہ دعا عائشہ سلیم......اورنگی ٹاؤن کراچی

مٹر تہاری

اجزاء:

مٹر	آدھا کلو
چاول	ڈھائی کلو
نمک	حسب ذائقہ
ادرک لہسن پسا ہوا	ایک کھانے کا چمچ
آلو	تین سے چار عدد
پیاز	دو عدد درمیانی
ٹماٹر	دو عدد درمیانے
لال مرچ پسی ہوئی	ایک کھانے کا چمچ
دھنیا پسا ہوا	ایک چائے کا چمچ
ہلدی	ایک چائے کا چمچ
چکن پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچ
کوکنگ آئل	چار کھانے کے چمچ

ترکیب:

مٹر کے دانوں کو دھو کر چھلنی میں رکھ لیں، پیاز اور ٹماٹر کو باریک کاٹ لیں آلوؤں کو چھیل کر دو ٹکڑے کرلیں چاولوں کو دھو کر بیس منٹ کے لیے بھگو کر رکھ دیں۔پین میں تیل ڈال کر پیاز کو سنہری فرائی کرلیں پھر اس میں ادرک لہسن ڈال کر فرائی کریں۔لال مرچ، دھنیا، ہلدی اور ٹماٹر ڈال کر اتنی دیر فرائی کریں کہ ٹماٹر اچھی طرح گل جائیں آلو ڈال کر ہلکا سا بھونیں اور آدھی پیالی پانی ڈال کر ہلکی آنچ پر گلنے رکھ دیں۔آلو گل جائیں تو مٹر اور چاول ڈال کر بھونیں، پھر تین پیالی گرم پانی میں چکن پاؤڈر ڈال کر اچھی طرح ملائیں اور اسے چاولوں پر ڈال دیں۔ڈھک کر درمیانی آنچ پر پکائیں اور جب پانی خشک ہونے پر آجائے تو چاولوں کو الٹ پلٹ کرکے ہلکی آنچ پر دم رکھ دیں۔گرم گرم تہاری کو ڈش میں نکال کر دوپہر کے کھانے پر اچار اور رائتے کے ساتھ پیش کریں۔

جویریہ ضیاء......ملیر ٹاؤن، کراچی

بیوٹی گائیڈ

روبینہ احمد

پکی اور جمی ہوئی جلد

قدرت نے جلد کو اندرونی ذرائع سے توانائی کے حصول کا ذریعہ بنایا ہے مگر ہوتا یہ ہے کہ پچیس سال کے بعد اس توانائی میں کمی ہونے لگتی ہے اس کی وجہ جلد کی عمر میں اضافہ، وزن میں کمی اور کچھ بیرونی عنصر ہے مثلاً دباؤ اور تناؤ اور دھوپ وغیرہ یہ سب جلد کی فائبر میں کمی کر دیتے ہیں جس کے بعد جلد کا پکا پن ڈھیلا پڑنے لگتا ہے۔

خوش قسمتی سے اس کمی کو ہم دنیاوی ذرائع سے پورا کر سکتے ہیں مگر کوشش یہ کرنی چاہیے کہ وقت گزرنے سے پہلے پہلے بچاؤ کا راستہ اپنا لینا چاہیے ورنہ جلد کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ سکتا ہے ایسے میں ایک عام اور روایتی موئسچرائزر کارآمد ثابت نہیں ہو سکتا ہے۔

اگر آپ کو اپنی جلد کو پکا کرنے کی زیادہ ضرورت ہے تو پھر آپ کو اورنج اسکن کا مسئلہ ہے جلد کو پکا کرنے کے لیے کریم کو دائرے کی شکل میں لگائیں اور اس جلد پر زیادہ لگائیں جہاں جلدی جلدی لوز ہو جاتی ہے مثلاً پیٹ ران اور سرین پر۔

پاؤں پر بھی اسی انداز میں لگائیں مگر تھوڑے زیادہ دباؤ کے ساتھ یہ عمل آپ کے جلد کے تناؤ کو ختم کر دے گا خون کی گردش میں اجافہ کرے گا اور خلیوں کو قدرتی انداز میں فعال کر دیتا ہے، اس سے ران کو شیپ ملتی ہے پیٹ فلیٹ ہو جاتا ہے اور سرین گولائی میں آ جاتی ہے۔

جلد کو سردیوں میں کیسے محفوظ رکھیں

سردیوں میں جسم اور چہرے پر نمی میں کمی آ جاتی ہے آیئے جانتے ہیں جلد کو سردیوں میں کیسے محفوظ رکھیں۔

غلط فہمی: جتنی موٹی کریم کی تہہ ہو گی اتنی ہی جلد شاداب رہے گی۔

حقیقت: ضروری نہیں کہ اس طرح آپ کی جلد شاداب ہو جائے کولڈ کریم کے حد سے زیادہ استعمال سے مردہ خلیے جلد کو زیادہ ڈل کرتے ہیں، کریم کی ہلکی تہہ لگائیں سیرم ہلکے ہوتے ہیں اور ان میں شاندار اجزا شامل ہیں جو جذب کرنے کے لیے بہترین ہیں۔

سردیوں میں سن اسکرین کا استعمال نہ کریں

حقیقت: اوزون کی تہہ کو چیرتی ہوئی سورج کی UVB جلانے والی شعاعیں نیچے آتی ہیں اور اس کا علاج SPF ہے سورج کچھ UVA شعاعوں کو روک لیتا ہے سردی میں نمی کم ہونے سے روزانہ موائسچرائزر کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ جلد محفوظ رہے اس لیے سورج کی شعاعوں سے محفوظ رہنے کے لیے اینٹی اوکسیڈنٹ سیرم سے بھرپور موئسچرائزر استعمال کریں۔

چکنی جلد کو نمی کی ضرورت نہیں ہے

سردیوں میں ہر قسم کی جلد خشک ہو جاتی ہے اور اس کی حفاظت کے بغیر کچھ نہیں کیا جا سکتا ہے اگر جلد بہت زیادہ چکنی ہے تو جیل یا لوشن استعمال کریں ملی جلی جلد کے مختلف حصوں کو مختلف موئسچرائزر کی ضرورت پڑتی ہے ٹی زون پر ہلکا جبکہ گالوں کے لیے تیز طرح کا موئسچرائزر استعمال کریں۔

ہونٹوں پر بام لگانے سے وہ نہیں پھٹتے ہیں

اگر بام صحیح ہے بعض اوقات بام کے اجزا ہونٹوں کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں منرل تیل ہونٹوں پر عارضی نمی پیدا کرتا ہے ہونٹوں پر ایسی بام لگائیں جس میں قدرتی تیل اور کوکواسٹر ہو ہونٹوں کی پپڑیوں کے لیے اس پر فیشل ایکسفو یئنٹ اسکرب سے رگڑیں بعد از بام لگائیں۔

نیم گرم پانی سے نہانے سے جلد نم رہتی ہے

گرم پانی سے نہانے سے جلد اور خشک ہوتی ہے 96.6 درجہ کا گرم پانی خون کی شریانوں کو خون پہنچاتا ہے پانی گرم کرنے کے پانچ منٹ بعد صابن فری باڈی واش سے نہائیں جسم کو نہ رگڑیں اس طرح جلد اور زیادہ خشک ہو جائے گی۔

سردیوں میں گرم کپڑوں کا بھاری استعمال ضروری ہے سردی میں گرم رہنے کے لیے یقینا چند گرم کپڑوں کی ضرورت تو پڑتی ہے مگر نائلون اور پولی ایسٹر کپڑے کا استعمال خون کے دباؤ میں رکاوٹ ڈالتا ہے اور اس کی بدولت مردہ خلیوں میں اضافہ ہوجاتا ہے اس لیے قدرتی فائبر سے بنے کپڑے استعمال کریں خصوصاً وہ کپڑے جو جلد سے نچ ہوتے ہیں اس کے لیے Shea بہترین ہے۔

سردیوں میں اپنی جلد کی حفاظت کیجیے

سردیاں اپنے ساتھ سرد خشک ہوا اور سرد درجہ حرارت لاتی ہیں جو جلد کو خشک، کھردرا، باریک اور نمی سے دور کردیتا ہے مگر آپ ذرا سی احتیاط کر کے سردیوں میں جلد کی حفاظت کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کرسکتے ہیں، یہ موسمی علاج نا صرف جلد کو دوبارہ متوازن کرتا ہے بلکہ وقت سے پہلے عمر کے بڑھنے کے اثرات سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔

خشک سرد ہوا کی وجہ سے نمی اور موسچرائزر میں کمی آجاتی ہے اگر جلد پہلے ہی خشک ہو تو سب سے ضروری ہے کہ جلد کے تیل کو نارمل اور پانی کے لیول کو بڑھایا جائے ملے جلے جلد والے لوگ بھی خشک جلد کا شکار ہوسکتے ہیں۔

خشک جلد میں نمی کم ہونے کی وجہ سے باریک لکیریں اور جھریاں پڑجاتی ہیں چہرے پر یہ لکیریں منہ اور آنکھوں کے گرد باریک لکیریں نمایاں نظر آتی ہیں چہرے کے علاوہ جسم اور ہاتھ بھی خشک ٹائٹ ہوجاتے ہیں تھوڑی سی حفاظت اس خشکی کو ختم کر کے جلد کو خشک رکھتی ہے۔

ان نکات پر عمل کر کے جلد کو سردیوں میں عمر کے اثرات نمودار ہونے سے بچایا جاسکتا ہے۔

چہرے کے لیے علاج: ان لوگوں کے لیے جن کی جلد پہلے ہی خشک ہو تو جلد کی نمی کو پورا کرنے کے لیے ایسے فیشل کریں جو ان چیزوں سے محفوظ رکھ سکیں ایسے ہلکے، لوشن ہیڈ کلرز استعمال کریں جن میں فومنگ یا لیدرنگ ایجنٹ نہ ہو فوم اور لیدر خشکی میں اضافہ کرتا ہے اور نمی جلد کی کم ہوجاتی ہے۔

جلد کے لیے متوازن ٹونر لیں جس میں الکوحل کی کم مقدار ہو الکوحل جلد کی نمی کو کم کرتا ہے اور خشکی پیدا کرتا ہے۔

فیشل ایسا کریں جس میں ضرورت تیل اور ہر بس کا استعمال ہو جو خشک جلد کے لیے ضروری ہوتے ہیں جیسے چیمومائل روز ڈلیونڈر گلاب اور صندل اچھی چیزیں ہیں۔ ایسے ایکسفولیٹ استعمال کریں جو زیادہ رف اور خشک نہ ہوں خشک جلد کھردری اور نمی سے خالی نظر آتی ہے جلد سے پرانے مردہ خلیوں کا خاتمہ کریں تاکہ نئے خلیے پیدا ہوں اجزا جیسے دلیہ اور چاول کا پاؤڈر قدرتی ایکسفولیٹر کی اچھی مثالیں ہیں۔

ایک ہائیڈریٹنگ ماسک جلد کو گہرائی سے صاف اور نمی میں اضافہ کرتا ہے ماسک کو گرین، ملتانی مٹی، فلورل واٹرز اور خالص تیل بہترین چوائس ہوسکتی ہے۔

موسچرائزر مساج کے لیے فیشل آئل ایسا لیں جو مساموں کو بند نہ کرے ایک اچھے فیشل میں بادام، تیل خوبانی، جوجوبا اور وٹامن ای کے تیل کے ساتھ کچھ دیگر ضروری تیل بھی ہوتے ہیں یقین دہانی کرلیں کہ اس تیل میں منرل تیل شامل نہ ہو۔

تازہ، قدرتی اجزا کا استعمال کریں تاکہ یہ جلد میں نمی اور غذائیت پیدا کرے دہی ایک قدرتی جلد کو نرم کرنے اور صاف کرنے کا ٹونر ہے۔ دلیہ ایک ایکسفولیٹ ہوتا ہے، کیلا اور ایواکیڈو خشک جلد کو موسچرائزر کرتا ہے اور شہد قدرتی طریقے سے جلد میں خوب صورتی شامل کرتا ہے ایسا آنکھوں کا جیل لیں جو زیادہ بھاری اور گریسی نہ ہو کیونکہ یہ فیشل کا اہم جز ہوتا ہے۔

نیرنگ خیال

ایمان وقار

سانحہ پشاور آرمی پبلک اسکول
16 دسمبر

آج پھر نیند نہیں آئے گی
میری دھرتی کی کتنی ماؤں کو
جن کی گودیں اجڑ گئیں پل میں
جن کے سب خواب ہو گئے مٹی
جن کے گھر سے ہنسی تمام ہوئی
جن کے ہونٹوں پر چپ ہوئی قابض
"امی"
کہنے کو کون آئے گا؟
یہی دکھ اب انہیں رُلائے گا
آج پھر نیند نہیں آئے گی
میری دھرتی کی کتنی ماؤں کو
جن کے بچوں کی چھن گئیں جانیں
جن کی خوشیاں پیوندِ خاک ہوئیں
آج انہیں نیند نہیں آئے گی
پھر کبھی نیند نہیں آئے گی
میری دھرتی پہ آج کی شب بھی
آنکھیں اشکوں سے درد کشیدیں گی
ان میں اب نیند نہیں آئے گی
میری دھرتی کی کتنی ماؤں کو
اب کبھی نیند نہیں آئے گی
میری ماؤں کو آج کی شب تو
دیکھنا......
نیند نہیں آئے گی!

سباس گل......رحیم یار خان

دسمبر

اگر تم ساتھ دیتے تو......

دھند میں لپٹی سرد شاموں میں
کینڈل لائٹ سے چراغاں کرتے
ٹھٹھراتی راتوں کو کمبلوں سے دہکاتے
برفباری میں بھی
گلابوں کی بارش کرتے
اگر تم ساتھ دیتے تو......
سرد لہجوں کی مہر کو
گرم کوفی کی اُڑتی، خوشبو دار بھاپ میں اُڑا دیتے
اگر تم ساتھ دیتے تو......
ہمارے ساتھ ہوتے تو......
دسمبر کو بہاراں کرتے......

صائمہ قریشی......آکسفوڈ

اے دسمبر

اے دسمبر
تُو نہ آیا کر
جب تُو آتا ہے
کسی کی یاد بھی آتی ہے
اور جب یاد آتی ہے
آنکھیں خون روتی ہیں
دل الگ مچلتا ہے
یہ لمبی سرد راتیں
تنہائی کا احساس دلاتی ہیں
مجھ کو بہت رلاتی ہیں
جب جانے والے واپس نہیں آتے
تو اے دسمبر
تُو کیوں آتا ہے؟
تُو بھی نہ آیا کر
جب تُو آتا ہے
کسی کی یاد بھی آتی ہے

دلکش مریم......چنیوٹ

دسمبر سنو تو......

دسمبر سنو تو

اب کے جب آنا
تو بات سن لو میری
بے خوف ہو کر آنا
کہ اب کسی نے تیری
اداس راتوں کو مسکین
بنا لیا ہے کہ
اب کوئی دھند میں اکثر
پہروں پگھلتا ہے
کہ تیری سرد ہواؤں سے
کسی کے زخم کھلتے ہیں
تنہائی میں تجھ سے
دسمبر......
کہ جب کوئی شکوہ کرتا
کیوں میری آنکھیں ویراں ہوئیں
کیوں بے وجہ خاموشی ہے
کیوں دسمبر تم میرے
جیسے ہو
بے رونق سے ادھورے سے اداس سے
تب شاید تم بھی کہتے ہو
دسمبر میں بھی ہوں
دسمبر تم بھی ہو
ہماری پہچان ایک
سی ہے
تو بھی خالی
میں بھی خالی

شائستہ جٹ...... چیچہ وطنی

نظم

دسمبر کی ان سرد شاموں میں
ہوا کے جھونکے جب بالوں کو بکھیرا کرتے ہیں
مجھے تم یاد آتے ہو......
جب اپنے ٹھٹھرتے ہاتھوں سے تم
میرے گالوں کو چھوا کرتے تھے

اب سردی کی ان سرد شاموں میں
نہ تم پاس ہوتے ہو
نہ ٹھٹھرتے ہاتھوں سے میرے گالوں کو چھوتے ہو
مجھے تم یاد آتے ہو......
ہر چیز مجھے میسر ہے
مگر تم پاس نہ ہوتے ہو
اندھیری رات میں اکثر
جب نیند روٹھ جاتی ہے
پھر تمہاری یاد ستاتی ہے
میں چاہ کر بھی سو نہ پاتی ہوں
مجھے تم یاد آتے ہو......
ہوا کے سرد جھونکوں سے
تمہاری خوشبو لپٹ کر آتی ہے
سانسوں میں بس سی جاتی ہے
مگر...... تم لوٹ کر نہ آتے ہو
مجھے تم یاد آتے ہو
سرد ہوا کا اک جھونکا
جب ہولے سے پاس سے گزرتا ہے
احساس تمہارا ہوتا ہے
آنچل میرا لہلہاتا ہے
تمہاری یاد دلاتا ہے
مگر...... تم ساتھ نہ ہوتے ہو
مجھے تم یاد آتے ہو
مجھے تم یاد آتے ہو
نہ جانے کیوں......
مجھے تم یاد آتے ہو

لاریب ملک...... مخدوم پور پہوڑاں

شہادت حسینؓ

اسلامی سال کا پہلا مہینہ
محرم ہوتا ہے
اس مہینے کی آمد سے
بہت کچھ یاد آتا ہے

دل زخمی ہوتا ہے
ذہن مفلوج ہوتا ہے
جب...........
اک کربناک منظر
تصور میں سماتا ہے
جب آقائے عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے
لخت جگر کے جگر پارے
یزید کی بربریت میں
لہولہو ہوتے نظر آتے ہیں
کہیں بہادر لشکر جانثاری میں
عجب گوہر دکھاتا نظر آتا ہے
وہی مجھ کو خون کے آنسو رلا دینے والا
اک کربناک منظر یاد آتا ہے
جب ابن زیاد جیسا بدبخت
میرے نبی ﷺ کے محبوب نواسے کے
جنت کے جوانوں کے سردار کے
پنکھڑی جیسے لبوں پر
چھڑی مارتا نظر آتا ہے
وہی ان کا جانثار محمد صلی اللہ علیہ وسلم
تڑپ کر کھڑا ہوتا ہے
اس بدبخت کو ملامت کرتا ہے
یہ تو وہ ہونٹ ہیں پیارے
جن کو چھوا ہے پیارے نبی ﷺ کے لبوں نے
مگر اس ظالم کو ترس نہ آیا
ہوا پھر رسوا زمانے میں
اور آج تک ملامت ہے اس پہ جاری
واہ حسین ؓ تیری شہادت کو سلام
اے اماں فاطمہ ؓ کے جگر پارے
تیری استقامت کو سلام
خراج تحسین دینے کے بعد
جب نکلی متاز تصورات سے
تو نکلا بلاساختہ لبوں سے
بغض حسین رکھنے والے ہوں گے
سدا برباد
بنیں گے آخرت میں
جہنم کا ایندھن
اور حسین رکھنے والے
کامیاب دارین
(ان شاء اللہ العزیز)

شازیہ ہاشم.....کھڈیاں خاص

غزل

تمہاری یاد کا سر پہ یہ آنچل کیوں نہیں رہتا
بہت ہی دیر تک آنکھوں میں بادل کیوں نہیں رہتا
میں ہنستی ہوں تو میری آنکھوں سے آنسو چھلکتے ہیں
میری آنکھوں کی جھیلوں میں یہ کاجل کیوں نہیں رہتا
میرے ویران کوچے میں ٹھہرتا ہی نہیں لیکن
وہ میرے پاس بھی آ کر مسلسل کیوں نہیں رہتا
وہ میری زندگانی کا اثاثہ بن گیا پھر بھی
وہ میری زندگانی میں مکمل کیوں نہیں رہتا
بہت دن سے میں تمثیلہ اسی کو یاد کرتی ہوں
میری ویران گلیوں میں وہ پاگل کیوں نہیں رہتا

تمثیلہ لطیف.....لاہور

غزل

میرے درد کو قرار دو
غم کو دل سے اتار دو
ہم ہجر کے ماروں کو
کوئی شام وصل تو ادھار دو
کچھ زیادہ کی طلب نہیں
بس لفظ پیار کے دوچار دو
اپنی چاہت کی چاندنی سے
بے مایہ ہستی نکھار دو
درد کے ساز بہت سنے
اب گیتوں کی جھنکار دو
خزاں خزاں اداسیاں

سنو! اب بہار ہی بہار دو
قسمت تو نہ سلجھی اپنی
یہ ابھی شب ہی سنوار دو
فصیحہ آصف خان..... ملتان

نظم
جب اس کی زلف کو سنوارا گیا ہے
میرے دل کو اشارتاً پکارا گیا ہے
اس کی ماتھے کی بندیا چمکنے لگی
آسمان سے چاند کو اتارا گیا ہے
پوچھا سبب اداسی کا کسی نے
کہا ارمانوں کو تو مارا گیا ہے
وہ کسی کے فلک کا چاند ہو؟
اور کسی کے دل کو ہارا گیا ہے
ڈولی راج ان کی اٹھی نہ تھی
پھر کسی کو لحد میں اتارا گیا ہے
شاعر: سید عبادت راج کاظمی

نظم
میں نے اس دل کی زمینوں پہ
محبت بوئی
اور پھر
ہجر کی افتاد سے
وہ بھسم ہوئی
انا احب..... گجرات

یادیں
تمہاری یادیں
بارش کی طرح ہیں
چند لمحے برس کر
مجھے گھنٹوں بھگوئے
رکھتی ہیں
نوشین..... حاجی شاہ

محبت.....!
اس آخری ملاقات پر

اس نے ہم سے یہ کہا
تم تو بھلے آدمی تھے
تمہیں محبت کیسے.....
ہوگئی
بڑی معصومیت سے
اس کی آنکھوں میں
دیکھ کر.....
ہم نے بھی خوب کہا
محبت کی نہیں جاتی
دوست.....!
محبت بس ہوجاتی
ہے
مدیحہ ناز شفیع..... بورے والا

یہ بارش کیوں برستی ہے؟
بارش اور تمہاری یاد کا
کتنا گہرا تعلق ہے.....
جب بارش برستی ہے
تو ہر ہر بوند پر مجھ کو
تمہاری اک اک ادا
یاد آتی ہے
دل میں چبھ سی جاتی ہیں
وہ یادیں وہ باتیں
وہ ساتھ گزرے لمحے
تب دل سے آہ نکلتی ہے
یہ بارش کیوں برستی ہے
مہ جبیں..... چیچہ وطنی

غزل
زندگی دائروں میں چلتی ہے
ایک مرکز پر کب ٹھہرتی ہے
ایک سا وقت تو نہیں رہتا
رُت بدلتی ہے ہاں بدلتی ہے
ہاں زمانے میں سب ہی ممکن ہے
بگڑی تقدیر کب سنورتی ہے

کاوشیں ساری دوسروں کے لیے
زندگی ایسے بھی گزرتی ہے
اک کہانی وہ چھوڑ جاتی ہے
عمر کی شام جب بھی ڈھلتی ہے
کتنی اچھی ہے اک چیونٹی جو
گرتی رہتی ہے پھر سنبھلتی ہے
وہ گھٹا جو خوشی لٹاتی ہے
جانے کس دیس وہ برستی ہے
پورا کرنا ہے اس کو ہم نے ابھی
وہ جو خواہش کوئی مچلتی ہے
ایک ہی رنگ تھا محبت کا
رنگ کتنے وہ اب بدلتی ہے
کہنے والا سمجھ نہیں سکتا
سننے والوں پہ جو گزرتی ہے
حبس حد سے کنول بڑھ جائے
پھر تو بارش کہیں برستی ہے

یاسمین کنول...... پسرور

غزل

کبھی دیکھی نہیں ایسی شام سرِ شام
یاد نہ رہا ہو تیرا نام سر شام
جب بھی ملنے کا وعدہ کیا
چھوڑے ادھورے ضروری کام سر شام
تمہاری آنکھیں اکثر یہ بولتی رہیں
توڑ دیجیے اب سارے جام سر شام
دل کی بستی میں اپنا گھر بسا کر ہم
امورِ عشق دیں سرانجام سر شام
تعین کرلیں ہم اب اصول محبت بھی
ہوجائے نہ کہیں پھر قصہ تمام سر شام
سیف دل اب حالتِ اضطراب میں ہے
لکھتا ہے اب چاند پر تیرا نام سر شام

سیف الاسلام...... لیاقت آباد

غزل

لبوں پہ اس لیے آہ و بکا ہے
قفس میں قید میرا ہم نوا ہے
کس کی زلف سے مہکی فضا ہے
چمن میں یا کہ تازہ گل کھلا ہے
قمر کی سمت تھی جس کی اڑانیں
وہ پنچھی پستیوں میں جا گرا ہے
غضب ہے بند ہے در میکدے کا
فضا میں چار سو کالی گھٹا ہے
حویلی میں صف ماتم بچھی ہے
مقید بن میں کوئی لاڈلا ہے
چراغ شب بجھادیتی ہے پل میں
مخالف کیوں مرے اتنی ہوا ہے
سفر سے لوٹ کر آیا نہ راہی
کسی کی آنکھ سے آنسو گرا ہے

برکت راہی...... ڈگری، سندھ

تیرے بن جینا

عجیب موڑ پر لے آئی
ہے زندگی
مجھ کو
نہ تیرے بن جینا آتا ہے
نہ مرنا ہے

انم...... برنالی

انتظار

کہیں ملے تو اسے کہنا
آنکھیں تھک گئی تھیں
راہ دیکھتے دیکھتے
سو اس لیے موند لیں
یہ نہ سمجھنا کہ اب
انتظار نہیں رہا

وقاص عمر بنگش...... حافظ آباد

نظم

اے مادر وطن کے چشم دید

آ دیکھ ذرا اس دھرتی میں
پھر خون کی ہولی عام ہوئی
پھر دھرتی ماں کے آنگن میں
ہاں قہر و جبر کی شام ہوئی
پھر ظلم جگا پھر نظر اٹھا
پھر سے ہے تاریخ گواہ
کہ کس بہن کا بھائی ہے یارو
پھر جو تختہ دار چڑھا
طفل ہیں اس بد قسمت کے
بے بس ہوئے مجبور ہوئے
پھر ماں بھی ان بچوں کی
بیوہ بر سر عام ہوئی نہ
بھائی جوڑ و باسکیوں میں
باپ بھی درد فرقت میں
بے حال ہوا نڈھال ہوا
ماں کی آہیں اور آنسو
پھر سے ہیں فریادِ کناں
اے لختِ جگر تُو جانے والے
تُو غم نہ کر تو فکر نہ کھا
اے میرے رحیم و کریم مولا
ابھی تو ہے ایک تختہ دار چڑھا
اگر میرے ہوں ہزاروں جواں
سب کو ملک و دین کی خاطر
دوں میں تختہ دار چڑھا
مگر سن......
میری بھی فریاد خدا
میرے ملک کو بچا
بخدا میرے ملک کو بچا

نبیلہ ناز...... قصور

غزل

چہرے پر ٹھہر گئے درد کے لمحے
آنکھوں میں پھر نمی سی اتر آئی ہے

برسوں کے بعد ہم کو اے دل جاناں
تجھ سی کوئی صورت نظر آئی ہے
باندھا تھا ارادہ ہم نے ترک تعلق کا
تیری یاد میں شدت سی ابھر آئی ہے
ہنستی رہتی ہے دن بھر جو پاگل لڑکی
درد دل کے مراحل سے گزر آئی ہے

فائزہ بھٹی...... چونی

تتلیاں

نازک ہیں ہم تتلیاں
نازک ہیں پر ہمارے
اپنے ہاتھوں میں نہ مسلو
کہ میرے سارے رنگ
تیرے ہاتھوں میں رہ جائیں
اڑنا چاہیں اور اڑ نہ سکیں
جینا چاہیں اور جی نہ سکیں
اپنی بند مٹھی میں قید نہ کر کر
سانس لینا چاہیں اور لیں نہ سکیں
نازک ہیں ہم تتلیاں
ہمیں باغ چمن میں رہنے دو
بہاروں کا مزہ لینے دو
پھولوں کی خوشبو کو اپنے اندر اتارنے دو
اے ظالم انساں!
ہمیں جینے دو ہمیں جینے دو

نور حرم...... وہاڑی

خفا پنچھی

کبھی تم نے فضا میں اس پنچھی
کو دیکھا ہے
جو اڑتے ہوئے دور آسمان میں
کھو جاتا ہے
جب دکھائی دینا چھوڑ دیتا ہے
پتا ہے کیوں وہ اتنا
اوپر اڑتا ہے

کیوں کہ اسے واپس نہیں
لوٹنا
پتا ہے کیوں نہیں لوٹنا
کیوں کہ اسے اس کے
اپنوں نے چھوڑا تھا
اور جب اپنے چھوڑ دیتے ہیں
تو پھر واپس نہیں لوٹتے پنچھی
پھر فنا ہو جاتے ہیں
مگر انا نہیں چھوڑتے
اپنوں سے غم جب ملتے ہیں
تو پنچھی بکھر جاتے ہیں
کھو جاتے ہیں

شناء اشرف...... میانوالی

ہاں حساب لیں گے

گلستانِ دل کے
مہکتے ہوئے پھولو
یوں نظروں سے تمہارا اوجھل ہو جانا
یہ قیامت نہیں تو اور کیا ہے
دراز میں پیا آ کے دیکھو
خدارا ایک بار تو یہ دیکھو
تمہارے غم میں
کس قدر ہے ڈوبا ہوا یہ وطن سارا
ہاں یہ وطن سارا
اے ارضِ پاک کے شہید بچو
یہ وعدہ ہے ہم سے ہمارا
انسانیت کے دشمنوں کو مٹا کے دم لیں گے
جن کا کوئی مذہب نہیں ہے
ان سے اپنا شباب لیں گے
ہم تمہارے لہو کا حساب لیں گے
ہاں حساب لیں گے......!
خوشبوؤں کا سلسلہ جاری رکھیں گے
تمہارا مشن مسلسل جاری رکھیں گے......!

خالدایاز ساحل......

غزل

مدت ہوئی ان لبوں نے ہنسنا چھوڑ دیا
سپنوں نے آنکھ میں آ کے بسنا چھوڑ دیا
تیری یاد کے تاروں کو مری آنکھ میں چمکتا دیکھ کے
اب نیند نے بھی خود کو رچنا چھوڑ دیا
منفرد تھی خود اپنی وفا کرنے کی وفا پانے کی
تسکین نہ ہوئی جب ہر رشتہ توڑ دیا ہر اپنا چھوڑ دیا
ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں عذاب دینے لگی ہیں اب کے
جو حاصل تھا زندگی کا اسے بھی پانے کا سپنا چھوڑ دیا
چاہت تھی ہر رنگ سجالوں ورق زندگی پر لیکن؟
کھو گیا ان رنگوں میں نام تیرا تب ہم نے ہی سجنا چھوڑ دیا
وہ خوشبو کی مانند بچھڑ گیا مل کر چمن محبت میں
ہم ازل سے ہی تنہا تھے اس نے بھی تنہا چھوڑ دیا

مدیحہ اکرم کشش...... ہری پور

غزل

نہ سوال کر نہ جواب دے
میرے ٹوٹے دل کا حساب دے
میں نے سالوں کیا انتظار تیرا
گزرے برسوں کا شمار دے
میں نے وعدوں پر کیا اعتبار تیرے
مجھے یوں باتوں میں نہ ٹال دے
میرا مرکز محبت ہے صرف تُو
مجھے چاہتوں کا نصاب دے
میرا عشق ہے میرا جنوں
مجھے چاہتوں کے خواب دے
میری وسعت عشق ہے لاجواب ایم
مجھے پیار بھی لاجواب دے

ایم فاطمہ سیال...... محمود پور

دوست کا پیغام آئے

ہما احمد

پیار کرنے والوں کے نام

اسلام و علیکم! آنچل و حجاب فرینڈز امید ہے خیریت سے ہوں گی۔ حجاب کی پہلی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو میں بھی آج آپ کے ساتھ اپنی ایک خوشی آپ سے شیئر کرنا چاہتی ہوں اور وہ یہ کہ اللہ کریم کی مہربانی سے میری چوتھی کتاب ''سو الفاظ کی آواز'' شائع ہو کر آ گئی ہے اس میں تمام کہانیاں سو لفظی ہیں اور اللہ کے کرم سے مجھے پہلی خاتون رائٹر ہونے کا اعزاز ملا جس نے سو لفظی کہانیاں لکھیں۔ روزانہ کی بنیاد پر لکھتی ہوں اور الحمدللہ اب تو ساڑھے تین سو تک ہو چکی ہیں اور جاری ہیں۔ میں بہت بہت زیادہ لکھنا چاہتی ہوں بس آپ کی دعا چاہیے۔ اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

فاخرہ گل...... اٹلی

والدین کے نام

اسلام علیکم! امید کرتی ہوں مجھے پہچان لیا ہو گا؟ چلو اپنا تعارف کرا دیتی ہوں مجھے سب سعدیہ کہتے ہیں ویسے پورا نام سعدیہ عظیم ہے اور میں سعدیہ بخاری بھی کہلاتی ہوں، تعارف تو ہو گیا۔ اس محفل میں آنے کا اصل مقصد ہے جانِ عزیز اپنے امی ابو کو اینی ورسری وش کرنا ہے۔ امی ابو آپ دونوں کو صرف میری طرف سے ہی نہیں ہم سب (صابرہ، بشریٰ، چاند، اقراء، معظم، وجیہہ اور تمام فیملی) کی طرف سے یہ دن بہت بہت مبارک ہو۔ ہم کوئی بھی سالگرہ سیلیبریٹ نہیں کرتے وش تو کر سکتے ہیں نا؟ ہماری دعا ہے کہ آپ دونوں ہمیشہ ساتھ رہیں اور آپ دونوں کا ساتھ ہمارے ساتھ رہے کیونکہ زندگی میں قدم قدم پہ آپ کے ساتھ اور آپ کی دعاؤں کی اشد ضرورت ہے۔ رکھنا میرے ماں باپ کو حیات جب تک میں ہوں اے اللہ ان کی دعاؤں کے بنا میری زندگی بہت ادھوری ہے اللہ تعالیٰ آپ کو حج کی سعادت نصیب فرمائے (میرے سمیت) آمین۔ اللہ تعالیٰ آپ دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے۔ اور زندگی میں کوئی بھی غم چھو کے بھی نہ گزرے۔ آمین ثمہ آمین۔ میں محمود اور سمیعہ کو بھی ان کی اینی ورسری کی مبارک دیتی ہوں۔ محمود اور سمیعہ آپ دونوں کو ہم سب کی طرف سے بہت بہت مبارک باد ہو اللہ آپ دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے اور آپ دونوں کا ساتھ ہمیشہ رہے۔ کوئی بھی غم چھو کے نہ گزرے۔ آمین۔ پاکستان میں آپ کی پہلی اینی ورسری ہے امید کرتی ہوں انجوائے کرو گے۔ اب میں اجازت چاہتی ہوں سب کو سلام۔ امید ہے آپ سب کو پسند آیا ہو گا بتایئے گا ضرور۔

سعدیہ عظیم...... بہاولپور

اپنوں کے نام

اسلام علیکم میری پیاری پیاری فیملی! آنچل رائٹرز اور آنچل انتظامیہ کو بھی میرا پیار بھرا اسلام۔ سب سے پہلے تو میری پیاری بہن اقراء رشید کی دو نومبر کو شادی کی سالگرہ اور اسی دن میری پیاری آپی عائشہ رشید کے ہسبنڈ جاوید کی سالگرہ بھی ہے سو اقراء آپی آپ کو شادی کی سالگرہ اور جاوید بھائی آپ کو اپنا جنم دن بہت بہت مبارک ہو۔ اس کے بعد میری آپی عائشہ کا نو نومبر کو جنم دن ہے سو آپی آپ کو اپنا جنم دن بہت بہت مبارک ہو۔ اکیس نومبر کو میری پیاری بھتیجی آمنہ غفار کی سالگرہ اور تئیس کو میرے پیارے بھائی عبدالستار کی شادی کی سالگرہ اس کے بعد انتیس کو میری سب سے پیاری دوست ثناء ادریس کا جنم دن ہے سو آمنہ غفار اور ثناء ادریس آپ دونوں کو جنم دن بہت بہت مبارک ہو۔ بھائی جان آپ کو شادی کی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ میری فیملی ہمیشہ خوش رہے میری فیملی پر کبھی کوئی دکھ تکلیف نہ آئے اور دنیا کی ہر فیملی یونہی رہے آمین ثم آمین۔

سدرہ عروج...... لودھراں، چک ہمتہ

میری سسٹر کے نام

بھروسہ، دعا، وفا، جواب، من، محبت
کتنے ناموں میں سمٹے ہو صرف اک تم
جی ہاں ان تمام خوبیوں کی مالک میری سسٹر نوشیبہ نواز کو میری طرف سے ڈھیروں ڈھیر سلام اور شادی کی مبارک باد۔ رب کریم تمہیں اپنے گھر میں ہمیشہ خوش رکھے آمین۔ شادی والے دن تم بہت بہت پیاری لگ رہی تھیں اپنی بڑی بڑی آنکھوں کے ساتھ۔ بھائی ندیم (دلہا صاحب) بھی بہت پیارے لگ رہے تھے مگر تم سے ذرا کم۔ اس دن تم پوچھ رہی تھیں ناں کہ تمہیں کس موقع پر سب سے زیادہ یاد کرتے ہیں تو میں تمہیں صبح ناشتے پر یاد کرتی ہوں کیونکہ پہلے سارا ناشتا تم پکاتی تھیں لیکن اب مجھے پکانا پڑتا ہے، چلو چھوڑو جی! ایک دفعہ پھر شادی کی مبارک باد اور آخر میں دعا صرف تمہارے لیے۔

دعا کی صورت میں اس کی خاطر
جو میرے ہونٹوں سے لفظ نکلے
جو میری آنکھوں سے اشک نکلے
انہی کے بدلے میں اے خدایا
جب بھی اس کا نصیب لکھنا
عروج لکھنا کمال لکھنا
کبھی نہ حرفِ زوال لکھنا
اس کی عمر دراز لکھنا
آمین۔

منیبہ نواز...... صبور شریف

ہیپی نیو ائر

السلام علیکم! آنچل کی تمام پڑھنے لکھنے والی بہنوں، دوستوں، رائٹرز ہمیشہ خوش رہو شاد رہو۔ اس مختصر سی زندگی میں، میں نے بہت سی دوستیں بنائیں، کچھ خاص، کچھ بہت ہی خاص۔ کچھ دوست بہت ہی پیارے، کچھ کے مزاج آوارہ، کچھ شہر چھوڑ گئے، کسی نے گھر بدل لیا تو کسی نے دل بدل لیا۔ کسی نے مجھے چھوڑ دیا تو کسی کو میں نے چھوڑ دیا۔ کچھ دوستوں سے رابطہ ہے کچھ سے بالکل نہیں ہے۔ کوئی اپنی انا کی وجہ سے رابطہ نہیں کرتے تو کہیں میری انا مجھے روکتی ہے۔ وہ سب جیسے بھی ہیں، جہاں بھی ہیں، میں اب بھی ان کو چاہتی ہوں کیونکہ میں نے ان کے ساتھ زندگی کے یادگار دن گزارے ہیں تم سب جیو ہزاروں سال۔ میرے ساتھ بھی اور میرے بغیر بھی اور میرے بعد بھی ہیپی نیو ائر۔ سب دوستوں کو نیا سال مبارک ہو اگر کوئی غلطی ہوئی ہو تو معاف فرمایئے گا۔

ہوگی ملاقات اگر زندگی نے وفا کی فراز
ورنہ بخش دینا جو ہم نے خطا کی

نجم انجم اعوان...... کورنگی، کراچی

7 اسٹار گروپ کے نام

السلام علیکم! آنچل فرینڈز دسمبر کی سردیاں انجوائے کررہے ہیں ناں سب؟ کوثر خالد ایک پیغام بھیجو وہ بھی صرف میرے لیے (فوراً سے پہلے) مجھے آپ بہت بہت اچھی لگتی ہیں صالحہ کوثر ولد اللہ رکھا، نجم انجم آپ بہت سویٹ ہیں (اور آپ کی باتیں بھی)۔ عائشہ رحمٰن لیس آئی ایم او کے (کیوٹ فرینڈ) فابیہ مسکان محبت سے بھرپور دوستی کا ہاتھ ہم تھام رہے ہیں (رائٹ) رشک حنا اور ماہ رخ تم دونوں اب مجھے ہمیشہ یاد رہو گی (اپنی شرارتوں سمیت) عنبر مجید ہم دوست ہیں آپ کے پکے والے۔ طیبہ نذیر (بلے بھئی بلے تے شاوا شاوا) شادی کا احوال بھیجو جلدی سے۔ ریحانہ راجپوت میں آپ کو بھول چکی ہوں (سچی)۔ عظمیٰ فرید کہاں ہو تم؟ (کب سے غائب ہو؟) کرن شہزادی تھینکس پرنسز (میرا حوصلہ بڑھانے کے لیے) ارم کمال آپ کی باتیں باکمال ہوتی ہیں (آپ کی طرح) پرنسز اقو کامیابی پر ڈھیروں مبارک باد (اپنا نام تو بتاؤ بھئی) آپ بھی ہماری دوست ہیں کیونکہ آنچل ہمارا قلمی گھر ہے اور ہم سب ایک فیملی کی طرح ہیں۔ پروین افضل، ایس گوہر (کیسی ہو؟) مونا شاہ قریشی، حرا قریشی، گل مینا، نورین انجم (ننھی پری) باقی سب فرینڈز جن کے نام ابھی ذہن میں نہیں آرہے سب کو سلام حیات باقی ملاقات باقی،

والسلام۔

فوزیہ سلطانہ...... تونسہ شریف

اپنوں کے نام

السلام علیکم! میری امی جان اور پیارے ابو جان آپ کی شادی کی سالگرہ ہے آپ دونوں کو بہت مبارک ہو اللہ تعالیٰ آپ دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے ایسے ہی ایک دوسرے کے ساتھ رہیں' آمین اور پیارے ابو جان آپ کا برتھ ڈے ہے اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ ہمارے سر پر ہمیشہ قائم رکھے اور آپ کو صحت و تندرستی دے' آمین۔ زرقا تمہیں پاس ہونے کی مبارک باد اور اقراء منگنی ہوگئی تمہاری' مبارک ہو۔ زارا تمہیں شادی کی بہت مبارک باد' حنا اور نورین تم دونوں کو بھی پاس ہونے پر مبارک باد۔ پیاری کزنز' شیریں اور ثمینہ تم دونوں کی شادی ہے' دسمبر میں میری دعا ہے اللہ تعالیٰ تم دونوں کو بہت ساری خوشیاں دے اور نئی زندگی سے تمام دکھ ختم کرے' آمین۔ ہم سب آرہے ہیں کراچی آپ دونوں کی شادی میں ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اٹلی والو ویلکم ٹو پاکستان خیر خیریت سے آؤ' آمین۔ ارم کمال' نورین مجم' طیبہ نذیر' آپی پرنس افضل شاہین اور تمام قارئین کو بہت سا سلام اور دعائیں ثناء رسول ہاشمی آپ کیسی ہیں ساریہ چوہدری' جیا عباس آپی' آپ کہاں ہیں اور میرا اسکول اسٹاف پہلے سن لے یکم جنوری کو میں آپ لوگوں کے ساتھ نہیں ہوں گی مجھے برتھ ڈے وش نہ کیا تو تم سب کی خیر نہیں آئی سمجھ کے نہیں سب اپنا خیال رکھیے گا' رب راکھا۔

مدیحہ نورین مہک...... گجرات

سوئٹس فرینڈز کے نام

السلام علیکم! ڈیئر فرینڈز کیسی ہو میرا یہ خط پڑھ کر آپ لوگ یقیناً خوش ہوں گی۔ میں یہ خط سویٹ فرینڈز کو لکھ رہی ہوں جن میں حمیرا' عیشاء' ام حبیبہ' ندا سویرا' اقراء اور میں خود ہوں۔ میری بیسٹ فرینڈز کائنات ارشد ہے۔ کائنات میں تمہیں آنچل کے ذریعے سوری کرنا چاہتی ہوں کہ میں نے کتنے سال سے تم سے رابطہ نہیں کیا (ایگین سوری) عیشاء تم تھوڑا سا پڑھائی پر توجہ دے لو ہر وقت صرف گانے ہی گانے (اُف اللہ)۔ حمیرا چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل پر مت لیا کرو تم اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا کرو۔ بے شک اللہ بہتر کرنے والا ہے ام حبیبہ شکریہ مجھے سب سے پہلے وش کرنے کے لیے تم بہت اچھی ہو اور ہمیشہ ہی اسی طرح رہنا شاید مجھے دوستی کا مطلب ہی اپنے گروپ سے ہی پتا چلا ہے کہ دوستی کیا ہے (لیکن ہمارے گروپ میں شاید کسی نے دوستی کو صرف ٹائم پاس بنا رکھا تھا۔ شبنم مجھے تم سے واقعی امید نہیں تھی۔ تم نے ہماری امیدوں کو توڑا ہے شاید ہی اب ہم تم پر اعتبار کرسکیں) اور آخر میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اگر آپ کسی کے دوست بننا چاہتے ہیں تو ان کے ساتھ مخلص رہیں اور کسی پر اندھا اعتبار مت کریں کیونکہ جب یہ اعتبار ٹوٹتا ہے تو اس کی کرچیاں دل پر لگتی ہیں اور پلیز کسی کی دوستی کا مان مت توڑیں اور مجھے ہمیشہ اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا' اللہ حافظ۔

ذکاء زرگر...... جوڑہ

پیاری نجم انجم کے نام

السلام علیکم! پیاری دعا' آنچل میں اپنے نام خط پڑھا۔ واہ پڑھ کر دل خوش ہوا۔ آپ نے کتنے قصیدے میرے لیے لکھ دیئے' بے حد شکریہ۔ بہت سارا پیار تمہاری زندگی میں کبھی خزاں نہ آئے یونہی ہنستی مسکراتی رہو اور اچھا اچھا لکھتی رہو۔ روبی علی' دلکش مریم' دعائے سحر' طیبہ نذیر' بشریٰ باجوہ' کوثر خالد' پروین افضل شاہین' سباس گل' نزہت جبین' فصیحہ آصف' عائشہ رحمٰن اور سب کو بے حد پیار اور دعا۔ بس میرے لیے دعا کرتی رہا کریں۔

فریدہ فری...... لاہور

آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! امید ہے اللہ کے کرم سے میرے آنچل کے ستارے پوری آب و تاب سے جگمگا رہے ہوں

گے۔ طویل غیر حاضری کے بعد حاضر ہوں کچھ تعلیمی مصروفیات کچھ جاب کی اور پھر شادی ہوگئی تو مصروفیات بڑھ گئیں لیکن آنچل کو پڑھنا ہرگز موقوف نہیں کیا۔ طیبہ نذیر شادی کی ڈھیروں مبارک باد اللہ پاک آپ کا دامن خوشیوں سے بھر دے۔ حافظ صائمہ' ایس اصول اور اقصیٰ کنزیٰ آپ سب کیسی ہیں؟ اب آتی ہوں عنزہ یونس اناکی طرف جن کی غیر معمولی تعریف نے مجھے یہ خط لکھنے پر مجبور کیا۔ عنزہ میرے پاس الفاظ نہیں جن میں آپ کی محبت کا جواب دے سکوں۔ پیاری بہنا! اتنی تعریف کے قابل نہیں میں' آپ یقیناً خود جذبہ حب الوطنی سے سرشار ہیں اسی لیے میرے اس ناولٹ کے اندر موجود مقدس جذبے کو محسوس کیا' خوش رہیں آباد رہیں اور پاکستان کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ جس وقت میں لکھ رہی ہوں انڈیا پاکستان کے اندر سرجیکل اسٹرائیک کرنے کے جھوٹے دعوے کررہا ہے۔ ہمارے دو فوجی جوان اس فائرنگ میں شہید ہوچکے ہیں جن میں سے ایک جوان امتیاز نائیک کا تعلق فیصل آباد سے ہے۔ فیصل آباد نے پہلے شہادت کا تمغہ اپنے سینے پر سجالیا ہے' فیصل آباد تو تیار ہے اور یقیناً پورا پاکستان تیار ہے۔ انڈیا آؤ نہ کبھی سرجیکل اسٹرائیک کرنے۔ اللہ پاکستان کا حامی وناصر ہو' آمین' پاکستان زندہ باد تا قیامت پائندہ باد۔

عظمیٰ شاہین رفیق...... فیصل آباد

آنچل کی شہزادیوں کے نام

آل ریڈرز' رائٹرز اینڈ فرینڈز آنچل ٹیم السلام علیکم! کیسی ہیں آپ سب؟ حسینہ' رمشہ' کرن شہزادی' سمیعہ کنول آپ سناؤ بالکل بھی یاد نہیں کرتی اتنے پیغامات بھیجتی ہوں لیکن شائع ہی نہیں ہوتے۔ کومل' آمنہ (تسی سناؤ) کنزیٰ کو سلام کہنا (آئی مس یو) اور آنچل کی ان دیکھی فرینڈز طیبہ نذیر (شادی مبارک) دعائے سحر (ایک عدد منگیتر صاحبان مبارک) عائشہ پرویز' آپی پروین یو آر گریٹ۔ پارس شاہ' آپ کہاں گم ہو؟ فصیحہ آصف' مجم انجم' عائشہ نور محمد' آپ سب کو اس ناچیز نے دوستی کا پیغام بھیجا ہے پلیز ویلکم کریں۔ فصیحہ آصف آپ میری آنٹی فاطمہ کو بہت پسند ہیں۔ عائش کشمالے آپ کا نام بہت منفرد اور پیارا لگا' او ہو میں اپنے پڑوسیوں کو تو بھول گئی نادیہ 17 نومبر کو منگنی کی سالگرہ مبارک۔ سمیعہ جاچی بچے کی مبارک' نام میں رکھوں گی۔

سمیرا سواتی...... بھیرکنڈ

کچھ اپنوں کے نام

السلام علیکم! کیسے ہیں آپ سب امید کرتی ہوں خیریت سے ہوں گے آپ سب۔ آپ سب تو مجھے بھول گئے ہیں مگر انہیں نہیں بھولی' آنچل میں ایک ماہ شرکت نہ کرپائی جس کی وجہ میری ماں ہیں جو 20 تاریخ کو ہم سب کو چھوڑ کر خالق حقیقی سے جاملی۔ آپ سب دوستوں سے گزارش ہے کہ میری ماں کے لیے دعا کیجیے گا کہ اللہ پاک ان کے درجات بلند فرمائے' ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ہم بہن بھائیوں کو صبر عطا فرمائے' آمین اور ہماری چھوٹی سی عنادل کو صحت و تندرستی عطا کرے' آمین۔ میم نوید انجم کیسی ہیں آپ؟ آپ سب ٹیچرز بہت یاد آتے ہیں۔ سب ٹیچرز کو میرا سلام' میری تمام دوستوں کو پیار۔ بھائی وسیم کیسے ہیں آپ' منگنی کی بہت بہت مبارک ہو' دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

انم...... برنالی

گمنام ستاروں کے نام

السلام علیکم! آنچل وحجاب کی پوری ٹیم کو حجاب کی سالگرہ مبارک ہو۔ آپی جی ہمارے حصے کا کیک پروین افضل شاہین کو دیجیے گا' جاذبہ عباسی یار اپنا انٹروڈکشن تو کروادو۔ فصیحہ آصف ملتان' عریشہ احمد کراچی بھئی' مہربانی کرکے ہمیں بھی یاد کرلیا کرو۔ کسی چیز میں دل نہیں لگتا اب تو یار کوئی مجھے بھی مخاطب کرلیا کرے خوشی ہوگی اور انجانے لوگو! دعا کرو ایڈمیشن ہوجائے میرا کیمسٹری ڈیپارٹمنٹ میں۔ حجاب اسٹارٹ سے پڑھتی

ہوں یعنی مستقل قاری ہوں اور آنچل تین سال سے ریگولر پڑھ رہی ہوں۔ شائلہ آپی ذرا ہاتھ ہولا رکھیں تو اگلی بار میں بھی انٹری دوں گی۔ ہم سے پوچھئے میں نزہت جبیں ضیاء آنٹی یا رحجاب اولا آنچل ہر جگہ آپ ہی آپ ہیں' ذرا ہمیں بھی جگہ دیں ناں؟ ورنہ اپنی جگہ بنانا جانتے ہیں۔ پروین افضل شاہین یو آر بیسٹ۔ راشدہ ترین آپ کی شاعری بہت پسند ہے' وصی شاہ کی بھی بہت بیسٹ ہے اور نازیہ کنول نازی کی شاعری بہت اچھی ہے۔ تارا ڈیئر اپنی خوشیاں اور پرابلمز فرینڈز سے شیئر کرلیا کرو' کیسی ہو؟ ایڈمیشن ہوگیا ہے آپ کا بوٹنی کا مبارک ہو ڈیئر۔ آنچل وحجاب سے جو بھی فرینڈ شپ کرے موسٹ ویلکم ڈیئر آصفہ قاضی احمد' آصفہ فیضان ایڈوانس ہیپی برتھ ڈے۔ اپنا نام پڑھ کر آپ کو بہت خوشی ہوئی ہوگی' اقصیٰ شاہد آپ کیسی ہو' ہاہا' اب شرمانہ چھوڑو یار۔

سعدیہ عزیز سویٹی...... مظفر گڑھ

تمام محبت کرنے والے دوستوں کے نام

سلام مسنون! کیسی ہیں فرینڈز' امید ہے سب ٹھیک ٹھاک ہوں گے۔ طویل غیر حاضری کے بعد حاضر محفل ہیں اگر کسی نے جگہ دے دی تو ٹھیک ورنہ ہم تو وہ ہیں جنہیں بھری محفلوں نے تنہا کردیا ہے جن دوستوں نے غیر حاضری کے باوجود یاد رکھا ان کا شکریہ جو بھول گئے ان کا بھی شکریہ۔ فائقہ سکندر' ریحانہ راجپوت' طیبہ نذیر' سباس گل' انجم اپیا' سنیاں زرگر' بدیحہ نورین مہک' سازیہ چوہدری' شمع مسکان' پروین افضل اور باقی تمام فرینڈز پلیز میرے لیے دعا کیا کریں آپ کی دعائیں شاید وسیلہ نجات غم دنیا ثابت ہوں۔ میری بیٹی ایمان زہرا کے حق میں بھی دعا کیا کریں۔ جان سے عزیز اور پیارے سے دوست تم کیا جانو تم مجھے کتنے عزیز ہو' کاش تم میرے دل میں جھانک لیتے تو یوں دوریاں نہ بڑھاتے میرا صبر مت آزماؤ' میری محبت مت آزماؤ میں حاضر ہوں۔ میرے پیارے بھیا اعتزاز احسن کی برسی 8 نومبر کو ہے پلیز تمام پڑھنے والے ان کے بلند درجات کی دعا کردیں۔

جیا عباس کاظمی...... تلہ گنگ

حافظ آباد اور تمام قارئین کے نام

سلام آنچل ریڈرز' رائٹرز اینڈ اسپیشلی حافظ آباد والو! کیسے ہو سب لوگ؟ کیا کہا ہم کیسے ہیں الحمدللہ ہمیشہ کی طرح خوب صورت (خبردار ہنسا نہیں فرینڈز سے پوچھ لو کیا خوب صورت نہیں آ ہم) میں آنچل میں پہلی دفعہ شرکت کررہی ہوں جھوٹ نہیں بولوں گی۔ آنچل سے تعلق زیادہ پرانا نہیں ہے میں نے 9th کلاس سے آنچل پڑھنا شروع کیا تھا اور اب سیکنڈ ائر کے پیپر دیئے ہیں اچھے رزلٹ کے لیے دعا کیجیے گا پلیز دنیا گھومنے کا بے حد شوق ہے اور کافی ممالک دیکھ چکی ہوں سب سے اچھا تو اپنا ملک ہی لگا لیکن پیرس بہت خوب صورت ہے (اور کراچی کا سمندر) آنچل میں انٹری دینے کا مقصد آپ سب سے دوستی کرنا ہے سب سے پہلے تو ابتداء اپنے گھر سے ہی کرنی چاہیے اس لیے سمیعہ (حافظ آباد) شبنم (حافظ آباد) اقراء لیاقت چدھڑ (حافظ آباد) گل رانا (فرینڈز آف حافظ آباد) اریبہ (حافظ آباد) عنزہ یونس چدھڑ (حافظ آباد) اور وہ سب جو آنچل میں حافظ آباد سے لکھتی ہیں سب سے دوستی کی درخواست کرتی ہوں امید ہے سب مثبت جواب دو گی۔ ہماری کاسٹ چدھڑ ہے اس لیے عنزہ یونس چدھڑ اور اقراء لیاقت چدھڑ آپ سے بہت امیدیں ہیں' جلدی جواب دینا۔ حافظ آباد نوابوں کے شہر سے ذرا سا آگے دیکھیں گوجرانوالہ آتا ہے اس کے تمام قارئین کو سلام' جیتے رہو اور سمیرا شریف طور آپ کو تو خصوصی سلام' اس کے علاوہ حرا قریشی' صوفیہ ملک' شاہ زندگی' دعائے سحر' لاریب انشال کھرل' گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس' عاصمہ اقبال عاصی اینڈ دعا ہاشمی آپ سب لوگ بھی دوستی کو قبول کرنا اور اچھا جواب دینا۔ آج کے لیے بس اتنا ہی کافی ہے پھر ملاقات ہوگی' ان شاء اللہ تب

تک کے لیے اللہ حافظ۔

انشال چدھڑ...... حافظ آباد

اپنوں کے نام

آپی فریدہ جاوید فری! آپ کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ آپ کو جلد مکمل صحت عطا فرمائے' آمین۔ تمنا بلوچ آپ کو شادی کی اور عمرہ کی مبارک باد۔ سمیرا غزل! بیٹے کی مبارک باد قبول کریں۔ ارم کمال! نانی بننے پر اور بیٹی کی میٹرک میں کامیابی پر مبارک باد۔ سمیرا شریف طور! اللہ تعالیٰ آپ کے بیٹے کو تندرستی دے' آمین۔ رشک حنا ماہ رخ! آپ تو ہر وقت میری یادوں میں رہتی ہو' میرا موبائل میرے میاں جانی کے پاس ہوتا ہے اس لیے مجھ تک پہنچنے کے لیے آپ کو ان تک پہنچنا ہوگا۔ حافظہ صائمہ کشف! میرے لیے اولاد کی دعا کرنے کا شکریہ۔ ارم کمال اگر ہم ٹاپ پر ہیں تو آپ ٹاپو ٹاپ پر ہیں۔ مدیحہ نورین مہک! میرے میاں کی تندرستی پر مبارک باد کا شکریہ۔ مریم رمضان! میں آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتی ہوں۔ عائش کشمالے! جی ہاں' فریدہ جاوید فری میری نند ہیں وہ الگ بات ہے کہ ان سے میری ملاقات آج تک نہیں ہوسکی جبکہ مجھے ان سے ملنے کی بہت خواہش ہے' آپ سب بہنیں اور آنچل کی چاہنے والی سب بہنوں کو سلام۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

پیارے پاکستانیوں کے نام

السلام علیکم! آج آنچل کے توسط سے میں پورے پاکستان سے مخاطب ہوں' میرا پیغام پاکستان کی بقاء اور سالمیت کے لیے ایک ایسا قدم ہے جو ہمیں متحد اور منظم ہوکر ایک فیصلہ کرنے میں مدد دے سکتا ہے۔ پیارے پاکستانیوں! ہم دشمن عناصر کی بزدلانہ کارروائیوں کو کئی بار نزدیک سے دیکھ چکے ہیں اور دیکھ رہے ہیں' ان تمام حالات میں ہم پر یہ ادراک ہوچکا ہے کہ آیا ہمارا دشمن کون ہے اور دوست کون ہے۔ ہماری فوج جو کہ سرحدوں کی حفاظت پر معمور ہے وہ اس بات کی منتظر ہے کہ ہم پاکستانی ایک منظم عمل کے ذریعے ان کی مدد کریں جیسا کہ ان دنوں پاک بھارت سرحدوں پر کشیدگی کافی حد تک بڑھ چکی ہے اور ماہرین کی نظر میں اگر حالات اسی طرح رہے تو جنگ بھی ہوسکتی ہے تو ایسے میں ہمارا مذہبی قومی اخلاقی فرض بنتا ہے کہ ہم اپنی باہمی اختلافات کو بھلا کر ایک پیج پر اکٹھے ہوجائیں۔ بھارت جو کشمیریوں کی حق خود ارادیت دبانے کے لیے ہر حربہ آزما رہا ہے اس میں پاکستان کے ساتھ جنگ کشمیری جدوجہد کو روکنے کی ایک اہم وجہ ہے مگر تاریخ گواہ ہے کہ آزادی کے سورج کو نہ کوئی طلوع ہونے سے روک پایا ہے نہ کوئی روک پائے گا۔ کشمیری عوام جس طرح پاکستان کے ساتھ الحاق کے لیے کوشاں ہے' ان شاء اللہ وہ دن دور نہیں جب وہ اس میں کامیاب ہوجائے گا۔ پاکستان ہمارا ہے یہ وہ تاریخی بیان ہے جو آج کل نہیں بلکہ ۱۹۴۷ء سے لے کر آج تک ہر کشمیری کی زبان پر جاری ہے جو انڈیا کے ساتھ ساتھ اقوام عالم کے لیے بھی ایک کھلا پیغام ہے جسے کوئی گولی سے نہیں دبا سکتا۔ شہید برہان وانی کی شہادت نے کشمیریوں کی تحریک آزادی میں ایک نئی روح پھونکی ہے جس سے ان شاء اللہ بھارت کا زعم جلد ٹوٹ جائے گا۔ بھارتی انتہا پسندوں کی جانب سے پاکستانی اداکاروں کے ساتھ رکھا جانے والا سلوک بھی اسی بوکھلاہٹ کا ثبوت ہے ایسے میں ہم پاکستانیوں کی ذمہ داری ہے کہ اپنے قول وفعل کو بہتر بنائیں اور شب و روز جو انڈین کلچر فلموں کا رگ الاپتے ہیں اس پر شرمندگی محسوس کریں کہ یہ وہ کڑا وقت ہے جو ثابت کرے گا کہ ہم کتنے باعمل غیور اور وطن دوست ہیں۔ تاریخ گواہ ہے جو قومیں وقت کے ساتھ اپنا قبلہ درست نہیں کرتی وہ تباہ ہوجاتی ہیں۔ سابقہ انڈین وزیراعظم سونیا گاندھی نے اپنے ایک بیان میں کہا تھا ہم روایتی دشمن پاکستان کو ثقافتی لحاظ سے فتح کرچکے ہیں یہ بیان ایک ایسی ضرب

ہے جسے ہم چاہ کر بھی جھٹلا نہیں سکتے۔ اپنے طرز عمل پر رہن سہن پہ نظر دوڑائیں تو حقیقی جواب مل جائے گا۔ ہم وطنوں! ہمیں اس وطن کو اپنے خون سے سینچنا ہے' اس کی آبیاری میں دن و رات ایک کر دینے ہیں تاکہ بھارت تو کیا دنیا کی کوئی طاقت بھی اس کی طرف میلی نگاہ سے نہ دیکھ سکے۔ ان شاء اللہ ہم اسلام کے اصولوں پر عمل پیراں ہو کر دشمن کے دانت کھٹے کر دیں گے۔ ہمارے آئیڈیل شاہ رخ خان' رنبیر کپور' اکشے' سیف علی خان' فرحان اختر' مہیش بھٹ نہیں بلکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے صحابہ' ان کی آل اور علماء کرام ہیں' ہمیں خود سے عہد باندھنا ہے کہ ہم کشمیریوں کی تحریک آزادی کو دنیا میں اجاگر کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کریں گے اور ایسے ہر عمل سے باز رہنے کی کوشش کریں گے جس سے ملکی بقا و سالمیت کے لیے خطرہ ہو۔ پورے پاکستانیوں کا یہی پیغام ہے کہ "کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے' اسے حاصل کر کے رہیں گے اور اگر اس کے حصول کے لیے جانوں کی قربانی بھی دینا پڑی تو دریغ نہیں کریں گے۔ ہم پاکستانی افواج کے شانہ بشانہ ہیں' دشمن کا ہر وار سینوں پر سہہ لیں گے مگر وطن عزیز کو نقصان پہنچنے نہیں دیں گے۔ یہ پاکستانیوں کی آواز ہے یہ کشمیریوں کا جذبہ ہے جسے بھارت تو کیا کوئی بھی چیلنج نہیں کر سکتا۔ آخر میں جنرل راحیل شریف کی قائدانہ صلاحیتوں کو سلیوٹ' تمام پاکستانیوں سے دعا کی بھی اپیل کرتی ہوں اور ادارہ آنچل سے بھی خصوصی درخواست ہے کہ اس پیغام کو شائع کرنے میں میری مدد کریں تاکہ ایک پاکستانی شہری کی آواز سارے عالم تک پہنچ سکے۔ مجھے اللہ پاک کی ذات اور اپنے ادارہ آنچل پر پورا یقین ہے کہ وہ تعاون کرے گا اپنی قیمتی آراء سے ضرور مطلع کیجیے گا' فی امان اللہ۔

عنزہ یونس انا...... حافظ آباد

کائنات کے نام

سب سے پہلے ہنستی مسکراتی زندگی کی ہزاروں پرخلوص دعائیں' جان سے پیاری دوست کومل 28 نومبر کو تمہاری برتھ ڈے ہے' ہیپی برتھ ڈے۔ اللہ تمہیں زندگی کی ہر خوشی عطا کرے۔

اللہ لکھے تیری تقدیر تیرے اعمال سے پہلے' تیری خواہش پوری ہو تیرے اظہار سے پہلے آمین۔ آپی ثمن آپ کو بے بی کے لیے بہت بہت مبارک ہو اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے کومل اسماٹو! ہماری دوستی کو چار سال ہو گئے ایسا لگتا ہے صدیوں سے جانتے ہیں' ہم تینوں کی دوستی ایسے ہی برقرار رہے' آمین۔

روحی غفور...... شاہ کوٹ

میری امی جان کے نام

والدین کی جدائی بچوں کے لیے نہایت شاق گزرتی ہے' سچی محبت تو صرف والدین کی ہی ہوتی ہے باقی کی سب محبتیں تو دکھاوے یا مطلب کی ہوتی ہیں۔ والدین اپنی اولاد سے بے انتہا محبت کرتے ہیں' وہ اپنی اولاد کی ذرا سی تکلیف سے مغموم ہو جاتے ہیں' مائیں ہمیشہ اپنے بچوں کے لیے ہر موڑ پر ہاتھ اٹھا کر ان کی خوشیوں کے لیے بھیک مانگتی ہیں اور ہماری ماں 28 اگست کو ہمیں روتا بلکتا چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے ابدی نیند سو گئیں۔ ہمارے لاکھ پکارنے پر بھی انہوں نے آنکھیں نہ کھولیں' وہ ماں جو ہمیشہ ہماری ذرا سی تکلیف پر تڑپ اٹھتی تھیں' آج بلک بلک کر ہم رو رہے ہیں لیکن وہ سکون کی نیند سو گئی۔ آج 14 اکتوبر صبح میرے چاچو کی 4 سالہ بیٹی میرے سب سے چھوٹے بھائی کو کہتی ہے (ہائیں بچوں اب تم امی کیسے کہو گے) اس کے ان الفاظ نے میرا اندر ہلا کر رکھ دیا' کوئی بھی بندہ ماں کی دعاؤں کے بغیر ترقی کی منازل طے نہیں کر سکتا۔ اس کی کامیابی کی کلید اس کے والدین کے ہاتھ میں ہوتی ہے' میری والدہ نہایت شفیق اور پیار کرنے والی تھیں' وہ سب سے نہایت محبت اور پیار سے پیش آتیں۔ انہوں نے ہم سب بہن بھائیوں کو پڑھا لکھا کر اس قابل بنایا' ہم آج جو کچھ بھی ہیں اپنی ماؤں کی دعاؤں کی وجہ سے ہیں۔ 23 جولائی کو میری ماں نے

ایک کیوٹ سی گڑیا کو جنم دیا' بہت سی پیچیدگیوں کی وجہ سے وہ کافی دن ہسپتال میں رہیں پھر اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا اور پندرہویں دن وہ بالکل ٹھیک ہوکر گھر آ گئیں ہم سب بہت خوش تھے کہ رب تعالیٰ نے ہماری ماں کو نئی زندگی عطا کی پھر 28 اگست کو صبح ساڑھے آٹھ بجے اچانک ہائی بلڈ پریشر ہونے کی وجہ سے ان کو فالج کا اٹیک ہوا اور وہ ہمیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئیں۔ جب سے ان کا انتقال ہوا ہے گھر کاٹنے کو دوڑتا ہے' ان کی یاد خون کے آنسو رلاتی ہے ایسے لگتا ہے ابھی کہیں سے آجائیں گی اور ہمیں اپنی نرم آغوش میں لے کر ماتھے پر بوسہ دیں گی۔ میری آپ سب سے گزارش ہے کہ میری امی کے ایصال وثواب کے لیے ایک دفعہ سورۃ فاتحہ اور سورۃ اخلاص پڑھ کر ان کی روح کو ایصال وثواب کریں۔ میری ماں کے لیے دعا کریں کہ اللہ رب العزت میری ماں کو اپنی جوار رحمت میں رکھے اور جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آخر میں ایک بات اور پلیز آپ سب سے پہلے بھی گزارش کی تھی کہ میرے تایا ابو کے لیے دعا کریں جو پانچ چھ ماہ سے بہت بیمار ہیں انہیں بھی فالج کا اٹیک ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں صحت دے اور وہ ہم سب میں پہلے کی طرح بیٹھیں' باتیں کریں۔ سب اپنا خیال رکھنا اور دعاؤں میں یاد رکھنا۔

اقراء ماریہ...... برنالی

سمیرا شریف اور آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! سمیرا شریف طور آپ کو بیٹے کی ڈھیر ساری مبارک ہو' اللہ اسے صحت عطا کرے۔ پلیز اب جلدی آنچل میں انٹری دیں۔ نازیہ کنول نازی بہت اچھا لکھتی ہیں' ہم آپ کے بہت بڑے فین ہیں۔ باقی فاخرہ گل' راحت وفا' اقراء صغیر بہت اچھا لکھتی ہیں۔

چلے جاتے ہیں تیری محفل سے اتنی بھی کیا جلدی ہے
اپنے ٹوٹے ہوئے دل کے ٹکڑے تو اٹھا لینے دو

روحہ رانا' سائرہ محمد...... ٹوبہ ٹیک سنگھ

نبیلہ ناز اور آنچل ریڈرز کے نام

ڈیرسٹ اینڈ لولی فرینڈز کیا حال ہے؟ امید ہے کہ تم ٹھیک ہی ہوگی مسز معادیہ! آپ کو نکاح کا حسین بندھن مبارک ہو۔ اللہ آپ کی زندگی کو مسرتوں کا گہوارہ بنائے' آمین۔ یار اب رخصتی کا انتظار ہے' جلدی سے کروالو۔ فائزہ بھٹی کیسی ہو یار! فکر نہ کرو میرا شہر بھی تمہاری ہے۔ چندا شال یار تم ہی ہوگی جو آپ کا رابطہ نمبر مجھ سے گم ہوگیا ہو سکے تو دوبارہ رابطہ کرنا۔ میں کئی دفعہ تلونڈی گئی مگر مجھے آپ کے گھر کا پتا نہیں تھا' مجھ سے رابطہ کرو جلدی سے تاکہ تمہیں سرپرائز دوں اور مسکان کا کیا حال ہے؟ کیا کرتی ہے کیا شادی ہوگئی؟ میزاب آپ بھی قصور کی ہو تو ہمارے قریب ہی ہو یعنی اپنی ہی ہو۔ ہماری اسٹوڈنٹ کے ایم نور الشال ماں جیسا اعزاز ملنے پر بہت بہت مبارک باد اور آنٹی ارم کمال آپ کیسی ہیں؟ سچ میں میں آپ کو اپنی ہم عمر سمجھتی رہی' آپ نے مجھے یاد رکھا جزاک اللہ' اللہ آپ کو خوشیوں سے ہمکنار فرمائے' آمین۔ حافظہ ریحانہ جامعہ حفصہ والی کیا کرتی ہو اب؟ آخر میں اپنی پیاری سسٹر سعدیہ سحر سے کہنا چاہوں گی کہ اتنی مصروف ہو کہ کال کرنے کو بھی ٹائم نہیں ملتا اور آل ریڈرز آف آنچل آپ سب بہت اچھی ہو جو محبت و پیار کی ایک پیاری زنجیر میں صرف انتظامیہ آنچل کی وجہ سے منسلک ہو' اللہ آپ کو ایسے ہی منسلک رکھے' آمین

شازیہ ہاشم عرف الشال...... کھڈیاں قصور

dkp@aanchal.com.pk

یادگار لمحے

جویریہ سالک

حدیث رسول ﷺ

"حضرت انسؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں۔ فرمایا کہ جس شخص میں تین باتیں ہوں گی وہ ایمان کا مزہ پائے گا۔ ایک یہ کہ اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اس کو سب سے زیادہ ہو' دوسرے یہ کہ صرف اللہ کے لیے کسی سے دوستی رکھے' تیسرے یہ کہ دوبارہ کافر بننا اسے اتنا ناگوار ہو جیسے آگ میں جھونکا جانا۔" (البخاری' باب حلاوۃ الایمان)

لاریب ملک...... کراچی

خالق کائنات

اللہ کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اگر کھولو گے تو اپنی جی کی بات اگر چھپاؤ گے تو حساب دینا ہوگا اور حساب لے گا تم سے اللہ پھر بخشے گا جس کو چاہے اور عذاب کرے گا جس کو چاہے' بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (القرآن)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ آسمانوں اور زمینوں کا پروردگار ہے۔ (فرمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم)

خدا ایک ناگزیر ہستی ہے' وہ زمان ومکاں سے ماورا ہے۔ (بوعلی سینا)

اللہ کے نزدیک ہونے کے لیے اللہ کے بندوں سے نزدیک ہوجاؤ۔ (جبران)

اس آدمی سے ہوشیار رہو جو کہتا ہے کہ اللہ صرف آسمانوں پر رہتا ہے۔ (برنارڈ شا)

خدا رازق اور بندہ قزاق ہے۔ (فیثا غوث)

لوگوں کو بڑھاپے' بیماری' غم اور موت میں اللہ یاد آتا ہے۔ (گلو)

انسان بندوق چلاتا ہے مگر گولی کی رہنمائی اللہ کرتا ہے (پولینڈ کی کہاوت)

غزل فاطمہ سکو......

یقین

اگر وہ میری آنکھوں میں صنم
مجسم دیکھ لے خود کو
مجھے پورا یقین ہے کہ
اسے میری محبت سے
بلا کا عشق ہوجائے......

ایس اے صنم...... نواب شاہ

مسکراہٹیں

سردار ڈاکٹر سے: "ڈاکٹر صاحب مجھے برڈ فلو ہے۔"

ڈاکٹر: "آپ کو کیسے پتا کہ برڈ فلو ہے؟"

سردار: "پتا نہیں دو تین دن سے اڑنے کو بہت دل کر رہا ہے۔"

ثانیہ مسکان...... گوجر خان

خلیل جبران

تم جس سے محبت کرتے ہو اسے آزاد چھوڑ دو' اگر وہ لوٹ کر نہ آئی تو سمجھو کہ وہ کبھی تمہارا نہ تھا اور اگر وہ لوٹ آئے تو اس کی پرستش کرو۔

زاہرہ فاطمہ...... نامعلوم

حکومت ہو تو ایسی

حضرت عمر فاروقؓ کسی کام سے جارہے تھے کہ ایک سیاح کو پتا چلا کہ مسلمانوں کے امیر ہیں وہ یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا اور بھاگا بھاگا آپ کے پاس پہنچا اور پوچھا کہ "آپ مسلمانوں کے امیر ہیں؟"

حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔ "مجھے مسلمانوں کا امیر نہ کہو' محافظ کہو۔"

سیاح نے کہا۔ "آپ اپنے ساتھ حفاظتی دستہ کیوں نہیں رکھتے۔"

آپ نے جواب دیا۔ "عوام کا یہ کام نہیں کہ وہ میری حفاظت کریں یہ تو میرا کام ہے کہ میں ان کی حفاظت کروں' کاش! ہمیں بھی حضرت عمرؓ جیسا امیر مل جائے آمین۔"

رشک حنا...... سرگودھا

اچھی اچھی باتیں

☆ خواب جو آپ اکیلے دیکھتے ہیں، خواب ہی رہتا ہے مگر وہ خواب جو آپ دوسروں کے ساتھ مل کر دیکھتے ہیں حقیقت بن جاتا ہے۔

☆ دلوں میں اترنے کے لیے سیڑھیوں کی نہیں بلکہ اچھے اخلاق کی ضرورت ہوتی ہے۔

☆ جب کوئی آپ کا دل دکھائے تو ناراض نہ ہونا کیونکہ جس درخت کا پھل زیادہ میٹھا ہوتا ہے لوگ اسے زیادہ پتھر مارتے ہیں۔

☆ میرے پاس وقت نہیں ان لوگوں کے لیے جو مجھ سے نفرت ہیں کیونکہ میں مصروف ہوں ان لوگوں میں جو مجھ سے محبت کرتے ہیں۔

سمیرا سواتی...... بھیر کنڈ

اظہار تشکر

میں ایک دن پریشان حال مضطرب ذہن کے ساتھ بیٹھی یہ سوچ رہی تھی۔ ان جلاد نما نقشوں کی مطابقت میں ہمیں وہ دن نہ دیکھنے پڑ جائیں جہاں نگاہیں مرکوز کیے ذہن ایک دائرہ پر چکراتا ہے ہماری ضمیر کا لاشہ نفس کی غلامی نفس ہمیں ایسا سفید لبادہ اوڑھ چکا ہے جہاں اخلاق، ایثار، ہمدردی، ہمت، چاہت، محبت کے تمام جذبے مدغم ہو چکے۔ اچانک ذہن کے فلیش پر وہ منظر رونما ہوا بندروں کا ایک گروپ میرے سامنے درختوں پر اچھل کود رہا تھا۔ میں غور کر رہی تھی ان کے اعضاء و جسامت انسان سے کس قدر ملتے جلتے ہیں، بے اختیار ذہن کے دریچے پر وہ آیات دستک دینے لگیں۔ قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے۔ "ہم نے ان کی صورتوں کو خنزیر بندروں میں تبدیل کر دیا ہے۔" یہ پڑھ کر بندروں کی حالت دیکھ کر سر بے اختیار سربسجود ہو گیا۔ میری نگاہیں آسمان پر خیال سوچ کا پیراہن گنبد خضرا پر مرکوز تھا۔ نگاہوں میں تشکر اور دل مضطرب کی دھڑکنیں بے ترتیب تھی، میری سوچ مجھے یہ بات سمجھا رہی تھی۔ کوئی امت کم تولتی، کوئی امت نبی کی فرمان، کوئی امت زنا میں مبتلا کوئی امت بددیانتی میں عام تھی لیکن میں اپنی امت پر نظر دوڑاتی ہو۔ مجھے ساری برائیاں یکجا نظر آتی ہیں، آج خون سفید اور رشتوں کا تقدس پامال ہے۔ چوری عام شراب اور زنا آج کا فیشن بن چکا ہے، ذخیرہ اندازی ضرورت بن گئی۔ جھوٹ معاشرتی زندگی کا لازمی جزا اصولاً ہمیں بندروں سے بھی بڑے درجے کی حیوانیت پر تبدیل کر دیا جاتا مگر دیکھا ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور رب کے احسانات۔ آج ہم اپنی تمام تر بری خصلتوں کے باوجود ہر صبح ایک نیا سورج دیکھتے ہیں۔ گناہ کی دلدل میں سر کے بالوں تک ڈوب کر نہ تو شرمندہ ہیں اور نہ ہی پشیمان بہرحال باوجود اپنے گناہوں کے بارگاہ الٰہی میں میثیت ایزدی کے مطابق ہاتھ پھیلاتی ہوں پھر عظیم پیغمبر کے احسانات کے واسطے احسان عظیم فرما کرامت کی کشتی کو بچالے آمین

نبیلہ ناز...... قصور

انمول باتیں

☆ غموں کی راہ پر سکون سے چلو کہ یہ راستہ اللہ کے قریب کر دیتا ہے۔

☆ دکھ درد اولیاء کا لباس بزرگوں کا مسکن اور انبیاء کی لازمی صفت ہے۔

☆ بچوں کو جب آپ مارتے ہیں تو اس کا مطلب پتا کیا ہے؟ آپ میں سمجھانے کی صلاحیت نہیں ہے

مدیحہ نورین مہک...... گجرات

دسمبر

لوآ گیا دسمبر
چھا گئی ہے دھند
دھند چھائی ہے ایسی
آنکھوں میں کہ......
ہر اک منظر دھندلا
گیا ہے......
بس اک تیرے
بچھڑ جانے کا منظر
بہت واضح ہے......

مدیحہ گل...... فیصل آباد

ذرا سوچ اے غافل انسان

یہ افق پہ سحر کی پھیلتی سرخی

یہ پرندوں کی چہچہاہٹ

صبح صادق کے وقت درختوں کا

کعبے کی طرف جھکنا

اور پرندوں کا پر پھیلائے آسمان کی طرف دیکھنا

ذرا سوچ اے غافل انسان! یہ سب کیا ہے

یہ سب کس کی تسبیحات میں مشغول ہیں

اگر آسمان زمین درخت پرندے اس رب کائنات کی

تسبیحات میں مشغول ہیں تو تُو کیوں نہیں؟

کیا تجھے اس رب نے نہیں بنایا؟

تو تُو جانتا ہے کہ تُو ٹھیکرے کی

کھنکھناتی مٹی سے بنا ہے

پھر آخر یہ غرور و تکبر کیونکر؟

ایم نعیمہ...... شبہ سلطان پور

نئے سال کی دعا

قدم قدم پر ملے اِک نئی خوشی تم کو

اندھیری رات میں مل جائے روشنی تم کو

ہے میری دعا لگ جائے تم کو

مل جائے میرے حیات کے لمحوں کی زندگی تم کو

پلوشہ گل...... کوٹ ادو

دو لائن

زندگی میں اگر کچھ کھونا پڑے تو یہ دو لائن یاد رکھنا

جو کھویا ہے اس کا غم نہیں لیکن

جو پایا ہے وہ کسی سے کم نہیں

جو نہیں ہے وہ ایک خواب ہے

جو ہے وہ لاجواب ہے

☆ جہاں ہر بات میں صفائی دینی پڑ جائے تو وہاں پر رشتے کبھی مضبوط نہیں ہوتے۔

☆ برستی ہوئی بارش اور روتی ہوئی آنکھوں کا احساس صرف انہیں ہوتا ہے جن کے دل اور گھر نازک ہوتے ہیں۔

☆ عورت کے ہزار روپ ہیں لیکن وہ پیار سچے دل سے کرتی ہے۔

☆ ہر مرد یہ چاہتا ہے کہ اس کی بیوی باحیا ہو لیکن اس کی اپنی نظریں اس وقت جھکتی ہیں جب اس نے اپنے جوتوں کے تسمے باندھنے ہوتے ہیں۔

☆ جو عورتیں یہ کہتی ہیں کہ مرد یہ نہیں کرتا وہ نہیں کرتا محنت نہیں کرتا لیکن ذرا سوچئے کہ پورا سال روزی کمانے والا اپنے لیے کتنے جوڑے خریدتا ہے۔ ذرا سوچئے......

جو لڑکی گھر سے بھاگ کر کسی لڑکے سے شادی کرتی ہے اور لڑکا سمجھتا ہے کہ وہ اس سے پیار کرتی ہے تو غلط سمجھتا ہے۔ کیونکہ

جس لڑکی نے اپنی جنم دینے والی ماں اور بہت مشکل سے روزی کمانے والے باپ اور اپنے سگے بہن بھائیوں سے وفا نہ کی ہو تو وہ کسی غیر لڑکے سے کیا خاک وفا کرے گی یہ سوچنے کی بات ہے ذرا سوچئے۔

مریم عنایت...... چکوال

بڑے دکھ ہیں دسمبر کے

ٹھنڈی کہر میں لپٹی شام اپنے ساتھ عجب غموں کی شال لے کر آتی ہے کہ ہر انسان پور پور جلتا دکھائی دیتا ہے۔ تلخ ماضی میں ڈوبتی دل کی ناؤ، کچھ ایسے ہچکولے کھاتی ہے کہ من محرم کے بچاؤ کی سبیل ناپید ہو جاتی ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ کیا دسمبر واقعی دکھوں کا استعارہ زدہ ہے؟ یہ لوگ جو دسمبر کی آمد پر زرد پتے کی طرح ہو جاتے ہیں محض ایک فوبیہ کی وجہ سے ہے یا پھر واقعی دسمبر کوئی کہانی رکھتا ہے؟ میرے دل میں یہ سوال بار ہا سر اٹھاتے ہیں مگر سمجھ نہیں آتی جواب کہاں سے پاؤں۔ عام لوگوں کی طرح مجھے بھی سردی دھند میں لپٹی شامیں اور کہر میں لپٹے راستے بے حد پسند ہیں اور یہ آج سے نہیں برسوں سے ہے شاید تب سے جب مجھے موسموں کی الف ب بھی نہیں آتی تھی۔ اب اور تب کے دسمبر میں یہ فرق تھا کہ پہلے میں انجان تھی بالکل نادان دسمبر اس سے وابستہ کہانیوں سے بے بہرہ۔ دسمبر صرف ایک یکسنگی کا مہینہ ہوا کرتا تھا جب کبھی

کشادہ سڑکیں کہر میں ڈوب جاتی تھیں اور دن مدھم روشنی میں جکڑے کمزور ناتواں لگتے تھے تب یہ سب بہت اچھا لگتا تھا شاید میں شروع سے ہی (Obseving Girl) ہوں اس لیے مجھے یہ شام سویرے اچھے لگتے تھے۔ غم و اداسی سے پاک خاموشیوں کے امین، مگر...... جب بڑی ہوئی تو پتا چلا دسمبر اداسیوں کا استعارہ ہے تب میری حسیات بدل گئی مجھے بھی دسمبر ویران لگنے لگا اس کی خاموش شامیں اداسیوں کا پیمبر معلوم ہونے لگیں اور یونہی مجھ پر ادراک ہوا کسی موسم کے پیچھے کہانی کا ہونا ضروری نہیں، ہم جو سن لیں پھر وہی اندھا سچ ہے جس پر قدم بہ قدم چلتے ہم اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں جس میں جھوٹ و سچ کی تمیز ختم ہو جاتی ہے اور صرف کہانی رہ جاتی ہے محض کہانی...... جیسے دسمبر!

عنزہ یونس انا...... حافظ آباد

انمول موتی

❖ زندگی میں دو باتیں تکلیف دیتی ہیں ایک جس کی خواہش ہو اس کا نہ ملنا اور دوسری جس کی خواہش نہ ہو اس کا مل جانا۔

❖ کسی کی حوصلہ شکنی نہ کرو کیا پتا وہ اپنی آخری امید لے کر آیا ہو۔

❖ انسان دکھ نہیں دیتا انسان سے وابستہ امیدیں دکھ دیتی ہیں۔

❖ اگر آپ سب کچھ کھو چکے ہو تو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ جو سب کچھ کھو دیتا ہے اس کے پاس پانے کے لیے پوری دنیا ہوتی ہے۔

فیاض اسحاق مہیانہ...... سلانوالی

کسب حلال کی فضیلت

حضور اقدس ارشاد فرماتے ہیں "کہ اللہ پاک ہے اور پاک ہی کو دوست رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مومنین کو بھی اسی کا حکم دیا ہے کہ "پاک چیزوں سے کھاؤ اور اچھے کام کرو۔"

اور فرمایا "اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تم کو دیا ان میں سے پاک (حلال) چیزوں میں سے کھاؤ۔"

پھر فرمایا کہ ایک شخص طویل سفر کرتا ہے جو پریشان حال اور بدن گرد آلود ہے (یعنی کہ اس حالت میں ہے کہ جو دعا کرے وہ قبول ہو) وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے مگر حالت یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام، پینا حرام، لباس حرام پھر اس کی دعا کیونکر قبول ہو؟

یعنی اگر قبولیت دعا کی خواہش ہو تو کسب حلال اختیار کرو کیونکہ اس کے بغیر دعا کے اسباب بے کار ہیں۔

سلمٰی ملک...... قادر پوراں

کھٹے میٹھے اقوال

● کچھ لوگ کئی سو سال تک محیط اپنا شجرہ نسب تو زبانی بتا سکتے ہیں لیکن یہ نہیں بتا سکتے کہ پچھلی رات ان کی اولاد کہاں تھی۔

● ہرن اور بکری، چوہا اور خرگوش، چکوترا اور لیموں کا خاندان ایک ہی ہے لیکن فرق صاف ظاہر ہے۔

● ہنستا بستا خاندان جنت قبل از وقت ہے۔

● خچر کے علاوہ ہر کسی کو خاندان کی ضرورت ہے۔

● گھر وہ ہے جہاں خاندان کے کچھ افراد باقیوں کی واپسی کے منتظر ہوتے ہیں۔

● بچوں کی وجہ سے گھر روشن رہتے ہیں کیونکہ وہ بتیاں نہیں بجھاتے۔

● گھر وہ ہے جس کی کھونٹی پر آپ اپنا دل بھی لٹکا سکتے ہیں۔

● وہ جو معاف کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا دراصل اس پل کو توڑ دیتا ہے جسے اس نے خود عبور کرنا ہوتا ہے۔

● معافی خود اپنے لیے بھی مرہم ہے۔

● معاف کر دینا محفوظ ترین انتقام ہے۔

مشاہر:۔ حسن نثار

انتخاب:۔ پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

❁

yaadgar@aanchal.com.pk

آئینہ

شہلا عامر

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! رب ذوالجلال کے متبرک پاک نام سے ابتداء ہے جو خالق کونین اور ارض وسماں کا مالک ہے۔ دسمبر کا شمارہ پیش خدمت ہے امید ہے کہر آلود موسم دھند میں لپٹی شامیں اور سورج کی آنکھ مچولی کے سنگ آنچل کا یہ شمارہ آپ کو بے حد پسند آئے گا۔ دسمبر کے سبھی رنگوں سے بھرپور احساسات وجذبات کو یکجا کردیا گیا ہے نومبر کا شمارہ پسند کرنے سراہنے اور اپنی تجاویز وآراء سے آگاہ کرنے کا بے حد شکریہ۔ امید ہے آئندہ بھی آپ کا یہ تعاون ہمارے سنگ رہے گا آئیے اب چلتے ہیں آپ بہنوں کے دلچسپ تبصروں کی جانب جہاں بروئے آئینہ آپ کے رخ روشن جھلملا کر اس محفل کو چار چاند لگا رہے ہیں۔

آرزو روشن...... آزاد کشمیر۔ السلام علیکم اس ماہ کا آنچل خوب صورت سرورق کے ساتھ دل کو چھو گیا۔ یہ ہم لوگوں کی خوش قسمتی ہے کہ آپ لوگ اتنے پیار ومحبت سے ہر ماہ اسے ہمارے لیے زبردست قسم کا تیار کرتے ہیں۔ بے شک آپ ہر چیز کو خوب صورتی اور سلیقے سے منتخب کرتے ہیں۔ اس ماہ کے ناول ناولٹ افسانے سب بہت زبردست تھے۔ سلسلے وار ناول میں مجھے نازیہ کنول نازی کا "شب ہجر کی پہلی بارش" بہت پسند ہے اور اس کی آخری بارش تک بے حد انتظار رہے گا اور پھر جس نے مجھے قلم اٹھانے پر مجبور کیا ہے وہ ہے دانش کدہ جس میں اسلام کی نوعیت کے حساب سے ہمارے نالج میں بہت اضافہ ہوتا ہے۔ تھینک یو سوچ آنچل اینڈ تھینک یو سوچ مشتاق احمد قریشی صاحب آپ جس طرح سے الفاظ کا چناؤ کرتے ہیں اور باریک بینی سے چھوٹی چھوٹی چیزوں کو واضح کرتے ہیں آئی ایم پراؤڈ آف آنچل اسٹاف اینڈ مشتاق قریشی (انکل)۔ باقی سب سلسلے بہت ہی فٹ ہیں میں ہر ماہ انٹری دینے کی کوشش کرتی ہوں تبصرہ بھی کرتی ہوں مگر ردی کی ٹوکری ہمارا نصیب ہے شاید خیر آج تو شہلا آپی مت آزمائیے ہمارے صبر کو اور ترس کھائیے اپنی اس کشمیری کڑی پر اور کشمیریوں کے لیے ایک پیغام کہ انسان کو کاٹ کر دو حصوں میں تقسیم کیا جائے تو وہ کیسا ہوتا ہے بالکل ہم بھی (آزاد کشمیری) ایسے ہی ہیں مقبوضہ کشمیر کے بغیر۔ پاکستانیوں پلیز قائد اعظم کے اس قول کو مت بھولو کہ کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے تو آدھی شہ رگ کٹ جائے تو انسان کیسا فیل کرتا ہے آپ بھی ایسا ہی کرو۔ اللہ تعالیٰ آنچل کو دن دگنی رات چوگنی ترقی نصیب کرے اجازت چاہتی ہوں اللہ حافظ۔

☆ پیاری کشمیری لڑکی! خوش آمدید ہر ماہ اسی تاریخ پر تبصرہ بھیج دو کبھی درد کی ٹوکری خوش آمدید نہیں کہے گی۔

جی کنول خان...... موسیٰ خیل۔ السلام علیکم! شہلا آپی آنچل اسٹاف اور تمام بہنوں کو محبتوں اور چاہتوں بھرا اسلام قبول ہو۔ نومبر کا آنچل 25 کو مل گیا خدا کا شکر ادا کیا کہ جلد مل گیا (بھئی ہمیشہ لیٹ جو ملتا ہے) سرورق اس ماہ بہت اچھا لگا پیاری سی ماڈل پیاری سی مسکراہٹ لیے ہماری جانب دیکھ رہی تھی چپکے سے مدیرہ آپی کی سرگوشیاں سنیں۔ حمد ونعت سے دل و روح کو سکون ملا در جواب آں میں جھانکا۔ ہمارا آنچل میں ثوبیہ جاناں کرن کوثر کا تعارف پسند آیا۔ بند لفافے یاسمین نشاط کی بیسٹ اسٹوری تھی واقعی ہماری تقدیر بند لفافوں کی طرح ہوتی ہے وہ تو کھولنے پر پتا چلتا ہے کہ اندر سے کیسی نکلتی ہے۔ افراء کے ساتھ سمیر نے بہت برا کیا آخر کار اس کی سزا سمیرا کو مل ہی گئی۔ اس طور ملے بس ٹھیک ہی لگی کچھ خاص تاثر قائم نہ کرسکی (معذرت کے ساتھ)۔ "تیری زلف کے سر ہونے تک" ناول اچھا جا رہا ہے آگے دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے پھر فوراً دوڑ لگائی کہاں بوجھو تو جانیں جی بالکل "شب ہجر کی پہلی بارش" کی طرف ارے نازیہ آپی یہ آپ نے کیا کردیا۔ عائلہ کا نکاح زاویار کے ساتھ جب سدید واپس آئے گا تو کتنا دکھ ہوگا۔ سدید کی قید کا پڑھ کر بہت دکھ ہوا "گیلے گال" آگاہی، روشنی کی لکیر" اچھے افسانے تھے۔ کمپرومائز میں حائقہ نے اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی ماری چلو اچھا ہوا اس وجہ سے اسے رامین کا تو احساس ہوا۔ "ارمانوں کی مالا" عاشو بے چاری کی ارمانوں کی مالا بکھیرنے والے کوئی اور نہیں اس کے سگے بھائی تھے۔ بھائیوں کو تو اپنی بہن کا خیال رکھنا چاہیے تھا نا (کیا خیال ہے میں نے ٹھیک کہا نا) باقی تمام اسٹوریز بیسٹ تھیں آئینہ میں جھانکا ہمیں اپنا عکس کہیں نظر نہیں آیا افسوس ہوا مگر جلد ہی ختم ہوگیا جب اپنی غزل کو اتنے مہینوں بعد آنچل کے صفحات پر دیکھا۔ آئینہ میں ارم کمال، عائشہ، ایس گوہر، انعم زرین، سارہ زرین کے تبصرے پسند آئے لیکن حرا قریشی کی کمی شدید محسوس ہوئی۔ دوست کا پیغام آئے پڑھا بھی نہیں کیونکہ مجھے پتا تھا کہ میرے لیے تو کوئی پیغام ہوگا بھی نہیں (بھئی کوئی فرینڈ جو نہیں ہے آنچل سے) (تو بنا لونا) ہم سے پوچھے کیا کہیے شمائلہ جی

آپ کے ہنس ہنس کر برا حال ہو جاتا ہے۔ آنچل کے توسط سے میں اپنی فرینڈز آمنہ فتح کو ان کے بہترین رزلٹ پر مبارک باد دیتی ہوں۔ نادیہ قریشی آپ کہاں غائب ہیں جلدی سے آنچل میں انٹری دیں نا۔ اچھا اب اجازت چاہتی ہوں اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک پاکستان کو امن کا گہوارہ بنادے اور بے شمار ترقی عطا فرمائے آمین اللہ حافظ۔

ارم کمال...... فیصل آباد۔ پیاری اور محترم شہلا جی! سدا ہنسیں مسکرائیں اور کھلکھلائیں آمین۔ امید ہے کہ بفضل خدا خیریت سے ہوں گی آنچل کے تمام اسٹاف کو میرا بہت بہت سلام قبول ہو۔ ٹائٹل بہت ہی جان دار اور ڈیکوریٹر ہا۔ ماڈل کی تھوڑی کا تل میرا دل ہی لے گیا۔ سرگوشیاں سے ہوتے ہوئے حمد و نعت سے فیض یاب ہوتے در جواب آں میں پہنچے۔ دانش کدہ میں السلام علیکم کی برکات سے آگاہی حاصل ہوئی ہمارا آنچل میں کرن کوثر کا تعارف یونیک رہا۔ دلکش مریم بھی دل میں گھر کر گئی سلسلے وار ناول "چراغ خانہ" پیاری نے تو دانیال کا اسکوں سے بھرا دل ہی توڑ ڈالا "مشہود پر تو مجھے بہت ہی غصہ آ رہا ہے۔ جبکہ عالی جاہ پھاپھا کٹنی کا رول پلے کررہا ہے اتنی اچھی مانو آپا کا اتنا خراب بیٹا (بند لفافے بہت ہی خاص تحریر تھی) واقعی ہم سب کو بند لفافے ہی ملتے ہیں "اس طور ملے" میں اینڈ پیپی تھا مگر تھوڑا فلمی ٹچ لگا۔ "دھوپ اور آنگن" بہت ہی اثر انگیز تحریر تھی۔ "آ گاہی" خدا نے جب اپنے بندے کو سیدھی راہ پر لانا ہوتا ہے تو وہ اسے دکھ کا ہلکا سا الیکٹرک شارٹ دیتا ہے اور یوں نیک بندے راہ راست پر آ جاتے ہیں۔ "قسمتیں ہیں مسافر" بشریٰ نے فصیح کا ادھورا کام دریچہ کو اپنا کر پورا کردیا۔ ہم اور ہمارے ارادے کچھ بھی نہیں ہوتے فقط ریت کا ڈھیر ہوتا وہی ہے جو خدا نے ہمارے لیے لکھا ہوتا ہے۔ "ذرا مسکرا میرے گمشدہ" میں غزنی صاحب کو تو بڑی اعلیٰ سی خوش فہمی ہوگئی ہے اور جب اس خوش فہمی کا گھڑا ٹوٹے گا تو کس کس کے دل ٹوٹیں گے دیگر کہانیوں میں "زغم زدہ بت، جہیز" اور "روشنی کی لکیر، جاندار" اور شاندار تحریریں رہیں۔ ہومیو کارنر میں طلعت نظامی عورتوں کی بیماریوں کے بارے میں بہت ہی مفید معلومات سے روشناس کرواتی ہیں۔ بیاض دل میں پارس شاہ، عائش کشمالے، کوثر خالد اور پروین افضل شاہین چھائی رہیں۔ ڈش مقابلہ میں پسندے کی بریانی اور اچاری قورمہ ویک اینڈ کا مینو ٹھہرے۔ ارے دن رہے اور نیرنگ خیال میں فہمیدہ غوری، سمیرا لتعبیر، شمع مسکان اور نورین مسکان سرور نے متاثر کیا۔ دوست کا پیغام آئے ہیں سب کی جھومتے اور لہکتے پیغامات پڑھ کر میرا بھی جھومنے کو دل کرتا ہے لیکن چوٹ لگنے سے ڈرتی ہوں۔ عائشہ رحمن ہنی آپ مجھے کنواری لگتی تھیں سیر خون بڑھ گیا ویسے آپس کی بات ہے عورتیں ایسی باتوں سے خوش کیوں ہوتی ہیں۔ (آپ ہی بتادیجیے) ثناء رسول ہاشمی آپ تو مجھے اپنی جان جگر لگتی رہیں، نجم انجم اعوان آپ کو بھی بہت بہت پیار اور سلام۔ اقراء لیاقت حدھڑ جی ہاں مجھے آپ کی دوستی دل نظر، دماغ، سب سے قبول ہے۔ یادگار لمحے میں صفیہ بشیر، فوزیہ سلطانہ، ایس گوہر طور، فابیہ مسکان اور عائشہ پرویز اے ون رہیں۔ آئینہ میں سب کے چہرے لشکارے مار رہے تھے عائشہ اختر بٹ کا تبصرہ چھلانگیں مار کر پہلے نمبر پر رہا میرے دل کی حفاظت اب آپ کے ذمہ ذرا پیار سے رکھیے گا۔ عائشہ پرویز اور ایس گوہر طور کے تبصرے بھی ٹاپ پر رہے۔ انعم زرین، سارہ زرین میرے تبصرے پسند کرنے کا شکریہ اور دونوں مبارک باد کا بھی بے حد جزاک اللہ۔ نسرین علی اور کوثر خالد، کرن شہزادی میں آپ سب کی بے حد مشکور ہوں۔ ہم سے پوچھیے میں سمیرا سوانی، کے ایس رانا، پرنسز اقو اور ماریہ ایمان ماہی کے سوالات اور شمائلہ جی کے کرارے اسپائسی جوابات نے مزا دو آتشہ کردیا۔ اچھا اب اجازت، فی امان اللہ۔

مدیحہ نورین مہک...... گجرات۔ السلام علیکم! آنچل 24 کو ملا ٹائٹل اچھا تھا، سب سے پہلے جو تحریر پڑھی میں نے۔ "خوشیوں کا موسم" شبانہ شوکت بہت خوب لکھا آپ نے بہت خوب صورتی سے رشتوں کو اور رشتوں کی نزاکت کو داؤد کے ذریعے سمجھایا۔ داؤد، شنید، مامون جتنے چنچل و شوخ تھے وقت نے ان کو اتنا ہی بدل ڈالا مگر داؤد کی سوچ نے اپنوں کی غلطیوں پر ان کو سزا دینے کا نہیں سوچا حبہ اور داؤد مل گئے گڈ۔ "دھوپ اور آنگن" بشریٰ گوندل نے بہت اچھا لکھا۔ عباس جیسے مرد عورت کو شو پیس سمجھتے ہیں جو اپنے فائدے کے لیے دوسرے کے سامنے پیش کردیتے ہیں۔ سعد کی محبت بہت اچھی تھی منفرد سی اور آئمہ کو سعد کی محبت مل گئی اچھا ہوا۔ "بند لفافے" یاسمین نشاط ویری گڈ آپ نے کیا دلکش انداز میں لکھا جو لوگ دوسروں کی خوشیاں چھین لیتے ہیں وہ خود بھی خوش نہیں رہتے۔ سمیرا نے جو عفرا کے ساتھ کیا اس کی سزا تو اسے مل رہی تھی مگر عفرا نے اظہر سے شادی نہ کر کے سمیرا کو ایک سبق یہ بھی دیا کہ سب ایک جیسے نہیں ہوتے۔ سلسلے وار ناولز بہت اچھے جارہے ہیں افسانوں میں، ثمرہ محمد، عذرا کنول، عاصمہ عزیز کے افسانے پسند آئے۔ باقی تمام سلسلے خوب صورت تھے سب نے بہت اچھا اچھا لکھا اور تمام پڑھنے والوں کو بہت سا سلام اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر مدیحہ! آنچل کی پسندیدگی کا شکریہ۔

فوزیہ سلطانہ...... تونسہ شریف۔ السلام علیکم! کیسے ہیں آپ سب؟ اس بار آنچل کا بے صبری سے انتظار تھا (بھئی اپنی کہانی پر تبصرے جو پڑھنے تھے) 24 تاریخ کو آنچل دستیاب تھا' سب سے پہلے جواب در آں پڑھا (قیصر آنٹی کی باتوں سے تقویت ملی) پھر دوڑے آئینہ کی طرف' کرن شہزادی' پرنسز اقوا' ایس کو ہر طور اینڈ ارم کمال تحریر کی پسندیدگی کے لیے تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ ''شب ہجر کی پہلی بارش'' نازیہ کنول تحریر اختتامی موڑ پر ہے۔ زاویار کچھ زیادہ ہی گھمنڈی ہے شہرزاد اچھی لڑکی اداس مت ہو۔ درمکنون اور شہرزاد کے درمیان نفرت نا آنے دیجیے گا۔ ''چراغ خانہ'' مشہود کا رویہ کچھ سے بالاتر ہے اتنے دن غائب تھا وہ پیچھے سے وہ کچھ بھی ایکسپکٹ کر سکتا تھا بہرحال پیاری شروع کی قسط سے لے کر اب تک مشکلوں میں گرفتار ہے۔ اب اللہ جانے اس عالی جاہ کے عزائم کیا ہیں (چیپ کہیں کا)۔ ''ذرا مسکرا'' فاخرہ جی ہاتھ ہولا رکھیں محبت کے اس ٹرائی اینگل میں شاید نہیں یقیناً سز احتین جیسی پیاری لڑکی نے کاٹنی ہے۔ غزنی کا کردار بیسٹ ہے باقی تو سارا آنچل ابھی زیر مطالعہ ہے۔ کوثر خالد آپ بیسٹ ہیں لیکن میری تحریر پر کوئی تبصرہ نہ کر کے آپ نے اچھا نہیں کیا (میری کٹی ہے ہاں) نجم انجم' عائشہ رحمٰن' طیبہ نذیر سب کو سلام اجازت دیجیے اللہ حافظ۔

☆ فوزیہ سلطانہ! برائے مہربانی اپنا مکمل ایڈریس اپنی تحریر کے ہمراہ ارسال کر دیں' اور دفتر کے نمبرز پر رابطہ بھی کر لیں۔

منیبہ نواز...... صبور شریف۔ السلام علیکم! شہلا آپی اور تمام قارئین کو میری طرف سے عقیدت مندانہ سلام۔ نومبر کا آنچل 24 کو ہی مل گیا' سرورق پر مسکراتی ہوئی شزا خان بہت پیاری لگ رہی تھیں سب سے پہلے قیصر آرا آپی سے ملاقات کی سرگوشیوں میں۔ واقعی وہ ٹھیک کہہ رہی ہیں کہ ہر کسی نے اپنی الگ سے ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا رکھی ہے حالانکہ یہ موقع تو تمام پاکستانیوں کے متحد ہونے کا ہے۔ حمد و نعت سے مستفید ہونے کے بعد در جواب آں سے ضرور مستفید ہوتی ہوں چاہے اس میں میرا نام نہ بھی ہو۔ عتیقہ محمد بیگ کی شادی کا پڑھا آپ کو مبارک باد۔ ندا حسنین کی والدہ کی علالت کا پڑھا اللہ پاک انہیں صحت و تندرستی عطا فرمائیں۔ ثوبیہ جاناں سے مل کر اچھا لگا۔ ''چراغ خانہ'' مجھے لگتا ہے اب دانیال اور پری کے لیے بہت سی مشکلات ہیں۔ ام اقصیٰ کا افسانہ ''اس طور ملے'' بھی بہت زبردست تھا۔ اقرا صغیر کا ناول ''تیری زلف کے سر ہونے تک'' ہمیشہ کی طرح یہ ناول بہت اچھا ہے ویل ڈن اقرا اور آئی تھنک کہ انشراح کا اغوا نوفل ہی نے کروا دیا ہے۔ ''شب ہجر کی پہلی بارش'' نازیہ جی بہت خوب لکھ رہی ہیں آپ۔ سدید زندہ بچا لیکن کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ دشمنوں کے ہاتھوں لگ گیا جس طرح اس کی آنکھوں وغیرہ پر پٹی بندھی تھی لگ تو ایسے ہی رہا ہے خیر دیکھتے ہیں کیا ہوتا باقی شمارہ ابھی میں نے پڑھنا ہے اس لیے تبصرہ سے قاصر ہوں۔ ہومیو کارنر میں ضرور پڑھتی ہوں گڈ طلعت صاحب۔ بیاض دل میں کرن شبیر اور نجم انجم کے اشعار اچھے تھے۔ ڈش مقابلہ میں بھی طلعت نظامی صاحبہ کو دیکھ کر خوشی ہوئی۔ ہر فن مولا (ہر کام کرنے والی) شخصیت ہیں آپ ویل ڈن۔ صوبیہ' نارس' اقرا' مہوش' شفق' آفرینش' نوشابہ' مرجانہ' طوبیٰ' مریم کو سلام اینڈ الحفیظ الامان۔

☆ ڈیئر منیبہ...... آئندہ بھی شریک محفل رہیے گا۔

یاسین کنول...... پسرور۔ السلام علیکم! دیگر احوال یہ ہے کہ خوب صورت و دلکش سرورق کا حامل آنچل نومبر 2016ء میرے ہاتھ میں ہے۔ خوب صورت تحاریر سے مزین دلکش اشعار سے سجا آنچل ہمیشہ کی طرح اچھا لگا۔ ''بند لفافے'' کو یاسمین نشاط نے بڑے پیارے انداز میں لکھا۔ اس طور ملے ام اقصیٰ کی واقعی منفرد کاوش ہے۔ ''دھوپ اور آنگن'' بشریٰ گوندل کا مکمل ناول بہت پیارا لگا۔ ثمینہ فیاض کا کمپرومائز پسند آیا۔ ''خوشیوں کا موسم'' شبانہ شوکت کی دلآویز تحریر ہے خیال آیا کہ کاش ہمارے ملک پاکستان میں خوشیوں کا موسم ٹھہر جائے۔ یہ سیاسی اکھاڑ پچھاڑ ختم ہو جائے اور عوام سکون و آرام کا سانس لیں۔ پی ٹی آئی اور حکومت کے درمیان محاذ آرائی نے طالب علموں کا سب سے زیادہ نقصان کیا ہے جب نئی نسل اسکول' کالج یونیورسٹیاں بند کر کے گھروں کو بیٹھ جائے تو مستقبل کیا ہوگا؟ آنے والوں کے لیے خوشی کا موسم کشید کرنے کے لیے صبر' برداشت' ہمت' جرأت کی ضرورت ہے کاش ہم اپنی موجودہ نسل کو خوشیاں مسرتیں بانٹ سکیں' کاش...... باقی باتیں آئندہ اجازت اللہ حافظ والسلام۔

انعم زرین' سارہ زرین...... چکوال۔ السلام علیکم! عزیزی شہلا آپی اینڈ آنچل اسٹاف کیسے ہیں سب؟ آنچل پریوں کو ہمارا محبتوں بھرا اسلام قبول ہو۔ نومبر کا شمارہ لیتے ہی جیسے ہی سرورق پر نظر پڑی۔ کیوٹ سی ماڈل اپنی شرارتی آنکھوں سے ہمیں دیکھ رہی تھی۔ ہم بھی مسکرانے پر مجبور ہو گئے سب سے پہلے ''سرگوشیاں'' کی جھلک محسوس کی۔ حجاب کی

اشاعت کو سال پورا ہوگیا ہے ہماری طرف سے ڈھیروں مبارک باد وصول کیجیے۔ آئینہ میں اپنا عکس پاکر دلی مسرت ہوئی آپ نے پورا خط شامل اشاعت کیا اس کے لیے مشکور ہوں۔ عائشہ اختر، ارم کمال، عائشہ پرویز، کرن شہزادی اور پرنس افو کے تبصرے پسند آئے۔ عنیقہ کو نئے سفر پر گامزن ہونے کی ڈھیروں مبارک باد۔ ثمامہ حسنین اللہ سبحان و تعالیٰ جلد آپ کی والدہ کو صحت عطا فرمائے۔ دانش کدہ بہت پُرلطف لگا۔ کہانیوں میں آج کل "ذرا مسکرا میرے گمشدہ" فیورٹ جارہا ہے آخر کار یہ راز کھل ہی گیا کہ حنین کس کے لیے ڈائری لکھتی ہے۔ "تیری زلف کے سر ہونے تک" لاریب کی حالت دیکھ کر ہنسی کا نہ رکنے والا فوارہ ابل پڑا واؤ مزا آگیا (ہی ہی ہی)۔ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا مگر عقل آتی نظر تو نہیں آرہی لاریب کو۔ انشراح کو اغواء کرلیا گیا اب نوفل کی انٹری تو نہیں ہوگی ہیرو کی طرح؟ مجھے زاویار، تمہید اور سارہ سے نفرت ہوتی جارہی ہے ظالم لوگ مریرہ کے بعد اب عائلہ کے ساتھ جانے کیا ظلم ہوگا۔ درکنون اور صیام کا کپل سیٹ جارہا ہے باقی کہانیوں میں "گیلے گال"، "آگاہی"، "پرومائز" پسند آئیں۔ ہم سے پوچھیے کے سب ہی سوالات و جوابات پُرلطف تھے آخر میں قارئین بہنوں سے گزارش ہے کہ مل کر ارض پاک وطن کے لیے دعا کریں، والسلام۔

ثناء رسول ہاشمی...... صادق آباد۔ تمام قارئین کو سلام۔ ماہ نومبر کا سرورق اچھا لگا، خاص طور پر شہزادی کی دل موہ لینے والی مسکراہٹ۔ اس ماہ حمد و نعت بہت ہی پیاری تھیں، ہمارا آنچل میں سبھی کا تعارف اچھا لگا۔ "چراغ خانہ" قسط تھوڑی طویل ہونی چاہیے، بہت جلد قسط ختم ہوجاتی ہے۔ "تیری زلف کے سر ہونے تک" اقراء صاحبہ لاریب کو تو اچھا خاصا سبق سکھادیا آپ نے لیکن اس میں کچھ زیادہ سدھار نہیں آیا۔ "دھوپ اور آنگن" بشریٰ گوندل آپ نے تو سطر اول ہی سے دل جکڑ لیا ہمارا، گڈ جاب۔ "آگاہی" میں عاصمہ عزیز نے ہمیں خدا کی رحمتوں اور انعامات کی آگہی دی۔ "زعم زدہ بت" قرۃ العین سکندر شاید دوسری مرتبہ اپنی تحریر لیے آئی ہیں لیکن بہت عمدہ قرۃ العین جی۔ ساری بات ہی خدا پر پختہ یقین ہونے کی ہے۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" عائلہ کے ساتھ قسمت کی ستم ظریفی یا کچھ اور...... بہرحال جو بھی ہوا اب اسے یہ سب راس آجائے۔ "گیلے گال" نمرہ محمد ہم انسان یونہی پلاننگز کرتے ہیں لیکن مشیت ایزدی کے سامنے سب دھرے کا دھرا رہ جاتا ہے۔ "قسمتیں ہیں مسافر" مصباح علی ویلکم بیک۔ پچھلی مرتبہ آپ کا اندازِ بیاں اور تھا اس بار تو آپ بالکل چینج نظر آئیں، بہت اچھی اسٹوری تھی اور پھر سب ہنسی خوشی رہنے لگے کے اینڈ والی ویل ڈن۔ "جہیز" نورین آپ شاید پہلی دفعہ رائٹر ہونے کا اعزاز حاصل کررہی ہیں، مبارکاں جی۔ پہلے بھی لکھ چکی ہو تو ڈبل مبارکباں۔ "ذرا مسکرا میرے گمشدہ" فاخرہ جی آخر سکندر صاحب کے رویے کی وضاحت ذرا کھل کے کردیتیں۔ باقی رسالہ ابھی زیر مطالعہ ہے، کوثر خالد صاحبہ آپ بڑی اپنی اپنی سی لگتی ہیں اور آپ کے خطوط تو مجھے بے حد پسند ہیں، خدا آپ کو ہمیشہ خوش رکھے۔

☆ڈیئر ثناء! آنچل کی پسندیدگی کے لیے مشکور ہیں۔

زندگی تنویر خلیل...... کے پی کے۔ سلام آنچل، شہلا آپی محبت کی ایلچی سے لپٹا سلام قبول کرلیجیے۔ سوچ رکھا تھا کہ اس دفعہ سندیسہ بھیجنا ہے۔ اس دفعہ آنچل کا شمارہ اچھا تھا، سلسلے وار ناول میں اقراء صغیر صاحبہ (اے ہم پچھلے زمانے میں ہے ابھی باجی راؤ مستانی دیکھا ہے) کا "تیرے زلف سر ہونے تک" پڑھا تھا اور اگر کہو کہ اچھا تھا کہ بس (معاف فرمایئے گا مگر اس میں ادبی تڑکا کم ہے) "شب ہجر کی پہلی بارش" رشتوں کی، محبتوں کی گھٹا ٹوپ، آسمان کا دامن چیرتی، کسی کھوئی انجانی طوائف کی طرح غزال نوائی سمیت مرمیے میں ہجر کا ست رنگی تتلیاں چکرائی یک دم آنسو کی طرح برسی۔ اچھی ہے اور اپنے نظموں کی آفرینی سمیت کہ نازیہ ہے تو کنول ہے، کنول ہے تو روشنی ہے اور روشنی ہے تو تازی ہے۔ "بند لفافے ابھی کھل نہ جائے، محبت کے دردناک پیام آئے ہائے کہاں ہے اچھا تھا۔ "گیلے گال" حرا اب نہ کہنا صبح کذاب کی پُرنور، طائروں کی چہچہاتی اور مسجدوں میں سبحان اللہ کا ورد کیے جاتے مولوی صاحب کے مقدس چہرے پر کھلتی بکھرتی من میں عزیز نمرہ محمد کا احترام بڑھا گئے (باخدا صرف کوشش کی ہے، حرا تمہاری نقل اتارنا تو دل گردے کا کام ہے)۔ "اس طور ملے" ام اقصیٰ کو جب جب پڑھا لگتا ہے کہ یہ ہیں کہانی میں الفاظ کے ساتھ لپٹی ہوتی ہے۔ اتنے طاقتور الفاظ، مضبوط خیال، عمدہ کردار نگاری، جذبات نگاری اور سب سے بڑھ کر "ام اقصیٰ" کہانی کا عنوان۔ "موہے رنگ دو لال" (اری شہلا آپی باجی راؤ مستانی دیکھا ہے معاف کیجیے گا۔ دیوانی ہاں دیوانی زندگی ہوگئی، مشہور میری کہانی کی زندگی ہوگئی، معاف)۔ "چراغ خانہ" تیل ختم ہونے کو ہے رفعت صاحبہ (باجی...... سمجھ گیلی) آگاہی صحیح ہے۔ محبت نامہ گوندل صاحب کے زبانی (کبھی کبھی آجایا کرے

بشریٰ! کوئی مضائقہ نہیں اس طرح کے ناول لکھنے میں) اور مجموعی طور پر یہ کہانی ونڈر فل اور آنچل ونڈر لینڈ اب ایک بات کہ قسط وار ناول لکھنا ہے۔ یقین کامل ہی بندگی ہے' والسلام۔

شائستہ جٹ...... چیچہ وطنی۔ آنچل اسٹاف' رائٹرز' قارئین کو خلوص بھرا اسلام امید ہے سب کے مزاج بخیر ہوں گے۔ ہماری غیر حاضری کی وجہ ہمارے عزیز ماموں جان جو کہ علالت کے باعث دار فانی سے کوچ کر گئے۔ اللہ ان کی مغفرت کرے اور آپ سب سے بھی دعا کی درخواست ہے 23 اکتوبر کی اداس شام میں آنچل نے اپنے سائے ہمارے اداس دلوں پر پھیلائے۔ حمد ونعت سے مستفید ہوئے اور دانش کدہ کو پڑھ کر معلومات اسلامی میں اضافہ کیا' سرورق ماڈل بھی اچھی لگی اور فاطمہ مسکان کا مذاق دوست کا پیغام آئے میں پسند آیا۔ باقی سارا آنچل شاندار رہا' غزل میں اقراء حسن' ماعارانی اور راشد ترین نے اچھا لکھا' اشعار سب کے بے حد پسند آئے۔ یادگار لمحے میں سب نے بے حد اچھا لکھا۔ اب بات ہوجائے افسانوں کی تو سب سے اچھا ''جہیز' روشنی کی لکیر'' لگے اور ''خوشیوں کا موسم' دھوپ اور آنگن'' بیسٹ رہے۔ فاخرہ گل کا ناول اچھا رہا ''تیری زلف کے سر ہونے تک'' بھی ٹھیک رہا۔ ''بند لفافے'' میں ایک سبق ملا اور ہم سے پوچھیے میں جوابات پڑھ کر دل پر چھائی اداسی چھٹ سی گئی۔ اللہ آنچل کو ترقی کی منازل عطا فرمائے اور ہمارے ملک کو غاصبوں کی نظروں سے بچائے اور ہماری فوج کے ہر جوان کو اللہ اپنے حفظ وامان میں رکھے آمین۔

☆ ڈیئر شائستہ! آپ کے ماموں کو اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے' آمین۔

شازیہ الطاف ہاشمی...... شجاع آباد۔ آداب عرض ہے امید ہے خیریت سے ہوں گی' نومبر کا آنچل سر پر ہے اور دوست کو قبولیت کی سند ملنے پر بہت حوصلہ ملا ہے مگر معذرت خواہ کا لفظ آپ کی نئی لکھاری کا دل توڑ گیا کیا ہی اچھا ہوتا ہے کہ داغ کا نام نا قابل اشاعت میں چھپ جاتا اور دوست کا نام حوصلہ افزائی کے طور پر چھپ جاتا میرے نام کی ساتھ یہ میرا دوسرا ایٹر ہے مگر میں جانتی ہوں کہ لفظوں سے محبت کرنے والے ہم لفظوں کے لکھاریوں کا مان نہیں توڑیں گے۔ داغ پسند نہیں آئی کوئی بات نہیں دوست قابل توجہ ٹھہری کس منہ سے شکریہ ادا کروں' تحریر میں پختگی ہے۔ بڑی عنایت موضوع کا چناؤ کمزور ہے سر آنکھوں پر آئندہ پوری کوشش کروں گی کہ اچھے اچھے موضوعات پر قلم اٹھاؤں اور اچھا اچھا لکھوں' امید ہے ہمیں اپنا سمجھ کر دل نہیں توڑیں گی۔ ایک تحریر ''محبت کی آنکھیں'' یو ایم ایس کی تھی کیا آپ کو موصول نہیں ہوئی؟ پلیز جواب ضرور دیجیے گا (مل گئی ہے) دو اور تحریریں اپنا گھر' ہمسفر پیش خدمت امید ہے۔ محبتوں میں یاد رکھیں گی اور قبولیت کا درجہ حاصل کرنے پر آگاہ ضرور کریں گی۔ ایک ریکوئسٹ ہے دوست کو جلد شامل فرمالیں باقی جیسے جیسے باری آتی جائے لگاتی رہیے گا آنچل اور اس طرح میرا تعلق مضبوط سے مضبوط تر ہوتا جائے گا۔ اب شمارے کی طرف آتے ہیں رفعت سراج کی کیا بات ہے' بشریٰ گوندل' فاخرہ گل نے نہایت ہی اعلیٰ لکھا یاسمین نشاط جو بند لفافہ لائیں وہ بھی بہت اچھا تھا۔ اقراء گلزار' نورین مسکان سرور نے بھی محفل لوٹ لی۔ درجواب آں میں میری شرکت سے چار چاند لگ گئے (مجھے شامل کرنے کا شکریہ) مجھے امید ہے کہ میں اگلے مہینے یہ جان سکوں گی کہ ہمسفر پسند آئی یا نہیں اور اگلی دفعہ اپنی نئی قاری کا لیٹر پہلے نمبر پر لگا کر حوصلہ بڑھا دیجیے اللہ آپ کو اور ہمارے آنچل کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے' آمین' والسلام۔

☆ ڈیئر شازیہ! خوش آمدید۔

ایس گوہر طور...... فیصل آباد۔ السلام علیکم! آپی شہلا کیسی ہیں آپ؟ سب پڑھنے والوں کو میری طرف سے محبتوں' چاہتوں' الفتوں اور مسرتوں بھرا اسلام قبول ہو' اللہ سائیں سے دعا ہے وہ آپ سب کو خوش رکھے' آمین۔ اس بار تو کمال ہوگیا آنچل بڑی جلدی مل گیا سب سے پہلے نگاہ ٹائٹل پر پڑی اچھا تھا' دراصل میں بڑی بدذوق ہوں اس معاملے میں اس لیے مجھے ٹائٹل پسند نہیں آتا ورنہ اکثر بہنیں تعریف کرتی ہیں۔ سب سے پہلے دوڑ لگائی ''شب ہجر کی پہلی بارش'' کی طرف کچھ دیر سانس لیا (بھائی دوڑ جو کافی لگائی تھی) ہائے اللہ۔ صیام اور درمکنون ایک ساتھ رات کے وقت' صیام کے ہاتھ کا زخمی ہونا درمکنون کا پریشان ہونا۔ شہزاد نے بہت اچھا کیا جو بتادیا کہ صیام جس سے محبت کرتا ہے وہ کوئی اور نہیں درمکنون ہے۔ زاویار کا عائلہ کے ساتھ ایسا رویہ مجھے تو بڑا غصہ آیا اس بدتمیز کے بندہ اتنے کان کھینچے کہ ہاتھی کے چھوٹے پڑنے لگے۔ اس کے بعد فاخرہ گل آپی کے پاس پہنچے تو اجیہ اور ارتش کا کزن ہونا بڑا خوش کر گیا' کتنا مزا آئے گا جب غزنی کا رشتہ اجیہ کے بجائے حنین کے ساتھ طے پائے گا بھی بھی غلط فہمیاں کچھ غلط کرنے کے بجائے کچھ اچھا کردیتی ہیں۔ ''تیری زلف کے سر ہونے تک'' نوفل اور انشراح

کا کردار مجھے بڑا پسند ہے لگتا ہے انشراح کا تعلق کہیں نہ کہیں نوفل کی فیملی سے ہی ہے۔ خیر چند ماہ بعد بلی خود بخود تھیلے سے نکل آئے گی۔ مکمل ناول بہت اچھے تھے مگر "بند لفافے" ناولٹ بازی لے گیا' واقعی ساری بات تو نصیبوں کی ہوتی ہے انسان سب سے لڑ سکتا ہے مگر مقدر سے نہیں۔ آنچل کے افسانوں کا تو کوئی ثانی نہیں ایک سے بڑھ کے ایک۔ "گیلے گال" نمرہ محمد نے بہت اچھا افسانہ لکھا مختصر مگر اچھا پہلی کاوش پر مبارک۔ "ارمانوں کی مالا" عذرا کنول جی! آپ نے تو مجھے رُلا ہی ڈالا ہائے۔ یہ بن ماں باپ کے کنواری بیٹیاں انہیں تو کوئی کندھا بھی میسر نہیں ہوتا اپنے آنسو بہانے کے لیے اللہ بھائیوں کو ہی ہدایت دے آمین۔ پیاس دل میں سب کے اشعار بہت اچھے تھے سب نے بڑھ چڑھ کے لکھا' یادگار لمحے میں صفیہ بشیر اور آپی ارم کمال نے اچھا لکھا (کسی کری ہٹ ہوا پی) آئینہ میں سب کے تبصرے اچھے تھے' ساتھ میرے بھی' دوست کے نام پیغام آئے میں عائشہ رحمٰن (ربیالی مری) تم نے دوستی کے لیے ہاتھ بڑھایا' میں تھامتی ہوں تمہارا ہاتھ دوستی پکی' تم نے کہا ایس کو ہر کمال ہیں آپ کوئی کمال نہیں ہوں یار سب رب کی دین ہے اور کچھ نہیں۔ انیلا طالب گوجرانوالہ' فابیہ مسکان قلعہ میاں سنگھ' عنبر مجید کوٹ قیصرانی' اقرا لیاقت حافظ آباد یار تم سب کے دوستی کے لیے بڑھے ہاتھ میں تھامتی کیوں کسی نے تو پہل کرنی تھی سو میں نے کردی باقی آنچل والیاں جانے اب اگلے ماہ تک کے لیے اجازت چاہتی ہوں' اس بات کے ساتھ کہ سارا آنچل بیسٹ تھا اور اجازت پھر سے اس چھوٹی سی بات کے ساتھ کہ ہمیشہ خوش رہیں اور خوش رکھیں' فی امان اللہ رب راکھا۔

دلکش مریم...... چنیوٹ۔ شہلا آپی' آنچل اسٹاف اور تمام لکھنے پڑھنے والوں کو میرا سلام۔ امید کرتی ہوں سب خیریت سے ہوں گے اللہ تعالیٰ سب کو اپنی امان میں رکھے آمین۔ ٹائٹل پسند آیا' اشتہارات کو نظر انداز کرتے ہوئے آنٹی قیصر آرا کی سرگوشیاں سنیں اور حمد و نعت سے دل کو منور کیا۔ دانش کدہ سے اپنے علم میں اضافہ کیا جبکہ ہمارا آنچل میں اپنا تعارف دیکھ کر بہت خوشی ہوئی' جس کے لیے میں تہہ دل سے آنچل کی مشکور ہوں۔ ثوبیہ جاناں' مسرت اسلم اور کرن کوثر تینوں بہنوں سے مل کر اچھا لگا۔ مکمل ناول میں رفعت سراج کا "چراغ خانہ" تو آنچل کی جان ہے اس ناول کی تعریف تو سورج کو چراغ دکھانے جیسی ہے۔ مشہود کا رویہ اور بدگمانی دانیال و پیاری کی طرح ہمارے لیے بھی تکلیف دہ ہے۔ عالی جاہ کو تو عالی پناہ ہونا چاہیے پیاری پر بہتان لگاتے ہوئے ذرا شرم نہ آئی حد ہے ڈھٹائی کی۔ دانیال نے سعدیہ کو جواب دے کر ان کی پہلی چال تو ناکام بنادی آگے دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" عائلہ کا زاویار سے نکاح بالکل پسند نہیں آیا' صیام اور درمکنون کو پڑھ کر مزا آتا ہے دونوں میرے پسندیدہ کردار ہیں۔ اقرا صغیر احمد کا ناول بھی بہت زبردست ہے نوفل' زید' سودہ' انشراح سبھی کردار ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں۔ لاریب کے ساتھ بہت اچھا ہوا لیکن لگتا ہے سدھرنا اس کی فطرت میں نہیں۔ انشراح کا حد سے زیادہ اعتماد بہت بُرا ثابت ہوا' اللہ ہی خیر کرے کچھ بُرا نہ ہوا انشراح کے ساتھ۔ فاخرہ گل کا ناول "ذرا مسکرا میرے گمشدہ" بہت خوب صورت ناول ہے' اچھا ہے غزنی کی شادی حنین سے ہی ہوا جیہ تو اربش کے ساتھ ہی اچھی لگتی ہے اور شاید اربش اس کا کزن ہی ہے یعنی اس کی خالہ کا بیٹا۔ مکمل ناول "دھوپ اور آنگن" پسند آیا جبکہ "قسمتیں ہیں مسافر" کچھ خاص پسند نہیں آیا معذرت۔ ناولٹ "بند لفافے" ایک خوب صورت تحریر جسے عفرا کے فیصلے نے اور خوب صورت بنادیا' عفرا اگر اظہر کے ساتھ شادی کرلیتی تو پھر سمیرا اور عفرا میں کیا فرق رہ جاتا۔ یاسمین نشاط نے ناول کا بہت اچھا اختتام کیا۔ "خوشیوں کا موسم" شبانہ شوکت کا ناولٹ بھی لاجواب رہا۔ یتیموں کے سر پر تو ہاتھ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے نا کہ ان کا مال کھانے کا' اس بات کا احساس ہارون اور عبید کو تو نہیں ہوا مگر ان کو ہو گیا جنہوں نے اپنے والدین کو اور آزمائش سے بچالیا۔ افسانے سبھی اچھے تھے مگر نمرہ احمد کا "گیلے گال" سبقت لے گیا' مستقل سلسلے ہمیشہ کی طرح لاجواب رہے۔ اقصیٰ کشش آپ کو میرا نام پسند ہے' بہت شکریہ۔ سارہ چوہدری' عائشہ رحمٰن ہنی' فابیہ مسکان' پارس شاہ سلام و دعا کے لیے جزاک اللہ' خوش رہیں سب۔ نجم انجم اعوان میں غائب نہیں ہوئی آس پاس ہی ہوں' دعا دیں محکمہ ڈاک والوں کو اللہ انہیں ہدایت دے اور اس آدھی ملاقات میں رکاوٹ نہ بنیں' یاد رکھنے کا شکریہ خوش رہیں۔ مدیحہ نورین مہک میری شاعری پسند کرنے کا شکریہ' اپنا خیال رکھیں سب' اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر دلکش! آنچل کی پسندیدگی کا شکریہ۔

رابعہ بھٹی...... ستیانہ' فیصل آباد۔ السلام علیکم! میری طرف سے تمام آنچل اسٹاف' مدیرہ جی' شہلا آپی' ریڈرز اینڈ رائٹرز کو پیار بھرا اسلام۔ امید ہے آپ سب ٹھیک ہوں گے اور اپنی اپنی لائف کو فل انجوائے کررہے ہوں گے۔ اس بار آنچل 29 کو ملا' ہمیشہ کی طرح زبردست ٹائٹل کیوٹ سا (میری طرح) ہاہا۔ حمد و نعت سے مستفید ہونے کے بعد در جواب آں

سے گزرتے ہوئے دانش کدہ میں ترجمہ وتفسیر سے فیض یاب ہوئے۔ ہمارا آنچل میں کرن کوثر اور دلکش مریم کے تعارف پسند آئے۔ اس کے علاوہ مریم منور عائشہ نذیر عائشہ ہنی کے تعارف بھی پسند آئے۔ جی تو بات ہوجائے سلسلہ ناول "چراغ خانہ" کی اُف مشہود میاں تو ناراض بیٹھے ہیں اور پیاری بھی سیاں جی سے روٹھ گئیں (ہائے ٹوسٹ پہ ٹوسٹ) آگے آگے دیکھتے ہیں ہوتا ہے کیا۔ "ذرا مسکرا میرے گمشدہ" اربش کی خالہ یقیناً اجیہ کی مما ہیں بہت انٹرسٹ اسٹوری ہے ویری گڈ فاخرہ جی بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ "تیری زلف کے سر ہونے تک" اقرا صغیر احمد بہت اچھا لکھ رہی ہیں' اُف انشراح کو اغوا کرادیا پلیز پلیز انشراح کو کچھ نہ ہو۔ "خوشبوؤں کا موسم" شبانہ شوکت جی ویل ڈن بہت اچھی تحریر لکھی آپ نے۔ بے شک دکھوں کی فصل کاٹنے کے بعد خوشیوں کا موسم ضرور آتا ہے مکمل ناول مصباح علی سید کا "قسمتیں ہیں مسافر" بہت پسند آیا۔ "بند لفافے" یاسمین نشاط جی کا ناولٹ بھی اچھا تھا بالکل بجا فرمایا کہ بات کھلے یا بند لفافے کی نہیں ہوتی بات ساری قسمت کی ہوتی ہے۔ "اس طور سے آ گاہی' گیلے گال' جہیز' کمپرومائز' ارمانوں کی مالا" سبھی اچھی کہانیاں تھیں۔ بیاض دل میں کبریٰ مہتاب' انجم انجم' ارم کمال' پروین افضل شاہین' نجمہ جان' نورین انجم' جویریہ وکی کے اشعار پسند آئے۔ ڈش مقابلہ میں رس ملائی' کچے قیمے کے کباب اور اچاری قورمہ پسند آئے۔ بیوٹی ٹپس بھی پسند آئیں۔ نیرنگ خیال میں سباس گل' راشد ترین' انا احب' ناز سلوش ذیشے کی غزلیں پسند آئیں باقی سب نے بھی اچھا لکھا۔ آئینہ میں سب کے تبصرے پسند آئے اسی دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور دشمن کی بدنظر سے ہمیشہ بچائے رکھے آمین' اللہ حافظ۔

نبیلہ نور...... مخدوم پور۔ السلام علیکم! شہلا آپی کیسی ہیں آپ؟ امید ہے سب بالکل ٹھیک ہوں گی اور تمام اسٹاف اور قارئین کو پیار بھرا اسلام۔ آپی میں نے آنچل میں پہلی بار شرکت کی ہے آنچل اور حجاب دونوں بہت بہت اچھے ہیں ہم جولی بلینسٹ ہیں۔ بہت بہت اچھے ناول ہوتے ہیں' نازیہ کنول نازی آپی اور سمیرا شریف آپی کے ناول میرے فیورٹ ہوتے ہیں۔ بہت انتظار ہوتا ہے آنچل اور حجاب کا باقی تمام رائٹرز کی بھی اسٹوری بہت اچھی ہوتی ہیں' آپی نازیہ کی اسٹوریز میں درد بہت ہوتا ہے میں تو جو بھی قسط پڑھتی ہوں اس میں ایک بار ضرور روتی ہوں۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" میں سب کو ایک دوسرے کا پارٹنر بنایئے گا۔ صیام درمکنون پر مہربان ایلی' سدید میرا فیورٹ کردار کا پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔ "موم کی محبت" کے اینڈ پر راحت وفا کو مبارک باد' بہت اچھا ناول ہے۔ اب اجازت دیجیے' اللہ حافظ۔

فائزہ بھٹی...... پتوکی۔ السلام علیکم پاکستان! کیا حال ہیں؟ اس بار نومبر کا شمارہ 26 تاریخ کو مل گیا' سرورق بہت خوب تھا۔ سوفٹ سا رچ دیتا ہوا دل کے تاروں کو چھو گیا' سادہ' پروقار تھا سرورق بہترین۔ سرگوشیاں کے بعد حمد ونعت سے دل کو منور کرنے کی اپنی سی کوشش کی۔ درجواب آں ہائے آپی جی کتنے پیار سے جواب دیتی ہیں جو نہیں جانتا ہوتا وہ بھی اگلے ماہ شامل ہونے کی کوششوں میں مصروف نظر آتا ہے۔ اقرا صغیر کی کہانی کو پڑھنے کو سب سے پہلے ترجیح دی' اچھا اسٹارٹ لیا ہے اقرا نے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ یہ گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی گزر جاتی ہے یا پھر جگہ جگہ بریکر پر رکنا اپنا فرض سمجھتی ہے۔ نوفل ایک طرف تو بڑا متحمل مزاج دکھایا گیا ہے اور دوسری طرف ایک لڑکی کو دیکھ کر اس کا اتنا ہائپر ہوجانا سوٹ نہیں کرتا۔ واہ لاریب میاں کے ساتھ تو خوب ہوا اس کے ساتھ جتنا بھی ہو کم ہوگا۔ مدثر صاحب کو ذرا کم غصہ کرنا چاہیے رفعت سراج کی کہانی بھی اچھی جارہی ہے اب مشہود نے الگ ہی رولا ڈال دیا ہے۔ دانیال کو بھی پیاری کی پوزیشن کا خیال رکھنا چاہیے وہ تو بُری پھنسی ہے بے چاری اور یہ عالی جاہ کن چکروں میں ہے بھئی' گھمنڈی نہ ہو تو...... "شب ہجر کی پہلی بارش" میرے خیال میں تو صمید حسن بالکل غلط کررہے ہیں وہ غلطیوں کو سدھارنے کی بجائے اور غلطیاں کررہے ہیں (نری بے وقوفی ہاں)۔ زاویار کو بھی اپنا دماغ ذرا درست سمت رکھنے کی ضرورت ہے ایویں کہیں کا غصہ کہیں نکال رہا ہے۔ شہرزاد تو بڑی عقل مند نکلی' جلد ہی اپنی راہ الگ کرلی۔ درمکنون کو بھی اب اپنا آپ صیام کی طرف موڑنا ہوگا تو پھر ہی حالات اچھے ہوں گے۔ "ذرا مسکرا میرے گمشدہ" ہائیں غلط فہمیاں اس حد تک بھی بڑھ جاتی ہیں اجیہ اور اربش تو کزن نکلیں گے چلو ان کی جوڑی بھی اچھی لگے گی۔ یہ تو حنین کے جذبوں میں صداقت ہے جو غزنی پر بازی لینے کو تیار ہے (ہائے بے چارہ)۔ "دھوپ اور آنگن" بشریٰ گوندل بہت خوب صورتی سے ناول لکھا۔ مکالمے بہت خوب تھے اور منظر نگاری' جزئیات نگاری پر بھی مکمل توجہ رکھی گئی' اچھا لگا۔ "قسمتیں ہیں مسافر" مصباح علی سید نے بھی خوب لکھا۔ خودکش بمباروں کو تو بندہ پکڑ کر ایک آدھ بیوہ کے پاس لے جائے کہ پوچھو اس کے آنسو پتا چلے کتنا دل گردے والا کام ہے۔ فصیح کا بار بار دریچہ کو بلانا پہلے ہی پریشان کرگیا تھا' پھر رہی کسر بھی پوری ہوگئی اینڈ اچھا کیا مصباح نے۔ "بند لفافے" انسان دوسروں کی باتوں

پرکان نہ دھرے تو کتنا اچھا ہوتا مگر ہم انسانوں کو بھگتنا زیادہ اچھا لگتا ہے آخر ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ ”خوشیوں کا موسم“ برے وقت میں ہی اپنوں کی اصل پہچان ہوتی ہے۔ اچھے وقتوں کے تو سب ساتھی ہوتے ہیں۔ ہیرو کا فیصلہ اچھا لگا' غیرت مند کو ہونا بھی ایسے ہی چاہیے دوسروں کا کرنا ان کے ساتھ اس کا کرنا اس کے ساتھ۔ افسانے ابھی پڑھ نہیں پائی۔ نیرنگ خیال میں کافی اچھی شاعری آنے لگی ہے ہمارے قاری لوگ بہت باذوق ہوتے جارہے ہیں۔ بیاض دل تو دل والوں کی محفل ہے دل کی باتوں سے کسی کو رد کرنا مشکل ہوتا ہے۔ دوست کا پیغام آئے یہ تو دوستوں کی محفل ہے ایسی محفلیں منعقد ہوتی رہنی چاہئیں' اچھا لگتا ہے۔

اب اس دعا کے ساتھ اجازت کے اللہ پاک آپ سب پر رحمتوں کی بارش کرے آمین' اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر فائزہ! آپ کا تبصرہ پسند آیا۔

سمیرا تعبیر...... سرگودھا۔ السلام علیکم پیاری شہلا آپی کیا حال چال ہے؟ آنچل پر تبصرہ کرنے کے لیے پھر سے حاضر ہوں' ہماری حاضری لگالیں آنچل حسب سابق 26 کو مل گیا تھا۔ سرورق پسند آیا اندرونی صفحات پر نظر دوڑائی تو قیصر آنی دھیمے سروں میں سرگوشیاں کرتی نظر آئیں۔ حمد و نعت سے مستفید ہونے کے بعد درجواب آں میں تانکا جھانکی کی تو مدیرہ جی کا دھیمے انداز میں جواب دینا اچھا لگا۔ تھوڑا آگے بڑھے تو دانش کدہ میں عقل و تفہیم کی باتیں پڑھ کر بے اختیار خود کو دانش مند سمجھنے لگے تھے۔ تھوڑا اور آگے سفر کیا تو ہمارا آنچل میں سب بہنوں سے ملاقات بہت اچھی رہی اور کرن بخش شہزادی بنی بہت اچھی لگی سوکیوٹ جی' فرینڈ بنے گی میری؟ دلکش مریم تو اپنے نام کی طرح بہت ہی دلکش ہیں' ہاہاہا پھر جی اپنے فیورٹ سلسلہ وار ناولز کی طرف بڑھے ”تیری زلف کے سر ہونے تک“ ویل ڈن' اقرا آپی! اس دفعہ کی قسط بھی بہت پرفیکٹ تھی آپ تو آتی ہو اور چھا جاتی ہو۔ نوفل اور زید دونوں کردار ہی بہت جاندار ہیں' آئی امپریس یو۔ لگتا ہے ماضی میں کوئی بہت بڑا راز پوشیدہ ہے دیکھتے ہیں کب کھلتا ہے۔ سودہ بہت معصوم ہے کیا کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے دونوں ماں بیٹیوں کو۔ آپی سودہ کے ساتھ کچھ بھی برا نہ ہوا اینڈ خاصا سنسنی خیز ہوا ہے۔ چلیے جی نوفل صاحب آپ تو تیاری کرلیں ہیروئن صاحبہ کو بازیاب کرانے کی ذرا تیاری سے جائیے گا فائٹ کرنی ہے۔ آخر کو کوئی مذاق تھوڑا ہے گڈ جی۔ نازی جی کی طرف بڑھے تو اُف یہ کیا کیا آپی آپ نے مائی گاڈ زاویار سے نکاح کرادیا عائلہ کا اور سدید زندہ ہے' دل توڑ دیا ہے آپ نے تو کتنا کمینہ ہے خود غرض ظالم بے حس سفاک کہیں کا یہ زاویار سخت زہر لگتا ہے مجھے تو دل بے تحاشا دکھ سے بھر گیا۔ عائلہ کی تذلیل پر کتنی حساس معصوم سی لڑکی ہے' نا کس درندے کے ہتھے چڑھ گئی ہے' اللہ رحم کرے اس پر اور آپی مریرہ کا بھی اذیت کا بن باس ختم کردیں بے چاری کو کب رہائی ملے گی۔ ظالم دکھ درد بھری محبت کی زندگی سے اور صیام تو پورے ناول کی جان ہے' میرا فیورٹ کردار دری بھی اچھی ہے۔ کشمیر کے حالات آپ ایسے قلمبند کرتی ہیں کہ دل خون کے آنسو روتا ہے بے اختیار رو پڑتے ہیں ان کے حالات پر ان شاء اللہ آپ کا قلم باجہاد رنگ لائے گا۔ کشمیر ضرور آزاد ہوگا کیونکہ شہیدوں کا لہو ایک نا ایک دن ضرور رنگ لاتا ہے۔ کشمیر ضرور پاکستان میں شامل ہوگا ان شاء اللہ۔ پھر مکمل ناولز ”چراغ خانہ“ اور ”ذرا مسکرا میرے گمشدہ“ دونوں ہی بہت زبردست جارہے ہیں۔ پیاری بے چاری کتنے محاذوں پر لڑ رہی ہے اور مشہود میرا دل کررہا ہے چھڑی گھما کر بُت بنادوں کتنا بدگمان اور بے یقین ہوگیا ہے۔ دوست پر بھی اعتبار نہیں کررہا اور بہن پر بھی اللہ ہدایت دے اس کو اور یہ کمینہ عالی میر تو دل کررہا ہے کہ اس کا بھرتہ بنادوں کتنا لعنتی انسان ہے ایک معصوم لڑکی پر بہتان باندھ رہا ہے اور دانیال پر بہت ترس آرہا ہے۔ آپی ان دونوں کو اب ایک کردیں' مجھ سے نہیں دیکھا جارہا ان کا دکھ۔ ”ذرا مسکرا میرے گمشدہ“ بہت اچھا جارہا ہے' اجیہ اور ارتش بہت اچھا کپل ہے۔ کیا خیال ہے آپ کا اور حنین غزنی کے ساتھ ہی اچھی لگتی ہے۔ سکندر صاحب کب سدھریں گے اور اجیہ کو اپنی محبت سے نوازیں گے' انتظار ہے اس معجزے کا۔ باقی آنچل بھی اچھا تھا' مستقل سلسلوں میں دوسری کہانیاں ابھی زیر مطالعہ ہیں' اس لیے ان پر تبصرہ نہیں کرسکی' معذرت۔ نیرنگ خیال میں سب کا خیال پسند آیا اپنا نام دیکھ کر دل بلیوں اچھلنے لگا' شکریہ آپی جی شمع مسکان جی آپ کتنا دلکش لکھتی ہو یہ آپ کو پتا نہیں ہے دوست کا پیغام آئے سب کے پیغامات اچھے لگے۔ بیاض دل میں دل سے سجی شعروں کی محفل اچھی لگی۔ یادگار لمحوں میں سب کا انتخاب ہی لاجواب تھا' آئینہ میں جن بہنوں نے میری نگارشات کو پسند کیا سب کا بے حد شکریہ۔ ارم کمال' عائشہ پرویز' انعم زرین پرنسز کے تبصرے جاندار' شاندار محفل کی جان لگے اور ہم سے پوچھیے میں شمائلہ جی ایسے رکھ رکھ کے جوابات دیتی ہیں کہ دل چاہتا ہے ان کا منہ چوم لوں' سارے کا سارا آنچل ہی سپر ڈوپر تھا' اچھا جی اب اجازت دیجیے اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو' فی امان اللہ۔

کوثر خالد...... جڑانوالہ۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ جنت الحال دوزخ الحرام ہمارا آنچل [illegible] ثوبیہ!

دل نہ توڑیں کسی کا دعا مانگیے
عاجزی کی ہمیشہ فضا مانگیے

مسرت گلاب کا شکریہ، ہم نے گل قند بنا کر کھالیے (کیسا)۔ دلکش مریم نام ہی کافی ہے (ٹھیک)۔ کرن کوثر بھئی تمہیں شاعری پسند نہیں مگر دو نظمیں تم نے آغاز انجام میں لکھیں۔ اصل میں لقب ہمارا چرایا (ناں کوثر) اس کا اثر ہے ویسے خط اور نام دونوں مزے دار تھے۔ ناول "تیری زلف کے سر ہونے تک" ہم انتظار کر سکتے ہیں۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" توبہ اب سمجھانے لگے پیچیدہ سے رشتے۔ "بند لفافے" ہاں جی قسمت کے کھیل نرالے ہیں۔ "خوشیوں کا موسم" اپنا بھایا، نیک اللہ بچائے۔ نیکی کا صلہ نام ہونا چاہیے تھا البتہ شبانہ کا قلم بہت جاندار ہے۔ "چراغ خانہ" کبھی تو ہوگا سہانا۔ "دھوپ اور آنگن" سہری دھوپ سنہرا آنگن۔ اللہ کرے تمام بچیوں کے نصیب میں ایسے ہی پیارے شوہر ہوں آمین۔ "قسمتیں ہیں مسافر"

قسمت کا مسافر یارب کی رضا
اے بندہ خدا تو سر کو جھکا

پتا نہیں یہ شعاع والی مصباح علی ہیں یا؟ بہرحال قلم انہی کی طرح بے حد خوب صورت۔ (جی وہیں ہیں) "اس طور ملے"

یوں سب کے ساتھ ہوجائے
الجھن ہر سلجھ جائے
نہ راہ میں کوئی سماج آئے
نہ مشکل نہ کوئی آنچ آئے
محبت امر ہوجائے
رشک قمر ہوجائے

اللہ جی والدین کو رشتہ داروں کو عقل سلیم دے تو تبھی ہوگا ناں یوں۔ "آ گاہی" سب کو حاصل ہو وطن اپنا کامل ہو۔ "زعم زدہ بت" اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں۔ "گیلے گال" کیا منفرد عنوان حسب کہانی اور نمرہ محمد کیا نام ملا بھئی امید ہے بہت اونچی اڑو گی۔ نورین مسکان بھئی "جہیز" کی بہت مبارک باد۔ "کمپرومائز" بھابی ہو تو ایسی، ہمارے میاں نے کہا تھا "بیوی ہو تو ایسی" (یعنی ہم) الحمدللہ تا عمر تبصرے پر قائم رہے باقی مکر گئے۔

خودی کو بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

"روشنی کی لکیر" ہم کہیں روشنی کی کرن کیونکہ کرن ہماری ابنارمل سسرالی بچی جو ہمارے پڑھانے سے اردو پڑھنا اور نگرانی میں سوال جمع تفریق ضرب تقسیم واملا سیکھتی جارہی ہے۔ چودہ تک پہاڑے سنالیتی ہے چھٹی میں ہے۔ میں الگ پرچہ کروائی ہوں الاعجاز ہائی اسکول سب میری بہت عزت کرتے ہیں۔ بیاض دل میں سب بہترین ہوتے ہیں، ڈش مقابلہ سلمیٰ غزل کی تیار کردہ چانپیں پسند آ گئی تھیں، شکریہ۔ نیرنگ خیال......

ہم کھو گئے نیرنگِ خیال میں یوں
کوئی نام بتانا مشکل ہے

ہمیں تو آئے عرصہ ہوا چلئے آج کی لکھی پنجابی نظم کے شعر سنیں۔

ربا لوہے وانگوں کردے
کم کردی میں تھکاں نہ
جہڑا وی گھر میرے آوے
پرونے توں میں اکاں نہ
گھر میرے دے سارے باسی
دین کسے نوں دھکاں نہ
دنیا دا کوئی ہنر نہ ہووے

جس نوں کر میں سکاں نہ
پیسہ دھیلا سب ونڈ ریواں
جوڑ جوڑ کے رکھاں نہ
گل کراں بس علم عمل دی
کوثر فضولیں بکاں نہ

دوست کا پیغام سب کو سلام اگر کسی کو میری کتاب لینا ہو تو بتائے میں اس کا ہدیہ یتیم بچوں کو دینا چاہتی ہوں۔ اگر کوئی بہت شوقین خرید نہ سکے تو فری بھی لے سکتا ہے۔ ملالہ اسلم کی بہن نعتیں ڈائری میں لکھتی ہے وہ اور ارم کمال کو میں ضرور دینا چاہوں گی باقی بتادیں رابطہ کریں ایڈریس بھیج کر۔ یادگار لمحے اسم بامسمیٰ۔ آئینہ میں ہماری روحانی شکلیں نظر آتی ہیں اور دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے ہر خط کا الگ لطف ہے۔ ہم سے پوچھئے کچھ نہ پوچھئے بھئی۔ آپ کی صحت جناب ابھی تو کوئی بیماری نہیں بس تھکاوٹ اور پٹھے کبھی اکڑ جاتے ہیں دوا اور دبانے سے آرام آجاتا ہے۔ کام کی باتیں جاگنگ پر بیٹا جارہا ہے آج کل۔ آخر میں ایس کو ہر کو دعا کہ اس کی ٹیچر مل جائے جذبہ اچھا لگا بلکہ تقریر لوگ نکھرتے جارہے ہیں۔ عائشہ ہنی پائندہ باد انیلا ارے یہ تو بچپن میں میری بہن عالیہ کی سہیلی تھی منی سی عمر میں فلم ایکٹر کی طرح فیشن دار۔ میں کسی کو اچھی لگتی ہوں شکریہ مولا کا احسان ہے اور رہ گئی فابیہ...... ہاں جی ہاں پھول میں جولائی والے ہم ہی تھے کیا تم پڑھتی ہو پھول۔ مجھے تو نظر نہیں آیا خط لکھو ناں پھول میں (ہوں) اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر کوثر! منفرد انداز مخصوص الفاظ اور برجستہ اظہار۔ المختصر آپ کا تبصرہ بے حد پسند آیا۔

لائبہ میر...... حضرو۔ السلام علیکم! سب سے پہلے تمام اسٹاف رائٹرز ریڈرز کو حجاب کی سالگرہ کی ڈھیروں ڈھیر مبارک باد وقت گزرتے پتا ہی نہیں چلتا ابھی کل کی بات لگتی ہے جب مدیرہ جی نے ہمیں یا حجاب کو ہم سے متعارف کروایا تھا اور آج ہمارا حجاب ایک سال کا ہوچکا ہے۔ بے شمار محبتوں اور کامیابیوں کے زیر سایہ جہاں یہ سال گزرا (حجاب کا) اللہ تاقیامت اس سے دگنی کامیابیاں دے عروج سے نوازے آمین۔ اپنی کاہلی کے سبب حجاب کو ایڈوانس وش تو نہیں کرسکی خیر بہر حال امید ہے حجاب ضرور سرپرائز لے کر آئے گا نومبر کا آنچل کے عید سروے کے حوالے سے عائشہ بٹ اور ندا علی عباس کی تعریف ضرور کروں گی کہ ان کے جوابات بہت دلچسپ تھے۔ "موم کی محبت" تھینک گاڈ ختم ہوگئی۔ راحت وفا جی میں نے اس ناول پر سب سے زیادہ تنقید کی حالانکہ خود اک لفظ بھی لکھنے کے قابل نہیں ہوں پلیز سوری (اچھی جو نہیں لگی تھی کیا کرتی) اور گمنام یار یہ کیا بات ہوئی تم اپنا نام تو بتاتی ہم سب تمہارے دوست ہیں اور دل سے دعا گو ہیں کہ اللہ تمہاری سب مشکلات آسان کرے آمین۔ ان شاء اللہ بہت جلد تمہارے شوہر واپس آجائیں گے دیکھنا۔ ثوبیہ حبیب تمہارا تعارف شائع ہوگیا یار مشی خان (ریڈیو کیوں چھوڑ دیا سننا) ام معاویہ سیدہ سعدیہ عظیم عمرہ کی بہت مبارک ہو ہمارے لیے بھی دعا کرنا خصوصی (ہم یعنی آنچل فرینڈز)۔ عائشہ رحمن ہنی زبردست تعارف تھا یار اور میری اتج فیلو بھی ہو ان تین آرجیز کو میں بھی سنتی ہوں ٹائم ملے تو اور بس صرف اک بات یہ کہ دیدی لفظ اچھا نہیں لگا۔ مسز امتیاز اور ٹائٹل اچھا لگا آنچل کا کیوٹ سا سمپل سا اور فریدہ جاوید فری جی آپ کی صحت یابی کی اطلاع کا انتظار اور دعائیں آپ کے لیے۔ "چراغ خانہ" پیاری اور دانیال کا مسئلہ سلجھنے کے بجائے الجھتا ہی جارہا ہے اور سعدیہ بیگم کو شاید اب کمال فاروقی کا احساس ہورہا ہے۔ "تیری زلف کے سر ہونے تک" انشراح اغوا ہوگئی اُف بہت برا ہوا دیکھتے ہیں آگے کیا ہوتا ہے۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" بہترین جارہی ہے شاید مستقبل میں صمید حسن کے ساتھ بہت بُرا ہونے جارہا ہے اور زاویار نے بہت بدتمیزی کی عائلہ کے ساتھ امید ہے آہستہ آہستہ سیٹ ہوجائے گا لیکن ایک شکایت یہ ہے کہ نازی آپی کے بہت کم پیج ہوتے ہیں ابھی شروع ہوئی ابھی ختم پلیز ورق بڑھادیں اس کے۔ اب پھر پورا مہینہ انتظار کرنا پڑے گا۔ اُف "ذرا مسکرا میرے گمشدہ" اللہ کرے غزنی اور حنین کی ہی بات بن جائے اور یقین مانو اجیہ کے خالی والٹ کی وجہ سے اجیہ کے ساتھ ساتھ مجھے بھی خاصی شرمندگی ہوئی یار بس آگے خدا کرے سب خیر ہو۔ ہم سے پوچھئے پروین افضل جی ارم کمال نورین مہک کے سوال جواب پسند آئے اور نیرنگ خیال میں فریدہ فری اینڈ سباس گل کی شاعری اچھی لگی باقی ڈائجسٹ ابھی پڑھا نہیں سو مکمل تبصرہ پھر کبھی سہی۔ وطن عزیز پاکستان اور اپنے کشمیری بہن بھائیوں کے لیے ڈھیروں دعائیں خدا کرے ہم بہت جلد مل کر کشمیر کی آزادی کی خوشیاں منائیں خدا ہمارے دشمنوں کو ہلاک کرے آمین سب اپنا خیال رکھنا پھر ملیں گے اللہ نگہبان۔

آسیہ شاہین...... چوآ سیدن شاہ۔ سلام وفا! کیسے مزاج ہیں آنچل کے تمام دوستوں کے امید کرتی ہوں خیریت سے ہوں گے۔ پورا مہینہ آنچل کا بہت بے چینی سے انتظار رہتا ہے کیونکہ ہمیں آنچل سے گہری دلچسپی ہے بس یہی محبت ہمیں بے چین کیے رکھتی ہے اور یقین جانیے اس میں ذرہ بھر بھی مبالغہ آرائی کا عنصر شامل نہیں ہے۔ اسی محبت کے پیش نظر ہر مہینے تبصرہ لکھنے پر مجبور ہو جاتی ہوں۔ آنچل کی ماڈل ہمیشہ بہت پرکشش ہوتی ہے اور آنچل پہلی ہی تاریخوں میں دستیاب ہوتا ہے اس کی یہ سب سے بڑی خوبی ہے۔ اس کے بعد میں حجاب کو ایک سال مکمل ہونے پر بہت بہت مبارک باد پیش کرتی ہوں۔ اللہ حجاب کو مزید ترقی اور کامیابی سے ہمکنار کرے اور اسے لاکھوں کروڑوں دلوں کی دھڑکن بنائے' آمین۔ نومبر 2016ء کا شمارہ جیسے ہی خرید اتو بازار میں ورق گردانی کرنے لگی کہ دل مچل رہا تھا کہ کب اس کو پڑھوں۔ جوں ہی گھر پہنچی جائے کا کپ تیار کیا اور ایک ہاتھ میں آنچل اور دوسرے ہاتھ چائے کا مگ تھامے آنچل کی وادی میں اتر گئی۔ سرگوشیاں میں آپ نے جو بات کی یقین جانیں وہی بات مجھے بھی ہر وقت ستاتی رہتی ہے کہ ہر کوئی اپنے مفاد پر ڈٹا ہوا ہے' کسی کو بھی پاکستان کا احساس نہیں ہے۔ سب سیاستدان اپنی اپنی انا اور اپنے مفاد کو پیش نظر رکھے ہوئے ہیں اور نقصان بہر حال پاکستان کا ہی ہو رہا ہے۔ ریاض حسین اور سید عمران رفیع کی حمد و نعت سے دل کو منور کیا' دل میں خواہش ہوئی کاش میں بھی شاعری میں اپنے رب اور محبوب خدا کی حمد و ثناء کر سکوں مگر ہمارے الفاظ میں اتنی جرأت کہاں۔ ڈرتی ہوں کوئی گستاخی سرزد نہ ہو جائے۔ در جواب آں میں سب دوستوں کو میری طرف سے سلام اور اچھا لگا ان کے متعلق اپیا کے جوابات پڑھ کر۔ ہر ایک کو دعائیں دیتیں قیصرا آراجی کے لیے بھی ڈھیر دل دعائیں۔ مشتاق احمد قریشی صاحب کا دانش کدہ معلومات کا خزانہ حضرت ابراہیم کے متعلق مکمل مضمون بہت زبردست تھا۔ معلوم نہیں ہمارا تعارف کب آنچل میں نظر آئے گا' انتظار میں آنکھیں پتھرا گئیں۔ سب ہی تعارف بہترین تھے مگر کرن کو بٹ جی کا تعارف بہت ہی دلچسپ تھا۔ ارے کرن جی پٹھان ہو یا پنجابی یا کوئی بھی بس ہم سب پاکستانی ہیں اور جو بھی پاکستان کے لیے منفی سوچ رکھتا ہے اسے پاکستانی کہلوانے کا کوئی حق ہی نہیں' چاہے وہ کسی نسل یا کسی طبقے سے تعلق رکھتا ہو۔ رفعت سراج آپا آئی لو یو "چراغ خانہ" بہت عمدہ جا رہا ہے۔ اتنی اچھی تحریر کے لیے دل سے مشکور ہوں' ان شاء اللہ آپ کے دیگر ناولز بھی ضرور پڑھوں گی۔ "بند لفافے" کہانی یاسمین نشاط بہت عمدہ لکھی مگر اس کا اختتام مجھے مایوس کر گیا' کاش کہ عفرا کی شادی اظہر سے ہی ہوتی اس افسانے میں سمیرا پر مسلسل مجھے غصہ آتا رہا لیکن ناولٹ بہت اچھا تھا' ہر پل سسپنس سے بھرپور مبارک باد۔ بشریٰ گوندل صاحبہ کا "دھوپ اور آنگن" محبت کی تمازت سے جگ مگ کرتا افسانہ تازگی کا احساس دلا گیا۔ "آگاہی" عاصمہ عزیز بہت پسند آیا' واقعی زندگی میں بہت ساری آزمائشیں ہمارے اپنے ہی گناہوں کے سبب ہمارے سامنے مجسم روپ میں آ کھڑی ہوتی ہیں اور ہمیں ان آزمائشوں سے احسن طریقے سے نبرد آزما ہونے کے لیے بہترین قوت ارادی کی ضرورت ہوتی ہے۔ زندگی اسی دھوپ چھاؤں کا نام ہے۔ "گیلے گال" مختصر مگر عمدہ تحریر آج کل دولت کو ہی سب کچھ سمجھنے والی لڑکیوں کے لیے نصیحت سے بھرپور افسانہ اگر تھوڑا تفصیل سے ہوتا تو اور بھی مزہ دیتا۔ اس دفعہ بہت زیادہ انٹرویو شائع کیے گئے جو تھوڑا عجیب تاثر دے رہے تھے مگر تمام لوگوں کو مبارک باد جن کے انٹرویو آنچل کی زینت بنے۔ میں بھی جلد ہی دوبارہ اپنا تعارف پیش کروں گی اور امید کرتی ہوں کہ مجھے بھی مثبت جواب ملے گا' ان شاء اللہ۔ باقی ابھی پڑھا نہیں' ان شاء اللہ اگلے ماہ بقیہ تبصرہ روانہ کروں گی کیونکہ پڑھ کر داد دینا بھی اچھا لگتا ہے اب اور داد دینے سے لکھنے والوں کے حوصلے اور بلند ہوتے ہیں۔ میں آپ سب سے اجازت چاہوں گی' زندگی نے وفا کی تو دوبارہ ملاقات ہوگی' شکریہ۔

☆ ڈیئر آسیہ! آپ کا تبصرہ پسند آیا آئندہ بھی شامل محفل رہیے گا۔

سمیہ کنول...... بھیر کنڈ۔ السلام علیکم پاکستان! پاکستان کی خوب صورت شہزادیوں' پریوں کو سلام عرض ہے کیسے ہیں آپ سب لوگ؟ سب سے پہلے آئینہ پڑھا آئینہ میں اس بار تو بہت خاص لوگ دیکھنے کو ملے بھئی عائشہ پرویز کی بات کر رہی ہوں ان کا تبصرہ اے ون تھا اور کرن شہزادی تم تو ہو ہی نمبر ون (مانسہرہ کی جو ہو) اور تیسری اسپیشل ہستی (میرے لیے) مدیحہ نورین مہک آپ کا تبصرہ بھی بہت اچھا تھا۔ اس کے بعد یادگار لمحے میں پہنچے ایم فاطمہ سیال آپ کی شاعری کچھ زیادہ ہی اوپن تھی۔ پروین افضل شاہین اور سیریس قسم کی نگارش یادیں اور شاہ رسول ہائے آپ نے تو سپلی والوں کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔ دوست کا پیغام آئے ہمیں کسی نے یاد نہیں کیا (کوئی گل نہیں)۔ نیرنگ خیال میں سباس گل اور فہمیدہ غوری کے الفاظ اچھے لگے۔ بیاض دل میں انجمہ خان (تم کون ہو؟) مانسہرہ کی ہو اور ہم نہیں جانتے تعارف کرواؤ۔ آپ کا شعر اچھا تھا اینڈ پارس شاہ کا

بھی اور کبریٰ مہتاب کون تمنا بن گیا (اساں کو بھی تے دسوں نا) دلکش مریم میں آپ کو بہت بڑی آپا سمجھ رہی تھی آپ تو بہت چھوٹی ہیں ہاہاہا۔ انا احب کو ہم بہت چھوٹا سمجھ رہے تھے اور وہ تو دو بچیوں کی ماما ہیں‘ ہے نہ حیرت انگیز۔ ”چراغ خانہ“ میں اے سعدیہ بیگم تجھے کیوں چین نہیں ہے اور مشہود گدھے تمہیں‘ بہن اور دوست پر اعتبار نہیں‘ حد ہے بے اعتباری کی اور ”بند لفافے“ سمیرا نے خود غرضی دکھائی لیکن وہ خوش نہیں اور عفرا نے عاصم کا ہاتھ تھام کر بہت اچھا کیا ایک عورت کا گھر اجاڑنے سے بچالیا۔ ام اقصیٰ آپ نے تو بہت اچھا لکھا (بالکل اپنی طرح) تقویٰ اور جاشر دونوں میں ناراضگی ختم ہوگئی وہ بھی ایف بی کے ذریعے (ہے نا کام کی چیز)۔ ”آگاہی“ کو جیسے ہی کھولا لیکن پڑھنے کی توفیق نہیں ہوئی‘ لائٹ ہی چلی گئی۔ ان شاء اللہ آئندہ ماہ پھر حاضر ہوں گے اجازت چاہتی ہوں اللہ حافظ۔

ثناء ارشد..... حافظ آباد۔ السلام علیکم! آنچل ادارے‘ قارئین اور میری پیاری دوستو! جیو اور آئینہ میری طرف سے آداب! پہلی دفعہ شریک محفل ہوں‘ پچھلے چار سال سے آنچل کی خاموش قاری ہوں‘ محفل میں شریک ہوکر بھی تھی سوچا اب برابر انٹری دوں۔ آنچل ناول‘ ناولٹ‘ افسانے‘ نیرنگ خیال اور بیاض دل کی تو میں خاص طور پر فین ہوں۔ آنچل رسالے سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا‘ میں نہ صرف اچھی باتیں پڑھنے تک رکھتی ہوں بلکہ انہیں اپنی زندگی میں ہیلپر کے طور پر سامنے لاتی ہوں۔ رفعت سراج ”چراغ خانہ“ راحت وفا ”موم کی محبت“ نازیہ کنول نازی ”شب ہجر کی پہلی بارش“ میں آپ کی بہت بڑی فین ہوں‘ دعا ہے آپ سب ایسے ہی ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہیں۔ دعائے سحر‘ روشنی وفا‘ رشک وفا‘ شاہ زندگی‘ پارس شاہ جی (مجھے آپ سب کے نام بہت پسند ہیں‘ سباس گل آپ بھی)۔ رشک حنا‘ نزہت جبین‘ شگفتہ خان‘ لاریب انشال کھرل‘ آمنہ ریاض‘ عظمیٰ کنول‘ فائزہ بھٹی‘ میزاب شمع میں آپ سب پیاری پیاری اینوسینٹ اینجلز سے دوستی کرنا چاہتی ہوں۔ آپ سب کی خیر خواہ اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر ثمینہ! آنچل کی محفل میں پہلی بار شامل ہونے پر خوش آمدید۔

☆ اب اس دعا کے ساتھ اگلے ماہ تک کے لیے رخصت کہ آنے والا نیا سال ہم سب کے لیے زندگی کی بہت سی مسرتیں اور خوشیاں اپنے دامن میں سمیٹ لائے اور ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

aayna@aanchal.com.pk

سالِ نو کی بہار

☆ سال نو کی آمد پر آپ کے کیا احساسات ہوتے ہیں؟

☆ اس سال کوئی ایسی بڑی کامیابی‘ جس نے آپ کے قدم چومے جو آپ کی توقع سے بڑھ کر ثابت ہوئی؟

☆ 2016ء سے جو آپ کو امیدیں تھیں وہ سب پوری ہوئیں یا کچھ ادھوری رہیں؟ وہ کون سے کام ہیں جو ادھورے رہے اور آئندہ سال 2017ء پر موقوف ہوئے؟

☆ اس سال کس مصنفہ نے آپ کو متاثر کیا؟

☆ کس مصنفہ کی تحریر نے آپ کو ہنسنے پر مجبور کیا؟

☆ 2017ء میں کون سی مصنفین کے مکمل ناول پڑھنا چاہتی ہیں؟

☆ 2017ء میں آنچل میں کیا تبدیلی دیکھنا چاہتی ہیں؟

☆ سال کے اختتام پر زندگی سے ایک سال منہا ہونے اور کاسۂ عمل کے خالی ہونے پر آپ کی کیا سوچ ہوتی ہے؟

☆ 2016ء کی خوب صورت یادیں جو آپ قارئین سے شیئر کرنا چاہیں؟

❖ تمام بہنیں ان سوالات کے جوابات 10 جنوری تک ارسال کردیں۔ ای میل کے لیے ایڈریس یہ ہے۔

info@aanchal.com.pk

ہم سے پوچھیے

شمائلہ کاشف

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

سوال: ہر نئے سال کے پہلے ہفتے میں میرے میاں جانی پرنس افضل شاہین کی جیب کٹ جاتی ہے کیا واقعی ایسا ہوتا یا وہ مجھے......؟

جواب: وہ بیچارے پہلے سے بنے بنائے کو مزید کیا بنانے گے اور کٹتی نہیں ہے البتہ وہ اسے ضرور کہیں خوش خوش......

سوال: کہتے ہیں کہ محبت اندھی ہوتی ہے تو پھر یہ بدصورت لوگوں سے کیوں نہیں ہوتی؟

جواب: آپ نے کبھی خود کو آئینہ میں نہیں دیکھا' آپ کو بھی تو اپنے پرنس صاحب سے بے انتہا محبت ہے' پھر یہ سوال کیوں؟

سوال: کیا احمق کی عقل اور گدھے کی شکل ایک جیسی ہوتی ہے؟

جواب: پرنس صاحب کو دیکھ کر اندازہ لگا کر ہم سب کو بتائیں۔

نبیلہ ناز...... قصور

سوال: آپی آپ نے سالگرہ حجاب پر کیا سنگھار کیا؟

جواب: تمہیں بتا دیا تو جل کر کوئلہ ہو جاؤ گی۔

سوال: اگر آپ کبھی جواب دے دے کر تھک گئیں تو آپ کیا کریں گی؟

جواب: تم اپنا ہی راز مجھے بتا دینا مس گنجی کبوتری۔

سوال: کیا آپ ہمیشہ صبح صبح کوے کی بریانی کھا کر آتی ہیں جو سارا دن نہیں تھکتیں؟

جواب: ایمان سے تمہارے گوشت کی بریانی مجھ پر حرام ہے۔

سوال: محبت کرنے والوں کے لیے ملن کا کوئی وظیفہ بتائیے؟

جواب: نا ملنے کی امید رکھیں۔

نورین مسکان سرور...... سیالکوٹ' ڈسکہ

سوال: آپی جان کافی عرصے بعد آئی ہوں' امید ہے آپ کے دل میں میری یادوں کے چراغ جلتے رہے ہوں گے؟

جواب: یہ میرا دل ہے کوئی ڈھونگی ملنگی کا دربار نہیں۔

سوال: آپی جی بہت غمگین ہوں' خوشی کا راز کیا ہے؟

جواب: کیوں...... تم شادی شدہ ہو گئی ہو کیا؟

سوال: ہم کسی سے امید نہیں لگاتے پھر بھی کیوں کہتے ہیں' مجھے آپ سے یہ امید نہیں تھی؟

جواب: ویسے ہمیں بھی آپ سے اتنے فضول اور بے تکے سوال کی امید نہیں تھی' امید سے عاری انسان۔

سوال: زندگی کا فلسفہ ہے کیا آخر......؟

جواب: شادی خانہ آبادی۔

سوال: بعض محاورے یاد کرنے مشکل ہو جاتے ہیں جیسے "بندر کیا جانے......؟"

جواب: بندر کو تو صرف بندریا ہی یاد رہتی ہے' وہ بھی ایک نورین بندریا۔

سوال: آپی میں نے خواب میں دیکھا؟

جواب: گنجے میاں کو...... شکر کرو اپنے ان کو دیکھ لیا۔

سوال: مجھے گانے اچھے لگتے ہیں مگر سننے کو دل نہیں چاہتا کیوں؟

جواب: کیونکہ تمہاری ساس نندیں گاتی ہوں گی اس لیے۔

ارم کمال...... فیصل آباد

سوال: پیار کا سونامی سامنے والے پر کیا کیا ستم ڈھاتا ہے؟

جواب: اندھا بہرہ کر کے عشق کا روپ دھارتا ہے اس کے بعد لوگ پتھر مارتے ہیں۔

سوال: میاں جی سے کون سا پھول منگوانا چاہیے گلاب کا یا گوبھی کا؟

جواب: گوبھی کا...... پکا کر کھلانے سے محبت بھی بڑھے گی اور پیٹ بھی بھرے گا۔

سوال: جو دل میں بستے ہیں اکثر آنکھوں سے دور کیوں رہتے ہیں' جلدی سے بتا دیں؟

جواب: کیا میاں جی رنگون چلے گئے ہیں جو ایسے جدائی والے سوال پوچھ رہی ہو۔

سوال: دلدار کی دلداریاں حد سے بڑھ جائیں تو کیا

کرنا چاہیے؟

جواب: دلدار کو کام پر بھیج دو نہ گھر پر نظر آئے گا نہ دلداریاں نبھائے گا۔

سوال: سدا خوش رہنے کا راز کیا ہے چپکے سے بتا دیں؟

جواب: اچھی ساس بننے کی تیاری شروع کرو' تم بھی خوش آنے والی بھی خوش ہمیشہ کے لیے۔

شہزادی مسکان...... نامعلوم

سوال: شہزادی مسکان تشریف لا رہی ہیں باادب' باملاحظہ' ہوشیار......؟

جواب: تم تو آ گئی' شہزادی کہاں ہے؟ کنیز۔

سوال: آپی سچ بتانا پلیز کہ یہ عشق اور محبت آپس میں رشتے دار ہیں کیا؟

جواب: آپس میں چچیرے ماموں زاد بھائی ہیں۔

سوال: ہر وقت اسرار کرتی ہیں کہ ہم سے پوچھئے تو بتائیں کہ ہم اکثر بیمار کیوں رہتے ہیں' ٹکہ سا جواب نہیں دینا خدارا؟

جواب: دوسروں کا مال دیکھ کر ندیدوں کی طرح ہڑپ کرنے کی عادت جو ہے بغیر ڈکار پیٹ خراب ہوگا اور تم بیمار ہی رہو گی ناں۔

سوال: اُف...... اس قدر چٹ پٹے جوابات' ربا میرے اس کو ہدایت دے دے مجھ جیسی شہزادی کو اتنا ہرٹ کیا؟

جواب: مرچ مصالحہ لگے سوالوں کے جوابات بھی چٹ پٹے ہی ہوں گے' ویسے مزہ تو آیا ناں؟

شفقت شاہین...... کھوکھر بالا

سوال: فرض کریں اندھیری رات ہے اور آپ جنگل میں اکیلی......؟

جواب: اوپر سے آپ جیسی چڑیل آ جائے' سچ میں خوف سے گھگھی بند جائے گی۔

سوال: اگر آپ...... اگر آپ...... جملہ مکمل کریں؟

جواب: نہیں نہیں...... تم جیسی فضول سوچ میری ہرگز نہیں۔

سوال: اگر آپ کو ایک دن کے لیے وزیراعظم بنا دیا جائے تو پہلا کام کیا کریں گی؟

جواب: تمہیں سدھارنے کے لیے ایک ٹیم بناؤں گی۔

صائمہ سکندر سومرو...... حیدرآباد سندھ

سوال: میرا آنچل آپ سے بھی زیادہ خوب صورت اور پیارا ہے' جلنا مت پلیز؟

جواب: ہاں ہاں لیکن تمہارے آنچل کو سجایا اور سنوارا بھی تو ہم نے ہے اب تم جلو۔

سوال: آپ کی باتیں تو کروڑوں کی ہوتی ہیں پر یہ کیا دکان پکوڑوں کی؟

جواب: خبردار جو چوری کر کے کھائے تو' تم چیزیں چرا کر کھانے کی بہت شوقین ہو۔

سوال: چور کی داڑھی میں تنکا سے کیا مراد ہے؟

جواب: اپنے میاں کی داڑھی دیکھ لو تنکا اور مراد سب سمجھ جاؤ گی۔

سوال: میرے میاں کے بال گر گر کر گنج ہوتی جا رہی ہے' کیا کروں حل بتائیں؟

جواب: اپنے بال کٹوا کر ایلفی سے چپکا دو۔

سوال: میں جب بھی ضعیف خواتین کو دیکھتی ہوں تو آپ کا گمان گزرتا ہے؟

جواب: یہ کہو جب بھی آئینہ دیکھتی ہو تو وہ سچ بول دیتا ہے اور تم شرم سے پانی پانی ہو جاتی ہو۔

سوال: آپ کو ہر عید پر چوڑیاں چاہئیں تو حیدرآباد کی وہ بھلا کیوں؟

جواب: حیدرآباد کی صائمہ اور وہاں کی چوڑیاں دونوں ہی مشہور ہیں اس لیے۔

سمیرا سواتی...... بھیر کنڈ

سوال: آپی ہوش کے ناخن کہاں ملتے ہیں؟

جواب: سسرال پہنچ کر لیکن تم انہیں بھی پہلے کی طرح چبا جاؤ گی۔

سوال: جب ہم جواں ہوں گے جانے کہاں ہوں گے؟

جواب: وہیں ہو گی جہاں تمام پاگل ہوتے ہیں۔

سوال: سنا ہے اپیا جان! آپ اکثر سوالوں کے جواب دیتے وقت اپنا سر پیٹ لیتی ہیں بھلا کیوں؟

جواب: ان سوالوں کا تو سر پیر نہیں ہوتا ناں اس لیے اپنا ہی ماتھا پیٹ کر تمہاری کم عقلی پر افسوس کروں گی۔

سوال: شیر کی خالہ بلی کو کہتے ہیں یہ بتایئے شیطان کی خالہ کس کو کہتے ہیں؟

جواب: آپ کو...... اب شرماؤمت۔

سوال: آپی آخر میں کوئی اچھی سی نصیحت کردیں جو زندگی بھر میرے کام آئے اللہ حافظ۔

جواب: نصیحت بزرگ کرتے ہیں اور ابھی میری عمر ہی کیا ہے خوش رہو۔

سونی علی...... ریشم مورو

سوال: آپی جن مردوں کو جس لڑکی سے دوسری شادی کرنی ہوتی ہے اس سے پہلی شادی کیوں نہیں کرلیتے؟

جواب: کیونکہ وہ ہمیشہ شادی کے بعد ہی ملتی ہیں اس لیے۔

سوال: مرد چار شادیوں کے باوجود ایکسٹرا لڑکی سے افیئر کیوں رکھتا ہے؟

جواب: بہتر سے بہتر کی تلاش میں ہوتا ہے بے چارہ۔

سوال: بیوی اپنے شوہر کی رہتی ہے یہ مرد اپنی بیوی کا کیوں نہیں رہتا خالص؟

جواب: تمہیں شوہر پر پی ایچ ڈی کرنی ہے کیا' ہر سوال میں شوہر نامدار کو اٹھا کرلے آئی ہو۔

سوال: آپی ہر بار ہمارے سوالوں سے لاجواب ہوجاتی ہیں' کیا جو جواب ہی نہیں دیتیں؟

جواب: ایسے فضول سوالوں سے بندہ اکتا تا ضرور جاتا ہے لاجواب نہیں ہوتا۔

نورین انجم...... کراچی

سوال: ٹھک ٹھک ٹھک...... سویٹ آنٹی دروازہ اوپن کیجیے نورین انجم تشریف لائی ہیں؟

جواب: تھوڑا صبر کرو' دروازے سے آپ کی والدہ محترمہ لگی ہیں وہ نکلیں گی تو جگہ بنے گی پھر آنا۔

سوال: یہ مچھر رات کے علاوہ دن کو بھی کاٹنے آجاتے ہیں ان سے کیسے بچاؤں خود کو؟

جواب: اسکول جایا کرو' وہاں مچھروں کا داخلہ بند ہے۔

سوال: میرے دونوں بھائی میرا کہنا نہیں مانتے کوئی مشورہ دیجیے؟

جواب: آپ امی کا کہنا مانا کریں وہ خود سیدھے ہوجائیں گے۔

سوال: میرے جانے سے آپ اداس کیوں ہوجاتی ہیں؟

جواب: کیونکہ سفید بندر پاکستان میں نہیں ہوتے اس لیے۔

مدیحہ نورین مہک...... برنالی

سوال: ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور کیسے ہوتے ہیں؟

جواب: جیسے تمہارے ہیں...... اب پلیز مزید فس کر ڈراؤمت۔

سوال: لوگوں کی گنج اتنی چمکتی کیوں ہے؟

جواب: مجھے تو تمہاری گنج بھی چمکتی ہوئی نظر آرہی ہے' یہ راز تم ہی بتادو۔

سوال: کوئی ایسا کام بتائیں جو کیے بغیر خود ہی ہوجائے؟

جواب: خیالی پلاؤ پکانے کا کام۔

سوال: بن بادل برسات کب ہوتی ہے؟

جواب: جب کام نہ کرنے پر اماں کی ڈانٹ سننے کو ملتی ہے تو تمہاری آنکھوں سے برسات ہی ہوگی ناں۔

سوال: اگر آپ کو سونے کا انڈہ دینے والی مرغی مل جائے تو؟

جواب: کچھ نہیں ہوگا مس شیخ چلی باز آجاؤ ایسے کاموں سے۔

سوال: چور کی داڑھی میں تنکا اگر داڑھی نہ ہو تو؟

جواب: تمہیں اس کی داڑھی کی اتنی فکر کیوں ہے کہیں تمہارے وہ بھی تو......

کام کی باتیں

حنا احمد

بیٹھنے کا صحیح انداز

اگر آپ کمر کے درد سے بچنا چاہتے ہیں تو ایسی کرسی کا انتخاب کریں جس کی نشست اور کمر ٹکانے کی جگہ سیدھی اور سخت ہو اگر آپ کو بیٹھنے کے لیے کوئی ایسی کرسی نہ مل سکے تو جو بھی کرسی ملے اس پر درست انداز سے بیٹھنے کا طریقہ سیکھ لیں۔ آگے کی طرف جھکاؤ سے خود کو محفوظ رکھنے کے لیے پہلے آپ اپنے سر کو پوری طرح پیچھے لے جائیں پھر اسے آگے کی طرف موڑیں یہاں تک کہ تھوڑی اندر کی طرف چلی جائے۔ اس طرح آپ دیکھیں گے کہ آپ کی پیٹھ بالکل سیدھ میں آ گئی ہے اس کے بعد آپ اپنے پیٹ کے پٹھوں کو سخت کریں تا کہ سینہ باہر کی طرف نکلے۔ بیٹھنے کی حالت میں اس پوزیشن کی بار بار نگرانی کرتے رہیں۔ کرسی پر بیٹھنے کی حالت میں آپ کی پیٹھ تو سیدھی ہونی ہی چاہیے اس کے ساتھ سرین کو بھی کرسی کی پشت سے مس کرنا چاہیے۔ فرش پر آپ کے پاؤں زمین کے بالکل برابر ہونے چاہئیں۔ ایک ہی پوزیشن پر بیس منٹ سے زیادہ دیر تک بیٹھنے سے گریز کریں اور کچھ دیر بعد پوزیشن تبدیل کر لیا کریں۔

☆ جسم بالخصوص کمر پر دباؤ کم کرنے کے لیے آگے کی طرف ہو کر بیٹھیں۔ پیٹ کے پٹھوں کو سخت کر کے اور گھٹنوں کو ایک دوسرے پر رکھ کر پیٹھ کو سیدھا کریں۔

☆ اگر کرسی کی پشت سے پیٹھ ٹکائی ہے تو پائیدان استعمال کریں اس سے کمر خم نہیں ہوگی اور اس پر بوجھ نہیں پڑے گا۔ کوشش کریں کہ گھٹنے سرین سے اوپر ہوں۔

☆ ڈرائیونگ کے دوران بیٹھنے کا درست طریقہ یہ ہے کہ آپ پیڈلز سے قریب تر ہوں کمر کو سیدھا رکھنے کے لیے سیٹ بیلٹ اور پیٹھ کے پیچھے رکھنے والی سخت چیزیں (بیک ریسٹ) بھی مارکیٹ میں دستیاب ہوتی ہیں۔

☆ اگر ڈرائیور کی سیٹ پیڈلز سے بہت دور ہوگی تو گاڑی چلاتے ہوئے اسے اپنی کمر کو موڑنے پر مجبور ہونا پڑے گا اس لیے بہتر یہ ہے کہ سیٹ کو آگے کی طرف سرکا لیا جائے۔

☆ اگر کرسی بہت زیادہ اونچی ہے اور آپ کے پاؤں مناسب انداز میں فرش پر ٹک نہیں رہے ہیں تو خوامخواہ پاؤں کی انگلیوں پر زور دینا پڑے گا جس سے کمر بھی خمیدہ ہوگی اور درد بڑھے گا۔

☆ بیٹھنے کی حالت میں گردن اور پیٹ کو جہاں تک ممکن ہو ایک سیدھ میں رکھیں تا کہ ریڑھ بھی سیدھی رہے۔ میز پر جھکنا ہو تو کمر کے بجائے سرین کو موڑیں۔

☆ صوفے پر بیٹھ کر گردن جھکا کر اگر کتاب یا رسالہ پڑھنے کی کوشش کی جائے تو اس سے گردن اور سر کے پٹھوں پر غیر ضروری دباؤ پڑتا ہے۔ کوشش کریں کہ ایسی صورت حال میں کتاب یا رسالہ آنکھوں کے متوازی ہو تا کہ گردن سیدھی رہے۔

منہ کی بدبو

اکثر لوگوں کے منہ سے بدبو آتی رہتی ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ "جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے" کے مصداق جو لوگ اس خرابی میں مبتلا ہوتے ہیں وہ خود اس سے بظاہر لاعلم نہیں آتے ہیں یا اسے بہت زیادہ اہمیت نہیں دیتے یا یہ سمجھتے ہیں کہ دوسروں کے منہ سے بھی اسی قسم کی بو آتی ہوگی جبکہ ان کے ساتھ کام کرنے والے اور زندگی گزارنے والے افراد ایک عجیب "گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل" کی کیفیت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ کوئی اگر ہمت کر کے ان سے ان کی اس خامی کا اظہار کر دے تو بہت کم لوگ ایسے ملیں گے جو اس پر اظہار تشکر کریں اکثریت لڑنے مارنے پر آمادہ ملے گی۔ منہ کی بدبو ایک بہت عام سماجی مسئلہ ہے جس کی وجہ حفظان صحت کے اصولوں کا خیال نہ رکھنے کے علاوہ

بعض عوارض اور مخصوص دواؤں کا استعمال بھی ہوسکتا ہے۔ ماہرین کی نظر میں اس کے تدارک کے لیے کچھ مشورے درج ذیل ہیں۔

دانتوں پر برش اور زبان کی صفائی

اگر آپ دانتوں کو خوب اچھی طرح برش کرتے ہیں لیکن زبان کی صفائی پر توجہ نہیں دیتے تو آپ کی ساری محنت اکارت جاسکتی ہے اور بدبو سے آپ پوری طرح پیچھا نہیں چھڑا سکتے۔ ہماری زبان کھردری ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس پر ہزاروں کی تعداد میں انتہائی چھوٹے چھوٹے بال جیسے ابھار (Ppaillae) ہوتے ہیں جو غذا کو آگے کی طرف حرکت دیتے ہیں۔ ان ابھاروں کے درمیان غذا کے ذرات پھنس سکتے ہیں' اس لیے اگر آپ باقاعدگی سے دانتوں کو برش کرنے کے علاوہ انہیں دھاگے سے فلاس بھی کرتے ہیں تو بھی آپ کی کھائی ہوئی غذا کا بہت معمولی حصہ آپ کی زبان پر باقی رہ سکتا ہے جس سے وہاں جراثیم پرورش پاسکتے ہیں اور ہائیڈروجن سلفائیڈ کے بھبکے اڑ سکتے ہیں۔ یہ وہی چیز ہے جسے دوسرے لوگ محسوس کرکے یہ شکایت کرتے ہیں کہ "آپ کے منہ سے بدبو آرہی ہے" ایسی صورت حال میں ماؤتھ واش سے مدد لی جاسکتی ہے لیکن زبان کی سلوٹوں اور شگافوں میں موجود جراثیم' مردہ خلیات اور غذائی ریزوں سے نجات کا سب سے بہترین طریقہ انتہائی کم خرچ "زبان تراش" (Tongue Scraper) سے زبان کی صفائی ہے۔ زبان تراش اگر دستیاب نہ ہو تو نرم ریشوں والے ٹوتھ برش سے بھی زبان کو رگڑا جاسکتا ہے۔ زبان کی سطح پر جتنی دور تک ممکن ہو اسے صاف کریں لیکن خیال رکھیں کہ متلاہٹ محسوس نہ ہو۔ علاوہ ازیں ایسا ٹوتھ پیسٹ استعمال کریں جس میں کلورین ڈائی اکسائیڈ شامل ہو یا Tea Tree Oil ملا ہوا ہو۔ یہ ایک طاقت ور جراثیم کش مادہ ہے' جس سے خوش گوار یوکلپٹس جیسی خوشبو بھی محسوس ہوتی ہے۔

ریشے دار غذاؤں کا زیادہ استعمال

ریشے دار غذائیں یقیناً آپ کی صحت کو بہتر رکھنے میں معاونت کرتی ہیں لیکن اس میں ایک قباحت یہ ہے کہ ریشے دار یا بھوسی والی غذاؤں سے پیٹ میں گیس بھی ہوتی ہے۔ پھل' سبزی' سالم اناج اور پھلیوں جیسی ریشے دار غذاؤں کے استعمال سے پیٹ زیادہ دیر تک بھرا ہوا ہوتا ہے لیکن یہی خوبی گیس جمع ہونے کا بھی سبب ہوتی ہے ان غذائی اشیا کے ریشے حل پذیر ہوتے ہیں لیکن بڑی آنت میں پہنچنے سے پہلے ہضم نہیں ہوتے جبکہ دیگر غذائیں عموماً چھوٹی آنتوں میں ہضم ہوجاتی ہیں۔ بڑی آنت میں موجود صحت بخش جراثیم ان ریشوں کو توڑتے ہیں اور اس عمل کے دوران ہائیڈروجن' کاربن ڈائی اوکسائیڈ یہاں تک کہ میتھین گیس بھی بنتی ہے بالآخر ان بدبودار گیسوں کو کہیں نہ کہیں خارج ہونا ہوتا ہے اور یوں ریاح یا ڈکار کی صورت میں ان کا اخراج ہوتا ہے۔ اس سے بچاؤ کی صورت یہ ہے کہ ریشے والی ساری غذائیں بیک وقت استعمال نہ کی جائیں بلکہ ہفتے کے سات دنوں میں ان کو تقسیم کرکے باری باری استعمال کریں تاکہ جسم ان کا عادی ہوسکے اگر آپ قبض سے بچاؤ کے لیے فائبر سپلیمنٹ استعمال کررہے ہیں تو اس کے ساتھ ایک گلاس بھر کے پانی پئیں اس کے علاوہ دن بھر مشروبات اور دیگر مائع اشیاء استعمال کرتے رہیں اس لیے کہ پانی اور دیگر رقیق چیزوں کے بغیر صرف ہضم کے نظام کے زور پر ریشے یا بھوسی آگے کی طرف حرکت نہیں کریں گے۔

ہالہ سلیم...... کراچی